مجموعہ خطوطِ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے

دینی علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی خطوط کا مجموعہ

جمع، ترتیب، حواشی

از

محمد راشد شیخ

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مجموعۂ خطوطِ گیلانی

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے

دینی، علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی خطوط کا مجموعہ

جمع، ترتیب، حواشی

از

محمد راشد شیخ

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel 021-34594144 Cell 0334-3432345

نام کتاب .... مجموعہ خطوط گیلانی

جمع، ترتیب .... محمد راشد شیخ

اشاعت اوّل .... جون 2011

تعداد 1100

ناشر .... فیاض احمد 0334-3432345 021-34594144

مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت ۔ اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ ۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
قدیمی کتب خانہ ۔ آرام باغ کراچی
ادارۃ الانور ۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ رشیدیہ ۔ سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ ۔ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ العارفی ۔ جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد
مکتبہ رحمانیہ ۔ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید ۔ اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ ۔ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
وحیدی کتب خانہ ۔ محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست

فہرست مکتوب الیہم بہ ترتیب حروف تہجی

عرضِ مرتب

دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں خطوط نگاری ایک اہم صنفِ ادب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں بے شمار خطوط لکھتا ہے، ان میں سے بعض خطوط بزرگوں کے نام، بعض دوست احباب کے نام اور بعض خوردوں اور شاگردوں کے نام ہوتے ہیں۔ خطوط نگاری اپنے جذبات اور احساسات کا فطری طریقۂ اظہار ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خط لکھتے وقت مکتوب نگار کے لاشعور میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ خط کبھی شایع بھی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کے ذاتی افکار اور خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور صنفِ ادب نہیں۔ ان خطوط کے ذریعے ہم مشاہیر کی زندگی کے ان گوشوں تک رسائی کر سکتے ہیں جو عام تحریروں کے ذریعے ممکن نہیں۔

اردو زبان میں خطوط نگاری کی تاریخ تقریباً دو سو سال پرانی ہے۔ اہل علم و تحقیق کے نزدیک شاعری کی طرح خطوط نگاری میں بھی غالبؔ کو انفرادیت حاصل ہے۔ غالبؔ کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے مرسلہ کو مکالمہ بنا دیا ورنہ ان سے قبل خطوط نگاری میں بے جا تکلفات، مرسع و مسجع عبارات اور مغلق اندازِ بیان کا رواج عام تھا۔ غالب کے زمانے سے لے کر عہد جدید تک بے شمار لوگوں کے خطوط، رسائل اور کتابی شکل میں شایع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مشاہیر کے خطوط کے حوالے سے معروف ادبی رسالے 'نقوش' کے مکاتیب نمبر اور خطوط نمبر میں خطوط کا بہت بڑا خزانہ محفوظ ہو گیا ہے۔

اردو زبان میں جس طرح اہل علم و ادب کے خطوط کے بہت سے مجموعے شایع ہوئے، اسی طرح علمائے دین کے بھی خطوط مجموعوں کی شکل میں شایع ہو چکے ہیں۔ اب

تک جن مشاہیر اہل قلم کے خطوط مجموعوں کی شکل میں شایع ہو چکے ہیں ان میں: مرزا غالبؔ، علامہ شبلی نعمانی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، سر سیّد احمد خان، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، علامہ اقبال، امیر مینائی، مولانا محمد علی جوہر، بابائے اردو مولوی عبدالحق، مولانا عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، محمد علی ردولوی و دیگر مشاہیر شامل ہیں۔

ان سطور کے عاجز راقم کو خطوطِ مشاہیر کے مطالعے کا عرصے سے ذوق ہے۔ اس حوالے سے اردو کے بیشتر اہل قلم کے خطوط نظر سے گزر چکے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتب اور مضامین کا مطالعہ راقم ایک عرصے سے کر رہا ہے۔ آج سے تقریباً دس برس قبل جب مولانا کے خطوط کے مجموعے کی تلاش کی تو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس قدر معروف مصنف، انشا پرداز اور عالم دین ہونے کے باوجود مولانا کے خطوط کی جمع آوری اور کتابی شکل میں حفاظت کا خاطر خواہ کام اب تک نہ ہو سکا۔ مزید تحقیق سے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ پاکستان کے کسی ناشر نے اب تک مولانا کے خطوط کا کوئی مجموعہ شایع نہیں کیا حالانکہ مولانا کی کتب یہاں سے بار بار شایع ہوتی ہیں۔ حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا کے معاصرین کے خطوط کے متعدد مجموعے اب تک شایع ہو چکے ہیں جن میں مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی و دیگر معاصرین کے خطوط کے ایک سے زائد مجموعے کتابی شکل میں محفوظ ہیں۔ مزید تحقیق سے علم ہوا کہ مولانا گیلانی کے خطوط کا اب تک صرف ایک مجموعہ شایع ہو سکا ہے اور اس کی اشاعت کو بھی اب چالیس سال ہونے کو آئے ہیں۔ یہ مجموعہ 'مکاتیبِ گیلانی' کے عنوان سے ۱۹۷۲ء میں دار الاشاعت رحمانی مونگیر (بہار) سے شایع ہوا۔ اس مجموعے کے مرتب مولانا منت اللہ رحمانی ہیں۔ 'مکاتیب گیلانی' کی فوٹو کاپی کے حصول اور اس کے مطالعے کے بعد علم ہوا کہ مرتب موصوف کے نزدیک یہ خطوطِ گیلانی کی جلد اوّل تھی لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس کی دوسری جلد شایع نہ ہو سکی۔ اس مجموعے میں جن خواتین و حضرات کے نام مولانا گیلانی کے خطوط موجود ہیں اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

'مکاتیبِ گیلانی' مولانا مناظر احسن گیلانی کے خطوط کا پہلا مفید مجموعہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اس میں صرف خطوط ہی جمع کر کے شایع نہیں کیے گئے بلکہ وضاحتی حواشی پر بھی خاصی محنت کی گئی ہے۔ وضاحتی حواشی کے لیے مولانا گیلانی کے قریبی رفیق اور شب و روز کے ساتھی مولانا عبدالباری ندویؒ سے بھی مدد لی گئی اور ان کا مولانا گیلانی پر مفید اور معلومات افزا مضمون 'بڑا نادر سنگم۔ دل اور دماغ دونوں کا' بصورت مقدمہ شایع کیا گیا۔ البتہ اس مجموعے کے مطالعے کے دوران قاری کو ایک معاملے میں الجھن کا احساس ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وضاحتی حواشی تحریر کرتے وقت اختصار اور جامعیت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ حواشی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن مشاہیر کے خطوط میں سب سے اہم چیز خطوط کا درست متن ہوتا ہے۔ وضاحتی حواشی جس قدر مختصر ہوں اتنا ہی مناسب ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور حیرت انگیز انکشاف یہ ہوا کہ 'مکاتیب گیلانی' میں موجود مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کے نام خطوط نامعلوم وجوہ کی بنا پر مکمل شایع نہیں کیے گئے اور نہ ہی کہیں اس بات کی وضاحت کی گئی۔ مزید حیرت اس پر ہوئی کہ مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کے نام کل ۱۸ خطوط اس مجموعے کی اشاعت سے تقریباً دس برس قبل ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ بابت فروری تا مئی ۱۹۶۳ء میں مکمل صورت میں شایع ہو چکے تھے، ان میں سے چھ خطوط ایسے ہیں جو 'مکاتیب گیلانی' میں بھی شامل ہیں لیکن نامکمل شکل میں۔ یہ خطوط درج ذیل ہیں:

(۱) ۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ۔ مطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۹ء، (۲) ۱۵ر مارچ ۱۹۴۳ء (۳) ۱۷ر اگست ۱۹۴۴ء (۴) ۱۰ر نومبر ۱۹۴۴ء (۵) ۶ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق (۶) ۲۴ر اپریل ۱۹۴۵ء۔ ان چھ خطوط کے علاوہ 'معارف' بابت مئی ۱۹۶۳ء میں شایع شدہ

مولانا گیلانی کے چار اہم خطوط بنام مولانا سیّد سلیمان ندوی بھی اس مجموعے میں شامل نہ ہو سکے۔ہم نے مولانا گیلانی کے ان تمام خطوط میں غیر موجود تمام عبارات 'معارف' کے مذکورہ بالا شماروں نقل کر کے قوسین میں درج کر دی ہیں تا کہ خطوط مکمل صورت میں شائع ہوں۔دوسرا کام یہ کیا ہے کہ 'مکاتیب گیلانی' کے حواشی کی تلخیص کر دی ہے اور اس میں افادیت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔'مکاتیب گیلانی' میں شامل شدہ خطوط کے علاوہ اس مجموعے کے تمام خطوط کے لیے وضاحتی حواشی لکھے گئے ہیں تا کہ قارئین کو خطوط کے درست مطالب تک بآسانی رسائی ہو۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی تحریروں کے مطالعے کا راتم ایک عرصے سے شائق ہے لیکن ان کے خطوط کا اب تک صرف ایک ہی مجموعہ 'مکاتیب گیلانی' کے نام سے زیر مطالعہ رہا۔البتہ مولانا کے خطوط جو مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے تھے ،ان کے مطالعے اور جمع آوری کا کام بھی جاری رہا اور شخصی روابط کے ذریعے بھی خطوط حاصل کیے۔بعض اوقات یہ بات بھی ذہن میں آئی کہ خطوطِ گیلانی کا ایک جامع مجموعہ جدید انداز سے مدون کر کے شائع کیا جائے لیکن کشاکشِ روزگار میں یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔شاید عربی زبان کے مقولے کُلُّ امرٍ مَرھُونٌ باوقاتِہا کا وقت نہ آیا تھا۔

راقم الحروف کا جن اہل علم سے قلمی رابطہ رہا ان میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (سابق صدر شعبہء عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) بھی شامل ہیں۔ان کا انتقال مورخہ ۳۰ر جون ۲۰۱۰ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ڈاکٹر صاحب مشاہیر کے خطوط کی جمع آوری اور مطالعہ کے بے حد شوقین تھے۔ان کے ایک مکتوب کے ذریعے علم ہوا کہ وہ مولانا گیلانی کے متعدد خطوط جمع کر چکے ہیں لیکن ان کی اشاعت ان کے بس سے باہر ہے۔ہم نے ان کو یہ پیشکش کی کہ اگر انا خطوط کی نقلیں وہ روانہ فرما دیں تو مولانا گیلانی کے خطوط کے مجموعے میں شامل ہو جائیں گے۔ڈاکٹر صاحب نے انتقال سے کچھ ہی عرصہ قبل جمع شدہ خطوط،ان کی نقلیں اور منتشر اوراق روانہ فرمائے۔یہ سارے کاغذات اس قدر غیر مرتب تھے کہ ان کو ایک خاص ترتیب میں لانے اور ان کی کمپوزنگ پر خاصی محنت کرنی پڑی۔مختصراً یہ کہ ہم نے پیش نظر مجموعے میں جو خطوط جمع کیے ہیں وہ تین ذرائع سے حاصل کیے گئے:

۱۔'مکاتیب گیلانی' مرتبہ مولانا منت اللہ رحمانی میں موجود خطوط جن کی تکمیل 'معارف' میں شایع شدہ خطوط سے کی اور جن کے حواشی کو مختصراً شامل کیا گیا اور بعض نئے حواشی بھی لکھے۔

۲۔مختلف اصحاب کی عنایت سے اور رسائل و جرائد و کتب میں محفوظ خطوط جو راقم الحروف نے رسائل کی فائلوں اور شخصی روابط کے ذریعے حاصل کیے۔

۳۔ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے ارسال کردہ خطوط

جب ان خطوط کی جمع آوری کا کام مکمل ہوگیا تو تمام خطوط کے لیے از سر نو وضاحتی حواشی کی تحریر، ترتیب، کمپوزنگ اور تصحیح کا آغاز کیا گیا۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطوط کی ترتیب سے متعلق بھی کچھ عرض کیا جائے۔ عام طور پر اردو خطوط کے مجموعوں میں دو طرح کی ترتیب پائی جاتی ہے۔ ایک تو ہر مکتوب الیہ کے نام خطوط کی ترتیب جس میں تاریخی ترتیب سے تمام خطوط جمع کر دیے جاتے ہیں۔ دوسری ترتیب تمام مکتوب الیہمان کے درمیان ہے۔ اس دوسری ترتیب میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مرتبین تمام مکتوب الیہمان کو ابجدی ترتیب سے جمع کر دیتے ہیں یعنی جس شخص کا نام 'الف' سے شروع ہو رہا ہے سب سے پہلے اس کے نام تمام خطوط تاریخی ترتیب سے اور اس کے بعد 'ب' سے شروع ہونے والے اور اسی طرح آخر تک۔ ہم نے اس مجموعے میں پہلی ترتیب تو وہی رکھی ہے لیکن دوسری ترتیب یعنی تمام مکتوب الیہمان کے درمیان ابجدی ترتیب کے بجائے یہ مناسب سمجھا کہ ان تمام کے نام اولین خط کس تاریخ کو لکھا گیا، اسی ترتیب سے جمع کیا جائے۔ یہ ترتیب ابجدی ترتیب سے زیادہ بہتر اور منطقی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے مکتوب الیہمان کی ابجدی فہرست بھی شامل کی ہے جس سے یہ علم ہوگا کہ کس شخصیت کے نام خطوط کا آغاز کس صفحے سے ہو رہا ہے۔ خطوط کی ترتیب میں ایک دشواری ایسی آئی جس کا ذکر مناسب ہے۔ وہ یہ کہ کئی خطوط ایسے ہیں جن پر کوئی تاریخ ہی نہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے مکتوب الیہ کا علم نہیں۔ اس مشکل کا حل یہ نکالا کے مولانا گیلانی کے تمام خطوط کا بغور مطالعہ کر کے ان کو تین ادوار میں تقسیم کیا یعنی:

پہلا دور: جب مولانا ٹونک اور بعد ازاں دیوبند میں بطور طالب علم رہے۔ اس دور کا

آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے اور یہ ۱۹۱۴ء تک محیط ہے۔

دوسرا دور: آغازِ ملازمت عثمانیہ یونورسٹی سے ملازمت سے سبکدوشی تک۔ یہ دور ۱۹۲۰ء تا مارچ ۱۹۴۹ء کے عرصے پر محیط ہے۔

تیسرا دور: حیدر آباد میں ملازمت سے سبکدوشی سے انتقال تک۔ یہ دور مارچ ۱۹۴۹ء سے جون ۱۹۵۶ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔

اس طرح جن خطوط پر تاریخ تحریر نہیں انھیں اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر ان تین ادوار میں سے کسی دور میں رکھا گیا۔ مولانا گیلانی خطوط میں قدیم املا استعمال کرتے تھے، اس کے علاوہ کئی الفاظ مرکب استعمال کرتے تھے۔ ہم نے قدیم املا کے بجائے مروجہ جدید املا کو اختیار کیا ہے مثلاً دیجئے، کیجئے، کہئے وغیرہ کو دیجیے، کیجیے، کہیے سے بدل دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب کچھ خطوط گیلانی کے محاسن پر بھی کچھ عرض کیا جائے۔ دیگر تحریروں کی طرح مولانا گیلانی کے خطوط بھی وسعتِ مطالعہ، تبحرِ علمی اور جاذب طرزِ نگارش کی عمدہ مثال ہیں۔ مولانا کثرت سے خطوط نویسی کرتے تھے۔ ان کے ہر خط میں علمی و تحقیقی نکات اور کام کی باتیں موجود ہیں۔ اردو زبان و ادب سے بھی مولانا کا بہت گہرا تعلق تھا۔ اردو کے اچھے نثر نگاروں کی طرح مولانا گیلانی ایک لطیف اور دلکش اندازِ بیان کے مالک تھے۔ ان کے خطوط ان کی روزمرہ زندگی کی طرح تکلفات سے عاری ہیں اور ان خطوط میں بے تکلفی اور یگانگت کی فضا موجود ہے۔ مولانا خطوط نویسی کے لیے عموماً پوسٹ کارڈ استعمال کرتے تھے لیکن سادہ کاغذوں پر بھی ان کے خطوط موجود ہیں۔ وہ خفی نویسی کے ماہر تھے۔ ان کا خط پختہ ہے اور آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔ تاریخ کہیں خط کی ابتدا میں اور کہیں بالکل آخر میں لکھی ہے۔ کبھی صرف ہجری تاریخ لکھتے اور کبھی ہجری اور عیسوی دونوں۔ جن خطوط پر صرف ہجری تاریخ لکھی ہے، ہم نے تقویم کی مدد سے قوسین میں عیسوی تاریخ بھی لکھ دی ہے۔ مولانا کا خطوط نویسی میں یہ خاص انداز تھا کہ مکتوب الیہ کو خاص القابات لکھتے جن سے ان کی محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا مثلاً مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، مولانا کے بزرگ اور محسن تھے، ان کے نام مکاتیب میں انھیں سیدی الامام قدوۃ الانام کے لقب سے، مولانا سیّد سلیمان ندوی کو سیّدی و سیّد المسلمین، سیّد الامام علامہ کے

لقب سے اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کو اے العزیز النسیب الکریم، اے الشاب الباء الراشد، اے الاخ الصالح السعید اور اسی طرح دیگر القاب سے مخاطب کیا ہے۔ پیش نظر مجموعۂ خطوط کا دور تقریباً اڑتالیس برسوں پر محیط ہے۔ اس میں پہلا خط مورخہ ۵؍عید الاضحیٰ ۱۳۲۵ھ (مطابق ۹؍فروری ۱۹۰۸ء) کا تحریر کردہ اور آخری خط انتقال سے ایک روز قبل مورخہ ۴؍جون ۱۹۵۶ء کا تحریر کردہ ہے۔

مولانا گیلانی کی زندگی کی طرح ان کے خطوط میں بھی منکسر مزاجی اور کسر نفسی کی مثالیں ملتی ہیں۔ مولانا نے تعلیمی زندگی کے سات سال ٹونک میں گزارے تھے۔ وہ عمر بھر اپنے استاد حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی اور ان کی اہلیہ محترمہ (دادی صاحبہ حکیم سیّد محمود احمد برکاتی) کے احسانات کو نہیں بھولے۔ جب حکیم سیّد محمود احمد صاحب نے مولانا کو خط لکھا تو اس کے جواب میں ان کی دادی صاحبہ کو کس کسر نفسی سے جواباً لکھا:

"آپ کے گھر کا پروردہ نمک خوار غلام، مناظر احسن گیلانی شرم وندامت کے ساتھ درِ دولت پر حاضر ہے۔ بالکل خلافِ اُمید آپ کا والا نامہ برخوردار محمود میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اجمیر سے ملا۔ پرانا نقشہ زندگی کا انکھوں کے سامنے گھومنے لگا، یاد آ گیا وہ سارا قصہ حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ، ان کی مہربانیاں اور ہمارے بھائی جن کو حقیقی بھائی سے بھی زیادہ چاہتا تھا، سب کا خیال آیا دیر تک روتا رہا۔ حضرت کو میں یاد ہوں لیکن میری نالائقی کہ حاضری کی سعادت حاصل نہ کر سکا آپ سے کیا عرض کروں، بھائی مرحوم کی وفات کے بعد ٹونک کا کوئی نام بھی لیتا ہے تو کلیجہ دہل جاتا ہے۔"

(مکتوب مورخہ ۲۰؍رجب ۱۳۶۱ھ مطابق ۴؍اگست ۱۹۴۱ء)

اسی طرح جب حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے اپنی دادی صاحبہ کے انتقال کی خبر جب مولانا کو اپنے خط میں دی تو انھیں جواباً لکھا:

"برسوں آپ کے والد مرحوم اور اس فقیر نے ایک ہی دسترخوان پر حقیقی بھائیوں کی طرح کھانا کھایا تھا اور مرحومہ محترمہ تغمد اللہ بغفرانہ نے ہم دونوں کے متعلق کبھی فرق نہیں فرمایا، جو وہ کھاتے تھے وہی ہم غریب الوطن طالب

علم کو بھی کھلایا جاتا تھا اگرچہ سچ یہ ہے کہ آپ کے گھر میں میرا قیام آٹھ دس سال تک جو رہا وہ طالب علم کی حیثیت سے نہ تھا۔ میں اپنے گھر سے الگ ہو کر آیا تھا لیکن اس گھر سے زیادہ آرام دہ گھر میں پہنچا دیا گیا۔ ماں باپ سے الگ کیا گیا تھا لیکن ان سے زیادہ مہربان مشفق ماں اور باپ کی گود میں ڈال دیا گیا تھا۔ پھر زندگی کا وہ لذیذ دور واپس نہ ہوا۔ میں چودہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے سیکڑوں میل دور بہار سے راجپوتانہ پہلی دفعہ آیا تھا۔ اب خیال آتا ہے کہ کامل ڈھائی سال تک جو اس نو عمری میں مجھے اپنے گھر کا خیال نہ آیا تھا کہ پہلی دفعہ اپنے وطن ٹونک سے ڈھائی سال بعد ہی واپس ہوا تھا اس کے اسباب کیا تھے! میری ماں بھی ٹونک میں موجود ملیں میرے باپ بھی اور میرے بھائی بھی۔ آہ! کہ ایک ایک سے جدا ہو گیا۔"

(مکتوب مورخہ ۲ رشوال ۱۳۶۲ھ مطابق ۲ را کتوبر ۱۹۴۳ء)

حکیم سیّد محمود احمد برکاتی صاحب نے اپنے ایک خط میں مولانا کو عــــمّ یعنی چچا لکھا تو اس کے جواب میں مولانا نے یہ لکھا:

"آپ نے اس فقیر کو لفظِ "عـــــمّ" کے بعد خطاب فرمایا ہے مبالغہ نہیں کر رہا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، یقین کیجیے کہ آپ کے آستانے کا یہ فقیر ایک ادنیٰ ترین خادم اور آپ کے گھر کا ایک موروثی نمکخوار ہے۔ ایاز کو اس کی حد ہی سے آگے نہ بڑھایئے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے والد برد اللہ مضجعہ کی غایت بے غایت سے ضرور سرفراز تھا لیکن ایاز بہرحال ایاز ہے اور محمود، محمود۔ آپ کی یہ شرافت نفسی اور نجابت خاندانی کا تقاضہ ہے لیکن میری آنکھیں تو ان حروف پر بھی جم نہیں سکیں۔" (مکتوب دسمبر ۱۹۵۱ء

اسی حوالے سے ایک اور خط بنام مدیر سہ روزہ 'مدینہ' بجنور میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الہند" سے تلمذ ہی کی نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کور بخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی شکم پروری" کے قصوں میں

اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں۔ نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ میرا سر پھوڑنے میں گزر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنہوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔"

مولانا گیلانی وسیع المطالعہ اور اخاذ ذہن کے مالک تھے۔ وہ اپنے خطوط میں بڑی بے تکلفی سے قرآنی آیات کا استعمال کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے میں وہ ڈاکٹر سیّد عبدالعلی صاحب (برادر بزرگ مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی) کے زیر علاج تھے۔ اپنے ایک خط بنام مولانا عبدالباری ندوی میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب سخت ہیں اور میں بھی ان کا اتباع و اطاعت اس حیثیت سے کر رہا ہوں جیسے کسی طبیب کی نہیں بلکہ امام کی کرنی چاہیے۔ دوا بھی کچھ دے رہے ہیں، لیکن نہ مغربی ہے نہ مشرقی "لاشرقية و لا غربية" (نور) بلکہ کچھ اور ہے۔" (مکتوب مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

مولانا گیلانی حیدر آباد دکن میں سیتا پھل منڈی کے نزدیک رہائش پذیر تھے۔ اس جگہ خانہ بدوش قوم کی جھونپڑیاں بھی تھیں۔ ایک دفعہ جب عشاء کی نماز کے لیے مسجد جانے لگے تو سانپ جیسی کوئی چیز ہلتی نظر آئی۔ دراصل یہ رسّی تھی جو شریر لڑکوں نے بچھائی تھی۔ مولانا سانپ سمجھ کر گر گئے اور سینے پر چوٹیں بھی آئیں۔ اس واقعے کو بڑے دلچسپ انداز میں مولانا عبدالباری ندوی کو لکھا اور قرآن کے وہی الفاظ استعمال کیے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں وارد ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"حوادث کا عجب حال ہے، عشاء کی نماز کے لیے مسجد جا رہا تھا پارویوں کے لونڈوں نے راستہ میں "حبالهم" کو یخيّل اليه انّها تسعىٰ کی شکل میں ڈال دیا تھا اور کسی طرف چھپے ہوئے ڈور کے ایک سرے کو ہلا رہے تھے، خدا

جانے دام کس لیے بچھایا گیا تھا، آ گیا اس میں پندہ۔ تاریکی میں اندازہ زیادہ نہ ہوسکا، سانپ ہی کا خیال گزرا۔ بزدل تو فطرتاً ہوں، تڑپ کر آگے کی طرف بھاگا، لیکن پاؤں میں دوڑنے کی قوت کہاں تھی۔ چاروں شانے چت گرتا تو شاید زیادہ تکلیف نہ ہوتی، سینے کے بل گرا گھٹنوں اور موڑھے میں چوٹ تو خیر معمولی تھی، لیکن سینے پر شدید ضرب آئی، تاہم بدن جھاڑ کر اٹھ گیا۔" (مکتوب مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۴۶ء)

مولانا گیلانی کے خطوط میں بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت، حوصلہ افزائی اور انھیں درست مشورے جا بجا ملتے ہیں۔ ایک خط میں اردو کے نامور محقق جناب نصیر الدین ہاشمی کو لکھتے ہیں:

"خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدردان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پُر مواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے احسانات سے اُردو زبان سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ دکن کی اردو کے آپ ہی ابوالاباء یا ہیر ڈوٹس ہیں۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اوّلیت کا اجر آپ ہی کے لیے مختص رہے گا۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر، میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کرسکتا ہے۔"

مولانا گیلانی کی دیگر تحریروں کی طرح دینی معلومات اور نکتہ آفرینی بھی ان خطوط میں جا بجا نظر آئے گی۔ مثلاً ایک ایسے نو مسلم نوجوان کو جو پہلے ہندو تھا کس عمدگی سے حوصلہ افزا کلمات لکھے ہیں:

"یہ آپ کے دل کی صفائی اور نیت کی پاکی کی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے عام حالات کے خلاف سچائی کی پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس نو عمری میں آپ نے بڑی لمبی منزل ختم کرلی۔ قصہ تو مختصر تھا لیکن لوگوں نے اس کو لمبا کردیا۔ پیدا کرنے والا بھی ایک اور انسانی نسل بھی ایک، کھانے پینے بہانس

لینے اور اسی قسم کی ساری ضرورتیں جیسے ہمیشہ سے آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں بجنسہٖ اسی طرح سے ان سوالات کے جواب آدمی کا دل ہمیشہ ڈھونڈتا رہتا ہے کہ آخر میں کس غرض سے یہاں پیدا کیا گیا ہوں۔ سر ا اور اس سارے سنسار کو نمایاں کرنے والا کیا ہے، کون ہے، کچھ دن جینے کے بعد مر جانے پر سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے، اس بیکار کھیل کے کھیلنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟ پیدا کرتا جائے اور مارتا جائے بس یہی اس کا کام ہے یا واقع میں کوئی بڑا مقصد زندگی کے اس نظام کا ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا ہماری کیا ہے، انتہا کیا ہے، ہمارے وجود کا مدعا کیا ہے؟ ان سوالوں سے کسی قوم کسی ملک کا دل و دماغ کسی زمانہ میں خالی نہیں رہا ہے۔ وہی خدا جو ہماری پیاس کے لیے پانی، ہماری بھوک کے لیے اناج اور غذا پیدا کرتا رہتا ہے ہماری فطرت کے ان سوالوں کا جواب بھی ہمیں بتاتا رہا ہے۔ خدا کی طرف سے بتائے ہوئے اس جواب کا نام مذہب اور دین ہے۔"

اسی خط میں دینِ اسلام کے دینِ حق ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یقین کیجیے کہ جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں پر چلتا ہے وہ کسی سچے دین اور دھرم سے الگ نہیں ہوا بلکہ ان ساری کتابوں کو پڑھتا ہے جو خدا کی کتابوں کے نام سے پیغمبروں نے دنیا کو دیا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مان لینا ان سارے بزرگوں کو مان لینا ہے جنھوں نے خدا سے علم پایا تھا۔"

رسول اللہ ﷺ کے مقصد بعثت کے بارے میں اسی نوجوان کو لکھتے ہیں:

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے آئے ہیں کہ اپنے اپنے بزرگوں اور ان کی سچی تعلیموں سے جو لوگ بچھڑ گئے ہیں پھر سب کو ان کے قدموں پر جھکا دیں اور ان کے صحیح سچے علم کا ان کو وارث بنا کر دیں، دنیاوی

بھلائیوں کی راہ ان پر کھول دیں۔ کسی سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
چھڑانے نہیں آئے تھے، ملانے آئے تھے۔ بحمد اللہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر آپ اپنے اصلی بزرگوں کے قدم پر پہنچ گئے۔ آپ کو
قرآن میں وہ سب کچھ مل گیا جسے ہندوستان کھو بیٹھا تھا۔"

آخر میں راقم الحروف ان تمام حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے خطوط گیلانی کی فراہمی میں تعاون فرمایا خصوصاً حکیم سیّد محمود احمد برکاتی، جناب اسرائیل احمد مینائی اور جناب عبدالعلیم قدوائی ہمارے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد احسان الحق صاحب (صدر شعبۂ اردو قرطبہ یونیورسٹی پشاور) کا بھی راقم احسان مند ہے جنھوں نے تصحیح کے مشکل کام میں نہ صرف معاونت فرمائی بلکہ اس مجموعے کی ترتیب اور خطوط کے حصول کے حوالے سے مفید مشورے بھی دیے۔ حواشی کے لیے مطلوبہ معلومات اور بعض اشعار کے تراجم کے لیے جناب فیصل احمد بھٹکلی ندوی اور پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء اللہ حسینی صاحب سے معاونت ملی جن کا شکریہ واجب ہے۔ اس مجموعے کی دیدہ زیب اشاعت کے لیے ہم جناب فیاض احمد، مدیر مکتبہ عمر فاروقؓ کراچی کے مشکور ہیں جنھوں نے بخوشی اس کی اشاعت پر آمادگی ظاہر فرمائی۔

خطوط گیلانی کا یہ مجموعہ اس موضوع پر حرف آخر ہرگز نہیں۔ ان شاء اللہ مولانا گیلانی کے مزید خطوط کی تلاش جاری رہے گی۔ اگر غیر مطبوعہ خطوط خاطر خواہ تعداد میں دستیاب ہو گئے تو اس کتاب کی جلد دوم بھی شائع کی جائے گی

وَمَا توفِیقِی اِلّا باللّٰہِ العَلِیِ العَظِیم

محمد راشد شیخ

الفلاح، ملیر ہالٹ کراچی

مولانا مناظر احسن گیلانی۔ مختصر سوانح

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال، موضع استھاواں (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا مولانا احسن گیلانی اپنے وقت کے جیّد عالم دین اور نامور استاد تھے۔ مولانا احسن گیلانی کی زندگی کا یہ منفرد واقعہ ہے کہ انھوں نے تعلیم، شادی اور اولاد ہونے کے بعد حاصل کی۔ ان کا تعلق زمینداری سے تھا لیکن ایک روز کسی نے طنزاً بعض جملے ایسے کہے کہ ان کے ذہن میں تحصیل علم کا ارادہ پختہ ہوگیا اور بیوی بچے، گھر بار سب کو چھوڑ کر گیلانی سے روانہ ہوئے اور کامل چودہ سال تحصیل علم کے بعد اس وقت واپس ہوئے جب بیٹا جوان ہو چکا تھا۔ گھر واپسی کے بعد انھوں نے درس و تدریس کا سلسلہ 'گیلانی' میں شروع کیا جہاں ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے طلبہ اس دور افتادہ گاؤں تک پہنچے اور تحصیل علم کے بعد واپس ہوئے۔ ان طلبہ میں ہزارہ سے آنے والے ایک طالب علم مولانا عبداللہ ہزاروی بھی تھے جو تحصیل علمی کے بعد گیلانی ہی میں متوطن ہو گئے اور بقیہ زندگی اسی گاؤں میں بسر کی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کے والد مکرم کا نام حافظ ابوالخیر تھا جنھوں نے اپنے والد کی زندگی ہی میں حفظِ قرآن کیا۔ جب ان کی عمر چودہ برس تھی تو ان کے والد مکرم کا انتقال ہو گیا چنانچہ مزید تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور انھوں نے کاشت کاری اور زمینداری کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حافظ ابوالخیر ایک فیاض، غریب پرور اور سادہ زندگی کے عادی بزرگ تھے ۔ ان کا انتقال ۱۹۲۹ء میں ہوا۔ حافظ ابوالخیر کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سب سے بڑے مولانا مناظر احسن گیلانی پھر مکارم احسن اور سب سے چھوٹے مظہر احسن

تھے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی پیدائش سے قبل آپ کے دادا مولانا احسن گیلانی کا انتقال ہو چکا تھا۔آپ کی پرورش والد مکرم حافظ ابو الخیر اور چچا مولانا حکیم ابو النصر کے زیر سایہ ہوئی۔آپ کے چچا کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے ساری توجہ اپنے بھتیجے کی تعلیم و تربیت پر دی۔مولانا مناظر احسن نے ابتدائی تعلیم گیلانی ہی میں چچا محترم سے حاصل کی۔اس ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے چچا اور گھر والوں کی خواہش تھی کہ آپ کو ایک اچھے تعلیمی ماحول میں پہنچایا جائے۔اس زمانے میں مولانا احسن گیلانی کے شاگرد مولانا حکیم دائم علی بھی تھے جن کا تعلق تو میر نگر (بہار) سے تھا لیکن وہ اپنی محنت سے ریاست ٹونک کے دربار سے منسلک ہو کر طبیبِ خاص ہو گئے تھے۔مولانا حکیم دائم علی کے صاحب زادے مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی تھے جو طبیبِ خاص ہونے کے ساتھ معقولیات کے بہت بڑے عالم تھے۔ان سے اکتساب علمی کی خاطر ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے طالب علم ٹونک پہنچتے تھے۔مولانا مناظر احسن گیلانی کو بھی ۱۳۲۴ھ (مطابق ۱۹۰۶ء) میں گیلانی سے ٹونک بھجوادیا گیا جہاں مسلسل سات سال تک آپؒ مولانا برکات احمد ٹونکی کے زیر تربیت و تعلیم رہے۔مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی یہ تعلیمی خدمت فی سبیل اللہ کرتے اور مدرسہ یا کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔صرف یہی نہیں بلکہ اپنے گھر سے روزانہ طلبہ کو دونوں وقت کھانا بھی کھلاتے تھے۔معقولی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو ادب کا ذوق بھی مولانا گیلانی پر اسی دور میں غالب آیا۔اس کے علاوہ یہیں آپ نے اپنی زندگی کی پہلی تقریر کی جو جامع مسجد ٹونک میں ہوئی۔اسی زمانے میں مولانا گیلانی کچھ عرصہ کے لیے اجمیر گئے اور وہاں مولانا معین الدین اجمیری کے ہاں آپ کا قیام رہا۔مولانا معین الدین اجمیری سے آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کا ذکر سنا اور فیصلہ کر لیا کہ حدیث کی تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند جائیں گے اور شیخ الہندؒ سے تلمذ اختیار کریں گے۔

مولانا گیلانی نے شوال ۱۳۳۱ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۱۳ء) کو دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔اس دور میں دار العلوم میں بلند پایہ اساتذۂ کرام موجود تھے جن سے مولانا فیضیاب ہوئے۔دار العلوم کے طالب علموں میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ

کابل، قندھار، بخارا، چینی ترکستان، کاشغر اور دوسرے ممالک کے طلبہ موجود تھے۔ مولانا گیلانی اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں نہ صرف حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھی بلکہ ان سے بیعت بھی ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی نصیحت کے مطابق آپ نے رسالہ 'القاسم' میں مضمون نگاری کا بھی آغاز کیا۔ اس رسالے میں آپ کا پہلا مضمون 'خیر الامم کا طغرائے امتیاز' کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ جن نامور اساتذہ سے مولانا گیلانی کو یہاں تلمذ کا شرف حاصل ہوا ان میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا میاں اصغر حسینؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا غلام رسولؒ، مولانا گل محمد خانؒ، مولانا حکیم احمد حسن برادر حضرت شیخ الہندؒ شامل ہیں۔

شعبان ۱۳۳۲ھ (مطابق جولائی ۱۹۱۴ء) میں مولانا گیلانی نے دورۂ حدیث کا سالانہ امتحان دیا اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دوبارہ ٹونک پہنچے اور وہاں پہلے کتب خانہ مدرسۂ خلیلیہ میں فہرست ساز اور بعد ازاں مدرس کی ملازمت کی۔ ٹونک کا یہ قیام تقریباً پانچ ماہ رہا۔ مولانا گیلانی اس زمانے میں معاشی طور پر بہتر ملازمت کی خواہش رکھتے تھے اور انھیں یہ بھی علم تھا کہ ٹونک سے انھیں جانے نہیں دیا جائے گا۔ ٹونک سے بغیر کسی کو اطلاع دیے حیدر آباد دکن پہنچے اور مولانا انوار اللہ خان کے ہاں مدرسہء نظامیہ میں قیام کیا اور شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب 'فتوحات مکیہ' کے درس میں شریک ہوئے۔ یہیں مہاراجہ کشن پرشاد شاد سے تعارف ہوا مہاراجہ کی خواہش کے باوجود آپ نے ایک غیر مسلم کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کیا اور ایک دوست کی معیت میں گجرات کے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ احمد آباد سے مولانا گیلانی ۱۳۳۴ھ کے ابتدائی مہینوں میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور یہاں مدرسی کی ملازمت اختیار کی۔ چند ماہ کے بعد دیوبند سے اپنے وطن گیلانی (بہار) جانا ہو۔ یہاں ایک صاحب کے مشورے پر ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وطن میں رہ کر ہی علمِ دین کی خدمت کریں۔ تقریباً تین چار ماہ وطن میں رہ کر حالات کا اندازہ کیا اور اپنے استاد مکرم مولانا شبیر احمد عثمانی کے مشورے اور مقامی حالات کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ بہار چھوڑ کر دوبارہ دیوبند جائیں۔ اس طرح مولانا گیلانی

دیوبند پہنچ گئے۔اس زمانے میں کلکتہ کے ایک انگریزی اخبار میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک نامناسب مضمون کی اشاعت کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی جنھوں نے دارالعلوم دیوبند ایک درخواست بھیجی کے اکابرین دیوبند کلکتہ آکر مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔اکابرین دیوبند،دیوبند سے کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے۔ان حضرات میں مولانا گیلانی بھی شامل تھے۔الہ آباد اسٹیشن پر ایک تار آیا کہ کلکتہ کے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں اس لیے تمام اکابر واپس ہو جائیں چنانچہ تمام حضرات واپس ہو گئے لیکن مولانا عثمانی کی ہدایت پر مولانا گیلانی نے سفر جاری رکھا اور کلکتہ پہنچے۔کلکتہ سے بذریعہ ٹرین دیوبند کے لیے روانہ ہوئے۔ارادہ تھا کہ حیدرآباد ہوتے ہوئے دیوبند پہنچیں لیکن عید الاضحیٰ کی وجہ سے حیدرآباد میں قیام کرنے اور عید وہیں گزارنے کا ارادہ کیا۔یہ عید الاضحیٰ ۱۳۳۵ھ (مطابق ستمبر ۱۹۱۷ء) کی تھی۔مولانا یہاں سے واپس دیوبند جانا چاہتے تھے لیکن مقدر میں یہ لکھا تھا کہ یہیں تیس سال تک قیام کریں اور زندگی کا بہترین دور یہیں گزاریں۔ہوا یوں کہ حیدرآباد میں مولانا کی ملاقات مولانا حمید الدین فراہی سے ہوگئی اور ان کے درس قرآن میں باقاعدہ شرکت کا موقع ملا۔اس زمانے میں مولانا فراہی دارالعلوم حیدرآباد کے پرنسپل تھے اور عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہونے والی تھی۔مولانا فراہی نے ان کا تعارف مولانا حبیب الرحمٰن شروانی سے کرایا جو حیدرآباد میں صدر الصدور اور امور دینیہ کے نگران تھے۔مولانا گیلانی نے مولانا فراہی کے مشورے سے عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازمت کے لیے درخواست دی اور کچھ عرصے کے لیے وطن چلے گئے۔وطن ہی میں انھیں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں تقرر کا خط ملا۔یہ ۱۹۲۰ء کا زمانہ تھا۔اس وقت سے لے کر ۱۹۴۹ء تک مولانا اسی شعبے میں خدمات انجام دیں اور ۱۹۴۹ء میں صدر شعبہ کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو کر اپنے وطن گیلانی منتقل ہو گئے۔حیدرآباد میں قیام کے دوران مولانا گیلانی نے اپنے علم،اخلاق اور اخلاص سے نہ صرف یونیورسٹی بلکہ شہر میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔مولانا گیلانی کی زندگی کا یہ ایک روشن پہلو ہے کہ انھوں نے تعلیم تو دینی مدارس میں حاصل کی تھی لیکن جامعۂ عثمانیہ جیسی جدید یونیورسٹی میں رہ کر بھی آپ نے اپنے علم وفضل ،وسعتِ مطالعہ،کشادہ دلی اور ذہانت سے سیکڑوں طالب علموں کی سیرت سازی کی اور

بقول مولانا عبدالماجد دریابادی، وہ اپنے ایک نہیں متعدد شاگردوں میں دینی و علمی ذوق کی روح پوری طرح پھونک گئے۔ آپ نے طلبہ کو صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ ان کی ذہن سازی اور فکری تربیت و اصلاح کے لیے بھی نمایاں کام کیا۔ اس زمانے کے معروف تلامذہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر محمد یوسف الدین، مولانا غلام محمد حیدرآبادی اور ڈاکٹر غلام دستگیر رشید شامل ہیں۔ مولانا گیلانی ایک جامع الکمال بزرگ تھے۔ بقول مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، وہ عالموں میں عالم، ادیبوں میں ادیب، مورخوں میں مورخ، فقیہوں میں فقیہ، محدثوں میں محدث اور مفسروں میں مفسر تھے۔ اس کے علاوہ مولانا ایک شیریں بیاں اور شگفتہ گفتار مقرر بھی تھے۔ مولانا کی علمی و تصنیفی زندگی کا عہدِ زرّیں بھی، قیام حیدرآباد دکن کا یہی تیس سالہ دور ہے۔

مارچ ۱۹۴۹ء میں مولانا گیلانی ریٹائر منٹ کے بعد اپنے وطن گیلانی منتقل ہوگئے۔ اس سے قبل مولانا سیّد سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی خواہش تھی کہ ان کا تقرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہوجائے۔ اس کے علاوہ مولانا کے اکلوتے صاحب زادے محی الدین گیلانی (جو پاکستان آچکے تھے) کی خواہش تھی کہ وہ پاکستان منتقل ہوجائیں لیکن انھوں نے کہیں اور جانے کے مقابلے میں گیلانی میں قیام کرنا مناسب سمجھا۔ وطن منتقلی اور طویل علالت کے باوجود مولانا نے قلم و قرطاس سے رشتہ کبھی منقطع نہیں کیا۔ ان کا آخری خط انتقال سے محض ایک روز پہلے کا تحریر کردہ ہے جو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی مظہر احسن گیلانی کو لکھا تھا۔ اسی دور میں انھوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ضخیم سوانح 'سوانح قاسمی' کے عنوان سے لکھی۔ مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی کا انتقال مورخہ ۵ رجون ۱۹۵۶ء کو علی الصباح گیلانی میں ہوا۔ تدفین اسی روز گیلانی میں ہوئی۔ ان کی چند تصنیفات و تالیفات مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ النبی الخاتم ﷺ: مولانا گیلانی کی اس معروف کتاب میں سیرت کے عام اور سادہ واقعات کو منطقی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر یہ منفرد کتاب ہے۔

۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت: اس ضخیم کتاب کی تحریر کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کے جو دو نظام رائج ہیں، اس دوئی کو مٹا کر ایک ہی نظام قبول

کیا جائے۔

۳۔ تدوینِ قرآن: قرآن مجید کی تدوین و ترتیب کے حوالے سے محکم دلائل پر مشتمل کتاب۔

۴۔ تدوین حدیث: یہ کتاب منکرین حدیث کی جانب سے پیش کیے گئے شبہات اور اشکالات کا مدلل جواب ہے۔

۵۔ تدوین فقہ: تدوین فقہ کے موضوع پر مستند کتاب۔

۶۔ حضرت ابوذر غفاریؓ: حضرت ابوذر غفاریؓ کی سوانح عمری۔

۷۔ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ: یہ تحقیقی معلومات سے بھرپور مقالہ ہے جو 'الفرقان' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے لکھا گیا۔ اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ سے پہلے اور ان کے بعد کی تاریخ محققانہ انداز سے بیان کی گئی ہے۔

۸۔ الدین القیم: اسلام کے علمی اور فکری نظام کا مرقع۔

۹۔ اسلامی معاشیات: اسلامی معاشیات کے موضوع پر مستند کتاب۔

۱۰۔ سوانح قاسمی: بانئ دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ضخیم سوانح۔

۱۱۔ تذکیر سورۃ الکہف: سورۂ کہف کی منفرد تفسیر۔

۱۲۔ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی: اس کتاب میں حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے زمانے کے سیاسی حالات، نشیب و فراز پر محققانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں مولانا گیلانی نے ثابت کیا ہے کہ حضرت امام اعظم فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب بصیرت مفکر و رہنما بھی تھے۔

۱۳۔ مقالاتِ احسانی: تصوف کے مختلف پہلوؤں پر مولانا گیلانی کے چھ محققانہ مقالات کا مجموعہ۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ مولانا گیلانی نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کر دیا ہے وہ بیسیوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتابیں تو متعدد بار چھپ چکی ہیں اور چھپتی رہتی ہیں لیکن اب تک مولانا کے بکھرے ہوئے مقالات و مضامین کی فہرست سازی اور کتابی شکل میں جمع

آوری کا کام نہ ہو سکا۔ ہماری معلومات کی حد تک اس بارے میں صرف شیخ زید اسلامک سینٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور کی جانب سے 'مقالاتِ گیلانی' کی اشاعت ہو سکی۔ اس کتاب میں مولانا کے وہ تمام مقالات جمع کئے گئے ہیں جو ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا کے رسائل میں بکھرے ہوئے تمام مقالات کا ایک جامع اشاریہ ترتیب دیا جائے۔ اگر کسی باہمت نے یہ کام کر دکھایا تو یہ ایک اہم دینی و علمی خدمت ہوگی۔

جو قارئین مولانا گیلانی کے حالات اور خدمات کی مزید تفصیلات جاننا چاہتے ہیں وہ درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں:

(۱) حیاتِ مولانا گیلانی از مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
(۲) پرانے چراغ حصہ اوّل از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
(۳) بزمِ رفتگاں حصہ اوّل از سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن

بڑا نادر سنگم ـــــ دل اور دماغ دونوں کا

از مولانا عبدالباری صاحب ندوی

مقصود اوراقِ ذیل کا نہ صاحبِ مکتوب کی عمری سوانح و واقعات ہیں نہ علمی وفکری، قلمی و تصنیفی کمالات وکارناموں کی کوئی تفصیل و تحقیق، نہ خود مکتوبات پر کوئی ادبی وانشائی تبصرہ وتنقید۔ ان سب کے لیے اس نااہل مکتوب الیہ کے سوا صاحب مکتوبات کے دوسرے دوستوں، شاگردوں اور معتقدوں میں ماشاء اللہ ایک سے ایک بڑھ کر اہل موجود ہیں۔ راقم عاجز کو مرتب مکتوبات حضرت مخدوم ابن مخدوم مولانا شاہ منت اللہ صاحب مدظلہ کے امتثالِ امر میں صرف یہ خیال آ گیا کہ تقریباً چوتھائی صدی کے قریب تعلقات کے علم و واقفیت پر مبنی صاحب مکتوبات کے قلب و باطن کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں کو خصوصاً اُجاگر کر دیا جائے جن پر دوسروں کی نظر کم پڑی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

دماغ وذہن کے چھوٹے بڑے کمالات کی دولت رکھنے والے تھوڑے بہت ہر جگہ ہر زمانہ میں مل جاتے ہیں، لیکن دل کی دولت والے یا قلب وروح کے باطنی فضائل کے مالک ڈھونڈے بھی ہمیشہ کم ہی ملتے ہیں اور دونوں کی جامعیت تو کمیاب کیا نادر و نایاب ہوتی ہیں، بلکہ دیکھا یہاں تک جاتا ہے کہ ذہن و دماغ کی غیر معمولی صلاحیت و عبقریت والے اسی نسبت سے بالعموم قلب و باطن یا دین و دل کے محاسن سے محروم ہوتے ہیں۔ خالص دینی علوم وتعلیم کے علمی و قلمی نمایاں جوہر رکھنے والوں تک کو ایمان و یقین، صدق و اخلاص، ایثار و بے نفسی، تواضع و مسکنت، فنائیت و عبدیت وغیرہ کے باطنی وروحانی صفات میں اکثر خام یا ان سے خالی ہی پایا جاتا ہے۔

بھولنا نہ چاہیے کہ دین و دل کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔ قلب سلیم کے بغیر ''یوم دین'' کی حاضری میں نہ کوئی چیز کام آسکے گی نہ وہاں کی رسوائی سے بچا سکے گی۔

لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

مشہور حدیث ہے: دل بنا تو سب بنا، یہ بگڑا تو سب بگڑا۔

حضرت گیلانی (جعل اللّٰہُ فی قبرہٖ نورًا کما جعل فی قلبہٖ نورًا) کے ذہنی و دماغی، علمی و قلمی گوناگوں کمالات کسی تعریف و تعارف کے محتاج نہیں خصوصاً اس بے علم کے قلم سے۔ البتہ اس سلسلے میں ایک بڑے خاص کمال کا علم و اندازہ جتنا اور جیسا کہ چاہیے لوگوں کو کم ہے، وہ ان کی بہت خاص الخاص قرآن مجید کی فہم و تفہیم تھی۔ ان کی انفرادی و فکری بڑائیوں میں راقمِ ہذا کی نظر میں یہی سب سے بڑی بڑائی تھی۔ بقول خود ''بے چارے مولوی نے سمجھا ہی نہیں'' کے نہ سمجھنے کے ڈر سے چھپاتے بہت تھے۔ سورۂ کہف کی تفسیر شائع بھی ہونے دی تو اپنے خاص رنگ و ذوق کی چیزوں کو دب دبا کر ہی زبانِ قلم تک آنے دیا۔ کچھ شک نہیں کہ بارہا ان کے ذہن کی تیزی اس راہ میں جتنی دور نکل جاتی وہ خلاف احتیاط ہی نہیں، ایمان و عمل کے لیے خطرناک بھی ہو جاتی تھی خصوصاً عوام کے حق میں تاہم ان کی ژرف نگاہی اور دور رس ذہن ایسے بہتیرے حقائق کو پالیتا جن پر سلف سے خلف تک شاید ہی کسی مفسرِ قرآن کی نگاہ پڑی ہو اور یہ ''لا تنقضی عجائبہ'' والی کتاب کے اعجاز کی عین شہادت ہے۔

اس زندہ کتاب کو حضرت مرحوم تفسیری کتابوں سے زیادہ ''زندگی کی زندہ کتاب'' اور ''زندہ واقعات و مشاہدات'' سے سمجھنے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مثال یاد آئی، سورۂ واللیل کی یہ آیتیں پڑھیے۔

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۔ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۔ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۔ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۔

انسان اپنے انفرادی و اجتماعی حوائج و ضروریات، مقاصد و اغراض پورے کرنے کے لیے مختلف مساعی و تدبیر اختیار کرتا ہے۔ ''اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی'' لیکن ان کی راہیں اصولی طور پر دو ہی ہوتی ہیں۔ ایک خدا پرستی کی، ایک دنیا پرستی یا خدا گریزی کی۔ بس جو عطا و

انفاق، دادودہش اور خدا سے خوف وتقویٰ یا عملاً نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے "صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی" اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم اس کی ذہنیت کو آسان پسند بنا دیں گے تا کہ وہ اپنی ان مساعی وتدابیر میں آسانی کی راہیں اختیار کرے بخلاف اس کے جو بخل وامساک اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی یا عملاً نیکی کی تکذیب "کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی" یا اس سے گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اس کی ذہنیت ہم دشوار پسند بنا دیں گے تا کہ وہ اپنی ان مساعی و تدبیر کی راہیں اختیار کرلے۔

آسان کو آسان کر دینے کا مطلب تو خیر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس میں مزید آسانی پیدا کر دی جائے گی، لیکن دشوار کو آسان کر دینا بظاہر اللہ تعالیٰ و نیکی سے روگردانی کرنے والوں کی سزا کیا الٹا انعام ہوا!

تفسیروں یا ترجموں میں جی کو لگتی ہوئی بات نہیں ملتی، مفسر گیلانی کے نزدیک صاف سیدھا مطلب یہ تھا کہ کسی معاملے میں سعی وتدبیر کی جو راہ فی نفسہٖ آسان ہے خدا پرستوں اور نیکو کاروں پر خدا وہی آسان کر دیتا ہے اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ و نیکی سے بغاوت و روگردانی کرتے ہیں، اس کی سزا دنیا ہی میں یہ دی جاتی ہے کہ سعی وتدبیر کا فی الواقع ونفس الامر میں جو راستہ دشوار گزار ہے ان کی کج نگاہی کو وہی آسان نظر آنے لگتا ہے اور اس پر چل کر کج روی کا خوب مزہ چکھایا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں روز افزوں خدا فراموشی، بلکہ خدا گریزی کی ترقی کا ایک بڑا رول، زندگی کے ہر شعبہ میں مشکل پسندی یا طوالت و پیچیدگی والے طریقوں اور تدبیروں کی بھرمار ہے۔ سیاست ہو کہ حکومت، قانون ہو کہ عدالت، معیشت ہو کہ معاشرت ہر چیز شیطان کی آنت اور ہفت خوان! کسی دفتر میں ذرا کوئی کام پڑ جائے "دفتریت" کا مزہ چکھ لیجیے۔ عدالتی چکر مشہور ہی ہیں۔ معمولی معمولی مقدموں میں برسوں لگ جانا کوئی بات نہیں، وقت و قوت کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی، جان و مال ضمیر و ایمان ہر چیز کو داؤ پر لگا دینا پڑتا ہے۔ جس قدر محکموں پر محکمے اور دفتروں پر دفتر بڑھتے جاتے ہیں، اسی قدر معمولی معمولی آسان سے آسان کام دشوار سے دشوار ہوتے جاتے ہیں۔ گویا ہر معاملے میں دشواریوں کو بڑھاتے جانا ہی آسان بن گیا ہے پس یہ کچھ ویسی ہی آسانی ہے کہ:

ع مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

"اَعْطٰی وَاتَّقٰی" والی (خدا پرستی) کی زندگی کی آسانیوں اور "بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی" والی (خدا چھوڑی) زندگی کی خود پیدا کردہ دشواریوں کا ایک بڑا عذاب، آئے دن کے معاملات میں باہمی بے اعتمادی ہے۔ مثلاً حدیث کی رو سے قرض دینے کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کسی معاشرے میں قرض کا لین دین بے تکلف اس طرح جاری ہو کہ خدا اور آخرت کے تعلق وخوف کی بناء پر ایک طرف اہل وسعت کو "مَنْ بَخِلَ" والے بخل وامساک کی بجائے اجر وثواب کے لیے "مَنْ اَعْطٰی" والے اعطاء وانفاق کی فکر وحرص لگی ہو اور دوسری طرف خدا ہی کے خوف "مَنِ اتَّقٰی" کی بنا پر لینے والوں کو خود ہی جلد از جلد عطا کرنے کی فکر رہتی ہو۔ اس طرح کہ دینے والوں کو قانونی تحفظات اور چارہ جوئیوں وغیرہ کیا تقاضوں پر تقاضوں تک پریشانیوں میں مبتلا ہونا نہ پڑے تو اہل حاجت کے وقت پر کتنے کام آسانی سے نکلتے رہ سکتے ہیں۔ خود راقم احقر کو اللہ تعالیٰ نے ہزاروں تک قرض دینے کی وسعت وتوفیق بخشی، لیکن آخر میں تنگ آ کر بس اتنی ہی ہمت رہ گئی کہ اتنا ہی دیا جائے کہ وصول نہ ہونے پر بے تکلف معاف کر دیا جائے۔ باقی تقاضوں وغیرہ کی پریشانی وبے لطفی میں ڈالے بغیر ادا کرنے والی مثال صرف ایک آدھ ہی یاد ہے۔ ورنہ عام عادت ونیت، تجربہ ہوا کہ لوگوں کو ٹالتے رہنے یا نہ دینے ہی کی رہ گئی ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ دینی و اسلامی زندگی کی ایک کتنی بڑی آسان (یُسْرٰی) کو ہم نے اپنے ہی ہاتھوں دشواری (عُسْرٰی) بنالیا ہے۔ حتیٰ کہ اب ہم کو یہی آسان نظر آتا ہے کہ قرض لینے دینے میں سود بھی بے تکلف لیں دیں اور قانونی تحفظات کی پیچیدگیوں اور بار ہا مقدمات تک کی مصیبتوں کو بھی خریدیں "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی" کے سوا یہ کیا ہے۔

گیلانی تفسیر کی ایک اور مثال خود مکتوباتِ گیلانی میں پڑھیں۔ پیشِ نظر اسی زمانہ کی دنیا ہے ارشاد ہے کہ "دنیا اس طرح کانپ رہی ہے، لرز رہی ہے کہ بڑے بڑوں کے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں۔ پھر ہم جیسے ناکسوں گیاہِ ضعیف کا جو حال بھی نہ ہو۔

ادھر سورۂ یونس کی تلاوت میں کچھ استغراق ہوا، کچھ ایسا واضح ہوا کہ "آیات" کے بعد "انذار" سے کام لیا جاتا ہے اور جب "انذار" کو غیر موثر بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے تب فیصلہ

کا وقت آجاتا ہے۔وَ مَا تُغْنِی اْلایَاتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ .اس میں الایات اور النذر کا ذکر فرما کر آگے ارشاد ہے:فَھَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِھِمْ.

کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن حالات سے دنیا گزر رہی ہے یہ "نذر" کے حالات ہیں۔"قوم لا یؤمنون" پر ان نذر کا کوئی اثر مرتب نہ ہوا بلکہ اسی سورۃ میں مکر فی الایات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔(یعنی) ذہانت کے زور سے ہر واقعہ کی ایسی توجیہ کہ اصل کارفرما طاقت (خدا) پر پردہ پڑ جائے اور جو واقعی اسباب نہیں ہیں، ان ہی کی طرف حوادث کو منسوب کرنے کی مشق شاید یہی "مَکْرٌ فِی الْاٰیَاتِ" ہے۔

شاید "مَکْرٌ فِی الْاٰیَاتِ" سے بہتر "ماڈرن مکر" کی اور کوئی تعبیر ہی نہیں ہوسکتی البتہ ہر زمانہ کے "مکر" کی نوعیت وصورت ایک ہونا ضروری نہیں تاہم اس زمانے کی ترقیات کا یہ مکر ایک بڑا دجالی نمونہ ہے۔آگے بالکل ہی بجا ارشاد ہے کہ:

"اس زمانہ میں جتنا زور اس مکر کا ہوا ہے شاید کبھی نہیں ہوا۔بہر حال فیصلہ شاید زیادہ دور نہیں بس اتنا اطمینان ہے کہ منتظر بنا دینے کے بعد ارشاد ہوا:
ثُمَّ نُنَجِّی رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ. اس تہلکہ عظیم سے ایمان والوں کو نکال لینے کا تماشہ عجیب ہوگا، کیسے ہوگا، سمجھ نہیں آتا مگر ہوگا ضرور۔

بہ شرطیکہ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ کے سے اٹل وعدہ بشارت والے المؤمنین ہم بھی ثابت ہوں ورنہ اب تو ہم بھی ان "مَکْرٌ فِی الْاٰیَاتِ" کی راہوں کو ہی عین ترقی جان کر ان پر ہی دوڑنے میں ترقی کر رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں نظمِ قرآن کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اور کیا عرض کروں، سورۂ یونس کی ان آیتوں میں پہلے جتنی بے ربطی محسوس ہوتی تھی، اب اس قدر بلکہ اس سے زیادہ منطقی ترتیب کی یافت ہوتی جارہی ہے" اس راقم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب سے جو کچھ بُد، کچھ مناسبت عطا فرمادی ہے بارہا اس کی بدولت بظاہر بے ربط سے بے ربط آیتوں میں ایسے ربط و ترتیب کی یافت ہوجاتی ہے جس کے لیے منطقی کیا "خدائی" نظم و ترتیب کے سوا

کوئی نام ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر میں ہم مسلمانوں کے لیے زیادہ کان لگا کر سننے کی بات یہ ہے کہ:

"ہاں آخر میں جو فرمایا گیا فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ. مگر مغرور انسانی آبادیوں کو شاید اس کی توفیق پہلے بھی کم ہوئی ہے اور اب تو اس کی راہ بندی ہی معلوم ہوتی ہے۔" (مکتوبات گیلانی: مبیضہ) [۲]

عام "مغرور انسانی آبادیوں" کا نام، کس منہ سے لیا جائے جب خود اسلام کا نام لے کر "قوم محمد" علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو "قوم یونس" والے "ایمانی نفع" جیسی فکر نہیں اس پر ایمان بھی جیسا ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر اس کے ساتھ رسوائی کا عذاب (عذابَ الخزی) بھی جس طرح ہر طرف سے محیط و مسلط روز بروز ہوتا جا رہا ہے، خصوصاً آنکھوں کے سامنے خود ہندوستان میں، وہ ظاہر سے بڑھ کر ظاہر ہے، ستم ظریفی یہ کہ اس عذاب سے نجات کی راہ کا سوال ہوتا ہے کہ "مسلمان کیا کریں"؟ تو اس کے جواب میں "كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ" والے ایمان و اسلام کی طرف متوجہ کرنے کرانے کی بجائے "مسلمان لال بجھکو لیڈر" بھی "مَكْرٌ فِى الْاٰيَاتِ" والوں ہی کی راہیں زیادہ دکھلاتے ہیں۔ غضب پر غضب کہ علماء تک کی جماعت ان ہی ائمہ کی مقتدی بن رہی ہے۔

میں مولانا سے ہمیشہ اور ہمیشہ سے زیادہ وظیفہ پر سبکدوشی کی فرصت وفراغت کے دنوں میں بار ہا درخواست کرتا رہا کہ اب ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنی ان خاص قرآنی "یافتوں" ہی کو جمع و مرتب فرما دیں، مگر کتراتے ہی رہے، بڑی وجہ بظاہر وہی "بے چارے مولویوں" کی ناراضی کا ڈر کہ تفسیری دفتروں کے خلاف بعض باتوں پر خدا جانے کتنا شور و شغب اٹھ کھڑا ہو۔ ایک مکتوب ہی میں کہتے ہیں "مگر جب ان آیتوں کی تفسیر کسی کتاب میں پڑھتا ہوں تو ساری شیرینی جو قلب میں پیدا ہوئی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ واپس ہوگئی۔ (مبیضہ ۱۴ ستمبر ۵۰ء)

بات یہ ہے کہ قرآن مجید کوئی علمی و فنی قسم کی کتاب بالکل نہیں۔ اصلاً زندگی کا عملی ہدایت نامہ (بک آف گائیڈنس) ہے اس لیے جس قدر زیادہ اپنے پرائے، انفرادی و

اجتماعی آئے دن پیش آتے رہنے والے زندگی کے معاملات ومشکلات پر پیش کرنے اور ان کی روشنی میں اس کو پڑھنے پڑھانے سمجھنے سمجھانے اور اس سے راہ یابی کی کوشش کی جائے، اسی قدر یہ کتاب قدرتی سرچ لائٹ کی طرح دور دور تک راستہ دکھلاتی چلی جائے گی، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ شروع میں تفسیر ہرگز نہ دیکھی جائے۔ ''ترجمان حقیقت'' کی زبان سے بڑی حقیقت ادا کردی گئی ہے کہ:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

اپنی عادت تو بتوفیق اللہ یہ ہوگئی ہے کہ عام علمی وعملی مسائل ومشکلات ہی میں نہیں، نجی سے معاملات میں بھی جب کوئی لاینحل الجھن گھیر لیتی ہے تو تلاوت میں اس کا حل ڈھونڈنے لگتا ہوں اور عموماً ایک آدھ دورہ ہی میں ایسی آیات مل جاتی ہیں کہ گویا خاص اس مسئلہ ومعاملہ ہی میں اور اسی موقع پر ان کا نزول ہوا ہے۔ پھر ملتے جلتے معنی ومفہوم کی دوسری آیات کو ملا کر تفکر وتدبر سے شرحِ تام ہوجاتا ہے۔ آگے کام صرف ہمت وعمل کا رہ جاتا ہے۔ البتہ کسی لفظ ولغت میں کوئی دشواری ہوتی ہے تو لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے اکثر مزید فوائد کے ساتھ مزید اطمینان ہوتا ہے۔ باقی تفسیروں کا درجہ اگر کچھ ضرورت رہ گئی، جو کم ہی رہ جاتی ہے، سب سے آخر میں آتا ہے اور تب ہی تفسیروں میں کبھی کبھی کوئی پتہ کی بات ہاتھ آجاتی ہے۔

اس بے علم کی نظر میں مولانا کے فکری وعلمی کمالات کا، وقت کے لیے سب سے کار آمد و یادگار کارنامہ، خصوصاً جدید ذہنوں یا نئی تعلیم والوں کے حق میں، ان کی قرآنی ''یافتوں'' کا ذخیرہ ہی ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ کہف کے سوا قصداً انہوں نے اہتمام فرمایا کہ اس سلسلہ کی کوئی اور مستقل چیز منظرِ عام پر نہ آنے پائے۔ پارۂ عم کا مسلسل ومکرر سالہا سال تک حیدرآباد میں اپنے مختلف قیام گاہوں کی قریبی مسجدوں میں درس دیتے رہے۔ اس میں شریک ہونے والے زیادہ تر نئی روشنی وتعلیم والے ہی ہوتے۔ اس کی یادداشتوں کی بیاض یاد آتا ہے کہ میں نے خود ان کے پاس دیکھی، بلکہ شاید ایک آدھ مرتبہ کچھ مستفید ہونے کی بھی کوشش کی، غالباً نامحرم ہی پاکر مجھ کو بھی زیادہ موقع ملنے نہ دیا۔ زبانی

البتہ کبھی کبھی مستفید فرماتے رہے۔ وفات کے بعد بعضوں کو کچھ لکھا لکھایا بھی کہ کم از کم پارۂ عمر کی یادداشتیں بھی دستیاب ہو جائیں مگر کسی سے کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ان سطروں کے کسی پڑھنے والے کو کوئی سراغ مل جائے تو مطلع فرمائیں ان شاء اللہ حضرت مرحوم کی بڑی گراں مایہ یادگار کی حفاظت ہو جائے گی۔

یوں مولانا کے علمی و ذہنی کمالات پر ایک بالکل اچٹتی یا غلط انداز نظر کا عالم بھی یہ تھا کہ دس بیس منٹ میں جو پاس بیٹھ جائے وہ ان کے تفوق سے مسحور ہوئے بغیر نہ اٹھتا۔ ہر طرح کے علمی و دینی معلومات کی بہتات، ان سے عجیب عجیب نتائج و استنباطات، پھر حُسنِ تعبیر کی ندرت و برجستگی ہر چیز بجائے خود ''دامنِ دل'' کے لیے ''کرشمۂ دل کش'' ہوتی۔ نجی مجلسی گفتگو یا خطابِ خاص سے اوپر عام خطاب یا خطابت سنیے، تو یہ کمالات اور زیادہ مبہوت کر دیتے۔ تقریر سے آگے تحریر و تصنیف کو دیکھیے تو گیلانی اشہبِ قلم اس میدان میں بھی بڑے سے بڑے ہم چشموں سے پیچھے نہیں، نہ کماً و کیفاً۔ ایک متبحر عالم دین کی میزان پر رکھیے، تو معقول و منقول، تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، سیرت و سوانح، تعلیم و تصوف وغیرہ وغیرہ جس شعبہ میں جو کارنامہ چھوڑا ہے اس کو صفِ اول کی ممتاز جگہ سے بھی کم کسی جگہ پر رکھا نہیں جا سکتا۔ خالص عصری مطالبات یا نئے چلن کی چیزوں میں اسلامی پہلو سے جو بیسیوں مضامین و مقالات اور کتابیں ان کے قلم کی مرہون ہیں، ان میں مثلاً ایک ''اسلامی معاشیات'' اپنے موضوع کے خاص نقطۂ نظر سے کیا کسی ہم پلہ کتاب کے مقابلہ میں کم وزن ہے۔ یوں بھی بالعموم ان کے نوشتوں میں جدید مواد و معلومات پر جتنی اطلاع ملتی ہے خود جدید تعلیم کے دعویداروں میں بھی کتنے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ پھر تحقیق و تنقید کے جدید معیار پر بھی ان کی کتنی چیزیں ایسی ملیں گی، جن کے اخذ و استفادہ کے بل پر یورپ و امریکا کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ نہ حاصل کر لی جا سکتی ہو، خود اپنے شاگردوں سے ریسرچ کا کام لے اور کرا کے کتنوں کو ڈاکٹر بنا ہی دیا۔

ایسا نہیں کہ مولانا کو اپنے ان بے شمار وہبی و کسبی کمالات کا کوئی احساس و شعور نہ تھا، اتنے ذہین و ذکی اتنے بے حس و بے شعور کیسے ہوتے۔ ذہنی و علمی اپنی برتری کا بھی شعور تھا، اپنی کتابوں، مضمونوں وغیرہ پر اعتراض و نکتہ چینی کو بھی محسوس فرماتے، گراں خاطر بھی

ہوتے، جواب بھی دیتے، لیکن تمام کمالوں سے بڑھا ہوا کمال ان کا یہی تھا کہ وقتی و طبعی تاثر کے سوا قلب کی سلامتی میں کوئی مستقل فرق نہ آنے پاتا، یعنی کسی کی طرف سے کسی ظلم و زیادتی کے باوجود دل میں کوئی گرہ دو چار دن کے لیے بھی نہ پڑتی نہ وہ "غِلّ" کیفیت پیدا ہوتی جس سے بچتے رہنے کی قرآن نے خاص طور پر دعا کی تعلیم فرمائی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ......(الحشر:۱۰)

نہ ملنے جلنے، خط و کتابت وغیرہ کسی چیز میں اپنی دینی و دنیوی علمی و ذہنی برتری یا دوسروں کو ان کی کمتری محسوس کراتے، بلکہ خوردوں شاگردوں تک کو اتنا بڑھاتے کہ بزرگوں بڑوں کے لیے زبان ولغت جواب دے جاتے۔ حضرت حالؔی کی طرح حضرت گیلانی نے بھی کہنا چاہیے "اپنی خاکساری" کا مستقل کام ہی یہ بنا رکھا تھا کہ ہر حال و قال سے "ہر ادنیٰ کو اعلیٰ" بناتے رہیں۔ [۵]

خاکساری اپنے کام آئی بہت
ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا

سالہا سال روزمرہ ہر طرح کے نجی سے نجی اور قریبی سے قریبی تعلقات و معاملات کا سابقہ رہا، ایک بات بھی یاد نہیں جس میں بات کی پچ یا نفس و نفسیات کی ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی نام و نشان ملا ہو، بلکہ دوسروں کی سخن پروری و خود رائی کے سامنے خود ہی سپر ڈال دیتے، مزاحمت و مقابلہ طبیعت میں تھا ہی نہیں، فنا ہی فنا کا غلبہ رہتا۔ اس فنائیت کی قدر پوری طرح جب ہوتی ہے کہ علم و قلم دین و دنیا کی کوئی بڑائی رکھنے والے خصوصاً ان کے ہم عصروں کے رنگ و روش کا اس پہلو سے مقابلہ پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے مولانا کو اپنے ہم چشموں میں فرد فرید ہی پایا۔ یاد رہے کہ دنیوی جاہ و مال میں بھی ان کا سر اللہ تعالیٰ نے اونچے اونچے ہم سروں سے نیچا نہیں رکھا تھا، لیکن نمونہ وہ دنیا کی پوری زندگی میں اَللّٰھُمَّ اَحْیِنَا مِسْکِیْنًا والی مسکنت ہی کا بنے رہے۔ طالب علمی کے زمانے سے عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی صدارت تک اس مسکنت میں ذرہ برابر فرق کسی دیکھنے والے نے نہ دیکھا ہوگا۔ بنگلہ میں رہ کر اور موٹر میں چل کر بھی وہ دیوبند کے حجرہ میں رہنے والے اور اس کی گلیوں میں چلنے والے "مسکین" طالب علم ہی معلوم ہوتے رہے۔

یہ سارے مظاہر وشیون اس کے تھے کہ کفر کے بعد قلب کے سب سے بڑے شیطانی مرض "کبر" کا حضرت مرحوم کے قلب میں کوئی شائبہ جگہ نہ پاسکا تھا۔ کبر و جاہ کا یہ ایمان لیوا مرض ہوتا ہی ایسا ہے کہ ایمان بچ بھی جائے، بلکہ انسان صدّیقیت کے درجہ کو بھی پہنچ جائے تب بھی مشہور ہے کہ صدّیق کے قلب سے بھی یہ مرض سب سے آخر ہی میں نکلتا ہے۔ ۳۳، ۳۴ سال احقر کو اس دنیا میں ان سے دور و نزدیک کے تعلقات کی سعادت حاصل رہی۔ ان میں بھی تقریباً چوتھائی صدی کی طویل و مسلسل قیام وطعام، خلوت وجلوت، سفر وحضر، صحت ومرض وغیرہ کے ہر حال میں شب وروز کی یکجائی ورفاقت کی بدولت جس طرح جتنا موقع ان کے علمی وعملی، دینی ودنیوی، ظاہری وباطنی احوال کو قریب سے دیکھنے کا نصیب رہا، یقیناً اس خوش نصیبی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ آج ان سطروں کو سپردِ قلم کرتے اور از سرِ نو اس طویل ومدید معیّت ورفاقت کا پوری احتیاط کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ شہادت ادا کر رہا ہوں کہ مولانا مرحوم میں جو بھی کمزوریاں رہی ہوں، اور معصوم کون بشر ہوتا ہے، لیکن جہاں تک دِل کا تعلق ہے کہنا چاہیے کہ اس کی تمام بیماریوں سے ان کو پاک ہی پاک پایا۔ بغض وحسد، انتقام وعداوت ریا و نفاق، نمود ونمائش، حرص وہوس، طولِ امل وغیرہ کے نفسیاتی جذبات کا کوئی داغ دھبہ یاد پر زور ڈالنے سے بھی، ان کے آئینۂ دِل پر پڑتا خصوصاً ٹھہرتا قطعاً یاد نہیں پڑتا۔ ہمارے علم و قلم کے نیچے اونچے نام والے صلحا بھی ذرا ٹھنڈے دِل سے خود اپنے دلوں کا محاسبہ فرما کر دیکھیں، تب ہی دِل کی ان بیماریوں کی ہمہ گیری اور گیلانی جیسے صاحبِ علم وقلم کی ان سے اتنی استثنائی وکراماتی دوری کی قدر وقیمت معلوم ہوگی۔

سارے اخلاقی رذائل، یا باطنی وقلبی امراض، سچ پوچھیے تو کبر ونخوت، خود بینی وخود پرستی ہی کی شیطانی ذریت، یا انڈے بچے ہوتے ہیں، مگر مولانا کی ہر شان پر غالب خود فراموشی یا فنائیت تھی۔ کچھ تو پیدا ہی مست وفانی ہوئے تھے، کچھ ذہانت وذکاوت کی افراط کا لازمہ بھی، عموماً کچھ نہ کچھ مستی وربودگی ہی دیکھی جاتی ہے۔ پھر وجودی توحید جو مولانا کا خاص مذاق تھا یہ نام ہی صحیح معنی میں "خودی" سے گزر جانے یا اس کے فنا ہو جانے کا ہے۔ سونے میں سہاگہ حیدر آباد میں ان کو ایک مرشد بھی اس رنگ میں شرابور ملے۔ حال وقال

سب کے مست ہی مست، بیداری کا ہر لمحہ سُرور و مستی کا دیکھا جس کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کیا، اس کی ہستی اتنی سما گئی ہو کہ اپنی پرائی کوئی دوسری ہستی "ہستی" ہی نہ دکھائی دیتی ہو، اس کو من و تو یا اپنی کبریائی اور بڑائی دوسروں پر جتانے جمانے کا ہوش کیا رہ سکتا ہے۔ خود فراموشی کا عالم مولانا کی ظاہری زندگی پر بھی اتنا چھایا رہتا کہ کھانا پینا، سونا جاگنا ہر چیز کسی نظم و انتظام سے قطعاً آزاد رہتی، خود تو کیا تہہ فرماتے نوکر بھی آزاد رہتا، اگر وہ بھی تہہ نہ کرتا تو دن رات بستر تک الجھا ہی پڑا رہتا۔ بس ہر شئی کا وہی حال جوان کی تصانیف کا، کہ تصنیفی موضوع تک کے قید و بند سے آزاد۔ لکھنے کا بھی یہی حال کہ نہ لکھتے تو مہینوں سالوں کچھ نہ لکھتے اور لکھنے پر آجاتے تو دن رات ایک کر دیتے، رات رات بھر پلک نہ جھپکاتے، پہلو میں تکیہ دبائے، نیم دراز پلنگ ہی پر لیٹے لیٹے اور اکثر پنسل ہی سے ہفتوں کیا دنوں میں سینکڑوں صفحات کی کتاب پوری کر ڈالتے۔

اس خود فراموشی میں خود فروشی و خود پرستی کی سمائی تو کہاں سے ہوتی، معمولی خودداری تک سے بے نیازی کا ہمارے مولانا کا ایک بالکل خاص بہت ہی عجیب نادیدہ و ناشنیدہ استغنائی حال پایا۔ کسی بڑے چھوٹے، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ نوکر چاکر تک کی ادنیٰ سے ادنیٰ ناخوشی کا تحمل مطلق نہ فرما سکتے۔ راقم گستاخ نے تو حیدر آبادی رنگ کا ایک مستقل خطاب ہی "خوش کرن" دے رکھا تھا۔ اپنی معذوری و معذورت کا ایک دلچسپ عنوان پا کر خود بھی اس سے فائدہ اٹھاتے، بعض مکتوبات میں بھی ناظرین کو "بد خوش کرنی" کے دامن میں پناہ لیتے ملیں گے۔ ایک مرتبہ کسی معاملے میں خود راقم نالائق کو شاید کچھ زیادہ ناخوش محسوس فرما کر تو غضب ہی فرما دیا کہ دھڑ سے پیروں پر گر پڑے، گھبرا کر ان کے سر کو اٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور دونوں لپٹ کر خوب روئے۔ خیر میرا شمار تو پھر بھی بظاہر برابر والوں میں تھا، بارہا ہر کس و ناکس کے ساتھ اپنے دینی و دنیوی اور علمی مرتبہ و مقام سے کیا، معمولی انسانی خودداری تک سے اتنا اتر آتے کہ ان کی اس خالص افتادِ طبع سے ناواقفوں کو خوشامد کا شبہ ہونے لگتا۔ کبھی کبھی مجھ سے دیکھا نہ جاتا اور ناگواری سے کہتا کہ آخر ساری خدائی کو خوش رکھنا آپ نے کیوں اور کیسے اپنے اوپر فرض ٹھہرا رکھا ہے اور اس میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ کراماتی حد تک کامیاب ہی کامیاب تھے اور سب سے بڑی کرامت اس سلسلہ کی بالکل

متضاد فطرت والے دن رات کے ساتھی راقم احقر کے ساتھ سالہا سال تک نہایت کامیاب ہی نہیں بڑا خوشگوار و دل نواز نباہ رہا۔ شاید دو چار بار سے زائد کسی ایسی کشیدگی و شکر رنجی کی نوبت نہ آئی ہو جس کا اثر دو چار دن کیا دو چار گھنٹے بھی رہا ہو، یا ایک آدھ خط سے آگے بڑھا ہو۔ باقی مولانا کا دائرۂ تعلقات صرف یونیورسٹی تک محدود نہ تھا، پورے حیدر آباد کے عوام و خواص، علماء و مشائخ، امراء و وزراء، افسروں، ماتحتوں، بڑے، چھوٹے تاجروں دکانداروں، ہر طبقہ تک پھیلا ہوا تھا، اس کے باوجود شاید ایک مثال بھی کوئی بتا سکے کہ کسی طبقہ کا کوئی ایک فرد بھی مولانا سے ناراض رہا ہو۔ ناراض کیا سب ہی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ لیکن قیمت بھی اس کی جان و مال، وقت و صحت سب کی صورت میں بے حساب ادا فرمانی پڑتی۔ ایک مستقل ڈپارٹمنٹ سفارشوں کا تھا، ایک طرف مولانا کی یہ محبوبیت و مقبولیت کہ ان کی سفارش کو بہ مجبوری ہی کوئی رد کرتا دوسری طرف خود کسی سے انکار فرما کر اس کی ناخوشی کیسے پسند فرماتے۔ چھوٹا بڑا جو آتا جس چھوٹے بڑے کے ہاں چاہتا پکڑ لے جاتا۔ مملکتِ آصفیہ کے صدر الصدور نواب صدر یار جنگ بہادر (مولانا حبیب الرحمٰن خاں شِروانی رحمۃ اللہ علیہ) خصوصیت سے مولانا کے بڑے قدر شناس تھے۔ بڑی بزرگانہ و مربیانہ شفقت فرماتے۔ غایت محبت و بے تکلفی سے اکثر صرف ''مولوی'' یاد فرماتے، بڑے عہدے داروں میں مولانا کا آنا جانا سب سے زیادہ ان ہی کے ہاں رہتا۔ کبھی کبھی صورت دیکھتے ہی فرما دیتے ''کس کی خدمت (سفارش) کا حکم لائے ہیں؟''۔

ایک اور بڑا ڈپارٹمنٹ مولانا کی حیدر آبادی زندگی کا عرصے تک خصوصاً میلادی وعظوں اور تقریروں کا رہا اور شاید اسی نے دمہ کے اس پرانے مریض کے مرض میں بھی مولانا کو شریک کر کے لفظاً و معناً ''ہم دم'' بنا دیا تھا ورنہ شدتِ مرض میں تو ان تقریری بھرماروں کا بھرپور حصہ تھا ہی۔ یوں سلسلہ کم و بیش سال بھر چلتا رہتا، لیکن میلادی موسم کے دو تین مہینوں میں اتفاقاً ہی کسی دن دم لینے کا موقع ملتا ہوگا۔ عموماً یہ جلسے رات کو ہوتے اور رات بھر تک بھی چلتے رہتے۔ جلسہ بازوں کو اپنی مجلس آرائی سے مطلب، عارض کی کچھ تکلیف ہوتے بھی نہ وہ مولانا پر رحم فرماتے نہ ان کی خوشی کے مقابلے میں خود مولانا اپنے اوپر رحم کرتے۔ لے جانے والے کبھی کبھی واپسی میں سواری سے بھی بے فکر ہو جاتے۔

ایک مرتبہ پاپوشِ مبارک تک کا پتہ نہ رہا اور مولانا کچھ دور ننگے پاؤں چل کر کرایہ کی سواری پر آدھی رات کے بعد گھر پہنچے۔ نتیجہ بارہا یہ ہوتا کہ واپسی پر پورا دورہ پڑ جاتا جو کئی کئی دن کی خبر لیتا، پھر بھی ایک دورہ سے پوری طرح سنبھل نہ پاتے کہ کسی نہ کسی نئے جلسے کا دورہ پڑ جاتا۔ کالج کے فرائضِ منصبی کے روزانہ کئی کئی لکچروں کے ساتھ وعظوں اور تقریروں کے اس تسلسل سے مولانا کی صحت پر آخر ایسی بن آئی کہ شب و روز کے اس نیاز مند کے لیے دیکھتے رہنا برداشت سے باہر ہو گیا۔

حیدر آباد میں میلادی جلسوں کا یہ زور اس کے شِروانی صدر الصدر کے ذوق و زور سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ہر نمایاں جلسہ میں خود شریک ہوتے۔ اکثر صدر بھی ہوتے اور مولانا کے بغیر اپنے کو بے شہ بالا پاتے۔ مولانا جب ماوشما کی ناراضی گوارا نہ فرماتے تو ممدوح تو ان کے بڑے شفیق محسن و مربی تھے، ان کی خاطر شکنی پر کیسے راضی ہوتے۔ اس لیے میں نے خود ممدوح کو مولانا کی گرتی ہوئی صحت کی طرف توجہ دلائی، بالآخر ان ہی کے مشورہ، بلکہ حکم سے کچھ ایسی صورت طے پائی کہ مولانا اس باب میں اقرار صالح کے ساتھ اپنے کو دن و رات کے اسی ''ہمزاد'' کی ''اتالیقی'' میں دے دیں؛ یعنی بلا اس کی وساطت و اجازت کے وعظ و تقریر کی کوئی دعوت قبول نہ فرمائیں گے۔ جب وہ دوسروں کی خاطر بیماری تک خرید لیتے تھے تو پھر صحت کے لیے اس ''ہمدم'' اور اس سے بڑھ کر شِروانی صاحب جیسے اپنے محسن عظیم کی دِل شکنی و حکم عدولی کیسے خرید فرماتے۔ غالباً اس معاہدہ کا کوئی اعلان بھی باہر برآمدہ میں آویزاں کر دیا گیا تھا کہ وعظ و تقریر کی کسی درخواست کو مولانا اب براہ راست خود قبول نہ فرمائیں گے۔

اس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مولانا کو غالباً ۵، ۶ مہینے آرام کا مسلسل موقع مل گیا۔ مرض میں نمایاں خفت سے خود ان کو قدرِ عافیت معلوم ہوئی اور اب مہینہ میں ایک دو بار کسی خاص جلسہ یا خاص تعلق کی صورت ہی میں نوبت آتی۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، جلسوں کا زور بھی کہاں تک رہتا ہے، ان میں بھی کمی آتی گئی۔ کچھ اتحاد المسلمین کے سیاسی و نیم سیاسی جلسوں اور سرگرمیوں نے ان کی جگہ گھیر لی تھی نیز حُسنِ بیان و خطابت میں نواب بہادر یار جنگ مولانا کی جانشینی کا حق پورا ادا کرنے لگے تھے، بلکہ اپنے کو مولانا ہی کا شاگرد جانتے

اور کہتے تھے۔

مالی جرمانہ اپنی "خوش کرنی" کی مد میں البتہ مولانا کو زیادہ نہ ادا فرمانا پڑتا۔ بڑی وجہ یہ کہ بڑے تنخواہ دار ہونے پر بھی عملاً مالدار کبھی نہ ہونے پاتے۔ اللہ بھلا کرے ان کے چھوٹے بھائی اور بڑے منتظم و کارگزار میاں سید مکارم احسن سلمہٗ کا کہ وہ گیلانی شریف میں کاشت کاری، باغبانی وغیرہ کے سلسلہ میں منصوبے پر منصوبے برابر پیش ہی کرتے رہتے اور مولانا کے معمولی مصارف سے جو کچھ بچتا اور اچھا خاصا بچتا، جمع نہ رہنے دیتے، بلکہ بارہا قرض تک کی نوبت آ جاتی۔ ان منصوبوں میں کچھ اس طرح کے بھی ہوتے کہ "ہماری فلاں زمین کے پاس فلاں زمین بک رہی ہے یا مل سکتی ہے بڑے موقع کی ہے"۔ مولانا نے ان کا غالباً ایسا ہی کوئی خط دکھایا، مشورہ سنا کر فرمایا کہ "اس طرح تو پورا کرۂ ارض ہی ہماری زمین کے پاس آتے آتے گیلانی میں سما جائے گا"۔ پھر بھی ساری دنیا کو خوش رکھنے والے مولانا خود اپنے بھائی کو کیسے ناخوش فرماتے۔ تاہم اگر کبھی اتفاق سے کچھ بچ جاتا تو تھوڑا بہت ا.. نے پرائے قرض ورض کے نام سے وصول کر لیتے، پھر دینے کا نام لینے والا شاذ و نادر ہی کوئی [illegible] کا بندہ ہوتا ہوگا خصوصاً جب مولانا کی طرف سے کوئی تقاضا کیا، یاد دہانی کا معمولی اش[illegible] تک دشوار تھا۔ ایک مرتبہ کوئی بڑی رقم غالباً ہزار پانچ سو کی اپنی ضمانت پر کسی کو دلوا دی تھی جو فرماتے تھے کہ بالآخر خود ہی ادا فرمانا پڑی۔

مولانا کی زندگی کا ایک اور گوشہ خوش طبعی و مزاح پسندی کا تھا جو کبھی کبھی مزاح کے حدود سے بہت آگے بڑھ جاتی، بلکہ اگر کوئی اس ڈھب کا بُزِ اخفش ہاتھ لگ جاتا تو اس کو کھلا پلا کر مستقلاً تفریحِ طبع کا تختۂ مشق بنائے رکھتے۔ حیدر آباد کے آخر زمانہ میں "بزِ اخفش" کا یہ منصب سالہا سال تک خود اپنی مسجد الحی کے امام کو عطا رہا۔ یوں بھی اگر کوئی موقع پا جاتے چوکتے ہرگز نہ۔ ہم دونوں کے ایک اچھے دوست نے کسی تعلیم یافتہ مُطلّقہ خاتون سے شادی کر لی جو ساتھ کچھ اولاد بھی لائیں۔ وظیفہ یاب ہو کر مولانا وطن میں تھے، تاہم یہ خبر پا کر ضبط نہ فرما سکے کچھ اشعار دوسرے کے نام سے موزوں فرما کر "تفریحی مبارک باد" پہنچا کر رہے اور ایک نقل بطور نقل مجھ کو بھی بھیج دی۔

دو شعر یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

فقط کھیتی نہیں، ہے فصل بھی ساتھ
تمہیں اس فصل کی لیوی مبارک
"دہن بستہ" کا قصہ تھا نہ آساں
"کھلے منہ" کی ہو یہ "شی شی" مبارک

"دہن بستہ" کے بعد "شی شی" کہ دہری تلمیح غضب کی ہے۔
خیال کرنے کی بات یہ ہے کہ اس سے بھی بڑھ بڑھ کر مولانا کھل کھیلتے۔ دوسروں کی ایسی تفریح اور دل لگی پر لوگ لڑ پڑتے مگر مولانا کی اس حد سے گزری خوش طبعی کا بھی بُرا نہ مانتے، اسی طرح کبھی کبھی کسی پر غصہ زور و شور سے آتا، جو ہوتا کچھ مصنوعی سا۔ اور جس پر آتا وہ اس سے ایک محبوبانہ ادا کا سا لطف ہی اٹھاتا۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

شاعری نہیں واقعہ ہے کہ مولانا کے غصہ پر بھی لوگوں کو ہنستے یا پیار آتے ہی دیکھا، وجہ ایک ہی سمجھ میں آئی کہ نفس و نیت کی کوئی خرابی دور دور تک کسی کو نظر نہ آتی۔
زندگی کے ایسے گوشوں کو منظرِ عام پر لانے میں طبیعت جھجک سی رہی تھی، مگر اللہ بھلا کرے خود مولانا ہی کے قلم نے اس کی بڑی سند عطا فرمادی، وفات کے بعد "مقالات احسانی" کے نام سے ان کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بڑے جلیل القدر تابعی اور تاریخ اسلام کے مسلم اولیائے کاملین میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شانِ بے تکلفی کے حالات میں فرماتے ہیں کہ:

"مزاح و مذاق میں کہاں تک بڑھ جاتے تھے، جویریہ نامی ایک صاحب اپنا قصہ اس سلسلہ میں خود یہ سناتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ جو چھوکری (جاریہ) میں نے خریدی ہے، اس کے ہونٹ بہت بڑے اور موٹے ہیں۔
کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ ہی اُن کی زبان سے نکلا کہ "بوسہ لینے میں زیادہ سہولت ہوگی"۔

ان (ابن سیرین) کے دیکھنے والوں اور ان کی مجلس میں شریک ہونے والوں نے اس سلسلے میں ایک بڑی داستان چھوڑی ہے، بے تکلفی کی حد یہ تھی کہ ایسے اشعار جن میں شراب، محبوب، ساقی وغیرہ ساری چیزوں کا ذکر ہوتا لوگوں کو سناتے ہوئے مصلّے پر پہنچ جاتے اور عربی کا ایک شعر جس کا ترجمہ ہے کہ مجھے اطلاع ملی ہے جس لڑکی کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے، اس کی ایڑیاں اتنی لمبی ہیں جیسے رمضان کے دن، ادھر شعر ختم ہوا، راوی کا بیان ہے کہ "ثُمَّ قَالَ اللّٰہُ اَکْبَر" یعنی اس کے بعد، اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لیتے۔"

ہو بہو ہمارے مولانا بھی اسی طرح عین ہنسی دل لگی کی باتیں کرتے کرتے نماز کی نیت باندھ لیا کرتے، بالکل اپنا ہی نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کتابوں پر نظر اُن کی ایسی وسیع تھی کہ خاص اپنے مزاج و مذاق کی باتیں بھی ان کو مل ہی جائیں اور "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" کے پردہ میں خود اپنی بھی خوب خوب ترجمانی فرما جاتے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت مرحوم کی اپنی جذبی کیفیت ہی نے غالباً ان کے قلم کو پہلے پہل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی شانِ جذب کی طرف کھینچا اور اس زندگی کی ایسی دلکش موثر تصویر کھینچی ہے کہ اس کی کشش سے کوئی پڑھنے والا غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔

غالباً خود ہی ذکر فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس ترجمانی پر بہت داد دی تھی اور خصوصیت کے ساتھ فرمایا تھا کہ ایسے جلیل القدر صحابی میں اہل جذب حضراتِ اہل اللہ کی ایک بڑی سند مل گئی۔

جو حضرات حضرت گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان کے قلمی کارناموں سے پہچانتے ہیں یا جنہوں نے ان کی نجی زندگی کے رنگ و بو سے زیادہ آشنا ہونے کا موقع نہیں پایا، وہ اس کا عکس ان ہی کے قلم کے تیار کیے ہوئے، "ابوذرینی و ابن سیرینی" دونوں آئینوں کو سامنے رکھ کر دیکھ سکتے ہیں۔

مجھ کو تو خاص طور پر زیادہ تر دکھانا یہ ہے کہ باوجود ہنسی مذاق ہو، یا دل لگی و خوش طبعی کی بظاہر ثقاہت و سنجیدگی سے گزری ہوئی ان باتوں کے، تھیں ایسی باتیں بس ظاہر ہی ظاہر تک،

بلکہ نفسیاتی نظر سے دیکھا جائے تو تکلف و تصنع سے پاک۔ یہ شان، ان کے باطن یا قلب کے ہر فساد اور نفس کی ہر نفسانیت سے، پاک ہی پاک ہونے کی بجائے خود ایک مستقل شہادت تھی اور نہ یہ سراپا نفس نفسانیت۔ راقم خود اپنے ۳۳، ۳۴ سال کے ہر طرح کے تعلقات و معاملات پر مبنی ان کے تجربات کو سامنے رکھ کر مکرر پوری ذمہ داری و ایمان داری سے شہادت دیتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی کبھی ان کی کسی بات سے، دل کی کسی کھوٹ یا اندر کے کسی دنی و خسیس جذبہ کا اثر پڑنا، نہ خود اپنے اوپر قطعاً یاد ہے، نہ کسی دوسرے پر۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بس کچھ وقتی طبعی اثر ہو گیا۔

اوپر کی سطریں ختم ہوتے ہی اتفاقاً ۲۶ر نومبر ۱۹۵۰ء کے ایک مکتوب پر نظر پڑ کر ایک اور گوشہ مولانا کی زندگی کا سامنے آ گیا "یک گونہ بے خودی" یا جذب و مستی کا رنگ تو ان میں اتنا نمایاں تھا کہ تھوڑا واقف کار بھی اس سے ناواقف نہ رہتا، لیکن بہتوں کو مغالطہ "جذباتیت" کا رہتا۔ انسان کی نفسیات بڑی پیچیدہ ہے۔ ایک عام و عالمگیر جذبہ محبت و نفرت کا لازمۂ بشریت ہے، ہر کسی کو کسی نہ کسی شخص یا شئی سے نفرت بھی ہوتی ہے اور کسی سے محبت بھی، مولانا کو کسی شئی سے رہی ہو تو رہی ہو، لیکن کسی شخص کی طرف سے ان کے سینے میں کبھی کسی نفرت کا سراغ نہ ملا۔ اسی طرح کسی کی محبت سے بھی ان کا دل خالی ہی پایا۔ ایک ہی گھر میں سال سال بھر ایسی رفاقت بھی حاصل رہی کہ ان کے گھر والے بھی ساتھ تھے، مگر کسی بچے کو گود میں اٹھانا کیا معنی محبت سے پاس بٹھاتے یا پیار کرتے تک نہیں دیکھا۔ ایسے بے تعلق رہتے کہ گویا یہ ان کا بچہ ہی نہیں اور تو اور اہلیہ محترمہ ماں ہو کر اس کمال میں باپ سے بھی آگے تھیں۔ خود بھی ان کے جو اوصاف بیان فرماتے، راوی وہ خود نہ ہوتے تو یقین کرنا مشکل ہوتا کہ کسی عورت کا دل بھی اس درجہ جذبات سے خالی ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا جوڑ خوب ہی ملایا تھا۔ جب بال بچوں ہی سے مولانا کو کوئی جذباتی وابستگی نہ تھی تو مخلوق میں اور کس سے ہوتی، کھل کر کبھی پوچھنے کا موقع خیال نہ آیا، لیکن اغلب یہی ہے کہ "در جوانی چناں چہ افتدانی" والے جذبات جوانی کی "افتاد" سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بالکل بچائے ہی رکھا ہوگا۔

خاکسار نے اپنے ایک عریضہ میں کچھ ایسی شکایت کی تھی کہ حیدر آباد سے جدائی و

دوری کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دل سے بھی اس نالائق کو بالکل دور ہی فرما دیا گیا ہے۔
جواب میں فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ سب سے زیادہ ان فقیری نفسیات کا صحیح علم آپ کو بخشا گیا ہے، پھر بھی "عقلیت" کے سوا "جذباتیت" کا اس شخص کے وجود میں قطعاً کوئی حصہ نہیں، جسے دنیا صرف جذباتی باور کرتی ہے پھر بھی آپ کا یہ فیصلہ شاید ظلم کے حدود سے باہر نہیں۔ کیا آپ جیسے بزرگوں کی یاد بھی دل سے نکل جاتی ہے۔ اتنا بے توفیق تو نہیں ہوں۔"

یقیناً طویل و مدید اور طرح طرح کے ذاتی وصفاتی روابط و علائق کے طفیل میں اس نیاز مند کو کچھ نہ کچھ خدمات کی توفیق میسر آتی رہی اور مختلف قسم کے حسنِ ظن بھی مولانا کو پیدا ہو گئے تھے، جن کی بناء پر وہ کسی معاملے میں اس سے بے نیاز و بے رخی تو بلا شبہ نہ فرماتے تھے اور اس کی یاد بھی یقیناً بقول ان کے دل، یا زیادہ صحیح معنی میں دماغ سے نکلی ہو گی، ساتھ ہی یہ بھی بالکل یقینی ہے کہ جس کو طبعی و "جذباتی" یا قلبی تعلق انس و محبت کا کہا جاتا ہے، وہ جب اپنے بال بچوں ہی سے مولانا کو نہ تھا، تو مجھ سے یا کسی اور سے کیا ہوتا اور اس حیثیت سے حرف حرف یہ درست ہے کہ "عقلیت" کے سوا جذباتیت کا ان کے وجود میں کوئی حصہ نہ تھا۔ راقم سطور بھی طبعی محبت سے خالی ہی اپنے کو پاتا ہے۔ تاہم مولانا کے مقام "عقلیت" سے اپنے کو ہمیشہ بہت نیچے ہی پاتا رہا۔

مولانا کی زندگی کا سب سے کمزور پہلو عمل کا تھا، کمالاتِ علم کے جتنے بڑے دھنی تھے عمل میں اتنے ہی درجہ صفر تک کے کمال کو پہنچے ہوئے۔ انتہا یہ کہ علم و عمل دونوں کے اس نالائق و عاجز کو بڑا عملی خیال فرماتے رہے جو کسی حد تک ان کے صفری درجہ کے مقابلہ میں بجا بھی تھا۔ باقی مولانا کا حال تو یہ تھا کہ اگر کھانے پینے کا بھی بندوبست باورچی سے لے کر دسترخوان تک کوئی دوسرا نہ کر کرا دیتا تو فاقہ ہی فرماتے، یا مضطر ہوتے تو بازار کے چنوں ونوں تک پر قناعت فرما لیتے۔ سفرِ حج میں لفظ لفظ بھی آنکھوں کے سامنے آیا۔ عرفات کے میدان میں اپنی مستی و بے خودی کے عالم میں جو کھوئے گئے تو دوسرے دن میں رمی جمار کے کسی مقام پر بھنے چنے ہی کھاتے پائے گئے، کھانے کی کسی دکان یا ہوٹل تک جانے کے

اہتمام سے یہی آسان جانا۔ سفر تنہا بہ مشکل اور شاید ہی کبھی فرماتے، سامان تو سامان خود اپنے وجود کی دیکھ بھال دشوار تھی۔

پھر بھی ذہن ودماغ کی رسائیوں کے تو ماشاء اللہ بادشاہ تھے ہی۔ خالی عملی منصوبوں یا اسکیموں تک ذہن خوب پہنچتا، وفات کے بعد جب ان کی یادگار کا بعض ''صدقِ'' زبانوں پر نام آیا تو میں نے ان کی وقت کی ایک ایسی ہی بڑی اہم عملی تجویز کی طرف ''صدق'' ہی کے ذریعہ توجہ دلائی، مگر اولاً تو زبان وقلم سے آگے، جس میں شعوری غیر شعوری طور پر نام و نفس کی بھی کچھ غذا نقد انقد مل جاتی ہو، ہم مسلمانوں کے قدم شاذ ونادر ہی آگے بڑھتے ہیں، خصوصاً کسی ایسے ٹھوس عملی کام کے لیے جس میں کم از کم ابتدا میں کام ہی کام زیادہ ہو اور نام کا چٹخارا برائے نام۔

مولانا پڑھے تو ''دیوبند'' میں تھے، لیکن پیدا ''ندوی'' ہوئے تھے اور اس کو دیوبند میں قدم رکھنے سے بہت پہلے ٹونک میں ان کے استاذ مولانا برکات احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا بھانپ لیا تھا کہ خود مولانا ہی مزہ لے کر ان کا یہ فقرہ نقل فرمایا کرتے کہ: ''شبلی کا یہ انڈا میرے ہاں کہاں سے آ گیا۔'' ندوہ سے باہر خالص دینی تعلیم وتربیت والوں میں شاذ ونادر ہی ایسے افراد ملیں گے جن کو حضرت اکبر کی زبان میں ندویوں کی سی ''زبانِ ہوشمند'' ملی ہو یا جن کی زبان سے دین کی وکالت وحمایت کی بات، جدید تعلیم کے دنیا دار کان لگا کر سننا کچھ پسند کرتے ہوں۔ مولانا ان شاذ و نادر افراد میں ''فردِ فر'' کا درجہ رکھتے تھے، بلکہ مولانا دریا آبادی سلمہٗ کے بقول ''ہر بڑے سے بڑے ندوی سے بڑھ کر ندوی تھے''۔

حضرت مرحوم کی اس موہوب ''ندویت'' کے لیے واہب العطایا جلّ مجدہٗ نے عثمانیہ یونیورسٹی کا میدان بھی خوب ہی خوب عطا فرما دیا تھا۔ اس اسٹیج پر ان کے خصوصی کمالات کا پہلا نظارہ سالہا سال تک دینیات لازم کی کرسی سے ہوتا رہا۔ اس میں ایک طرف انٹر سے لے کر بی اے وبی، ایس، سی آرٹ وسائنس کے سیکڑوں ہزاروں طالب علموں کے جدید ذہنی سانچہ اور اس میں ابھرنے والے دینی شکوک وشبہات کے جاننے پہچاننے کا بھرپور موقع ملا، دوسری طرف ان کے ازالہ وامالہ کا جدید تعبیرات واصطلاحات ہی کے ذریعہ اپنی وہبی قابلیتوں سے خوب خوب کام لینے کا۔

نہ جاننے والے اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ جدید علوم وفنون کے معلمین، ان کی تعلیم گاہیں اور ان میں تعلیم وتربیت کا ماحول سب ملا کر دینِ حق میں ایسے سمِ قاتل کا حکم رکھتے ہیں کہ کوئی بہت بڑا ''بطنی سعید'' ہی عمل تو عمل ایمان کو بھی صحیح سلامت لے کر ان سے باہر آپاتا ہوگا۔ لیکن جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرتِ گیلانی کے زیرِ درس دینیات لازم کے ان سیکڑوں طالب علموں میں کوئی بہت بڑا ''بطنی شقی'' ہی ہوتا ہوگا جو ہر روز ان کے تازہ بتازہ درسوں سے تازہ بتازہ ایمان لے کر باہر نہ آتا ہو۔ خود مجھ کو فلسفہ کے ۴۰، ۵۰ طالب علموں کی بی۔ اے کی جو جماعت پہلے پہل وہاں ملی تھی، اس کا پہلا تجزیہ یہی ہوا تھا کہ ان میں شاید ہی کوئی رہا ہوگا جس کے ایمان کی کوئی نہ کوئی چول ہل نہ رہی ہو۔ لیکن پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۲۳ سال میں اس نام کے ''بدنام'' ندوی کو بھی کوئی ایسا طالب علم معلوم نہیں، جو ایمان دشمنی کے لیے ''بدنام فلسفہ'' خصوصاً مغربی فلسفہ سے ایمان ہی کا کوئی نہ کوئی سبق لے کر نہ نکلا ہو۔ بعض غیر مسلم طلبہ کی زبان سے تو یہاں تک سنا گیا کہ اسلام کی حقانیت میں ہم کو کوئی خلش باقی نہیں رہی، البتہ دنیوی مجبوریوں اور مصلحتوں سے اعلان کی ہمت نہیں۔ مغربی و اسلامی فلسفہ کے علاوہ سال دو سال مولانا کی جانشینی میں دینیات لازم کے لکچروں کا بھی تجربہ ہوا۔ اس سے اور بھی اندازہ ہوا کہ دین اسلام کی اس ایک نصرت وخدمت کی بدولت آج وہ اسلام کے، خدا اور رسولؐ دونوں کے حضور کیسے سرخ رو ہو رہے ہیں اور کیسی رضا اور رحمتوں سے ان شاء اللہ گزارے جا رہے ہوں گے۔

ملنا جلنا اور ربط وضبط بھی مولانا کا جدید علوم وفنون کے اساتذہ سے زیادہ رہتا اور سب ہی کو ان کی ذہنی وعلمی برتری کا لوہا ماننا پڑتا۔ یونیورسٹی کے باہر بھی مولانا کے افادات کا تعلق زیادہ تر نئی تعلیم وروشنی والوں ہی سے رہتا، مختلف قیام گاہوں کی قریبی مساجد میں درسِ قرآن کا جو سلسلہ وقتاً فوقتاً چلتا رہتا، اس سے مستفید ہونے والے تو تقریباً سارے کے سارے نئے تعلیم یافتہ ہی ہوتے اور ان کے مجمع میں مولانا کی طبیعت وزبان دونوں خوب کھلتی۔ بخلاف اس کے بقول خود ''ہم پیشہ مولویوں'' سے ڈرتے رہتے اور اپنے خصوصی افکار وخیالات کا عام تقریروں اور مجلسوں میں بہت بند بند ہی اظہار ہوتا۔

مضامین ومقالات اور تصانیف میں 'تدوینِ حدیث' 'تدوینِ فقہ' جیسی خالص دینی

چیزوں تک کا خاص ہدف "دین کے باب میں نئے نئے وساوس وخطرات" والوں ہی کو پائیں گے، ہر پھر کر مطلب ومدعا یہی ہوتا ہے کہ معنی وعبارت عنوان ومتون ہر راہ سے گھیر گھار کر نام نہاد اپنے روشن خیال بھائیوں کو "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں سے کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر عمل نہ سہی کم از کم ایمان کی روشنی میں تو لاکھڑا کر دیں۔ غرض یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا گیلانی نے اپنی تحریری وتقریری پوری زندگی کا سب سے بڑا مشن اپنے نئے بھٹکے ہوئے بھائیوں کی دستگیری کو بنا رکھا تھا۔

البتہ زبان وقلم کی بے پناہ طاقت کے ساتھ دست وبازو کے کمزور ہونے کی معذوری سے اس مشن اور جذبہ کی کوئی عملی یادگار نہ چھوڑ سکے۔ بااین ہمہ ایک عملی تجویز یا اسکیم ایسی چھوڑی ہے جو جدید تعلیم کے زہر کا نسخۂ سب سے آسان "ارزاں" ساتھ ہی کارگر "تریاق" ہے۔

جس طرح نئی تعلیم اور اس کی تعلیم گاہوں، اسکولوں، کالجوں وغیرہ کے سیلاب کو روکنا ناممکنات سے ہے، اسی طرح عملاً یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے ہر جگہ ایسے کالج واسکول قائم کیے جاسکیں جن میں جدید علوم وفنون کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا کوئی معتد بہ وموثر انتظام ہوسکے۔ اس کی بجائے بدرجہا آسان وارزاں مولانا کی یہ تجویز تھی کہ نفس اس تعلیم کے لیے تو مسلمان طلبہ کو جہاں تک ہوسکے سرکاری اور غیر سرکاری تعلیم گاہوں ہی میں گھسنا چاہیے، باقی نام کے مسلم اسکول وکالج یا "مسلم یونیورسٹی" پر مسلمانوں کا لاکھوں کروڑوں روپیہ برباد ہونے کے مقابلہ میں انفرادی واجتماعی زور ہر جگہ چھوٹے بڑے اور ممکن حد تک ارزاں سے ارزاں اسلامی اقامت خانے (ہاسٹل) قائم کرنے کرانے پر لگانا چاہیے۔ یہ نئی تعلیم اب نہ گنے چنے چند اغنیاء وامراء کی اولاد تک محدود ہے اور نہ رہ سکتی ہے لہٰذا کم استطاعت اور غیر مستطیع طلبہ کی قریب قریب ساری بھیڑ چارونا چار ان اقامت خانوں میں پناہ پانے پر مجبور ہوگی۔ ان میں ممکن حد تک بقدر ضرورت دینی تعلیم اور اس سے بڑھ کر بہتر حتی المقدور دینی تربیت کی فضا وماحول کا انتظام کرنا چاہیے۔ خود ہاسٹل میں مقیم ان کے نگراں کے علاوہ بھی ان کا ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا جہاں تک ہوسکے کچھ نہ کچھ ایسے افراد اور جماعتوں کے ساتھ ہوتا رہے جو ایمان اور عملِ صالح کی

زندگی کا خود ذرا اچھا زندہ نمونہ ہوں اور بات چیت بھی ان سے ان کے ذہنی میلانات و رجحانات کو جان پہچان کے کرا سکتے ہوں۔ کتابی تعلیم کا بار زیادہ نہ ہو، روزہ اور نماز باجماعت کی پابندی تو لازم ہونا ہی چاہیے، اس کے ساتھ زیادہ زور معاملات اور اَخلاق کی اصلاح پر رہے۔ کتابی تعلیم میں بس آدھ گھنٹہ نماز فجر کے بعد ہی قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر، اس کے علاوہ حدیث کا ایک ایسا انتخاب جس میں ایمانیات کے ساتھ اعمالِ صالحہ اور ان میں خصوصاً حقوقِ عباد، معاملات اخلاق اور معاشرت پر زیادہ توجہ دلائی گئی ہو اور ایک روز مرہ پیش آنے والے ضروری فقہی مسائل کا مجموعہ۔ کوئی مناسب وقت ان دونوں کے لیے ملا کر کم و بیش ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ ہو۔ باقی عام مطالعہ کے لیے سیرت کی کتابوں خود مولانا گیلانی، مولانا دریابادی (خصوصاً 'صدق' کی فائلوں) مولانا نعمانی، مولانا علی میاں سلمہم کی کتابوں اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کے ساتھ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواعظ، اسی طرح دوسروں کی جو بالخصوص جدید ذہنوں کے لیے مفید و مناسب کتابیں ہوں، ان کا ذخیرہ اقامت خانہ کے عام دارالمطالعہ میں موجود رہے اور کچھ ماہنامے وغیرہ بھی ایسے ہی فراہم کیے جاتے رہیں۔ نیز چھٹیوں میں ذرا ایسے نمایاں حضرات سے جو نئی ذہنیت والوں میں معروف و مقبول ہوں ان کے خطاب عام و خاص سے مستفید ہونے اور اپنے شکوک و شبہات دور کرنے کے مواقع بھی وقتاً فوقتاً جو حاصل ہو سکیں حاصل کیے جاتے ہیں۔

ابتدا ان اقامت خانوں کی ایسے طالب علموں سے ہو جو اپنے دین و ایمان عادات و اخلاق میں زیادہ بگڑے نہ ہوں اور نسبۃً زیادہ تربیت پذیر ہوں، تعدادی غلبہ ہمیشہ ایسوں ہی کا رہے۔ بہت بگڑے ہوؤں خصوصاً تربیت ناپذیر غیر مطیع و سرکش طبیعت والوں ایک کو بھی جگہ نہ دی جائے۔ گو ایسی تہائی مثالیں استثنائی ہوں گی تاہم احتیاط اسی میں ہوگی کہ ابتدائی داخلہ مہینہ دو مہینہ کی مدت کا عارضی و امتحانی ہر طالب علم کا رکھا جائے۔

خیر یہ جزئیات تو اس جذباتی فطرت والے راقم کے ہیں جو اور بھی بہت سے دماغ میں بھرے ہوئے ہیں۔ خیال تھا کہ کسی طرف عملی قدم اٹھایا گیا تو پیش کر دیے جائیں گے، لیکن بے عملوں کی عملی بات سنی جا سکتی تو خود حضرت مرحوم کی زندگی ہی میں کیوں ''ان سنی''

رہتی۔ ورنہ جدید تعلیم کی عالمگیر وبا وکلی مرض کا یہ اصلی کلی وعملی علاج زبان وقلم سے بار بار سننے اور سمجھنے میں مرحوم ہی سے آتا رہا۔

پوری دنیا کے پورے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں شاید نہیں، یقیناً دین و مذہب کے حق میں کوئی شر وفساد اپنی شدت و وسعت کے اعتبار سے تعلیمِ جدید، اس کے علوم وفنون، اس کی لائی پھیلائی ہوئی معیشت ومعاشرت، تہذیب وثقافت، حکومت وسیاست سے بڑھ کر کیا اس کے لگ بھگ بھی قطعاً معلوم نہیں۔ وسعت کا یہ حال کہ جن ملکوں میں اس تعلیم کے افراد گنتی میں ابھی انگلیوں پر گنے جاتے یا دو چار فیصد سے زیادہ نہیں، سیاست و معاشرت سب پر عملاً حاوی وقابض وہی ہیں۔ خالص مسلمان ملکوں اور حکومتوں تک میں دین اور دینی تحریکوں پر ظلم وزیادتی، مخالفت ومزاحمت کی جو بلا آتی ہے بواسطہ یا بلا واسطہ نازل ان ہی گنے چنے افراد یا ان کے جراثیم کا وبائی تعدیہ ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ گھر کے یہ بھیدی تو ''مسلمان'' بن کر لنکا ڈھاتے اور اسلام کی جڑوں پر تیشہ چلاتے ہیں۔ اسلام کا کوئی کافر سے کافر کھلا دشمن بھی اتنا خطرناک نہیں ہوسکتا جتنا مسلمانوں میں گھسے رہنے والے یا ماڈرن منافق و مرتد۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عام مسلمانوں کی نظر ان کی نفاقی وارتدادی چالوں اور چالاکیوں پر پڑتی ہی نہیں۔ عوام کیا دین کے خواص ہمارے علماء تک ان کے ارتداد سے اتنے بے خبر ہیں کہ "یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کی بجائے فوج کی فوج دین سے نکل رہی ہے۔ ان خارج والوں پر ان کی اتنی نظر اور اتنی فکر بھی نہیں جتنی ابھی ایک آدھ نسل قبل کچھ عیسائی یا ''شدھی'' ہوجانے والے مسلمانوں کی پڑ گئی تھی۔

خدا بھلا کرے فرعون کے گھر میں پلے ہوئے ایک موسیٰ کا کہ نئی اعلیٰ تعلیم ہی کے ایک گھریلو بھیدی نے اپنے گھر والوں کے اس ارتدادی ''طوفان'' پر جس طرح کھل کر آگاہ کیا، اس نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کردیا ہے کہ اس کے مقابلہ کے لیے صرف زبان و قلم کی کوئی تقریری وتحریری جدوجہد ہرگز کافی نہیں، جب تک اس کا توڑ اس کی پیدائش کے گھروں ہی سے نہ ہوتا رہے۔ یعنی ایک طرف جس طرح کالجوں یونیورسٹیوں کے دورانِ تعلیم میں یہ زہر طالب علموں کے ذہن کو آہستہ آہستہ متاثر کرتا ہے اسی طرح دوسری طرف ساتھ ساتھ ہی گیلانی اقامت خانوں کی تعلیم وتربیت سے اس کا مداوا وازالہ ہوتا رہے۔

''سرچشمہ باید گرفتن بہ میل''۔ بہر حال گھر والے (شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهٖ) کی یہ شہادت یا خطرہ کا الارم خود اس کی زبان سے، بڑے عبرت کے کانوں سننے کے لائق ہے:

''نہایت وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس نوعیت اور اس پیمانہ کا فتنۂ ارتداد اسلام کی ساری تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود شاید مسلمان کبھی کسی قوی خطرہ سے اتنے بے پروا کبھی نہیں ہوئے جس قدر اس سے......

اب کفر وارتداد ایک اور لباس میں اسلام کے مقابلے پر آیا ہے۔ اس مرتبہ اس کا لباس (آریہ یا عیسائی) مذہب کا نہیں بلکہ فلسفہ (یا علم وعقل) کا لباس ہے، اس لباس میں وہ اسلام ہی کو نہیں، سارے مذاہب کو ملیامیٹ کر دینا چاہتا ہے......اس نے (عیسائیت وغیرہ باطل) مذاہب کی طرح صرف چند نہیں، لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنایا ہے اور اس کی فاتحانہ یلغار برابر چل رہی ہے۔

بڑے پتہ کی بات کہ باطل مذہب عیسائیت وغیرہ۔

''براہ راست اور بلاواسطہ اسلام کے مقابلے پر آتا تھا...... (بخلاف اس کے) باطل فلسفہ، علم وعقل کے نام سے اس کا مقابلہ کرتا ہے، وہ جب اسلام کی تردید کرتا ہے تو اسلام کا نہیں، بلکہ اسلام سے اس طرح قطع نظر کرتا ہے، گویا اس کو معلوم ہی نہیں کہ اسلام اس کے حریف کی حیثیت سے دنیا میں موجود ہے...... بلکہ وہ علمی تحقیق وعقلی استدلال کے بل بوتے پر انسان اور کائنات کی ایسی تشریح کرتا ہے جس میں خدا اور رسالت اور دین کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی......''۔

ماشاء اللہ و جزاہ اللہ خوب خوب چور پکڑے ہیں! پتہ ہی پتہ کی اور سنیے:

''باطل مذہب جب اسلام کی مخالفت کرتا تھا تو ہماری غیرتِ دینی جوش میں آتی تھی، ہمارا جائز غصہ بھڑکتا تھا لیکن باطل فلسفہ جب اسلام کی مخالفت کرتا ہے تو ہماری غیرتِ دینی کا جوش کم ہوتا ہے، جب ہم اس (باطل فلسفہ) کے

فریب میں پھنستے ہیں تو بے علمی وجہالت قبول کرتے ہیں، لیکن نام اس کو علم کا دیتے ہیں۔ ہم اس کی باتوں کو (اس طرح) جانتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ بات کھٹکتی (تک) نہیں کہ ان کے اثبات سے اسلام کی نفی ہوتی ہے۔ ہم اس کو دشمن نہیں دوست سمجھتے ہیں اور اس سے تعاون کرتے ہیں۔"

"باطل مذاہب کے اثر سے جب کوئی مسلمان اسلام کو ترک کرتا تھا تو وہ مجبور ہوتا تھا کہ کسی گرجا یا مندر میں جا کر "شدھی" یا "بپتسمہ" کی رسمی کارروائی سے گزرے۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو پاتا تھا اور اس کا کفر "الم نشرح" ہو جاتا تھا۔ اسلام سے اس کی دشمنی آشکارا ہو جاتی تھی اور مسلمان اس کی طرف سے ہوشیار اور بیدار ہو جاتا تھا۔"

اور بھی بڑا فتنہ یہ ہے کہ:

"اسلام کے اس نئے دشمن نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ تم مذہب سے بے پروا ہو کر خدا اور رسولؐ کے دشمن بن کر رہو تو بھی اسلام کے دائرہ کے اندر رہو، چنانچہ دینِ اسلام سے رشتہ جوڑنے والے آج نصف سے بھی زیادہ مسلمان ایسے ہیں جو یا تو خدا کے منکر ہیں یا وحی کے، یا رسالت کے، یا حیات بعد الموت کے، یا جزا و سزا کے، یا ان سب کے۔ ان مسلمانوں میں بعض ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اسلام اس زمانے میں نا قابلِ عمل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سارا مذہب ایک ڈھکوسلہ ہے، پھر ان میں کوئی اسلام کے معاشی نظام کو فرسودہ بے کار سمجھتا ہے کوئی اسلامی ریاست کو مذاق قرار دیتا ہے، کوئی جنسی تعلقات پر اسلام کی عائد کی ہوئی پابندیوں کو ایک فطری حیاتیاتی عمل کی ناجائز، مضرِ صحت اور خارج از وقت رکاوٹ سمجھ کر انکار و استخفاف کرتا ہے، کوئی اسلام کی عبادت کے طریقوں کو بے معنی سمجھتا ہے۔ کوئی زکوۃ کو موقوف کرنا چاہتا ہے، کوئی حج کو، کوئی قربانی کو، کوئی نماز کو، کوئی روزہ کو۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اسلام ہی کے نام سے اسلام کی اساسیات تک کا انکار کرتے ہیں، اس کے بنیادی اصول کا مضحکہ اڑاتے

ہیں، وہ اپنے غیر اسلامی تصورات کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور اکثر انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اسلام سے الگ ہو چکے ہیں، بلکہ ایسی راہ اختیار کر چکے ہیں جو اسلام سے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہے۔"

سب سے خطرناک پہلو اسلام سے ان نئے پھرے ہوؤں یا ارتداد پسندوں کا یہ ہے کہ:

"ان ساری باتوں کے باوجود یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت میں مسلمان بن کر رہتے ہیں، ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں، دوستی رشتہ داری، میل ملاپ اور کھانے پینے کے تعلقات قائم کرتے ہیں، بلکہ ان کے جنازے پڑھتے ہیں ان کی عبادتوں میں شریک ہوتے ہیں۔"

بلکہ بہت سارے خود نماز روزہ تک کے پابند ہوتے ہیں، مگر عقائد و ایمانیات میں خدا و آخرت وحی و نبوّت تک کے تصورات بالکل من مانے اور اسلام کے مسلّمات سے قطعاً بے گانے رکھتے ہیں۔ غرض یہ حرف حرف صحیح ہے کہ: اس نوعیت اور اس پیمانہ کا فتنۂ ارتداد اسلام کی ساری تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوا۔"

خود کہا ہی کرتا ہوں کہ آج کی دنیا میں اس طبقہ کے ایک فرد کی بھی اصلاح جتنی اور جس درجہ میں بھی ہو جائے وہ اہل وعیال، خاندان و برادری، گھربار، کچہری دفتر، سیاست و حکومت جہاں کہیں جس چھوٹے بڑے منصب پر ہو گا اس سے پھیلنے والے جراثیم کا مار دینا یا کم کر دینا دین کی خدمت ہرگز نہیں، سیف و قلم یا کسی قوت کا کوئی دوسرا جہاد شاید ہی وقت کا اس سے بڑا اور ماجور جہادی عمل ہو سکے۔

"قرآن اور علم جدید" کے مصنف سلمہٗ سے اس اتدادی فتنہ کا صرف ایک مگر بڑا متعدی اور خطرناک رخ شاید اتفاقاً و تسامحاً نظر انداز ہو گیا۔

اسلام کے یہ "ماڈرن مرتد" فقط اپنی ذات ہی تک ایسی راہ نہیں اختیار کر چکے ہیں "جو اسلام سے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہے" بلکہ اندھیر یہ مچا رکھا ہے کہ ماڈرن سیاست و حکومت ان کی کونسلوں، اسمبلیوں، وزارتوں وغیرہ کی اونچی سے اونچی کرسیوں اور منصبوں

تک پہنچ کر اسلام کے یہ نادان دوست یا چھپے دشمن اسلام کی اعلانیہ نمائندگی کے نہ صرف خود دعویدار بن جاتے ہیں، بلکہ اسلام کے کھلے دشمن ان کو اپنی اسلام دشمنی کا بہترین نمائندہ پا کر بڑے جوش وخروش سے ان کا استقبال کرتے ہیں۔

اس اتفاقی تسامح کے سواحق یہ ہے کہ مصنف کے قلم سے اللہ تعالیٰ نے اس ہولناک ارتدادی فتنہ کے ایک ایک خد و خال کو چند سطروں میں نمایاں کرا کے پوری امت، خصوصاً علمائے امت کی آنکھیں کھولنے کے لیے اتمامِ حجت کا پورا حق ادا کر دیا۔ (جزاہ اللّٰہ عن الاسلام و امتہ) اسی سے زیادہ متاثر ہو کر ہمارے مولانا علی میاں سلمہٗ بارک اللہ فی برکاتہم اس "نئے طوفان کے مقابلہ"[11] میں بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن اس طوفان کے زور کے روکنے اور توڑنے کے لیے نرے "تحقیقاتی ونشریاتی" لٹریچر کا طوفان اٹھا دیا جائے تو بھی ہرگز کافی نہیں، نہ کماً نہ کیفاً۔ بلاشبہ فرض کفایہ کے درجہ میں ضرورت اس کی بھی ہے، لیکن کفایت کے درجہ میں کارگر قطعاً نہیں۔ اوّلاً تو اس سے مستفید ومتاثر ہونے والے سو میں دو چار ہی ہوتے ہوں گے۔ دوسرے اس کی نوعیت زیادہ تر کلامیاتی ہے یعنی وقت کے ذہنی وعقلی رجحانات وتصورات کی زبان اس دینی واسلامی تعلیمات کی لسانی وقلمی تفہیم وترجمانی۔ یا جیسا کہ ندوہ کا روزِ اوّل سے ایک بڑا نصب العین وقت کے لسانی وقلمی رازی وغزالی پیدا کرتا رہا ہے اور کچھ نہ کچھ پیدا کیے بھی، لیکن مولانا دریا آبادی سلمہٗ جیسا کہ بارہا دفتروں کا فیصلہ فقروں میں فرمایا کرتے ہیں ایک مراسلہ کے سلسلہ میں عین ان سطروں کے دورانِ تحریر میں ان کا جواب یہ ملا کہ "اگر الفاظ کے زور سے سب کو قائل کر دینا ممکن ہوتا تو امام رازیؒ کے عہد کے بعد دنیا میں کوئی ملحد یا دہریہ باقی ہی کیوں رہ جاتا۔"[12]

پھر ندوہ نے جتنے "رازی" تقریباً پون صدی میں پیدا کیے ہوں گے ان سے بہت زیادہ اور زیادہ کامیاب مولانا مودودی یا جماعت اسلامی نے چوتھائی صدی ہی میں پیدا کر دیے، بلکہ سچ یہ ہے کہ عصری کلامیات کے لیے جیسا سینہ حق تعالیٰ نے اس جماعت کے اہلِ قلم کا کھول دیا ہے اور وہ تحقیقاتی ونشریاتی لٹریچر کی حد تک ہندوستان وپاکستان کی جماعت اسلامی کے رازیوں نے اس فرض کفایہ کا جیسا حق ادا کر دیا اور کر رہے ہیں اس کی مثال کسی دوسری جماعت کیا شاید ہی کسی دوسرے مسلمان ملک میں ملے۔

اب اگر زیادہ ضرورت ہے تو ندوی و مودودی وغیرہ رازیوں نے جو لٹریچر پیدا کر دیا ہے، اس کو انگریزی، ہندی وغیرہ بلکہ دوسری زبانوں میں منتقل کرانے کی ضرورت ہے۔ باقی جانِ سخن وہی ہے کہ نہ خالی الفاظ کا زور پرانے "رازیوں" کا کافی تھا، نہ نئے "رازیوں" کا ہوگا۔ کیونکہ دین اپنی حقیقت میں نام ہے ظاہر سے بہت زیادہ باطن یا قلب کے انقلابات کا۔ بلکہ معتبر اس کا ظاہر بھی صرف وہی ہے جو جس قدر باطن کا پرتو ہو۔ زبان و قلم کی متکلمانہ سخن سازیوں سے کچھ زبانوں کو تو خاموش کر دیا جاسکتا ہے، گویا خاموش ہونے والی زبانیں اس راہ سے بھی خاموش نہیں کی جاسکیں، عقل ہے ہی ایسا وکیلانہ حربہ یا دو دھاری تلوار جو دونوں طرف چلتی ہے۔ اس سے دینی حقائق کو جس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے اسی طرح باطل بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ موقوف وکیل کی وکالت و ذہانت پر ہے کہ وہ مقدمہ کے کس پہلو کی تائید و تردید کرنا چاہتا ہے۔ کہا ہی کرتا ہوں کہ "عقل جج نہیں وکیل" ہے، جیسا مقدمہ اس کو دے دو گے اس کے مطابق وکالت کر دے گی۔ رہا راسخ و پائدار قلبی انقلاب، اس کی صحیح راہ چھوٹے بڑے کسی پیمانہ پر بھی، "تحقیقاتی و نشریاتی" نہیں، انبیائی یا اہلِ قلوب کی راہ ہے۔ ورنہ نفس ہدایت تو انبیاء کے بس میں بھی نہیں۔ نبی الانبیاء تک کو تنبیہ ہے کہ "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" اور ہماری بندگی کا فریضہ دین و دنیا کے سارے معاملات میں ایمان و عمل صالح کے اسباب کو اختیار کرنا اور نتائج کو مسبب الاسباب کے حوالے کر دینا۔

اس لیے ظاہری اسباب و تدبیر کی حد تک بھی کلامیاتی لٹریچر کے فرض کفایہ کے ساتھ ٹھوس تدبیر گیلانی اقامت خانوں ہی کی ہے،[13] ان کے نظام کو اعلیٰ تعلیم کے ارتداد فتنہ یا "نئے طوفان" کے مقابلہ میں شہر شہر اس طرح پھیلایا جائے جس طرح آج نام کی مذہبی (سیکولر) تعلیم کے فتنہ کے مقابلہ میں (یوپی میں خصوصاً) گاؤں گاؤں ابتدائی اسلامی مکاتیب پھیلانے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو کر کچھ عملی کام بھی چل نکلا ہے۔ "وفقنا الله لما یحب و یرضیٰ"

تاہم ظاہر ہے کہ گیلانی اقامت خانوں کی تجویز بھی ایک ظاہری تدبیر ہی ہے اور بذاتِ خود کوئی ٹھوس قلبی انقلاب رونما کرنے کے لیے ناکافی۔ لہٰذا اس قلب و قالب دونوں

کے نابکار راقم کے نزدیک ان اقامت خانوں کے لیے بھی کسی نہ کسی معتد بہ درجہ تک کچھ نہ کچھ اہلِ قلوب کا تعلق اور ان کی ہمت و توجہ کو حاصل کرتے رہنا ضروری ہے۔ خواہ "بجائے خود زبان و قلم کے یا کتابی و ظاہری علم کے اعتبار سے بالکل اُمّی ہوں"۔ ایسی ایک غیر معروف لیکن بڑی عجیب و نادر زندہ مثال آپ "الفرقان" [۱۱] کے صفحات میں "اللہ کا ایک بندہ" کے عنوان سے پا سکتے ہیں۔ قرآن کا مطالبہ ہی علم و قلم یا "الفاظ کے زور سے" قرآن کی داد دینے سے بھی پہلے "اللہ کا بندہ ہی بندہ" بننے بنانے کا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَا لْاِنْـــسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ اللہ کے اس جیسے بندۂ قلبی کی توجہ و دعا کیا اس کو محض آنکھوں سے دیکھتے رہنا ہی ان شاء اللہ وہ کام کرے گا جو زبان کے دفتر کے دفتر نہیں کر سکتے۔

بات میں بات نکلتی اور دراز نفسی بڑھتی چلی جا رہی ہے، لیکن موقع پا کر عرض کیے بغیر نہ رہا گیا کہ صاحبِ مکتوبات حضرت گیلانی کی زبان و قلم کے زبانی و قلمی ہزاروں عقیدت مندوں میں شاید کوئی صاحبِ عمل بھی ایسا نکل آئے جس کو حضرت مرحوم کی اس ٹھوس عملی تجویز کو عمل میں لانے کی توفیق مل جائے۔ کسی پیمانہ پر بھی اگر ایک عملی نمونہ سامنے آ گیا تو ان شاء اللہ آگے راستہ کھل جائے گا ورنہ بظاہر مرحوم کے ساتھ ان کی یہ تمنا بھی مرحوم ہی ہو چکی ہے۔

آخر ۱۹۵۱ء (۱۰ نومبر) کے ایک مکتوبِ گرامی میں بھی اس تمنا کے بار بار اظہار کو اس طرح ظاہر فرما گئے ہیں کہ:

> "اپنے بزرگوں اور کام کرنے والے اربابِ ہمم سے عرض کرتا رہتا ہوں کہ اسلامی اقامت خانوں کے قیام سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جہاں کہیں سرکاری اسکول و کالج ہیں کوشش کی جائے کہ وہاں مسلمانوں کے اقامت خانے قائم کیے جائیں، جن میں اسلامی زندگی کی عملاً اور قرآنی ادب کی تعلیماً بس ان دو باتوں کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ سادہ کھانا، سادہ قیام گاہ، کم از کم مصارف۔ مدارس و مکاتب کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے، اقامت خانوں کا نظام موجودہ حالات کے لحاظ سے غالباً زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو۔

لیکن تجویز کے سراہنے والے تو مل جاتے ہیں، لیکن عملی جدو جہد میں جو مشغول ہیں ان کو بھی نمونہ کی حد تک اس تجویز کو عملی قالب میں لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔''[۱۵]

راقم عاجز کو حرف بہ حرف یہی تجربات ہوئے۔ دل کو یہ تجویز ایسی لگی تھی کہ نوکری سے رہائی پاتے ہی چاہا تھا کہ ابتدائی تجربہ ونمونے کے طور پر کسی نہ کسی طرح آغاز ہو جائے، لیکن خود کسی ایسی عملی خدمت کیا، عملی تعلقات ہی کے سرے سے نالائق ہوں، ایک جوانِ صالح، جوان ہمّت صاحبِ علم وعمل آمادہ بھی ہو جائے، پھر یاد نہیں کیا صورت یا کیا معذوری ان کو پیش آئی کہ خیال خواب ہو کر رہ گیا۔ مولانا کی وفات پر خصوصاً جب بعض ان کے عقیدت مندوں نے ان کی یادگار کا ذکر چھیڑا تو یہ خواب از سرِ نو یاد آ گیا۔ ظاہری اسباب بھی فراہم نظر آئے، بڑا مسئلہ مکان کا ہو سکتا تھا، خاکسار خود اپنا خاصا بڑا امکان کامل تخلیہ کے ساتھ پیش کرنے کو تیار تھا۔ تائید وتقویت فرمانے والے مولانا دریا آبادی، مولانا نعمانی، مولانا علی میاں اور (ناظم ندوہ) ڈاکٹر مولانا سیّد عبد العلی سلمہم جیسے حضرات تھے۔ مگر کمند ٹوٹی کہاں جا کر کہ ایسے اقامت خانے میں قیام وانتظام کے لیے موزوں نگراں دستیاب یا تیار نہ ہوا، حالانکہ اس کے لیے قدیم وجدید علوم وفنون کے کسی فاضل کی ضرورت نہیں، نہ کسی بڑے خطیب ومقرر، مصنف وانشا پرداز کی، احکامِ دین کے بقدر ضرورت علم کے ساتھ ایمان وعملِ صالح کی معتد بہ عملی زندگی کافی ہو سکتی ہے۔ البتہ جدید تعلیم والوں کے ذہنی رجحانات سے اتنا ضرر مانوس ہو کہ ان کی رعایت کے ساتھ ان کی نگرانی کی خدمت انجام دے سکے، بلکہ خود جدید تعلیم والوں ہی میں سے ہو تو کیا کہنا اور بڑے شہروں خصوصاً ان کے اسکول و کالج کے اساتذہ میں بعض افراد ایسے نظر بھی آتے رہتے ہیں، ان کے لیے اگر قیام وغیرہ کی کچھ سہولتیں فراہم ہو جائیں تو غالباً کوئی نہ کوئی آسانی سے تیار ہو جائے۔

یوں تو کچھ نہ کچھ مشکلات سے چھوٹا بڑا کون سا کام خالی ہوگا، لیکن اس جدید ہولناک ارتدادی فتنہ وطوفان کے مقابلہ کے لیے اسلامی اقامت خانوں کی گیلانی تجویز ہی سب سے زیادہ کارگر ہونے کے ساتھ عملی وآسان بھی ہے۔ تاہم تجربہ ہندوستان سے لے کر پاکستان تک مولانا گیلانی والا ہی ہوتا رہا کہ ''تجویز کے سراہنے والے تو مل (کیا بہت

مل) جاتے ہیں، لیکن عملی جدو جہد میں جو جو مشغول ہیں، (مثلاً جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور جمعیۃ العلماء) ان کو بھی نمونے کی حد تک اس تجویز کو عملی قالب میں ڈھالنے کی توفیق نہیں ہوئی۔" بات وہی ہے کہ یہ کام ہے زیادہ تر خالص ٹھوس، عملی اور پتہ ماری کا اور ہمارے اندر بے نام کے کام کی عملی صلاحیت بالعموم اور بھی روز بروز زوال پذیر ہے۔ دیو بند، علی گڑھ، حمایت الاسلام، جامعہ ملّیہ وغیرہ جو ایک صدی کے اندر کی عملی یادگاریں ہیں اب وہ بھی الاّ ماشاء اللہ اپنی رہی سہی اصل روح و مقصد سے بڑی حد تک دور ہو چکی ہیں۔ اگر کہیں کچھ ہو بھی رہا ہے تو زیادہ تر ظاہری و نمائشی یا کمی وعددی طور پر۔ اندر کی جب کچھ خبر ملتی ہے تو عموماً دردناک و دل شکن ہی ملتی ہے اس "ہر روز تیرمی بینم" کے دیکھتے جہاں کہیں کچھ صحیح کام ہو رہا ہے غنیمت ہی غنیمت معلوم ہوتا ہے اور اہلِ اخلاص کا اجران شاء اللہ بہر حال یقینی ہے۔

صاحبِ مکتوب کی اقامت خانوں کی تجویز کچھ تفصیل سے اس لالچ میں شریکِ مکتوبات کردی کہ شاید کسی صاحبِ اخلاص وعمل کو "نمونہ کی حد تک" ہی عمل میں لانے کی توفیق مل جائے اور مرحوم صاحبِ مکتوبات کی یہ "مرحوم" آرزو عملی زندگی پا کر ان کے اور "صاحبِ توفیق" دونوں کے لیے بہت بڑے خیر جاری کا سرچشمہ بن جائے ورنہ اس سراپا فضیحت نابکار و تباہ کار کے لیے زبانِ نصیحت ہلانا بھی شرمناک ہے. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ .

زشت باشد روئے نازیبا و ناز
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

حواشی

۱)...... یہ ترجمہ کرتے وقت طبیعت ذرا جھجک رہی تھی مگر روح المعانی میں "خصلت" کا ایک ایسا لفظ نکل آیا جس کا لفظی ترجمہ آج کل کے محاوروں میں "ذہنیت" ہی ہو سکتا ہے "فسنهيئه للخصلة التي تودي الى يسر وراحة" یعنی ہم اس کی خصلت ایسی بنا دیں گے جو اس کو آسانی وراحت کے طریقوں کی طرف لے جائے گی اسی طرح مکذبین کی ذہنیت ایسی بنا دیں گے جو ان کو دشواری و سختی (الى العسر والشدة) کے طریقوں سے ڈھکیلے گی۔

۲)...... اس دفتریت کا لال فیتہ (red tape) اپنی طوالت وطوماریت کے لیے ان دفتریت والوں ہی میں کیا کم نیک نام ہے اس شیطانی آنت کی پیائش کا تازہ بتازہ رکارڈ خود اپنے ملک کا بزبانِ ''صدق'' سن لیں کہ ۱۹۵۸ء صرف ایک سال کی مدت میں یہ لال فیتہ جو حکومت کے صرف مرکزی دفتروں کو ملا کر اس دفتری طومار کی طوالت کروڑوں کروڑ گز تک کی خبر تو لیتی ہوگی۔ بقول صاحب 'صدق' ہی کے آج سے قبل اتنی جکڑ بندیاں، زندگی کے لیے ہر ہر قدم پر اتنی پابندیوں، اتنے فارموں کی خانہ پُری اتنے کاغذات پر دستخط، مکان کی تعمیر کے لیے سیمنٹ کی ضرورت ہو تو درخواست دیجیے، سفارشیں اٹھایئے، باقاعدہ پیروی کیجیے۔ فلاں چیز پر کنٹرول، فلاں چیز کے لیے لائسنس۔ زندگی ہے، یا کوئی طوفان ہے''ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے'' اکبر الٰہ آبادی کو دل لگی مقصود نہ تھی (حقیقت کی ہلکی سے ہلکی ترجمانی تھی کہ)''ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں، ہر موڑ پر ایک لائسنس طلب'' (صدق جدید ۱۵ر جولائی ۱۹۶۰ء)

ابھی لکھنؤ (۱۰ر جولائی ۱۹۶۰ء کو) ایسی طوفانی ہولناک بارش سے گذرا جس کی نظیر ماضی میں قطعاً کسی کو معلوم نہیں کسی مکان کی تعمیر کے لیے نہیں، اس عظیم مصیبت میں صرف معمولی مرمت کے لیے بوری دو بوری سیمنٹ خود اپنے بڑے مکان کے لیے آج تک مہینوں میں دستیاب نہ ہوئی۔ اعلان ہوا کہ ہاؤس ٹیکس کی رسید پیش کرنے پر ملے گی وہ پیش کی گئی تو کہا گیا اس پر اُوورسیر کے دستخط ہوں، اُوورسیر نے کہا انجینئر کے ہوں، ہنوز دو مہینوں پر بھی روزِ اوّل۔ اور تو اور کسی اور نے نہیں خود ہندوستان کے جواہر لال نہرو جیسے وزیر اعظم نے اسی سیلاب کے مصیبت زدوں کی مدد کے لیے دس ہزار کا چیک بھجوادیا تھا وہ بھی کارپوریشن کے میئر اور ڈپٹی میئر کی باہمی لاگ ڈاٹ اور نفسانفسی کی بدولت آج سیلاب کے دو مہینوں کے بعد تک ان مصیبت زدوں کے کام نہ آسکی اور دفتری حیلوں ہی کا نام لے لگا کر ٹالی جارہی ہے، خدا پرستی یا (صَدَّقَ بالحُسنیٰ) کے بجائے خود پرستی یا (کَذَّبَ بِالحُسنیٰ) کا زور لازماً لال فیتہ والی دفتری حیلہ جویوں کے کڑوے کریلے کو اور نیم چڑھا دیتا ہے۔

۳)......وہ مبیضہ مراد ہے جو راقم ہٰذا کے مکتوبات کا حضرت مرتب سلمہ نے صاف کرا کے بھیج دیا ہے آگے بھی اسی کے بعض اور حوالے ہیں۔

۴)......حتی کہ خود ان کے ایک انگریزی داں شاگرد (مولوی غلام محمد حیدرآبادی ثم کراچی سلمہ) کو مغالطہ ہوگیا کہ ''مولانا انگریزی کتابوں کا بے تکلف مطالعہ فرمالیتے تھے، اس لیے ان کی جدید معلومات اور ان پر تنقید معتبر تھی (مقالات احسانی: صفحہ ۱۱)

حالانکہ بے تکلف کیا بہ تکلف بھی اور کتابوں کیا دو چار سطروں کا بھی مطالعہ نہیں فرما سکتے تھے۔

۵)......طالب علمی کے زمانہ کی ایک زیارت میں حضرت حالی کا خود اس طالب علم کو یہ تجربہ ہوا کہ گویا وہ معمولی طالب علم ہیں اور یہ طالب علم کوئی بڑا عالم یا ان کا استاذ و بزرگ ہے۔

۶)......حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر اس مکتوب الیہ کے نام کے مکتوبات میں جا بجا ملے گا۔

۷)......مرتبہ مولوی غلام محمد صاحب سلمہٗ وشائع کردہ مجلس علمی کراچی صفحہ: ۵۷، ۲۵۶۔

۸)...... ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ ۲۴، اگست ۱۹۵۶ء

۹)...... ایک عجیب تجربہ مولانا خود بیان فرماتے کہ "میں ایسا عقیم ہوں کہ ایک فرد مجھ کو نہیں معلوم جس نے میرے کہنے سے نماز پڑھی حق تعالیٰ سبحانہٗ کی اس خاص شان کے سوا اس کو کیا کہا جائے کہ بعض حضرات انبیاء (علیہم السلام) کا ایک اُمتی بھی نہ تھا۔ ہدایت وضلالت کے باب میں مشیت الٰہی (اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ) کے قانون کی گرفت دریافت آسان نہیں۔ ۱۲

۱۰)...... مصنف "قرآن اور علم جدید" (ڈاکٹر رفیع الدین زادہ اللہ علماً وفہماً) جدید علم کے وسیع وعمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ کتاب شاہد ہے کہ ماشاء اللہ دل ودماغ دونوں کے پرجوش مؤمن بھی ہیں۔ البتہ جوش ایمان ہی نے شاید اس غلط فہمی تک پہنچا دیا کہ کھینچ تان کر مغربی رنگ ہی کا کوئی فلسفہ خود قرآن سے تیار کر کے اپنوں کو اسی ارتداد سے بچایا اور غیروں کو مسلمان بنالیا جاسکتا ہے۔ اس فلسفہ سازی کی دھن میں نیک نیتی کے باوجود قرآن کی غیر محتاط تاویلات سے بچنا بھی ممکن نہ تھا۔ کاش طبع ثانی میں کسی مستند مشورہ سے نظر ثانی توفیق پائیں۔

۱۱)...... نیا "طوفان اور اس کا مقابلہ" نام کے رسالہ میں مولانا سلمہٗ کے زورِ قلم نے "قرآن اور علم جدید" کے مصنف کی بروقت تنبیہات کو اور زیادہ پرزور و موثر بنادیا ہے لیکن موصوف سے بڑھ کر کسی سے ایسی حقیقت کو سمجھنے کی توقع کی جانی چاہیے کہ ایمانی حقیقت وبصیرت کی روح سے یہ طوفان اٹھا بھی بداہتہً خود ہم مسلمانوں کی شامت اعمال یا خدا کی نافرمانیوں سے اور اس کا مقابلہ از سرنو انابت واستغفار یا ایمان وعمل صالح، بالفاظ دیگر خدا اور رسول کی اطاعت واتباع کی انفرادی واجتماعی زندگی سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ از سرنو راضی ہوں گے اور تب ہی ان کی نصرت لٹریچر وغیرہ کی ظاہری تدابیر میں بھی شریک ہوگی ورنہ خالی لٹریچر کے پروپیگنڈے یا طوفان میں اہلِ باطل نہ آج اہلِ حق سے پیچھے ہیں نہ آئندہ رہیں گے۔

۱۲)...... صدق ۲۹ / جولائی ۱۹۶۰ء۔

۱۳)...... اور اب تو سفرِ یورپ سے واپسی پر ماشاء اللہ خود ہمارے علی میاں اس کفرستان تک تعلیم پانے والے مسلمان طلبہ کے لیے یہ تاثر وپیام لے کر آئے ہیں کہ جہاں تک مسلمان طلبہ اور نوجوانوں کا تعلق ہے جو یہاں لاکھوں کی تعداد میں انگلستان، فرانس، جرمنی اور اسپین میں زیر تعلیم ہیں ان کی اصلاح وتربیت اور ان کی اسلامیت کی حفاظت کے لیے سب سے بہتر نسخہ وہ ہے جو ہندوستان کے لیے مولانا سیّد مناظر حسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا تھا اور اب ہمارے مولانا عبدالباری ندوی اس کے علمبردار وداعی ہیں یعنی طلبہ کے اقامت خانوں کی تاسیس اور ان میں اچھے نگران اور مربی کا انتظام پھر بھی چراغ تلے اندھیرا۔ ('صدق جدید' ۷ / جنوری ۱۹۶۴ء)۔

۱۴)...... الفرقان ماہ جولائی ۱۹۶۰ء۔

۱۵)...... مکاتیب گیلانی۔

عکسی

خطوط

۷ رمضان المبارک سنہ ۹۴ھ

گیلانی (بہار) • بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از خرابستان علالت

ولد قدرہ، عزیز محترم الدکتور یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آخر جس بات کا اندیشہ تھا وہی پیش آیا۔
پٹنہ پہونچ کر آپ نے بخیریت پہونچ جانے کی خبر دی تھی اور کلکتہ میں آکر جو قیام ہوا تو
حیدرآباد پہونچ کر آپ ضرور مطلع فرمائیں گے۔ لیکن آج رمضان المبارک کی
۷ تاریخ ہے۔ انتظار میں ایک ہفتہ بسر ہو گیا۔ اب انتظار نے گویا
تشویش کی صورت اختیار کر لی۔ آپ کی تشریف آوری کی اور واپسی کی خبر
برادرم مظہر سلمہ کو دے چکا ہوں۔ بہرحال ارحم الراحمین سے دعا کر رہا ہوں کہ
آپ بعافیت تمام اپنے اہل و عیال میں پہونچ کر خوش وقت ہو چکے
ہوں گے۔ اپنی ساری زندگی میں پہلا اور شاید آخری موقع تھا اپنے اہل
بیت اور رفیق نے معنی حاصل ہوا تھا کہ صرف اس فقیر کی عیادت کیلئے
اتنے طول طویل سفر کی زحمت ہو۔ مگر تنگئی اپنی حقیقت خوب واقف ہوں۔
مجھے تو اسکی بھی امید نہ تھی کہ حیدرآباد میں اس فقیر کا کوئی یاد کرنے والا بھی ہوگا۔
لیکن آپ نے مشاہدہ کر کے دکھایا کہ آپ ہی شرافت و سعادت کی شعاعیں
خطۂ زرخیز سعید روح اسد درخشاں ہیں ... اچانک اس کورده گاؤں میں
آپ پر نظر جب وقعاً پڑی کہہ نہیں سکتا کہ مجھ پر کس قسم کی کیفیت فرح
و نشاط کی طاری ہو گئی۔ آپ جتنے دن اس ویرانے میں مقیم رہے
شاید زندگی میں خوشی اور مسرت کے ایسے دن میرے حصے میں کم ہی گذرے ہوں
گو اس وقت بھی فرش تھا۔ لیکن چند دنوں کیلئے ایسا محسوس ہوتا کہ

۳۰؍ اگست ۱۹۸۵ء   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب ایدکم اللہ بروح منہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ کئی دن ہوئے آ گیا
رکھا ہوا ہے۔ جواب میں تاخیر کی وجہ وہی اپنی پرانی شکایت ہے۔
بیماری کی وجہ سے معدہ متاثر رہا۔ اور معدے کے بگاڑ سے
قلب بھی۔ بہرحال زندہ ہوں۔ اور دعا کرتا رہتا ہوں کہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی خدمت کے لئے آپ لوگوں کو
توفیق عطا فرماتا رہے۔

اہیم بلیلی ما حییت و ان امت
اوکل بلیلی من یہیم بہا بعدی

حسن صاحب کی توجہ تدوین حدیث کے مقالات کی طرف مبذول
ہوئی ہے۔ ان سے شکریہ کے ساتھ عرض کر دیجئے کہ مجلس علمی
ڈابھیل والے دو ڈھائی سال ہوئے اس سلسلے کے چاروں
مقالے اشاعت کے لئے کراچی منگوا لئے ہیں۔
اگر پسند فرمائیں تو ان ہی کی خدمت میں حاضر کر دیتا۔ رہا
پانچواں حافظہ و اثر اسماء الرجال کے عنوان پر مضمون، سو
اپنی شدید علالت کی وجہ سے۔ مرتب نہ کر سکا۔ اور نہیں
جانتا کہ اس کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔
مواد کافی عرق ریزی اور محنت کے ساتھ جمع کر لیا تھا۔
ترتیب نہ دے سکا۔

بنام

اہلیہ مولوی سیّد محمد یعقوب صاحب وکیل[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنابہ ممانہ صاحبہ قبلہ مدظلہا

تسلیم عرض ہے

واہ! جناب واہ!! خوب جوابِ خط دیا کیوں نہیں، آپ کو ہمارا خط گویا ملا ہی نہیں ممانی صاحبہ! یہ بھی کوئی شرطِ انصاف ہے، دو قطعہ کارڈ ترسیل خدمت اقدس کر چکا ہوں، لیکن بدقسمتی اور بدنصیبی کی مار سے خط کا جواب مارا پڑ گیا۔ میں یقین کر کے لکھتا ہوں کہ آپ کی ذات سے ایسی امید ہے کہ مفصلاً جوابِ خط سے مجھے سرفراز فرمایا ہوگا، لیکن ہماری قسمت ایسی پھوٹی ہے کہ ڈاکیا خط کو راستے میں نہ معلوم کہاں کی بغضِ للّٰہی رکھ کر پھاڑ دیتا ہے (یہ تقدیر کی خوبی ہے) اب بتائیے کہ آپ کے مزاج اقدس اچھے نہیں ہیں، ماموں صاحب استھانواں آئے ہیں یا نہیں۔ سنا ہے کہ غضب کی گرانی اور قحط پورب میں پڑی ہوئی ہے، کیا سبب ہے؟۔ غلہ کے نرخ سے بھی مطلع فرمائیے گا، جنابہ نانی صاحبہ سے تسلیمات عرض ہے۔ آپ بھی سکوت کے عالم میں کیوں ہو گئیں، مجھے معلوم ہے جس وجہ سے آپ نے خط کے جواب میں سستی فرمائی، خیر مجھے چنداں ضرورت نہیں صرف آپ کے دل کا اندازہ دیکھنا تھا جس کا اندازہ مجھے بخوبی معلوم ہو گیا گو بقرعید بھی قریب ہے، لیکن مجھے ضرورت نہیں۔ اللّٰہ یکفینی مجھے اللہ کفایت ہے اور جو شخص کہ میرے حال کو دریافت کرے انھیں میرا سلام کہہ دیجیے گا خاص کر چھوٹی نانی صاحبہ و بڑی نانی صاحبہ کو اور اگر ماموں صاحب آئے ہوں تو ان کو ہمارا سلام علیکم کہہ دیجیے گا اور فرما دیجیے گا کہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے آنحضور کی خدمت میں

خط نہ لکھ سکا، بہار کا مکان تیار ہو گیا۔

سید محمد مناظر احسن ضیاء گیلانوی
از ٹونک تاریخ ۵؍عید الضحیٰ روز جمعہ ۱۳۲۵ھ
(مطابق ۹؍فروری ۱۹۰۸ء)

---

۱ مولانا گیلانی کی رضاعی والدہ

بنام

مولانا حکیم یوسف حسن خان صاحب سوری رحمانی، بہار شریف[1]

اعلیٰ حضرت قبلہ مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے ''القاسم''[2] ذی الحجہ اور ''الرشید''[3] بھیج دیا ہے، ملا ہوگا، اسی میں بیماری کی بھی خبر تھی، حضور تردد نہ فرمائیں، اب اچھا ہوں، بانکی پور سے خط آیا تھا جواب میں نے دے دیا۔

آپ نے توکل کرنے کے لیے کہا ہے۔ متوکل ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس سال دیو بند ہی رہوں گا، تیس روپے سے زیادہ تنخواہ ملنی ناممکن ہے۔ کھانا بھی اب نہیں ہوسکتا، حضور نے جو خط لکھا ہے اس کا پیش کرنا کسی طرح سودمند نہیں، بلکہ ایک حد تک مضر ہے، آئندہ خداوند تعالیٰ میرے لیے کیا صورت پیدا فرماتا ہے اسے معلوم۔

کھانے، پینے، کپڑے، دوادارو، میں ملا کر گویا اس وقت تک میں اس قدر کما سکا کہ تیس روپیہ مدرسہ کا قرضہ ادا کیا اور رہا ''ذی الحجہ'' کی تنخواہ تو اس میں کرتے پائجامے، جاڑے کے کپڑے، تین مہینہ کا کھانا سب شمار کیجیے۔ محرم کی تنخواہ سے بیس تو گیلانی روانہ کیا گیا۔ دس روپیہ میں کھانا ''صفر'' کا اور تمام اخراجات مع ادویہ وغیرہ کے ہیں۔ بھائی عبدالعزیز صاحب کو بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

شاہ صاحب کی شادی ایک سیدہ سے گنگوہ میں ہوگئی ہے، ان کی تنخواہ ۷۵ مقرر ہوئی، شادی کے بعد تنخواہ لینی منظور کی ہے، اپنے ہیں اور بیوی، ۷۵ بہت ہے۔

حافظ احمد صاحب کے یاں دونوں میاں بیوی کھانا کھاتے ہیں اور انھیں کے گھر میں رہتے ہیں۔ آپ کے مضمون کے متعلق انھوں نے کچھ لکھنے کے لیے کہا ہے، لیکن شاہ صاحب کے مواعد بہت کم وفا ہوتے ہیں۔

میں نے گزشتہ خط میں لکھا تھا کہ مجھے طحال ہوگئی ہے، اب اس میں بحمد اللہ تخفیف

ہے۔ تین مسہل ہوئے، بلغم، صفراء کے غلبہ سے سارا جھگڑا کھڑا ہوا تھا۔

بانکی پور سے پھرنا جو وغیرہ کا خط آیا ہے، لیکن میں جواب دے دوں گا، جب حضور کی یہی مرضی ہے کہ خواہ آرام ہو یا تکلیف، دیوبند ہی رہنا چاہیے تو مجھے کیا عذر، لیکن اب تک سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر حضور نے میرے لیے کیا حشر قرار دیا ہے۔

ملانوں کے مدرسوں میں غایت سے غایت پچاس سے آگے مل نہیں سکتا اور میں اتنی تنخواہ کے لیے اپنے آرام کو قربان نہیں کرسکتا۔ خیر جو مرضی اقدس ہو، میں تو یہاں پڑا ہوں، زیادہ کیا عرض کروں، ہر طرح خیریت ہے، دیوبند میں تو میرا جی نہیں لگتا۔

فقط:

مناظر احسن عفی عنہ

---

۱ یہ خط بلا تاریخ ہے۔

۲، ۳ دارالعلوم دیوبند کے ترجمان رسائل۔

بنام

مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی[1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸؍جنوری ۱۹۲۳ء

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے پہلے روستائی کا سلام باغرض پہنچ گیا ہوگیا۔ آج بلٹی کتابوں کے صندوق کی مرسل خدمت ہے۔ بہت سی کتابیں غیر مجلد ہوگئیں۔ دیہات کی وجہ سے تجلید کی نوبت نہ آسکی، جن کی تجلید مناسب ہو کرا دیجیے۔ ان شاء اللہ جن کتابوں کے اسم یا نام کا پتہ نہ چلے گا آکر بیان کردوں گا۔ حیدرآباد سے ہاشم سلمۂ کا خط آیا ہے۔ عثمان شاہی میں طاعون کا زور ہے۔ انھوں نے اپنے دہ سالہ پروگرام کو شائع کردیا ہے۔ خدا کرے کہ تجویز فعلیت کا جامہ پہنے۔ اور کیا عرض کروں روزوں کے نہ ہونے کا بہت افسوس ہے، اس کے سوا اور تمام حالات بہتر ہیں۔ ندوہ اور دیوبند کے دو عالم مشتغل بالقرآن ہیں فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ اور میری زندگی کا سامان ہے بھی، اس کے علاوہ اور کون سا مشغلہ بہتر ہوسکتا ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

برادرم مکارم سلمۂ سلام عرض کرتے ہیں اور اس تاخیر کی معافی چاہتے ہیں۔

---

[1] سابق صدر الصدور مملکت آصفیہ حیدرآباد و نگران امور مذہبی، پیدائش: ۱۸۸۶ء وفات: اگست ۱۹۵۰ء

(۲)

گیلانی۔ ڈاک خانہ بربگھا، ضلع مونگیر

۹؍ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ (مطابق ۱۱؍مئی ۱۹۲۷ء)

حضرت مخدوم و محترم مدظلہ العالی ادام اللہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامۂ سامی کے مطالعہ سے سعادت اندوز ہوا۔ شکر ہے کہ بے کاری سے فرصت مل گئی۔ میرے گاؤں میں طاعونی خدشہ اب بھی باقی ہے، گھوڑا مطلق العنان سرپٹ نہیں بھاگ رہا ہے، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔اسی سے تسلی ہے، امتحانی پرچے آگئے ہیں ان ہی میں مشغول ہوں۔ معلوم نہیں اس وقت اب وطن میں ہیں، یا حیدرآباد میں۔ حیدرآباد میں تو آم کا موسم شروع ہو گیا ہو گا اس طرف کیریوں کے لیے بھی لوگ ترس رہے ہیں۔ غالباً علامہ سیّد مرتضٰی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نظر سے گزرا ہو گا پنسل سے لکھا ہوا، مسودہ تھا، مولوی عبدالباری نے خواہ مخواہ شائع کر دیا۔ دارالعلوم (دیوبند) کے انقلاب کی آپ کو خبر ہو گی، بہرحال اس وقت آپ کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ حافظ احمد صاحب[2] نے شاہ صاحب[3] سے تصادم کر لیا ہے۔ آپ اس امر کے بہت بڑے معاون ثابت ہوں گے، اگر اس وقت مدرسہ کو (اختلافات) کی آگ سے بچا لیں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ طلبہ نے کچھ مطالبات پیش کیے تھے مولانا انور شاہ صاحب نے ان کی شورش کو یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ میں ان معاملات کو سلجھا دوں گا اگر نہ سلجھے تو خود مدرسہ سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ مدرسہ کے کھلنے کے بعد شاہ صاحب نے حافظ احمد صاحب سے مطالبات کے تکمیل کی خواہش کی لیکن وہ اڑ گئے، اور ضد کی قربان گاہ پر شاہ صاحب جیسی عظیم الشان ہستی کو ذبح کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ تعجب ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی شاہ صاحب کی...... مفتی احد کی ضد کے مقابلہ میں ناقابل التفات قرار دیا، خطوط سے معلوم ہو رہا ہے کہ شاہ صاحب پابرکاب ہیں۔ آپ خیال فرمائیں کہ مولانا انور شاہ صاحب کے بعد مدرسہ دیوبند کیا صرف خیرات خواروں کے ایک مجمع کے سوا اور بھی کچھ رہ جائے گا۔ مولوی اشرف علی ہوں یا حافظ احمد ہوں، ان کی وقعت شاہ صاحب کے مقابلے میں کیا ہے۔ بہرحال اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب جن میں صرف ایک عیب ہے کہ حافظ احمد کے معاملہ میں وہ اعمیٰ و اصمّ ہو جاتے ہیں، ان کو خط لکھیے اور حقائق کی تفصیل پوچھیے ۔ نہ ہو کہ یہ ناعاقبت اندیش حضرات مولانا انور شاہ صاحب کو کھو

بیٹھیں۔ علم برباد ہو رہا ہے، مدارس ٹوٹ رہے ہیں یہ آخری سانس ہے جو چل رہی ہے، اللہ کے لیے اسلام کی مدد کیجیے، دین آپ کی طرف نگراں ہے۔ علم آپ کی آواز پر کان لگائے ہوئے ہے۔ آپ کی استفسار ہی پر صرف اچھا اثر ہوگا، پانی جہاں مرتا ہے اس سے میں واقف ہوں، میں بہت بے چین ہوں کہ آخر اس دورِ فتن میں دیوبند کی امن گاہ بھی فساد کے شعلوں سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

نیازمند
مناظر احسن گیلانی

---

۲ سابق ناظم دار العلوم دیوبند

۳ مولانا انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند و ڈابھیل۔ ولادت: ۱۶؍ اکتوبر ۱۸۷۵ء، وفات: ۲۸؍ جولائی ۱۹۳۳ء

(۳)

بھوپال
۱۲؍ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ (۱۳؍ جون ۱۹۲۷ء)

حضرت سیّدی المخدوم ادام اللہ جلالکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے تشفی نامہ نے خلوص اور پاک ہمدردی سے لذت آشنا بنایا۔ جزاکم اللہ عنّا خیر الجزاء۔ ادھر چند دنوں سے گھر میں شدید بخار آیا اور ان پر بھی چیچک کے آثار نمودار ہوئے، بارے! خدا کا شکر ہے کہ حملہ سخت نہیں ہے۔ اطبا اس قسم کو غیر مخدوش بتاتے ہیں۔ آپ بھی اس عاجز ذلیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میری مشکلات کو آسان بنائے اور یہاں تو رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ جاری ہے۔ بہر حال کرنال کے مدرسہ کو بہر حال کھول دینا چاہیے۔ تقررات آزمائشی ہوں، آزمائش کی بنیاد طلبہ کے کارنامہ کو رکھا جائے، پہلا گروہ طلبہ کا تین سال میں نکلے گا۔ اس عرصے میں طلبہ سے جو توقعات قائم کیے جائیں گے اگر وہ پورے ہوئے تو ردوبدل کی ضرورت نہیں، ورنہ بلا رعایت ان کی جگہ دوسرے مدرسین تلاش کیے جائیں۔ میں میرک شاہ صاحب کے لیے دیوبند لکھتا ہوں،

آپ مولانا محمود حسن صاحب کو ٹونک ارقام فرمائیں کہ مولوی وحید حسن کو کرنال بھیج دیں، مولوی صدیق صاحب ایم اے بھوپال میں ہیں، بھوپال میں آپ کے جاننے والے بکثرت ہوں گے اگر ان میں سے کسی کو اطلاع دیدی جائے کہ وہ مولوی صدیق صاحب کرنالی جو مولوی سعید صاحب کے متعلق بہ رشتہ صفائی کے یہاں رہتے ہیں، ان کو کرنال بھیج دیں تو ان شاء اللہ ان کا معاملہ بھی بآسانی حل ہو جائے گا۔ بہر حال میں بھی مولوی صدیق کو مطلع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہ سب حضرات آپ کو براہ راست مطلع کریں گے۔ ابھی بیس بائیس روز باقی ہیں۔ رہا میرا آنا، ان پریشانیوں میں کیا عرض کر سکتا ہوں تاہم اگر اللہ تعالیٰ نے سانس لینے کی مہلت دی تو اس وقت عرض کروں گا۔ اس وقت تو بہت پریشان ہوں اور اپنی شومیِ قسمت سے خطرہ ہوتا ہے کہ اب کسی مفید کام میں شریک بھی نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ میری سیاہ بختی کا اثر اس کام پر بھی پڑ جائے۔ حیدر آباد کے معاملات سے بہت محزون رہتا ہوں، افسوس کہ کچھ نہیں کر سکتا، کوئی بات اپنے قابو میں نہیں۔ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پروفیسر رحیم الدین کے ساتھ کیا ہوا، آپ نے بہت مجمل لکھا، اگر تفصیل میں کچھ حرج نہ ہو تو کیا اس سے مطلع فرما سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے اہل بیت وعیال خوش ہوں گے۔ ملا جی کو میرا سلام ونیاز فرما دیجیے۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہو تو سلام عرض کر دیجیے گا۔ مولانا انور شاہ صاحب[1] آخر ہندوستان چھوڑ کر کشمیر چلے گئے۔ مشہور ہے کہ رخصت پر گئے ہیں لیکن اس پُر آشوب عہد میں ان کی رخصت کیا صرف رخصت ہو سکتی ہے۔ کیا صورت ہو سکتی ہے کہ ان کو کرنال میں لا کر بٹھا دیا جائے یا اگر علم کے جنگل کا یہ شیر ہاتھ آجائے تو آپ کے مدرسہ سے ہندوستان گونج اٹھے گا اور بڑا کام چلے گا لیکن یہ وہ آرزو ہے جو صرف آرزو بن کر رہ جانے والی ہے۔ فقط

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

---

[1] سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۴)

حیدر آباد دکن عثمانیہ کالج

۲۴ رشعبان ۱۳۴۶ھ (۱۶ رفروری ۱۹۲۸ء)

روز جمعہ

سیّدی ومخدومی مدظلہ العالی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سبحان اللہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ، ابھی چند دن ہوئے کہ جو پلنگ پر بھی ہلنے کے لیے ترستا تھا اور مہینوں سے ترستا تھا آج تنِ تنہا بارہ سو میل کا سفر طویل ختم کر کے حیدر آباد پہنچ گیا اور دیکھیے کہ جو بولنے سے معذور تھا، اسے پھر بیان و تقریر کی قوت بخشی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْر۔ درس کا سلسلہ شروع ہو گیا، مجھے گیلانی میں معلوم ہو گیا تھا کہ حیدر آباد میں مولانا عبدالباری اپنے مکان پر ہیں اور نہ سیّد محی الدین، اور نہ اسی قسم کے میرے اور عنایت فرما حضرات۔ مولوی عبدالباری صاحب نے مجھے حکم کیا تھا کہ تم سیدھے رشید منزل کا رخ کرنا، میں اسی امید میں گھر سے چلا لیکن سکندر آباد کے اسٹیشن پر جب پہنچا تو سی احمد صاحب جو ہمارے کالج میں کلرک ہیں اور اس بیماری کے دوران میں انھوں نے میری بڑی مدد کی، بہر حال انھوں نے میری امیدوں پر پانی پھیر دیا، خصوصاً یہ سنا کر کہ نہ صرف صدر الصدور صاحب بلکہ قطب نے بھی اپنا مدار یہاں کے بعد چھوڑ دیا یا کہ بھائی عبدالحمید خاں صاحب بھی نہیں ہیں، کیا تکلیف ہوئی ہے عرض نہیں کر سکتا جما جمایا نقشہ بگڑ گیا آخر، سی احمد صاحب کے ساتھ چلا آیا اور انھیں کے ساتھ ٹھہر گیا اس وقت تک بہت آرام ہے۔ رمضان میں بھی کالج حسب تصفیہ کونسل کھلا رہے گا، اللہ ہی مالک ہے معلوم نہیں آپ کی واپسی کب تک ہوگی۔ مولوی عبدالباری بھی اس وقت تک آئے نہیں دل کچھ گھبراتا ضرور ہے، گویا میرے لیے اس وقت قیدِ تنہائی ہے، کالج میں ایک تماشا نہایت مزیدار ہو رہا ہے۔ لوگ میرے انتظار میں تھے لیکن قضاء و قدر نے بے چارے مولوی حاجی محمد صبغۃ اللہ مرحوم کو اس الم کدہ سے اٹھا لیا اور ہمیں اس تماشہ کو دیکھنے کے لیے چھوڑ دیا گیا جو خود میرے بعد ہوگا۔ کالج کے آسمان پر بڑے بڑے گدھ منڈلا رہے ہیں، کیا کیا سناٹے بھر بھر کر ٹوٹتے ہیں، بڑا ہنگامہ برپا ہے، دیکھیے کہ اس مقابلہ میں کون جیتتا ہے، میں دیکھتا ہوں اور مسکراتا

ہوں، اف ابن آدم، خُلِقَ هَلُوعًا، الآیۃ۔ مجھے یہ سن کر سخت افسوس ہوا کہ لفظی ہیر پھیر سے ناجائز نفع اٹھا کر لوگوں نے آپ کو اس عرصہ میں تکلیفیں پہنچائیں، اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِعُوْنَ۔ لوگوں سے بھی میں نے یہ سنا ہے اور حیدر آباد کی کوئی بات ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو۔ مولوی شبیر احمد کے وعظ کا چرچا کچھ کچھ دھندلے دھندلے اشکال میں میرے سامنے بھی نمایاں ہوا لیکن غالباً اس مہینہ کے بعد یہ بھی نہ رہے گا۔ کونسل نے کالج کے کھولنے کا جو تصفیہ کیا ہے اس کے متعلق مختلف کالج کے طلبہ احتجاج کر رہے ہیں، عثمانیہ کالج تو خاموش ہے لیکن میڈیکل والے اخباروں میں آچکے ہیں، معلوم نہیں جلسوں تک نوبت پہنچے گی یا کیا ہو گا۔ کونسل ایک اسلامی عرضداشت، سرکار کے پاس بھیج رہی ہے کہ شدید ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ کالج رمضان میں کھلا رہے۔ اور بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ دائرۃ المعارف میں ہی ایک جگہ خالی ہوئی ہے مولوی عادل اس کے زیادہ مستحق ہیں، دیکھیے کمیٹی کیا کرتی ہے۔ ہاشم اور مولوی احمد اللہ وطن گئے۔ میرا سلام و نیاز جناب مولوی عبدالحمید خاں صاحب سے فرما دیجیے۔ ایسے وقت میں انھوں نے مجھے چھوڑا۔ ملا جی سے بھی سلام فرما دیجیے۔ امید ہے کہ آپ مع اہل بیت بعافیت ہوں گے۔ میرا پتہ اب یہی ہے، عثمانیہ کالج مناظر احسن گیلانی۔

فقط نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

(۵)

حیدر آباد دکن

ار اکتوبر ۱۹۲۸ء (۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ)

حضرت سیّدی و مخدومی الامام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا عرض کر سکتا ہوں۔ داعی ہوں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو مع اہل بیت کے بخیر و عافیت رکھے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وبركاته عليكم اهل البيت انهٗ حميدٌ مّجيد۔ لیکن آپ کے تشریف لے جانے کے بعد تو عجیب حالات میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ مولانا عبدالباری آنکھوں کے نزلہ سے یوں ہی مجبور تھے طبی جلاب قوی تو آپ کے سامنے ہی مولوی صاحب نے لیا تھا لیکن انکبیں نے اور صفرا بڑھایا، روغنِ بادام سے خشکی پیدا ہوئی، مولانا جلاب کے

تین چار دن بعد شدید صفراوی بخار میں مبتلا ہوئے۔ حرارت ۵ درجے تک پہنچ جاتی تھی، رات بھر بے چینی وشورش میں کٹتی تھی، اسی ساتھ سینہ جکڑا، کھانسی اور خشک کھانسی کی آنکھ نکال دینے والی تکلیف دیکھنے والوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی بالآخر یونانی علاج سے روگردانی کرکے ڈاکٹری کی طرف پھر متوجہ ہوئے۔ ڈاکٹر عثمان صاحب کا علاج ہو رہا ہے، گونہ آج سے بخار کی شدت کم ہوئی اور کھانسی بھی ہلکی پڑی، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ مولوی صاحب کے کفارات کا سلسلہ ختم ہو۔ وَلَا مَلْجأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ نَعُوْذُ بِکَ وَمِنْکَ۔ آج مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کو دعا کے لیے لکھوں، حالات سے مطلع کر دوں۔ لکھ رہا ہوں، سلام فرماتے ہیں اور ہاں دعا کے ملتجی ہیں حقیقی علاج اسی کے ہاتھ میں ہے، جس کے شخصی اختیارات میں مرض کے قوانین ہیں۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ندوہ کے متعلق جو یادداشت مجھے دینی تھی وہ تیار نہ کر سکا، نہ آنکھوں نے فرصت دی اور نہ زکامِ مسلسل نے۔ تاہم آپ کے تشریف لے جانے کے بعد انھوں نے کسی نہ کسی طرح ایک یادداشت ناظم صاحب کے نام لکھ کر بھیج دی ہے وہ آپ لوگوں کے پاس اس کی نقلیں بھیجیں گے۔ مولوی صاحب کا خیال ہے کہ نقار خانہ میں اس آوازِ طوطی کی کیا وقعت ہے تاہم اگر آپ کی تائید ساتھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ندوہ کو موجودہ مشکلات سے نجات بخشے گا۔ امید ہے کہ اس یادداشت کو آپ پوری توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ کے بعد ایک ہفتہ تک مجھے بھی زکامی بخار آیا لیکن بحمد اللہ الشافی اب اچھا ہوں۔ کام کر رہا ہوں ایک کام اسی ربودگی کے زمانہ میں بن آیا ہے۔ معلوم نہیں آپ بھی پسند فرماتے ہیں یا نہیں، میرا کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے اخلاص، تقویٰ، خشیت سے اسے جواز کا فتویٰ نہ ملے۔ نئے حالات یہ ہیں کہ حضور ولی عہد بہادر مختلف دفاتر کا روز معائنہ فرما رہے ہیں، یونیورسٹی کی باری نہیں آئی ہے۔ حضور کے دہلی تشریف لے جانے کی امید ہے، شہر لبریز ہے۔ ان دنوں حضرت حبیب عیدروس رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا بھی زور ہوا لیکن ادھر ایک ہفتہ سے حیدرآباد چیراپونجی ہے۔ مشکل سے ایک گھنٹہ بغیر بارش کے گزرتا ہے، دھوپ کو تو شاید لوگ بھول گئے ہوں گے اس لیے عرس کی گرما گرمی پوری نہ ہوئی۔ وحید الدین سلیم مرحوم کی جگہ پر ہاشمی صاحب بھی زور لگا رہے ہیں، معلوم نہیں غیب

میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔ وطن کے خطوط سے بدترین قحط کی خبریں آ رہی ہیں، تیار کھیتیاں جھلس رہی ہیں، سال گزشتہ بھی گیا اور اس سال مالک کی مرضی نہ معلوم کیا ہے مگر کہاں جائے۔ جس کے ہاتھوں میں بادل کا روکنا ہے، اسی کے ہاتھ میں اس کا لانا ہے، دو ہوتے تو دوسرے کو ڈھونڈتا۔ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔

وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ بس دعا، دعا کے سوا عبد کا کوئی کام نہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ والدعا هو العبادة۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ فقط

نیاز مند سید مناظر احسن گیلانی

(۲)

۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۸ء

حیدرآباد دکن کنگ کوٹھی روڈ مبارک

عقب موٹر خانہ سرکاری

حضرت سیدی و مخدومی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

حبیب گنج کے پتہ سے ایک عریضہ اور لکھنؤ بھی رقیمہ نیاز ارسال کرنے کی عزت حاصل کی تھی، معلوم نہیں یہ خطوط ملے یا نہیں۔ آپ تو طویل سفر پر تھے، ادھر مولوی عبدالباری صاحب سخت بیمار ہوئے اور اب تک ہیں۔ تنگ آ کر انھوں نے ڈیڑھ مہینہ کی رخصت بیماری بھی لے لی تھی لیکن کل سے کچھ طبیعت پھر بحال ہوئی ہے اس لیے چند دن اور انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ ایک مہینہ سے نہ ہمارے پاس کوئی باورچی ہے اور نہ نوکر، صرف ایک چھوکرا ہے، کھانا پینا دواؤں کا لانا، مولوی صاحب کی خدمت میں سب ہیں، صرف وہی معین ہے۔ ایسی پریشانی کا وقت کبھی نہ گزرا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ کہیں جا سکتا ہوں نہ آ سکتا ہوں۔ مولوی عبدالحمید خاں صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہوتی۔ بدقت کالج میں درس دے کر، پھر مولوی صاحب کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہوں، بخار

کھانسی تنفس سب ہی کا حملہ ہے۔ بحمد اللہ میں تو اچھا ہوں۔ یہ عریضہ خاص طور پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ادھر ادھر آپ کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کارروائی لطف الدولہ بہادر کے بیان سے آگے نہیں بڑھی ہے حالانکہ مدتِ توسیع ختم ہو چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر کیا کیا جائے، اختریار جنگ سے بھی ایک ملاقات ہوئی، انھوں نے بھی بے بسی ظاہر کی۔ معلوم نہیں مولوی عبدالحمید خاں صاحب نے کیا لکھا ہے؟ مجھے ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھ موجودہ سلوک اس کمیشن کا نتیجہ ہے جس میں آپ ممبر تھے واللہ اعلم کیا بات ہے۔ اب آخر کیا صورت اختیار کی جائے گی، کیا کارروائی وہیں اٹکی رہے گی، صاف صاف کوئی نہیں بتاتا۔ ابھی میں نے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی ہے۔ آج تعطیل ہے، مولوی صاحب بھی کچھ اچھے نہیں، ذرا گھر سے نکلتا ہوں لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد جو رائے ہوگی بذریعہ رجسٹری اس سے اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ مفتی محمد احمد کی دردناک موت غریب الوطنی میں برسرِ اسٹیشن ریل پر جو ہوئی اس سے تو آپ واقف ہوں گے۔ خاکِ گور کی کشش ہی ہے۔ خطۂ صالحین[1] میں بفرمان خسروی مدفون ہوئے۔ ستر سے زیادہ عمر پائی۔ آخر وقت تک نماز کا بہت خیال تھا۔

فقط نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

[1] حیدر آباد دکن کا معروف قبرستان

(۷)

گیلانی

۳؍ جولائی ۱۹۲۹ء

سیّدی المخدوم المحترم ادام اللہ جلالکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بمبئی سے تار دیا تھا، گیلانی پہنچتے ہی حیدر آباد لفافہ روانہ کیا، گھر پہنچنے کے تیسرے دن بعد والد صاحب گھوڑے سے گرے۔ شق الیسر کا ہاتھ اور پاؤں دونوں ٹوٹ گیا۔ ہڈی کے ٹوٹنے کے بعد ایک بوڑھے آدمی کا کیا حال ہو سکتا ہے اور باپ کے اس دکھ کی کسی خستہ جگر

بچے کے دل پر کیا چوٹ پڑسکتی ہے اس کا اندازہ کیا ممکن ہے؟

سب کچھ بھول گیا، آج ۳: جولائی کل حیدرآباد کی حاضری کے لیے روانہ ہونا ضروری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جاؤ، دیوان کا بوجھ نہ ہوتا، تو[1]

---

[1] یہ پوسٹ کارڈ کے ایک طرف کی عبارت ہے۔ بقیہ عبارت غیر موجود۔

(۸)

۱۲ر رمضان ۴۸ھ (۱۲ر فروری ۱۹۳۰ء)

حیدرآباد دکن

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

سیّدی ومحسنی ادام اللہ جلالکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتظار کرتے کرتے تھک گیا کہ شاید آج کوئی بات معلوم ہو تو آستانہ عالی تک خبر پہنچاؤں، لیکن آج رمضان کی بارہ ہے، حیدرآباد کی فضا قطعاً ساکن ہے، جو باتیں سنی گئی ہیں ان میں رجاءً ویاساً ہمارے لیے کچھ نہیں ہے اور اس وقت تک صرف ''روح اللہ'' کا انتظار ہے۔

پٹنہ آپ کی غیبت میں یاروں نے مولوی فضل پر ایک حملہ کر دیا جس کی تفصیل آپ کو معلوم ہوئی ہوگی، تاہم اکبر یار جنگ کی مہربانی سے وہ مرحلہ کل بحمد اللہ طے ہو گیا اور آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ مولوی فضل صاحب کے تقرر پر مہاراجہ کی منظوری آگئی۔ فالحمد للہ سخت کشمکش کے بعد۔ شکر کہ جنازہ بہ منزل رسید[1]

---

[1] بقیہ خط غیر موجود۔

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ر رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (۲۸ر فروری ۱۹۳۰ء)

حیدرآباد دکن

سیّدی ومحسنی مد اللہ ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک ناقابل برداشت حادثہ کی اطلاع دینے حاضر ہوا ہوں۔ کل ۱۰ ربجے دن کو مولانا عبدالحی صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ بعارضہ طاعون شہید ہوگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گزشتہ چہارشنبہ کو اپنی مسجد میں تراویح سنا کر پہنچے، بخار اور غدہ کا اثر پہلے سے معلوم ہو رہا تھا۔ آکر گر گئے، دوسرے دن باضابطہ مریض ہونے کا اعلان ہوا، آخر ٹھیک ایک ہفتہ کی کوشش کے بعد مسجد سے واپس ہونے والا خطہ صالحین کی خوابگاہ میں واپس ہوا۔ فرمان خسروی سے آپ کو والد مرحوم کی پائین جگہ ملی۔ وہ جو کچھ تھے اور اب جہاں ہیں الحمد للہ کہ اس کی یافت اس خاطی سے زیادہ جناب کو ہے۔ میرے پاس تو مولانا کی طرف سے صرف حزن اور غم ہے۔ حیدرآباد میں جن آخری آدمیوں نے نہیں چھوڑا تھا ان میں حب للہ کی منزل پر قدم جمانے والا ایک وفادار دوست تھا۔ مولانا نے تین بچیاں دو بچے ایک بیوی چھوڑی۔ مکان بن رہا تھا لیکن قدرت نے بیتاً فی الجنۃ کا سامان پہلے سے کر رکھا تھا۔ اور کیا عرض کروں، اس وقت دل پر، دماغ پر، صرف مولانا کی صورت کبھی ادگتی ہے کبھی ڈوبتی ہے۔ پچھلے چند سالوں سے ان کے تعلقات میں بڑی گہرائی پیدا ہوگئی تھی۔ مولانا عبدالباری صاحب کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی سلام فرماتے ہیں۔ غالباً ایک خط لکھیں گے کیونکہ اس واقعہ کو دراصل ہم لوگ آپ کا ہی ایک سخت صدمہ خیال کرتے ہیں۔ علم، ظرافت، تقویٰ و دیانت، کتنی پاکیزگی کے ساتھ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے اس پوتے میں جمع ہوگئی تھی۔ اللّٰھم اغفرہ واعف عنہ وادخلہ الجنّۃ واعزہ من عذاب القبر وعذاب النار بجاہ النبی الامّیّ المختار صلی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

والسلام

نیازمند

مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶ رشوال ۱۳۴۸ھ۔ ۲۸ رمارچ ۱۹۳۰ء

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بالکل خلاف توقع، ہفتوں سے جواب عریضہ سے محروم ہوں ہنوش خیر باد، معلوم نہیں ان دنوں کہاں تشریف فرما ہیں۔ بحمد اللہ تادمِ تحریر بعافیت ہوں، داعی ہوں آپ بھی بعافیت وخیر ہوں گے۔ اس وقت یہ نیاز نامہ صرف استفتاء خیریت کے لیے لکھ رہا ہوں اور ایک غرض بھی تھی، نہیں چاہتا تھا کہ اس غرض کا اظہار اسی کارڈ میں کروں لیکن جگہ باقی ہے اور ضرورت بھی شدید ہے جتنی جلدی پوری ہو بہتر ہے۔ غرض یہ ہے کہ برادرم مکارم سلمہ کی آنکھ میں ناخونہ ہوگیا ہے۔ خط آیا ہے، مفتی صاحب قبلہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس خاندانی سرمہ ناخونہ کے لیے تقسیم ہوتا ہے، یہ عرض لے کر میں ہی حاضر ہوا ہوں کہ اگر حسب ذیل پتہ سے تھوڑا سا سرمہ بھجوادیا جائے تو اسی کی مجھے توقع ہے۔ مکارم احسن گیلانی، ڈاک خانہ برہگھا ضلع مونگیر

ان شاء اللہ تعالیٰ مصمم ارادہ ہے کہ گرمیوں کی تعطیل میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں گا۔

مناظر احسن گیلانی

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیدرآباد دکن

جولائی ۱۹۳۰ء[1]

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار ارشہر یور کو حیدرآباد پہنچ گیا تھا، اور اس کے چند ہی روز کے بعد گرامی نامہ سامی سے ذرہ نوازی ہوئی تھی۔ جواب اس وقت دینا چاہیے تھا، بلکہ فرض تھا، کہ خود ہی اقدام کر کے عریضہ ارسال کرنے کی عزت حاصل کرتا، لیکن حیدرآباد سے اب کی جس وقت روانہ ہوا، اور جب داخل ہوا، ایابا وذہابا شدید نزلہ وزکام جو بالآخر تنفس ودمہ کے دورہ پر ختم ہوا، اس میں مبتلا تھا۔ روز طبیعت کی بیداری کا انتظار تھا۔ آج ۲۷ رشہر یور کو اس کا موقع ہاتھ آیا ہے۔ اس دفعہ جب وطن میں حیدرآباد جانے کا خیال پیدا ہوا تھا، تو معاً طبیعت میں سخت

اضطراب اور قلق محسوس کرتا تھا۔ پاتا تھا کہ اب میرے دل کے سکون کا کوئی سامان وہاں نہیں ہے۔ وہ دل تھا یا نفس ہے جو ان قدر فرمائیوں کو تلاش کرتا تھا، اور کرتا ہے، جس کی لذت کا دس سال سے مسلسل عادی ہو چکا تھا۔ شہر میں اپنی آبرو کی جو ضمانت تھی، وہ اب ہم میں نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے، کہ مجھ پر کیا گزر رہی تھی، تاہم نوکری کی ضرورت جانا و لے برندش۔ بالآخر بہت ہمت کر کے میں نے آخر وہ کیا جس کے لیے اب تک آمادہ نہ تھا۔ خیال گزرا کہ شاید بال بچوں کو ساتھ لے جاؤں، شاید ان ہی میں کچھ بہلوں اور اپنی زندگی میں پہلی دفعہ اس سنت کو ادا کرنے پر مجبور ہوا، جس سے اپنی غیر ذمہ دارانہ طبیعت کی بنیاد پر ہمیشہ کنارہ رکھتا تھا۔ اس سال بیوی اور بچہ کو ساتھ لایا ہوں، مگر جو کچھ سوچا تھا کیا وہ ہوا۔ یقیناً ایک بڑی سعادت ہے کہ مرنے سے پہلے ایک سنت کی ادائیگی سے موفق ہوا، لیکن

کون سی کی نہ دوا، کون سی مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا دل کے بہلنے کے لیے

مگر جس سے خالی ہوا ہوں جب تک وہی بھرا نہ جائے، کیا بغیر اس کے دل بہل سکتا ہے۔ اور یہی نہیں (کہ) اہل و عیال کی معیت میں بحالت سفر قیام میرے لیے نیا تجربہ ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ کے احکام سے راضی ہوں۔ کم از کم میرا تجربہ، جو دراصل میری فطری نہاد اور افتادِ طبع کا نتیجہ ہے اس مسئلہ میں کچھ زیادہ بہتر ثابت نہیں ہوا۔ نہ مکان ملتا ہے نہ آدمی ملتے ہیں، اور نہ کوئی ایسا اب رفیق ملتا ہے جو میرے ساتھ میرے عیال کے عیال کو بھی برداشت کرے۔ مولانا عبدالباری صاحب تشریف لائے ہیں اور اب تک ہمارے ساتھ ہیں لیکن انتظامی معاملات سے قطعاً دست بردار ہو کر آئے ہیں، اور اپنی جگہ میر التقرر فرمایا گیا ہے۔ غالباً اب قیامت کا انتظار نہ کرنا چاہیے کہ اعرابی کے سوال کے جواب میں اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ کو اشراط ساعت کا اہم جز قرار دیا گیا تھا۔ تاہم بحمد اللہ اس وقت تک سب لوگ اچھے ہیں۔ برادرم مکارم سلمہ پہنچانے ساتھ آئے تھے، جو واپس گئے۔ حسب الحکم اس طالب العلم نے جناب کے ارشادِ گرامی سے مطلع کر دیا ہے اور چندہ کی فہرست کالج میں کھولی گئی ہے، عند الموقع آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ مولانا عبدالباری صاحب کے نام جو گرامی نامہ آیا ہے اس کے حکم سے بھی واقفیت ہوئی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ماہ بماہ اس کی تعمیل

کردی جائے گی۔ میرے لیے اس میں بڑی تیسیر نکل آئی ہے۔ مولوی صفی اللہ صاحب کو بلوایا ہے، لیکن اب تک وہ ملے نہیں ہیں۔ اور حیدرآباد کے حالات بدستور ہیں۔ ہم لوگوں کے پیچھے مولوی عبدالواسع اور مولوی عبدالعزیز وغیرہ نے ایام تعطیل ہی میں جلسہ کر کے شعبۂ دینیات کا میر مفتی نور ضیاء الدین کو قرار دیا۔ کل ایک مراسلہ صدارتِ عالی سے آیا ہے مسئلہ زوجہ غیر منفق علیہا کے متعلق لطف الدولہ کے یہاں جلسہ ہے لیکن نہ تاریخ درج ہے نہ مقام، معلوم نہیں کہ کون علمائے کرام بلائے جائیں گے۔ ربیع الاوّل کا مہینہ آ گیا ہے لیکن اب نہ مجالس کا وہ زور شور ہے نہ ہنگامہ۔ زور تو آپ کے سامنے دھیما ہو چکا تھا لیکن آپ کے بعد اب وہ بھی باقی نہیں۔ شیعوں نے البتہ اس سال مولوی سبط حسن لکھنوی کو بلایا ہے جن کا وعظ کامل ایک عشرہ شوکت جنگ کی ڈیوڑھی میں ہوگا۔ مکہ مسجد میں جمعہ کا ایک دن موقع ملا تھا اب پھر لوگوں کی تعداد گھٹ رہی ہے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] خط پر تاریخ واضح نہیں لیکن یہ حبیب گنج میں ۶ راگست ۱۹۳۰ء کو موصول ہوا۔

[2] ایرانی فصلی مہینہ۔

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷ر شوال ۱۳۴۹ھ۔ (۲۶ر فروری ۱۹۳۱ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلّہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"مبارکات عیدھا، عیدھا مبارکت"۔ دو عیدیں ساتھ آئیں لیکن اپنی بھی عید ہوتی ہے؟ کسی خاص وجہ سے اس خیال کا تسلط دماغ پر زیادہ رہا لیکن مَاشَاءَ اللّٰهُ فَعَلَ وَمَا لَمْ يَشَاء لَمْ يَكُنْ۔ بعضوں سے دل میں برائی پیدا ہوئی، جواب ملا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ۔ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ وہی تشبیہ اکثر اس کی دی جاتی ہے، سوال ابھرتا ہے کیا گھوڑا چھوٹ گیا ہے؟ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ رہا ہوں اور دیکھنے سے زیادہ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ والے کے راج میں اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ بحمد اللہ روزے تراویحیاں باضابطہ خیر و خوبی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

اَلَّذِیْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ جسم کی خبر سے، روح کا حال "تُبْلَی السَّرَآئِرُ" کے دن کھلے گا۔ زبان سے اگر واقف رہتا تو کام شاید زیادہ بہتر طریقہ سے انجام پاتا، لیکن جو کر سکتے تھے، دیکھا کہ وہ آمادہ نہیں ہو رہے ہیں، تو اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم کو لے کر اٹھ گیا جو کچھ سمجھ میں آیا، لکھتا گیا۔ مجھے اس کی اُمید نہ تھی کہ علم کے اعلیٰ طبقہ میں اس کام کو اتنا حسنِ قبول حاصل ہوگا لیکن قدیم و جدید علمی حلقہ کے سنگم سے جب یہ موج گہر خیز گہر ریز مجھ تک پہنچ گئی تو خداوند قدوس کا شکر بجالایا۔ بزرگوں میں جہاں تک سوچتا ہوں اب حضرت والا کے سوا کوئی ایسی ہستی باقی نہیں رہ گئی جو فقیر کی کسی خدمت کو دیکھ کر مسرور ہو۔ حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضرت والا کا سایہ ہماپایہ ابھی ہم چھوٹوں کے سر پر قائم ہے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ اس سایہ کو تا بدیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ حضرت والا کا ارشاد گرامی کہ "یہ تو میری تالیف ہے"، ان الفاظ نے تشکر و امتنان، نشاط و مسرت کے کن جذبات کو قلب میں پیدا کیا، تعبیر سے ان کے عاجز ہوں، فجزاکم اللّٰہ عنّا خیر الجزاء۔

خادم زادے کی حاضری پر جن پدرانہ شفقتوں کا حسبِ توقع اظہار فرمایا گیا تھا، اس کی سپاس گزاری میں اس سے پہلے عریضہ روانہ کیا تھا، مگر اس گرامی نامہ میں اس کا ذکر نہ پا کر تعجب ہوا۔ کیا اس نامہ الطاف و کرم کے بعد محی الدین[1] سلمہٗ خدمت والا میں حاضر ہوا تھا۔

یا ایک پہلو شاید اس کا یہ بھی ہوا کہ ہمارے نزدیک خواہ اس واقعہ میں جتنی بھی اجنبیت ہو؟ لیکن حضرت کے کرم عام و شامل کے لیے چونکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس لیے تذکرہ کی ضرورت محسوس نہ فرمائی گئی۔ کچھ بھی ہو، خاکسار پر تو شکر واجب تھا، اس کی سپاس گزاری کی گئی تھی۔ فقط

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا گیلانی کے اکلوتے صاحبزادے۔

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیدر آباد دکن

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ۔ (۲۸ اگست ۱۹۳۱ء)

سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ اسمِ اعظم نے کام کیا اور ادھر آپ کی دعا سے اب بالکل اچھا ہوں۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

درد از یارست و درماں نیز ہم

گرامی نامہ سے سرفرازی ہوئی۔ میں نے حافظ سرور حسین صاحب کو لکھ دیا ہے کہ آپ سے براہ راست خط و کتابت فرمائیں۔ لیکن ایک بڑی آرزو پوری ہوتی، اگر ان کے نام کوئی وظیفہ جاری فرمایا جاتا۔ حیدر آباد میں آپ کے بعد میری ہی باری تھی آخر وہ آئی۔ جدید سال کا افتتاح بڑے ہنگاموں سے ہوا۔ دینیات لازم کے متعلق پہلے......[1] پھر فیکلٹی آف آرٹ نے یہ طے کیا کہ میٹرک سے اس کا امتحان اٹھا دیا جائے۔ اب مسئلہ سینٹ میں پیش ہونے والا ہے۔ ۲۵ مہر یعنی ار ستمبر کو اس کا اجلاس ہوگا اور یہ مسئلہ پیش ہوگا۔ ادھر ابھی یہ متعین ہوا تھا کہ کونسل اعلیٰ نے سائنس اور فنون کے شعبوں میں تحریک کی ہے کہ وہ اس کے لیے ایک کمیٹی بنائے جو اس پر غور کرے گی کہ انٹر و بی اے کے امتحان سے ہی دینیات کو خارج کر دیا جائے۔ کمیٹی بن گئی جس میں مجھے بھی نہیں رکھا گیا۔ حامیوں کی تعداد کم مخالفوں کی زیادہ ہے۔

یہ اربابِ حکومت کر رہے ہیں لیکن اس تعلیمی انقلاب کی وجہ سے بہت ہیجان ہے۔ اس عرصے میں مکاتبت کا سلسلہ ایسا منقطع ہوا کہ آپ کی جس مسرت میں میرا دل شریک تھا افسوس ہے کہ قلم کو اس میں شرکت نصیب نہ ہو سکی۔ صاحبزادۂ والا تبار کی واپسی حج وزیارت کی سعادت سے شرف اندوز ہو کر ایک اللہ والے باپ کے لیے بڑی کامیابی بڑی شادمانی ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ الحاج ابن الحاج کا حج قبول ہو، نسبت نبوی ﷺ مبارک ہو۔

اور کیا عرض کروں۔ صدارت کالج کا انقلاب اب تک انقلاب ہی کی شکل میں ہے، خیر اس ہنگامہ میں دینیات پر جو تیز نظریں پڑ رہی تھیں، کچھ کند ہوئی ہیں، لیکن کب تک الحمد للہ فالحمد للہ کہ ایف اے کی جماعت میں سیرت کے ساتھ عم پارہ اور بی اے میں بقرہ پڑھانے کی اجازت، جامعہ سے مل گئی ہے۔ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ۔ میرے مرض نے اب دوام کی شکل اختیار کرلی ہے، شاید کوئی ہفتہ ایسا گزرتا ہو جس میں تصحیح تنفس کے لیے دوائی کی ضرورت نہ ہوتی ہو۔ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ وطن میں اہلیہ کی آنکھ میں روہوں کی شکایت ادھر زیادہ شدت پذیر ہوگئی ہے۔ خط آیا تھا، خیال گزرتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی سرمہ تھا جو مکارم سلمہ کے لیے بھیجا بھی تھا، اگر روہوں میں اس سے نفع ہوتا ہوتو کیا امید کروں کہ گیلانی ڈاک خانہ برگھا کے پتہ سے مکارم سلمہ کو بھیج دیجیے، شاید اللہ تعالیٰ کی شفا اس راہ سے آئے۔ آج کل مولانا شبیر احمد دیوبندی آئے ہوئے ہیں، وعظوں کا زور ہے، بداؤں کے دونوں خاندان انھیں چڑھائے حیدر آباد میں گھوم رہے ہیں۔ فرنگی محل کے والی صاحب بھی آئے ہوئے ہیں، نیاز فتح پوری بھی گشت لگا رہا ہے، سیٹھ یعقوب بھی منڈلا رہے ہیں، سنا کہ کامیابی قریب آ لگی ہے۔ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ اللّٰہُ مَا یُرِیْدُ۔ اب جلوت سے زیادہ خلوت کا ذوق بڑھ رہا ہے۔ دعا فرمائیں کہ کوئی صورت غیب سے نکل آئے۔ المغرور بالامانی۔

فقط

خویدکم المخلص عبدہٗ

مناظر احسن گیلانی

۱؎ یہاں کاغذ پھٹ گیا ہے۔

۲؎ غالباً عبید الرحمٰن خان شروانی

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ رشوال ۱۳۵۰ھ۔ (۲۲ رفروری ۱۹۳۲ء)

سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیدر آباد پہنچ کر مجھ پر وہ بجلی گری کہ اس سے پہلے یاد نہیں آتا کہ میں نے ایسا صدمہ اٹھایا تھا۔ میرے مخدوم اور مخدوم زادے حکیم محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۵ سال کی عمر میں یکا یک بعارضہ فالج راہِ بقاء کی راہ لی۔ غالباً والد مرحوم کو اپنے اکلوتے بچے کی مفارقت زیادہ گوارا نہ ہوئی، ابھی اسی حال میں تھا کہ کل مولوی عبدالحمید خاں صاحب سے وہ خبر سنی جس نے آپ کو انس ورفاقت، اخوت و بزرگانہ شفقت ایک طویل و مدید سایہ سے محروم کر دیا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر چہ وہ عمر طبعی سے بہرہ ور ہو کر تشریف لے گئے لیکن یہ سوچ کر دل متاثر ہوا کہ جس کی معیت آپ کو اتنی دراز مدت تک حب اولاد کے ساتھ میسر تھی، یکا یک اس کی محرومی کا قطعاً آپ پر غیر معمولی اثر ہوا ہوگا۔ حق تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگی گئی اور ان شاء اللہ تعالیٰ اجابت کی امیدوں سے اپنے کو دونوں متوفیوں کے متعلق مخمور پاتا ہوں۔

کیا عرض کروں محمد میاں مرحوم سے میرا تعلق صرف مخدوم زادگی کا نہیں تھا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں اور ان میں تعلقات کی نوعیت عام تعلقات سے بالکل جداگانہ تھی، انتقال کی خبر ملی ہے لیکن دل کو ٹھہراؤ نہیں ہے، آج ہی ان کے پھوپھی زاد بھائی کا ایک مکتوبہ خط ملا ہے۔ جناب کو بھی ان سے خاص تعلق تھا اس لیے تفصیلی حالات کے لیے اسی خط کو ملفوف کرتا ہوں اور یہ امید کرتا ہوں کہ خاص وقتوں میں ان کے لیے خیر و مغفرت کی التجا ضرور کی جائے۔ حیدر آباد کا ایک قافلہ حجاج نواب فخر یار جنگ کے ساتھ روز پنجشنبہ میں روانہ ہو گیا۔ بڑے بڑے نواب حتیٰ کہ نواب نظامت جنگ کی روانگی کی خبر گرم ہے۔ نہیں معلوم کہ وہ روانہ ہوئے یا نہیں۔ نام پلی اسٹیشن پر نواب ظہیر یار جنگ اور مبارز الدین خاں تعلقدار عثمان آباد کو نواب فخر یار جنگ بہادر کے ساتھ دیکھا تھا۔ معلوم نہیں کہ صاحبزادہ والا تبار کی روانگی ہوئی یا نہیں غالباً اس حادثہ کی وجہ سے سفر معرض التواء میں ضرور آ گیا ہوگا۔ کیونکہ مولوی عبدالحمید خاں صاحب سے تاریخ مقرر تھی۔ فقط

نیاز مند قدیم
مناظر احسن گیلانی

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیدرآباد دکن، نامپلی روڈ

۶ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ۔ (۹ اگست ۱۹۳۲ء)

سیدی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احساسات شرمندگی اور ندامت کے مظاہرہ سے اب تک تھک کر یہ عریضہ لکھنے بیٹھ ہی گیا، مواعید مواعیدِ عرقوب ہو کر رہے۔ پہلے اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا کے حاکم آگے متضرع ہوتا ہوں لیکن پھر حق العباد ہے، جب تک عبد کی معافی حاصل نہ کی جائے گی معبود کی مغفرت کی کیا امید کروں۔ عدم ایفا کے اسباب کیا بیان کروں۔ مرض، اسٹیشن کی دوری، گرمی کی شدت، ایسے میں خیال فرمالیجیے ورنہ یقینی علم صرف اس قدر ہے کہ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ توفیق جس کے ہاتھ میں ہے اس نے عطا نہ فرمائی، سچی بات فقط اتنی ہے۔

بہر حال پھر بھی کتابوں کے صندوق مکتب کے متعلق سامان کرایا تھا کہ کم از کم وہ تو خدمت والا میں پہنچ جائے، خیال تھا کہ شاید عرقِ جبیں میں اس سے کچھ کمی ہو گی، لیکن اب تک غالباً وہ بھی نہ ہو سکا۔ دیکھیے برادرم مکارم سلمہٗ اس معاملہ میں مجھے کب تک شرمندہ رکھتے ہیں۔ تاکیدی خطوط پھر بھی لکھ رہا ہوں۔ خیر یہ تو کفِ مراسلہ کے وجوہ اور تقصیرات کے معاذیر تھے، جناب کی خدمت گرامی میں اس مبارکباد کے عرض کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ حق تعالیٰ نے جائز حق میں اپنے ایک مخلص بندے کو آخر سرفراز فرمایا اور تاخیر بھی مصالح ہی میں ہوتی ہے۔ بقایا کہ رقم اجتماعی شکل نہیں لے سکتی تھی، اگر اتنی تمہیل نہ ہوتی، پھر یہ تو باہر میں ہوں اور اندر استغناء باللہ کے مدارج میں قلب کے تقلبات نے جن منزلوں کو طے کیا، ان شاء اللہ وہ اس سے کہیں زیادہ گرانقدر ہیں۔ اغنیاء، فقراء نے دیکھ لیا کہ اللہ کی عباء کے نیچے اس کے بندے بھی ہیں جنھیں باہر بھی امیر بنایا گیا ہے اور اندر بھی هَنِيْئًا لَّكُمْ ثُمَّ هَنِيْئًا لَّكُمْ۔ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَ زُلْزِلَتْ کی کچھ تفسیر آیت سے پہلے بھی نظر سے گزرتی تھی، اس بات کا خیال تنبیہ سامی سے ہوا۔

چند دنوں سے حیدر آباد میں ایک خبر اخبارات میں زور پکڑ رہی ہے۔ اسّی (۸۰) سال کی بڈھی مطعونہ ہو کر مری، رات بھر مری رہی، چیونٹیاں بھی اس کو لگ گئیں لیکن دوسرے دن قبل غسل اعزہ نے اس کو زندہ پایا۔ وہ عورت بیان کرتی ہیں، کہ مجھے آسمانوں پر پہنچایا گیا اور تیل کے ایک گرم کڑاہے میں ڈالنے کا حکم ہوا، لوگ ڈالنے والے تھے اور ہاتھ چلا بھی گیا تھا کہ کسی بزرگ نے یکایک آواز بلند کی، ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ پھر مجھے لوگ قبر میں لائے لیکن وہاں بھی وہی آواز آئی، اس کو واپس کرو، وقت نہیں آیا ہے۔ اب اپنے کو پھر زندہ پاتی ہوں۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے اس ہاتھ میں جس کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ کڑاہ میں جا چکا تھا اس میں آبلے نمایاں تھے۔ حکیم محبوب علی میرے ایک دوست ہیں، وہی اس کے معالج تھے، انھوں نے اس آبلہ کا دنیاوی دواؤں سے علاج کیا۔ عورت اب تک زندہ ہے۔ یہ بھی جزوِ خبر ہے کہ اس عورت کو اپنے مقامِ قبر کا علم ہو گیا، حالانکہ وہ اس سے جاہل تھی۔ 'رہبرِ دکن' میں مرنے والی جینے والی کے لڑکے کا بیان شائع ہوا ہے، واللہ اعلم بات کیا ہے۔ نتائج یہ پیدا ہوئے ہیں:

(۱) غافلوں کو چونکانے کے لیے قدرت کی طرف سے کبھی ایسے واقعات کرا دیے جاتے ہیں جس سے غیب کے حالات شہادت والوں تک پہنچ جائیں۔

(۲) قبری اور برزخی وجود سے پہلے مردہ کا تعلق عذاب و ثواب کے کسی شعبہ سے کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے اور جس کا تمثل کڑاہ کی شکل میں ہوا۔

(۳) اس تعلق کے بعد مردہ کی روح یا نسمہ کو اپنے ناسوتی جسدگاہ (قبرِ ارضی) سے تعلق ہو جاتا ہے۔

(۴) برزخی کیفیات و حالات کا ظہور کبھی کبھی ناسوتی وجود تک بھی متعدی ہو جاتا ہے۔

''رسالت'' نے جن غیبی حالات کی تشریح کی ہے، ان سے بھی ان واقعات کی توثیق ہوتی ہے اور ہمارے لیے وہی شہادت ہے جس کی شہادت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ادا کی ورنہ میرے حواس کی شہادتیں شکوک و شبہات سے لبریز ہیں۔

کیا عرض کروں، میرے لیے تو غیب شہادت میں رہا ہے شہادت غیب کی صورت میں محول ہو رہی ہے۔ شاید وقت قریب ہے۔ والسّلام و اللّٰہ معکم اینما کنتم

الداعی لخیر وابنا کم واجزاکم
مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہ، ولوالدیہ

(۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ۔ (۱۸را کتوبر ۱۹۳۲ء)

لکھنؤ ہارڈنگ روڈ، مکان مولوی عبدالباری صاحب

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نفر فی القد الی القدر، اس فاروقی فتویٰ کے تحت بالسفر حیدر آباد چھوڑ کر قدر ہی نے مجھے اس بزرگ چراغِ خاندانِ نبوت کے قدموں کے نیچے پہنچا دیا ہے جس پر خدا کا فضل عظیم ہے۔

حیدر آباد میں طبّی علاج سے کچھ روز تو نفع ہوا لیکن اندرونی پستی اور جوارح کے اورام میں پھر اعادہ شروع ہوا، چہرہ پر پھیچ لوٹ گیا۔ وہاں ڈاکٹروں اور حکیموں کی آراء میں اس درجہ تناقض تھا کہ دل گھبرا گیا اور بالآخر متحیر ہو کر سیدھے لکھنؤ کل پہنچا ہوں، جہاں ایک ایسا حکیم موجود ہے جو ڈاکٹر بھی ہے اور کچھ اس کے سوا بھی ہے۔

ڈاکٹر عبدالعلی صاحب[1] کے زیر علاج ہو گیا ہوں، قیام مولانا عبدالباری صاحب کے مکان میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گا۔ مولوی عبدالباری صاحب کے چھوٹے بھائی کو حیدر آباد سے ساتھ لایا ہوں، وہی میرے تیمار دار رہیں گے۔ مکارم سلمہٗ کو گیلانی آج خبر دے رہا ہوں، انہی کو بلا لیتا لیکن مکان میں پھر کوئی نہیں رہ جاتا۔ بالفعل ان کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ حیدر آباد چھوڑنے کا صرف ایک وجہ سے افسوس تھا کہ آپ کے آنے کے دن قریب لگے تھے اس لیے صرف بارہ دن کی رخصت لے کر اس کو دیوالی اور سال گرہ کی تعطیل کے ساتھ ملا لیا ہے جس سے سولہ روز کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس عرصے میں اپنے فضل سے سرفراز فرمائے گا، آئندہ رب کی مرضی کے آگے بہر حال اس کو بھی جھکنا ہے جو جھکا ہوا ہے اور اس کو بھی جو خیال میں نہیں جھکتا لیکن واقع میں جھکا ہوا ہے۔ بہر حال اپنی نیت بھی ہے کہ لکھنؤ سے سیدھے دکن واپس ہو کر وہیں

شرفِ قدم بوسی حاصل کروں۔ وَاللّٰہُ عَلیٰ مَا یَشَاءُ قَدِیْر.

ڈاکٹر عبدالحی صاحب کی رائے بھی یہی ہے گردہ کا فساد ہے اور البومن کی خرابی ہے اس لیے نمک مرچ گوشت سے بالکل متقی ہونے کو کہا۔ اب دودھ اور پھلوں پر کچھ دن رہنا ہے، میرا پتہ لکھنؤ میں: ہارڈنگ روڈ، لکھنؤ مکان پروفیسر عبدالباری ہوگا۔ اور حالات بحمداللہ قابلِ شکر ہیں۔

امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ مولانا عبدالباری اسٹیشن لینے کے لیے پہنچے تھے۔ انھوں نے گمنام ناظر کے متعلق امتحان لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ "مناظر" اس امتحان میں فیل ہوگیا۔ آج وہ دریاباد تشریف لے گئے۔ تار گرامی کا جواب دے دیا گیا تھا، ملا ہوگا۔

فقط نیازمند

مناظر احسن گیلانی

---

۱ ڈاکٹر سید عبدالعلی، سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، پیدائش: یکم دسمبر ۱۸۹۳ء، وفات: ۷/مئی ۱۹۶۱ء

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴/رجب ۱۳۵۱ھ	ہارڈنگ روڈ، مکان مولانا عبدالباری صاحب ندوی
(۴/نومبر ۱۹۳۲ء)	لکھنؤ (متصل شیعہ کالج)

سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عظیم اور لدنی اجر کی بشارت عرض کرتے ہوئے صمیم دل سے شکریہ ادا کرنا ہے، جس کا شکریہ دعوات صالحہ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَّاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا" نصِ قطعی ومحکم ہے۔

چیک بحمداللہ وصول ہوگیا ہے، ابھی کچھ اوراق باقی تھے اس لیے بینک میں اس کے بھجوانے کی ضرورت نہیں ہوئی ہے، تاہم احتیاطاً اس کو رکھ لیا ہے کیونکہ تنخواہ کی وصولی کب تک ہوتی ہے اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور مجھ تک پہنچنے کے لیے تو ایک عرصہ چاہیے۔ رخصت بیماری میں جھگڑا پڑ جاتا ہے۔

شافی حقیقی کی عنایات کا ظہور، شکر ہے کہ بارہ تیرہ دن کے علاج کے بعد ہونے لگا

ہے۔ اورام تو پہلے اتر چکے تھے، اب قارورہ میں پیشاب آنا بھی الحمد للہ بند ہو چکا ہے، البومن میں بھی نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اب تک شکر خانی پر مصر ہیں اور حق تک قائم کرنا نہیں چاہتے اور ان کی تو ہر تلخی میرے لیے شیرینی ہے۔ ابھی چلنے پھرنے کی اجازت مرحمت نہیں ہوئی ہے، بالائے بام جوان سب بام سے تو مقام شاید ہٹ گیا ہے لیکن بام سے نہیں ہٹا ہے۔ وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔

ان دنوں حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب ہاتھ آئی جو آپ کی نظر سے تو گزری ہوگی لیکن بدقسمتی سے اب تک یہ نیاز کیش آستانہ اس سے محروم تھا، یعنی میر خورد جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں ان کی کتاب 'سیر الاولیاء' ہاتھ آ گئی، اس سے عموماً خوش وقت رہتا ہوں۔ عجب کتاب ہے، عجیب حالات ہیں۔ لیکن اس کتاب میں ایک بات میرے لیے باعث حیرت ہوئی، اس میں حضرت شکر گنج کے خلفاء اور رفقاء کا مفصل ذکر موجود ہے مگر اس سلسلہ میں حضرت قطب کلیر شریف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آخر میں ایک نہایت سرسری سا جملہ مولف نے اس طور پر لکھ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک حضرت علی صابری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بابا صاحب کے اجل خلفاء میں نہ تھا۔ میری معلومات اس باب میں بالکل ناقص ہیں، بے چینی ہے کیا اس کی وجہ آپ ارقام فرما سکتے ہیں۔ اور حالات بحمد اللہ قابل شکر ہیں۔

سفرِ حیدر آباد میں التواء کی وجہ کیا ہوئی غالباً قائم گنج میں بارات کی شرکت مدِ نظر ہے۔ تار سے اکبر یار جنگ بالقابہ نے اس نیاز مند کو بھی مدعو کیا تھا، لیکن جسے زینہ سے نیچے اترنے کی بھی اجازت نہ ہو، اس کے لیے قائم گنج تک کا سفر کا کیا موقعہ تھا۔ اچھا مجمع ہو رہا ہے، سب آ رہے ہیں، دل تڑپا، لیکن امر اللہ کے آگے جھک گیا۔ فارسی لغت کا ایک لفظ میرے لیے نامعلوم ہے کوئی کتابِ لغت کی بھی پاس نہیں ہے، اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اس کے حل سے ممنون فرمایا جائے۔ آج کل یہ دو شعر وردِ زباں رہتے ہیں جس کے ایک لفظ کا معنی کچھ متعین طور پر دماغ میں نہیں:

گر بہ میریم عذر ما بہ پذیر   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
گر نہ میریم ژندہ بر دو زیم   دامنے کز فراق چاک شدہ

خط کشیدہ لفظ ژندہ کی لفظی و معنوی تحقیق مطلوب ہے۔ وعلی اللہ اجرکم۔

برادرم مکارم سلمہ کو آج گھر روانہ کر رہا ہوں، وہاں گھر پہ کوئی نہیں ہے۔ زراعت کا کام بھی خراب ہو رہا تھا، اب میں ہوں اور مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ کے بھائی شعیب سلمہٗ۔ سب بصد نیاز و ادب سلام عرض کرتے ہیں۔ ملا جی صاحب کو سلام فرما دیجیے۔

فقط نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درشبستانِ سعادت، پروفیسر عبدالباری
۱۳؍رجب ۱۳۵۱ھ۔ (۱۳؍نومبر ۱۹۳۲ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رقائم کرائم ہے یکے بعد دیگرے روح نے انشراح اور دماغ نے انبساط کی سعادت حاصل کی۔ "تذکرۃ الکرام" سے رشید الدین خان کے جو حالات آپ نے نقل کیے ہیں، ان کو پڑھ کر قدرت کے اس توارد پر تعجب ہوا کہ آخر اس قائم گنج کے ایک اور رئیس کے متعلق بعینہٖ یہی جملے آئندہ مورخ کو دہرانے ہوں گے۔ تا آنکہ باطل ہو یا حق، لیکن مذہبی عصبیت میں جو پختگی پیش رو کو حاصل تھی وہی پس رو میں بھی نظر آتی ہے، اب معلوم ہو رہا ہے کسی نے نواب اکبر یار جنگ کے حالات لکھے ہیں۔ اگر بجائے لفظ "مذہب حنفی" مذہب کا لفظ ہوتا تو تمیز مشکل تھی کہ آخر یہ کس کے حالات ہیں۔

کیا نواب صاحب مذکور کو ان سے کوئی نسبت ہے اور پھر روشنائی کے تعلق کو دیکھ کر اس اعتقادی انقلاب کی یہی ایک کڑی مل جاتی ہے جس کا ظہور اس سرزمین میں پھر ایک دفعہ ہوا، حضرت الاستاد مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کو یہ عبارت سنائیے اور نام نہ بتائیے کہ شاید میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس کے مصداق کے تعین میں انھیں بھی شبہ نہ ہوگا۔ غالباً حیدر آباد میں تو نواب اکبر یار جنگ سے تو ملاقات ہوگی نہیں تو اس کا ذکر ان سے میں خود کر

دوں گا، اب کی حقیقت متناسخہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت الاستاد کی خدمت گرامی میں سلام فرما دیجیے۔

مسرور رہتا ہوں۔ یاد رہا، میری تذکرہ کی عبارت نقل فرما کر آپ نے چند باتیں یاد دلا دیں۔ گزشتہ سال اورنگ آباد گیا تھا وہاں کے بزرگوں کے حالات کی جستجو ہوئی، تذکرہ اور بڑھ گیا اس میں ایک جدید علم یہ ہاتھ آیا کہ نواب آصف جاہ اوّل انار اللہ برھانہ کو شاعری میں تلمذ ہمارے ہم وطن شاعر حضرت بیدل رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ ان دنوں مرزا بیدل مجھ پر مسلط تھے اور مختلف ادوار میں مختلف شعراء کی تسلیط مجھ پر ہوا کرتی ہے۔ دل اچھل پڑا اسی وقت سے اس فکر میں ہوں کہ کاش! جس طرح حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے لخت ہائے دل کی شیرازہ بندی بارگاہ جہاں پناہی خلدہٗ اللہ ملکہ کے فرمان مبارک سے ہوئی، مرزا بیدل کے دُررِ منثورہ کی بھی کوئی قیمتی لڑی تیار کرائی جاتی کہ اب مرزا کا سلطنت آصف جاہی پر ایک خاص حق قائم ہے۔ اس زمانے سے اپنے ایک شاگرد مولوی غلام دستگیر رشید سے یہ کام لے رہا ہوں۔ اس سے پہلے اس برادر عزیز نے محض میری فرمائش اور خاطر سے حضرت مولانا رومؒ کے دیوان پر کام کیا تھا اور ایم اے کے امتحان فارسی میں اس کا مقالہ علمیہ یہی مضمون تھا۔ اس سلسلہ میں کتاب خانہ حبیب گنج سے بھی دیوان معنوی کا قلمی نسخہ یونیورسٹی نے منگوایا تھا جس سے بڑی مدد ملی۔ بحمد اللہ عزیز مذکور کا مضمون کامیاب ہوا۔ ڈاکٹر اقبال ممتحن تھے۔ فرسٹ کلاس، فرسٹ درجے میں انھوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اخوکم مولانا عبدالحمید خان صاحب قبلہ کی محنت اور اعانت کو بھی اس میں بڑا دخل تھا۔ بہر حال عرض یہ ہے کہ اگر مرزا بیدلؒ کے متعلق کوئی موقعہ دستیاب ہو تو ان کے زندہ کلام کے احیاء میں کوئی سعی ضرور فرمائی جائے۔ مواد بہت کچھ فراہم ہو چکا ہے۔ خدا جانے ان کی شاعری کی قدر کا یہ اثر ہے یا اس میں وطنیت کا جذبہ جنبش پیدا کر رہا ہے۔

دوسری بات جو اسی عبارت کو پڑھنے کے بعد یاد آ گئی۔ یاد کیا آتی، بلکہ سامنے تھی وہ سنائی کے حدیقہ کا ذکر، میں نے عرض کیا تھا کہ ان دنوں امیر خردؒ کی 'سیَر الاولیاء' پڑھ رہا ہوں، اس کتاب سے جہاں اور بہت سی نئی اور عجیب باتیں معلوم ہوئیں ان میں ایک اثر یہ بھی تھا کہ پٹھانوں کے عہد میں ہندوستان کی علمی مجلسوں میں سنائی اور سعدی کا رنگ جما ہوا

تھا۔ پوری کتاب میں حضرت حافظؔ کا ایک شعر بھی نظر نہیں آیا، حالانکہ مصنف کا حال یہ ہے کہ بمشکل وہ چند سطریں سعدیؔ یا سنائیؔ کے اشعار کے بغیر ختم کرتا ہے۔ اس عہد کے بزرگوں کی زبانی جو اشعار اس نے نقل کیے ہیں ان میں بھی زیادہ تر ان ہی دو بزرگوں کے اشعار ہیں۔ گلستاں اور بوستاں والے سعدیؔ نہیں بلکہ کلیات کا رواج زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ خود حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرّہ العزیز کی زبانِ مبارک سے جو اشعار کتاب میں منقول ہیں وہ زیادہ ان ہی بزرگوں کے ہیں بلکہ اسی ذیل میں مجھے آپ کے ایک خاص لفظ کی تصحیح بھی مل گئی۔ عموماً ہندوستان میں لائبریریوں کو کتب خانہ کہتے ہیں مگر آپ کے قلم و زبان پر ہمیشہ لفظ ''کتاب خانہ'' پاتا تھا۔ ادباً کبھی دریافت نہیں کیا۔ حضرت سلطان جیؒ کے صدقہ میں سنائیؔ کا ایک شعر ہاتھ آیا، میر خورد ناقل ہیں۔

قبلہ زیرکان آستان او گنج معنی ''کتاب خانہ'' او

تب تصدیق کی کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

بہرحال جب سے اس کتاب میں سنائیؔ کے اشعار نظر سے گزرے ہیں، ان کی کتابوں کا ذوق اب دل پر مسلط ہے۔ معلومات کچھ نہیں ہیں، حدیقہ کے سوا کتاب کا نام بھی نہیں جانتا۔ مدت ہوئی کہ ایامِ نافہمی میں حدیقہ کا سرسری مطالعہ نصیب ہوا تھا، ان شاء اللہ تعالیٰ عندالتلاقی ان کے کارناموں کی تفصیل اس میدان کے مرد سے میسر ہو سکے گی۔ گویا اب مرزا بیدل کے بعد سنائیؔ کی جستجو ہے۔ ایک انکشاف تو یہی ہوا ہے کہ ان کے کلام میں الحاق کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے، اگرچہ وجوہ صرف عقلی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نواب مرحوم کے وہ کیا وجوہ تھے دریائے گنگا کے ساحل، اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کے سبزہ زاروں سے پوچھا جا سکتا ہے، لیکن جواب کون دے گا۔ اب آپ نے ان کے مزار کا جو حال لکھا ہے بجنسہٖ اس ہیئت کذائی کے ساتھ چند سال ہوئے کہ پٹنہ موٹر پر جارہا تھا راستہ میں چھٹی درگاہ کے بزرگ کا مزار ٹھیک گنگا کے کنارے سرسبز کھیتوں کے احاطہ میں ایک بلند چبوترہ نظر آیا تھا، بڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا تھا اور دماغ اور روح نے لذت حاصل کی۔

بول کا امتحان دوبارہ ہوا تھا، روپیہ میں چار آنہ اب البومن باقی ہے لیکن پرہیز اور چلنے پھرنے پر پہرہ اسی طرح قائم ہے۔ دیکھیے کب تک نجات بخشی جاتی ہے۔

نیاز کیش
مناظر احسن گیلانی

لے مولانا عبدالباری ندوی صاحب کے مکان کا یہ تاریخی نام مولانا گیلانی ہی نے رکھا تھا۔

(۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸ر رمضان ۱۳۵۱ھ۔ (۱۵ر جنوری ۱۹۳۳ء)

سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے پیشتر عریضہ نیاز مل گیا ہوگا۔ بحمد اللہ اب میری صحت تقریباً اسی نوعیت کے قریب آ گئی ہے جب مجھے تندرست سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ احتیاطاً روزے نہیں ہو رہے ہیں کیونکہ امساکِ بول کا گردہ پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ آج ۱۵ر جنوری کو حیدرآباد حاضر ہو جاتا لیکن اسی احتیاط نے سفر سے باز رکھا، رخصت کی درخواست بھیج دی گئی ہے۔ اگر حاضر ہو جاتا تو تعطیل کی تنخواہ سالم ملتی، اس سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہرحال اب عید بعد ۲ر شوال کو ان شاء اللہ تعالیٰ روانہ ہونے کا مصمم ارادہ ہے۔

اس وقت کشمکش میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ میری پہلی بیماری میں غیب سے آپ کی اعانت کا ہاتھ برآمد ہوا تھا اور مشکلات حل ہوئے، لیکن اس قرض کی ادائیگی میں جو تاخیر اور تمہیل میری طرف سے عمل میں آئی اس نے اس قابل نہیں رکھا ہے کہ پھر آپ کو ادھر متوجہ کر سکوں۔ لکھنؤ سے بمشکل سو روپے کی درخواست دی جو قبول ہوئی اور کام چلا، اس عرصے میں لکھنؤ کے قیام اور تنخواہ کی بربادی، دیگر مصارف کی بحالی یہ سب کن مالی مشکلات کے باعث ہوئے، کیا عرض کروں۔ بہرحال اب ان شاء اللہ تعالیٰ کشفِ کربت کا وقت قریباً معلوم ہوتا ہے لیکن ہاتھ بالکل خالی ہے۔ سفر بھی درپیش ہے اور گھر میں بھی ایک مہینہ کے لیے مصارف دے کر جانا ہے۔ ارزانی نے غلوں کی قیمت اس طرح گرائی ہے کہ کاشت اور زمینداری سے کسی آمدنی کی کچھ توقع نہیں۔ سرکاری لگان کی ادائیگی کا وقت بھی یہی تھا جو بحمد اللہ ادا ہو گیا۔ خدا کے فضل سے اسی عرصہ میں، بجز آپ کے سو روپے کے اور کسی کی بیرونی امداد کی ضرورت نہ ہوئی۔ کارسازِ حقیقی کام چلاتا رہا۔ اب اس کی کارسازی کی ایک ہی راہ مجھ کوتاہ اندیش کی نگاہ

میں رہ گئی ہے کہ آپ ہی کو پھر توجہ دلاؤں۔ حیدر آباد جانے میں کل دس بارہ دن کی دیر ہے۔ تین چار دن میں میرا خط آپ کو ملے گا، اگر ممکن ہو تو اپنے سو کے رقم میں دو سو کا اور اضافہ فرما کر اس کو تین سو کی رقم کر دیجیے اور پھر بہ تار گیلانی کے پتہ سے ارسال فرما کر اس وقت ایک مستغیث کی فریاد کو پہنچیے۔ بس اس وقت کی حاضری صرف اسی لیے ہے۔ گیلانی بالکل گاؤں، چیک نہیں ملے گا اس لیے روپے اور وہ بھی بذریعہ تار بھیجنے کی ضرورت ہے۔

برادرم مکارم سلمہ، پٹنہ سے کل واپس ہوئے۔ آج آپ کی کتابوں کے بھیجنے کا سامان کر رہے ہیں۔ کل ان شاء اللہ تعالیٰ بہار اسٹیشن سے بذریعہ پارسل اسی صندوق امانت و پیکٹ کو خدمتِ گرامی میں بھیج دیں گے۔ میں نے پہلے لکھا تھا کہ ان کتابوں کی جگہ اگر حدیث و تفسیر و فقہ کی کچھ ضروری کتابیں آپ خرید کر اس کتب خانہ میں داخل کرا دیتے، یہاں سے مخطوطات کا یہ سلسلہ آپ کے پاس جاتا ہے تو اچھی توزیع ہوتی لیکن پھر کہتے ہوئے شرم آتی ہے تا کہ ان کتابوں کو بالفعل بطورِ ضمانت کے اپنے کتب خانہ میں محفوظ فرما دیجیے۔ بعد کو جب آپ کی دین سے سبکدوشی میسر ہو گی اس وقت پھر دینیات کی ان کتابوں کی فہرست خدمت والا میں پیش کر سکوں گا۔ بہر حال ان کتابوں کو تو اب کتب خانہ حبیبیہ میں داخل کر دیجیے۔ بعض نسخے ناقص حالات میں ہیں، ارادہ ہے کہ اپریل کے مہینے میں، جب حیدر آباد سے رخصت ملے گی تو سیدھے حبیب گنج پہنچ جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ خوانساری مرزا جانی طوطی، سیّد جرجانی باقر اور ازیں قبیل حکماء اسلام کے ان نادر نسخوں کو دیکھ کر مسرور ہوں گے۔

فقط مناظر احسن گیلانی

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲؍صفر؍رمضان ۱۳۵۲ھ۔(۲۷؍مئی ۱۹۳۳ء)

گیلانی ڈاک خانہ بر بگھا ضلع مونگیر

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپنی داستان سنا کر منعم کریم کو رنج پہنچانا طریقۂ شکر و امتنان نہیں وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ کُلِّ حَالٍ۔ مجھ پر کیا گزر رہی ہے اور کیا گزری اس کا کچھ حصہ مقاماتِ شکر کے مالک حضرت مفتی صاحب قبلہ کی زبانی معلوم ہوا ہوگا۔ غالباً دارالعلوم کی مسجدِ مقدس کی تعمیری انہماک نے کسی قلب متزلزل کی جانب متوجہ ہونے نہ دیا اور یہاں ندامتوں کے تتقہائے[1] تار نے اجازت نہ دی کہ سر باہر نکالوں۔[2]

---

[1] تُتُق (بضمتین) چادر، بڑا پردہ۔

[2] یہ خط یہیں تک دستیاب ہوسکا۔

(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹؍ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ۔(۲۳؍جولائی ۱۹۳۳ء)

سیّد الامام مخدوم الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گیلانی سے چل رہا تھا کہ موعظت نامہ گرامی سے سرفراز ہوا۔ دل پر چوٹ پڑی ایسی چوٹ پڑی کہ بالآخر میری ژولیدہ بختیاں اس درجہ کو پہنچیں کہ جس دل میں ہمیشہ تیری جانب سے حسنِ ظن کی شعاعیں پہنچتی تھیں اور جہاں پر میرے لیے محبت و قناعت کے سوا کچھ نہ تھا، آج مری زبوں حالیوں نے بالآخر اس کو بھی دکھا دیا۔ رویا، کچھ دیر کے لیے رویا، آنکھیں تھمیں لیکن دل تڑپتا رہا۔ اسی حال میں لکھنؤ ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچا، جسم بیمار کے ساتھ دلِ بیمار کو لے کر دکن آیا، یہاں کالج کے مشاغل نے احاطہ کیا، خدا جانے سیکڑوں مسودے اس عرصے

میں بنتے اور بگڑتے رہے، جسے جواب میں بھیجنے کا خیال تھا، لیکن آخر میں یہی سمجھ میں آیا کہ جب اس کی علت بجائے محسوس قوانین کے کوئی اور امر غیب ہے تو اس سے دعا کروں، ہو سکتا ہے کہ جس دل سے یہ خیالات ابھرے ہیں اس میں دوسرے جذبات پھر پیدا ہو جائیں ورنہ اس رقیمہ نصیح نامۂ وداد، جو سراسر بہی خواہی پر مبنی ہے اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ ایک جہول و ظلوم نے خیال کیا تھا کہ کسی دیہات کو وطن بناؤں جہاں آبادیوں سے کنارہ کش ہو کر زندگی ختم ہونے سے کچھ ہی دن پہلے پوری یکسوئی کے ساتھ کسی طرف متوجہ ہو سکوں۔ اسی لیے شہروں کو مرکز توجہ نہ بنا کر اپنی دیہاتی موطنی میں کچھ زراعتی اور دہقانی مشغلے کر رہا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب جی چاہتا ہے تو ہر زمین کو آسمان بنایا جاتا ہے۔ والدِ مرحوم کی وفات کے بعد چند بداندیشوں نے جو اَب تک اپنے جذبات عداوت وحسد کو دبائے ہوئے تھے، باوجود قریب و عزیز ہونے کے یعنی میری بیوی کے حقیقی ماموں اور خالو ہونے کے لیے بے تکان حملے شروع کر دیے۔ میں طرح دیتا رہا اور مکارم سلمہٗ کو بھی تاکید کی، خدا کا شکر ہے کہ ہمیشہ مفاسد یوں ہی طے ہوتے رہے ہیں، کچہری یا مقدمہ کی نوبت نہ آئی۔ لیکن گزشتہ سال جس وقت میں بیمار ہوا اور ان لوگوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے میرے ایک راجپوت ملازم پر چوری کا غلط الزام قائم کر کے اس کو خوب مارا، حتیٰ کہ سنا ہے کہ اس کے منہ میں پیشاب بھی کرا دیا اور پولیس کے حوالہ کیا۔ مجھے ان باتوں کی بالکل خبر نہ تھی بلکہ بغرضِ علاج لکھنؤ آیا ہوا تھا، مکارم سلمہٗ میری تیمارداری کے لیے لکھنؤ آئے اور تقریباً ایک مہینہ تک انھوں۔ نے بوجہ میری بیماری کے اس کا ذکر نہ کیا۔ لیکن جب بعض قرائن سے مجھے اس کی بھنک لگی تب شدید اصرار سے انھوں نے اس قصہ کا ذکر کیا، میں نے اس کے بعد یقیناً طے کیا کہ ملازم کی مقدمہ کی پیروی کروں گا اور اس کو خبر دوں گا۔ لکھنؤ سے صحت پانے کے بعد گھر پہنچا اور اپنے چند دوستوں کو اس پر مقرر کیا کہ وہ کچہری میں پیروی کریں۔ دس پندرہ دن کی کدوکاوش سے میرا آدمی رہا ہو گیا، اور اس کے بعد فساد ختم ہو گیا۔ بس! زندگی بھر میں اگر کسی مقدمہ اور کچہری وغیرہ سے میں نے چالیس اکتالیس سال میں دلچسپی لی ہے۔ وہ بھی میری گزشتہ چشم پوشیوں نے ان لوگوں کو دلیر و جری کر دیا تھا۔ انھوں نے خیال کر لیا تھا کہ یہ ہمارا بچارا ہے ہمارا کیا کرے گا۔ لیکن اس مستعدی اور آمادگی کو دیکھ کر جہاں تک میرا خیال ہے اب ریشہ دوانیوں کی ہمت نہ ہو سکے گی،

شاید اس کی خبر کسی نے آپ کو کی۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بحمد اللہ گیلانی میں مجھے ہر طرح کا سکون ملتا ہے، اپنے آدمی، اپنی زمین، اپنا باغ اپنی رعیت۔ اپنے گھر میں جو راحت مل سکتی ہے وہ اور کہاں مل سکتی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے گیلانی میں بھی تو دماغی اور فکری مشاغل سے فرصت نہیں تھی۔

اس تعطیل میں جتنے کام ہوئے ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) جامعہ عثمانیہ کے مٹریکولیشن کے تین سو پرچے دیکھے گئے۔

(۲) جامعہ عثمانیہ کے بی اے کے پچاس ساٹھ پرچے جانچے گئے۔

(۳) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مٹریکولیشن کے دو اڑھائی سو پرچے دیکھے۔

(۴) بہار اڑیسہ ایگزامینیشن بورڈ کے درجہ عالم کے پرچے جانچے اور دیکھے۔

(۵) 'سچ' کے لیے ایک مفصل مبسوط مضمون تقریباً چالیس پچاس صفحات کا ابھی گیا ہے۔

(۶) الجامعہ مونگیر کے لیے بھی ایک اچھا سا مضمون ''دو ملتانی نبی'' کے عنوان سے لکھا گیا۔

(۷) 'ندیم' گیا کے لیے ایک مضمون ''بہار میں اردو کی پہلی کتاب'' ایک مبسوط مضمون لکھا۔

(۸) تقریباً دو پارے سورۂ بقرہ کے درساً درساً تدقیق و تحقیق سے ندوہ کے ایک عالم کو پڑھایا۔

(۹) دیوبند کے ایک مولوی صاحب کو 'مثنوی شریف دفترِ دوم' اور 'دیوانِ حافظ' پڑھایا۔

(۱۰) اطراف و جوانب کے چند جلسوں میں صدارت کی۔ دو تقریروں کا موقع ہاتھ آیا اور یہ سب اسی صورت میں کیا گیا کہ عموماً دمہ کا اثر اکثر و بیشتر طاری رہتا تھا۔

ہاں اسی کے ساتھ ساتھ 'اسفارِ اربعہ' کی جلد اوّل کے کچھ حصہ کا ترجمہ بھی ہوا شاید ایک بے ضابطہ سپاسی سے جو کچھ بن آیا ضابطہ والوں سے یہ ممکن نہ ہوا۔ باقی میرے امراض وعلالتیں تو کوئی دوسرا اگر کچھ کہتا ہے یا اکثر کہتے ہیں، اس کے جواب میں خاموش ہو جاتا ہوں لیکن صدمہ ہوا کہ لا شفاء الا شفاؤك ، وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ کی وحدت میں جو ہو چکا ہے اس کی نگاہ کے سامنے کثرت کا جنگل کس طرح آ گیا۔ بڑی بات چھوٹے منہ

سے نکلے گی اگر الا مثل فالا مثل کے قانون کی طرف اشارہ کیا جائے ورنہ میں تو اس کو اپنی بداعمالیوں کی سزا خیال کرتا ہوں۔ خیال یہ رہتا ہے کہ ان شاء اللہ اسی بشارت میں معاملہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ حق تعالیٰ سے دعا یہی ہے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ راگست ۱۹۳۴ء　　　　گلی قاسم جان

۳۰ ر ربیع الآخر ۱۳۵۳ھ　　　　مکان میر انوار احمد صاحب

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قسمت کے تہی دستوں کو رہبروں کی مہربانیوں اور کمالات سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔ حضرت مجھے دیوبند چھوڑ کر مظفر نگر روانہ ہوئے، میں دیوبند ایک دن کے قصد سے ٹھہرا لیکن یاران قدیم یعنی اساتذۂ دیوبند نے اصرار کر کے ایک دن اور روک لیا۔ بدقت تمام پنجشنبہ کی شام تھانہ بھون کے قصد سے روانہ ہوا۔ تھانہ رات کو ساڑھے گیارہ بجے پہنچا۔ یہ مقام بالکل دیہات ہے۔ مولانا کی خانقاہ بند تھی نتیجہ یہ ہوا کہ قصبہ کی ایک دوسری مسجد میں رات گزارنی پڑی۔ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ صبح کو جب اٹھا تو اپنے کو بخار میں مبتلا پایا۔ علی الصباح حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا بڑی شفقت سے پیش آئے، بعض دوائیں استعمال کیں تھوڑی دیر بعد بخار کا اثر تو نہ تھا لیکن بہت اضمحلال محسوس ہوا۔ جمعہ کا دن تھا اس لیے سفر ملتوی کر کے جمعہ کا دن وہیں گزارنا پڑا۔ دوسرے دن گیارہ بجے کی گاڑی سے روانہ ہو کر پانچ بجے دہلی پہنچا۔ یہاں آ کر جب معلوم ہوا کہ جناب والا میرا شدید انتظار فرما کر کسی خط آنے کی وجہ سے روانہ ہو گئے تو سخت افسوس ہوا۔ لیکن میر انوار صاحب نے مشورہ دیا کہ یوں چل چلاؤ میں تشخیص مرض وعلاج کچھ بہتر ہوتا بھی نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ دو تین مہینے کے لیے استقلال کے ساتھ آپ دہلی رہ کر علاج کرائیں تو ان شاء اللہ زیادہ مفید ہوگا۔ اسی خیال سے بالفعل اب حیدر آباد ہی روانہ ہوتا ہوں۔ آج شام کی ٹرین سے ان شاء اللہ روانگی کا قصد ہے۔ وہاں پہنچ کر تین مہینہ کی رخصت کی کوشش کرتا

ہوں ان شاء اللہ پھر دہلی پہنچ کر حکیم بھورے خان صاحب کے زیر علاج ہو جاؤں گا۔ حیدر آباد پہنچ کر پھر عریضہ خدمت گرامی میں روانہ کر دوں گا۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس دن تھانہ بھون سے روانہ ہو رہا تھا، اسی دن صبح کو مولوی شبیر احمد صاحب بھی تھانہ ایک دوسرے شخص کے یہاں اترے۔ معلوم ہوا کہ اکثر تھانہ آتے ہیں لیکن مولانا اشرف علی صاحب سے نہیں ملتے ہیں۔

مولوی شبیر احمد صاحب کے انتخاب و عدم انتخاب، سارا قصہ سن کر مولانا اشرف علی صاحب نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔ ان کے خیال میں مدرسہ کو موت کے پنجہ سے آپ نے بچالیا۔ مولانا آپ سے بہت خوش تھے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ر شعبان ۱۳۵۳ھ۔ (۲۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء)

سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

ایک دراز عرصہ کے بعد اس عریضہ کی ارسال کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ حیدر آباد میں مسائل تسنن و تشیع اور مشکلات میکنزی میں ایسا الجھا پڑا رہا کہ کسی آخری نتیجہ کے سامنے آنے سے پہلے جرأت نہ ہوئی کہ کچھ لکھوں۔ بحمد اللہ پہلا مفسدہ تو ایک حد تک رک گیا ہے، دیکھیے رمضان کے بعد کیا ہوتا ہے کیونکہ جعفری مسجد کا قصہ شوال ہی پر ٹالا گیا ہے، البتہ نباشِ ثانی کی داستان کالج میں چھڑی ہوئی ہے اور ابھی تو اس کا آغاز ہے۔ دیکھیے اختتام کیا ہوتا ہے۔ اکثر اساتذہ اور پروفیسر سے مسٹر میکنزی کی اچھی جھڑپ ہو چکی ہے۔ البتہ اب تک مولویوں سے اس نے مٹ بھیڑ نہیں کی ہے اور نہ ہم لوگوں کا اس سے سامنا ہوا ہے۔ بس دور دور کی ملاقات پر قناعت کر رہے ہیں۔ سب سے اہم حادثہ کالج میں ہوا ہے کہ خلیفہ عبدالحکیم صاحب[1] استعفیٰ دے کر اور کچھ پنشن لے کر پنجاب ہمیشہ کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنی روانگی کے ساتھ فلسفہ کے اسکول کو بھی برباد کر گئے۔ وجوہِ استعفیٰ میں انھوں نے بتایا کہ

عثمانیہ کالج میں فلسفہ کا اسٹاف زائد از ضرورت ہے۔ نہ صرف وہ بلکہ ان کے ساتھ ایک اور پروفیسر بھی زائد ہے۔ وہ تو نکل گئے اور ان کے ساتھ جس پروفیسر کو زائد قرار دیا گیا وہ بیچارے ہمارے مولوی عبدالباری صاحب تھے۔ اگرچہ اس میں خود کچھ مولوی صاحب کی خواہش کو بھی دخل ہے تاہم ہوا یہ کہ مولوی عبدالباری صاحب ہمارے فلسفہ کے دینیات لازم کے پروفیسر ہیں، یعنی جس مضمون کو گزشتہ سال تک میں پڑھاتا تھا مولوی صاحب کے سپرد ہوا ہے۔ اس مضمون کے لیے ان کو ہفتہ میں سولہ گھنٹے دینے ہوں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اپنی موجودہ صحت کے ساتھ میرے لیے یہ مضمون ناقابلِ برداشت ہو چکا تھا، مولوی صاحب کے لیے کس طرح آسان ہوگا۔

بہر حال اس وقت تو کالج بند ہو گیا ہے۔ اب آئندہ میقات میں دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ سیکرٹری صاحب تو اس سال سرما کی تعطیل بھی اڑانا چاہتے تھے لیکن صرف اس سال تک انھوں نے کالج بند کیا ہے۔ غالباً آئندہ یہ بھی نہ ہوگا۔

پٹنہ میں مدرسہ شمس الھدیٰ کی مجلسِ نصاب کا اہم جلسہ تھا جس میں وزیر تعلیمات بہار نے خاکسار اور مولوی سیّد سلیمان صاحب ندوی کو باصرار شدید بلایا تھا۔ اس لیے حیدرآباد سے سیدھے پٹنہ ہی پہنچا، کئی دن تک کمیٹی کا اجلاس ہوتا رہا، وہاں سے فارغ ہو کر ۱۲ر رمضان کو گیلانی پہنچا ہوں۔

کل یکا یک دہلی سے سیٹھ رشید احمد کا خط پہنچا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ انتظامی کا اہم جلسہ بعد رمضان ضرور منعقد ہونا چاہیے، جس میں مولوی شبیر احمد صاحب کے تقرر پر دوبارہ غور ہوگا۔ سیٹھ صاحب نے مجھے لکھا ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس اجلاس میں پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس خط میں انھوں نے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ جن مدرسین نے پہلے مولوی شبیر احمد صاحب کی مخالفت کی تھی، اب پھر وہ ان سے راضی ہو گئے ہیں۔ خصوصاً میاں اصغر حسین صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ اب اپنی گزشتہ رائے سے وہ بہ ندامت واپس ہو چکے ہیں۔ اس وقت قدرتی طور پر آپ کا خیال آیا، آخر ارشاد فرمایا جائے کہ کیا کیا جائے۔ میں نے مولوی شبیر احمد صاحب کی موافقت میں جو رائے پہلے دی تھی، اس کی ایک بڑی بنیاد یہ تھی کہ مجھے یہ باور کرایا گیا تھا کہ دارالعلوم کے مدرسین اور اربابِ انتظام متفقہ طور

پر یہی چاہتے ہیں، لیکن جب مجلس نے اس مسئلہ کو کھڑا کیا تو مخالفت کا جو طوفان مدرسہ میں اٹھا، حقیقت یہ ہے کہ اس نے بھی میری رائے کو متاثر کر دیا اور جب آپ نے قطعی طور پر ان کے وجود کو مدرسہ کے لیے مقرر کر دیا تو اب ہمارے لیے اس کے سوا چارہ کیا تھا کہ اسی کے آگے جھک جاؤں۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مدرسین کو ہموار کرنے کی کوئی اندرونی کوشش اس عرصے میں کی گئی ہے اور اب پھر اس مسئلہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ حضور کے سامنے واقعہ کو میں نے پیش کر دیا ہے آپ کی اب رائے کیا ہے، چاہتا ہوں کہ اس سے مطلع فرمایا جائے۔ ایک امر ضرور عرض کروں گا کہ مدرسہ کی مالی حالت آج کل بہت خراب ہو رہی ہے اور اس وقت یہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو پبلک کے قلوب پر قابو حاصل کر کے روپیہ حاصل کر سکے۔ اس کی مہارت اگر کچھ ہے تو مولوی شبیر احمد صاحب ہی کو ہے۔ ممکن ہے کہ اگر مدرسہ کی ذمہ داری ان کے سر پر ڈال دی جائے تو ادھر ادھر سے وہ روپیہ وصول کر کے لائیں۔ باقی مدرسین سب ان سے راضی ہو چکے ہیں۔ مولوی طیب[1] بھی شد و مد کے ساتھ ان کو بلانے پر مصر ہیں، مولانا حسین احمد صاحب[2] کو بھی ان سے چنداں پرخاش نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کہ مدرسہ میں ان کی وجہ سے کوئی منافع واقع ہو گا۔ بہت کچھ قابل غور ہے۔

یہی ردوبدل علی گڑھ میں بھی ہے، یہی دیوبند میں۔ عثمانیہ کالج کا فیصلہ ہو گیا، انگریز نے قبضہ کر لیا۔ حالات کو دیکھ کر دل سخت گھبرا رہا ہے۔ اب کہاں جاؤں۔ جی یہی چاہتا ہے کہ میں بھی حیدر آباد سے کچھ وظیفہ لے کر زندگی کے باقی دن گیلانی کے گوشۂ تنہائی میں گزار دوں اور دین کی بری بھلی خدمت شخصی طور پر جو بن پڑے مرتے دم تک کرتا چلا جاؤں۔ شاید حالات ایسے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم لوگوں کو حیدر آباد میں اب زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہ ملے۔ مسٹر میکنزی کے دل میں مشرقی اور اسلامی علوم کی کوئی وقعت نہیں۔ بہر حال دیکھیے خدا کیا کرتا ہے۔ گیلانی میں اسی لیے تھوڑا بہت ساز و سامان درست کر رہا ہوں۔ جس میں اہم چیز ایک دینی کتب خانہ ہے۔ الحمد للہ اس سال بھی کتابوں کی اچھی مقدار ہاتھ آئی، معلوم نہیں حضور نے جن کتابوں کے دینے کا وعدہ فرمایا تھا اس کا کیا ہوا۔ بحر الرائق، فتح القدیر، شامی، بدائع کے منگوانے کا خیال تھا۔ آج کل ان کی قیمتیں کم ہیں کہ ان کتابوں کی وجہ سے

قلمی کتابوں کو کتب خانہ سے جدا کیا تھا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم سابق صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی و بانی ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ پیدائش: یکم جولائی ۱۸۹۳ء، وفات: ۳۰ر جنوری ۱۹۵۹ء

۲؎ مولانا قاری محمد طیّب، سابق مہتمم دار العلوم دیوبند۔ پیدائش: ۱۸۹۷ء، وفات: ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء

۳؎ مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔ پیدائش: ستمبر ۱۸۷۹ء، وفات: ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء

(۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ر رجب ۱۳۵۲ھ۔ (۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۵ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام متعنا اللّٰہ بطول بقائکم و نفعنا والمسلمین بعلومکم

بعض دفعہ عجیب اتفاق پیش آتا ہے۔ روز ارادہ رہتا ہے کہ خط لکھوں گا، لیکن جو وقت فرصت کا اس وقت کوئی کام آ گیا، یا بات دماغ سے نکل گئی۔ آج جمعہ ہے، صبح کی نماز کے بعد وظائف سے فارغ ہو کر سب سے پہلا کام آستانۂ گرامی تک حاضری کی کتابۃً کوشش کر رہا ہوں، خدا کرے خط پورا ہو جائے اور کوئی صاحب درمیان میں آ کر خلل نہ ڈالے۔

سب سے پہلی بات یہ عرض کرنی ہے کہ جشنِ سیمیں کے متعلق پہلے جو اعلان ہوا تھا کہ ابتدا شوّال میں ہوگا، پرسوں فرمان ہو گیا کہ اب بجائے شوّال کے ذی الحجہ میں ہوگا۔ گویا اواخر فروری و ابتدا مارچ تاریخوں میں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سرکار خلدہ اللہ ملکہ وائسرائے کی دعوت پر دہلی تشریف لے جانے والے ہیں۔ وہاں سے پنجاب کی سیاحت کا خیال ہے اور واپسی میں اب اپنی یونیورسٹی بھی معائنہ فرماتے ہوئے حیدر آباد مراجعت فرمانی ہوگی۔ حضرت کو ان شاء اللہ اب وطن اور دکن دونوں میں ملاقات کا موقع ملے گا۔ کاش! ایسا ہوتا کہ اس سفر میں ایک اک گھنٹہ کے لیے دیوبند بھی تشریف لے جاتے تو بہتر تھا، لیکن اس کے لیے کون سامان کرے بس حیدر آباد کی طرف، آج کل صرف اس قدر تھی، اور ادنیٰ سی بات یہ بھی ہے کہ پرسوں ہی بدایونی صاحب[۱] کے لیے فرمان ہوا ہے کہ ان کو نہ صدارت صدوری اور نہ نظامت مذہبی بلکہ ہائی کورٹ منشی گری بمعہ وظیفہ پانسو بمشورہ باب

حکومت کے دی جا سکتی ہے، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ تقرر ہوا کہ شعبۂ دینیات کے صدر ہوتے ہیں۔ پھر غل ہوا کہ صدر الصدور، پھر ہلہ ہوا کہ نظامت امور مذہبی بلکہ بعضوں سے تو یہاں تک سنا گیا کہ ناظم امور مذہبی کا کارڈ بھی چھپوا چکے تھے۔ واقعہ ہے کہ فرامین ان امور کے متعلق مسلسل ہوئے تھے پھر کیا ہوا کہ سب کچھ ہو کر کچھ نہ ہوا۔ آج کل پھر حیدر آباد ہی میں تشریف فرما ہیں۔ ایک دردناک خبر یہ ہے کہ کانپور والے مولوی عبدالحق مرحوم کے پوتے سیّد ہاشم کا انتقال ہو گیا اور دردناک طور پر ہوا۔ قاری روشن علی نے ملکی غیر ملکی کا قصہ اٹھا کر تعلیمات کی نوکری سے ان کو نکلوا دیا اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے۔ برادر ہاشم ندوی دامت برکاتہم کی خانہ بربادی کا علم تو انھیں سے ہوا ہو گا۔ کل لکھنؤ سے مولوی عبدالباری صاحب جن سے ملاقات ہو چکی ہو گی ان کا خط ندوہ کے متعلق آیا ہے اور اس سے پیش تر دیوبند سے کہ دونوں مدرسے ہل رہے ہیں، برباد ہو رہے ہیں۔ کیا ہو گا سمجھ میں نہیں آتا ہے، بڑے لوگ جا رہے ہیں اور جوان کی جگہ پر آ رہے ہیں ان میں کوئی بڑائی نہیں۔ مشکلات سخت ہیں، لیکن حل کرنے والے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔

۲۷/۲۸/۲۹/ اکتوبر کو دیوبند میں بھی اکھاڑہ ہے۔ امید ہے کہ آپ ضرور تشریف لائیں گے مجھے موقع شرکت کا ملتا ہے یا نہیں، ابھی نہیں عرض کر سکتا۔ حکیم مقصود علی خاں چند مہینوں سے سخت بیمار ہیں گزشتہ ہفتہ تو حالت بہت نازک ہو گئی تھی لیکن اب بحمداللہ اچھے ہیں تاہم سفر کے قابل ابھی مہینوں نہیں ہو سکتے۔ میر انوار احمد صاحب مشہور دواساز حکیم سرکار اپنی دکان حیدر آباد لا رہے ہیں۔ حیدر نواز جنگ بہادر سے ملاقات تو ہوئی لیکن بھرے دربار میں اس وقت کہنا مناسب نہ معلوم ہوا، بہر حال ابھی وقت باقی ہے کہا جائے گا ان شاء اللہ۔ اکبر یار جنگ سے مولانا عبدالباری صاحب نے مسجد کا چندہ لینا پسند نہ فرمایا۔ یہ تو پہلے گرامی نامہ کا جواب ہے دوسرے کے متعلق پھر عرض ہے کہ جس وقت گرامی نامہ ملا اس زمانہ میں کالج تیاری امتحانات کے لیے گویا بند ہو چکا تھا۔ لڑکے بھی آتے تھے مفتی صاحب وغیرہ کی رائے ہوئی کہ اب اعلان بعد از وقت ہے ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس تحریک کو پھر نئے سرے سے زندہ کیا جائے گا۔ اب میری روانگی کا قصد ہے کل سے نظامت تعلیمات کا زور ہے کہ دیوبند کی حالیہ کمیٹی کے اجلاس میں جو ۱۹/۲۰/ اپریل کو وہاں منعقد ہو گی اس میں ضرور شریک

ہوں۔ اپنی ہمت کو دیکھتے ہوئے دشواری معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ناظم صاحب نے اصرار مزید کیا اور کم از کم صحت کا حال وہی رہا جو اس وقت تک ہے تو ممکن ہے کہ دیوبند جانا پڑے۔ دیوبند سے واپسی کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ حبیب گنج کا قصد ہے دیکھیے اللہ کیا کرتا ہے۔ اب اپنے متعلق خود کچھ نہیں لکھتا، کب تک لکھوں، کیا لکھوں شاید حضرت مفتی صاحب اگر مجھ سے پہلے ہی پہنچے تو ان ہی سے سن لیجیے گا۔ بہر حال دعا کا محتاج ہوں دوا سے تو مایوس ہو چکا۔ مولانا فضل صاحب ابھی تشریف لائے۔ سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں اور آپ کے پیر بھائی منشی عبدالرشید خان صاحب کا چارشنبہ کے دن فجاءۃً انتقال ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہ فقط

والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا عبدالقدیر بدایونی

(۲۵)

(یہ مکتوب ناقص الاوّل ہے اور اسی شکل میں دستیاب ہوا)

صندوقوں اور الماریوں میں بجائے کتابوں کے صرف کاغذ کی اینٹیں ہی ملیں، [1] اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے، حروف مٹ گئے، جلدیں سڑ گئیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ بڑی مشکلوں سے چند بچے کھچے نسخے ہاتھ آئے۔ جلدیں سب خراب ہو چکی تھیں، خیال گزرا کہ ان کو کسی شہر میں لے جا کے مجلد کراؤں اسی لیے ان کی گلی ہوئی جلدوں کو علیحدہ کیا، میرے ان مجنونانہ افعال کو ہی بنی اعمام نے بنایا۔

برادرم مکارم سلمہٗ نے آخر پوچھا کہ یہ کتابیں اگر جلد بندھوا کر آپ لے آئے تو آئندہ ان کی نگرانی کی ذمہ داری کون لے گا۔ اپنی زندگی کی بے ثباتی، اپنی آوارگی اور خاندان سے علم کا دمِ واپسیں ہے۔ انھوں نے مجھے اس کے جواب میں خاموش کر دیا۔ مکارم سلمہٗ نے یہ مشورہ دیا کہ جس حال میں بھی یہ کتابیں ہیں، انھیں شروانی صاحب کی خدمت میں بھیج دیجیو، وہ ان کی داغدوزی جلد وغیرہ کرا کے اپنے مستحکم کتب خانے میں رکھ دیں گے۔ اس وقت مجھے بھی خیال آیا کہ کسی نے اس گاؤں میں خدا جانے کیا کیا جتن کر

کے ان کتابوں کو جمع کیا تھا۔ اگر ان کی جگہ دینی کتابوں کا کوئی مطبوعہ مجموعہ یہاں رکھوا دیا جائے تو شاید گاؤں اور اس کے نواح کے علماء اس سے فائدہ اٹھائیں اور جامع کتب کی روح کو ثواب ہو۔ اس خیال سے گزشتہ سال آپ سے مراسلت کی گئی تھی لیکن مختلف عوائق ایسے پیش آئے کہ وعدہ کا ایفا نہ ہوسکا۔ اس عرصے میں کچھ اور کتابیں بھی برباد ہوئیں جن کا قصہ طویل ہے۔ بہرحال اس بیماری میں جب گھر آیا تو سب سے پہلا کام یہی کیا۔ جس قدر حسرت کیجیے، جتنا افسوس فرمائیں بجا ہے۔ سلف کے خلف جب ایسے غافل کاہل ہوں تو اس کے عواقب اور کیا ہوسکتے ہیں۔ اب یہ کتابیں آپ کے پاس پہنچ گئی ہیں، میں نے صرف جدِّ امجد نور اللہ مرقدہٗ کی تصنیفات کو صرف اس سے الگ کرلیا ہے۔ یہ چند چھوٹے چھوٹے رسائل مختلف مسائلِ علمیہ کے متعلق ہیں۔ ایک کا نام الدرۃ البیضاء، دوسرے کا حل المقصود، تیسرے کا ہدیہ یوسفیہ وغیرہ، سب عربی زبان میں ہیں، صرف ایک کتاب دادا مرحوم نے ۱۲۶۶ھ میں پندرہ کم سو سال پہلے بمقام بنارس اردو میں لکھی تھی۔ بظاہر عیسائیوں کے رد میں ہے لیکن مسئلہ تقدیر، مسئلہ جہاد، مسئلہ صلوٰۃ و صوم، قطب، بائبل کی تاریخی حیثیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں، آپ کے معجزات، ازدواج وغیرہ، بعض بڑی نادر چیزیں اس میں درج ہیں۔ بہار سے ایک مقامی رسالہ ''ندیم'' نکل رہا ہے، اس کے 'بہار نمبر' میں ایک مضمون، ذرا مفصل اس کے متعلق دے رہا ہوں کیونکہ غالباً صوبہ بہار کی اردو نثر میں یہ پہلی کتاب ہے، اگر شائع ہوگیا تو حاضرِ خدمت ہوگا۔ اصل کتاب کے متعلق بھی آپ سے مشورہ ہوگا کہ کیا اس کو شائع کرانا مفید ہوگا۔

ایک کتاب غلطی سے رہ گئی ہے، یہ بحر العلوم کا حاشیہ علی الصدراء ہے اور مولانا بحر العلوم نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ کا خود ایک حاشیہ لکھا ہے، وہ رہ گیا ہے، ان شاء اللہ وہ بھی حاضرِ خدمت کردی جائے گی۔ اس عرصے میں آپ ان کتابوں کی اصلاح و مرمت اور جلد بندی کا سامان فرمائیں اور اپریل تک خود حاضرِ خدمت ہوتا ہوں ان شاء اللہ۔ اس کے بعد نادر و غیر نادر کا فیصلہ کیا جائے گا۔ قلمی مخطوطات میں ان کی فکر زیادہ نہ ہونی چاہیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی کتابیں اس میں ایسی ہوں گی جو شاید کتب خانہ میں نہ ہوں کیونکہ معقولات کا ذخیرہ غالباً حبیب گنج میں کم تھا۔ والعلم عند اللہ

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

اس خط کا جواب حیدر آباد کے پتہ سے دے دیجیے گا۔ حیدر آباد دکن مکان منشی عبداللطیف صاحب عثمان شاہی۔

اپنی طبیعت اب اچھی ہے، اگرچہ کام کی قابلیت نہیں پیدا ہوئی ہے لیکن بندگی بیچارگی ہے، اب دکن جانا دولے مردن بر عرش ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

لے مولانا گیلانی کے جدِ امجد و دیگر بزرگوں کی قلمی کتابوں کی جانب اشارہ ہے جنہیں گیلانی سے کتب خانہ حبیب گنج بھجوانا تھا۔

(۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲؍رمضان ۱۳۶۷ھ۔(۹؍جولائی ۱۹۴۸ء)

گیلانی، ڈاک خانہ بریگھا ضلع مونگیر

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت تک جب میں نے خدمت والا میں آخری عریضہ ارسال کرلیا تھا، معمولی حالت میں تھا اور بجز طبعی نظام نامہ کے کوئی دوسرا خیال سامنے نہ تھا کہ اچانک جون کی وسطی تاریخوں میں طبیعت بگڑی اور بری طرح بگڑی۔ دل چاہا کہ آپ کو خبر دوں لیکن ان حالات کی خبر دیتے دیتے تھک گیا دل شرمایا اور چپ چاپ پڑا رہا، یہاں تک کہ حیدر آباد میں کالج کھلنے کا وقت بھی قریب آ گیا۔ کسی قسم کی رخصت کا بھی حق نہ تھا کہ موسمی تعطیلوں کے ساتھ ایام میکنوی میں کوئی رخصت مستقل نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کیا کرتا، رخصت بہ نصف تنخواہ کی درخواست دے کر بیٹھ گیا اور علاج میں مشغول ہوا۔

حالت روز بروز بد سے بدتر ہونے لگی۔ دمہ کے سوا ملیریا اور طحال، ورم جگر، بخار، اختلاج سب کا یکبارگی حملہ ہوا تھا۔ درمیان میں چند دن تک پتی تمام بدن پر اچھل آئی تھی، یہ تو نہ تھا کہ آپ کو آخری وقت تک خبر نہ دیتا لیکن سچ عرض کرتا ہوں کہ آخر کب تک آپ کو

اپنی منحوس خبروں سے گزند پہنچاؤں، صرف یہی چیز مانع رہی۔ لوگوں کی رائے ہوئی کہ کلکتہ جاؤں اور وہاں علاج کرواؤں۔ اس پر راضی ہو چکا تھا لیکن بحمد اللہ ایک ہفتہ سے اچانک جس طرح بیماری آئی تھی اسی طرح شفاء نے بتدریج اپنے چہرہ سے نقاب الٹنا شروع کیا۔ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ کی تفسیر کے بعد اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِخَيْرٍ کا مشاہدہ بھی شروع ہوا۔ اچانک اسی حال میں برادرم مکارم سلمۂ کے نام ایک رجسٹرڈ لفافہ آیا، کھولا تو اس میں کتابوں کی بلٹی تھی، دوسرے دن آدمی اسٹیشن بھیجا گیا صندوق آ گیا، صحتِ جسمانی کے ساتھ ساتھ صحت روحانی کا ایسا فراواں سامان کبھی زندگی میں ایک دفعہ مجتمع ہوتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ آپ کے اس کارڈ سے جس میں کتابوں کی رونمائی کی تعیین کی گئی تھی یہ قطعاً امید نہ تھی کہ اتنے قلیل سرمایہ سے ایسا عظیم ذخیرہ اس کتب خانہ میں آ جائے گا، جس کو قلمی کتابوں سے میں نے خالی کیا تھا، دل باغ باغ ہو گیا۔ جس وقت دیکھا کہ حسن انتخاب نے ان سب کو چن چن کر یہاں پہنچا دیا جس کی ضرورت ایک دینی کتب خانہ کو ہو سکتی ہے۔

بحمد اللہ اب میں اچھا ہی ہوں، کلکتہ گئے بغیر اللہ نے صحت سے نوازا۔ میرا ارادہ تھا کہ اپنی اس طویل غیوبت کے اسباب کی خبر حیدرآباد پہنچ کر دوں گا، لیکن ان کتابوں نے مسرت کی جو لہر میرے اندر دوڑائی ہے اس نے بے چین کر دیا کہ کم از کم محسن کے احسان کا شکریہ جہاں تک جلد ممکن ہو ان کے سمعِ مبارک تک پہنچا دوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ والا نے انتخابِ کتب میں ایسے حسن سلیقہ سے کام لیا ہے کہ اب کتب خانہ بالکل مکمل ہو گیا اور شاید یہ نیتِ صفائی کا ثمرہ ہے کہ جس دن سے حبیب گنج کے کتب خانہ میں ''اوراقِ پریشان'' روانہ کیے گئے ہیں، غیبی طور پر مختلف طریقوں سے امہات واصول ہر ہر دینی فن کے اس کتب خانہ میں آ رہے ہیں، جس کا سرمایہ ایک چند کرم خوردہ بوسیدہ اوراق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بخاری شریف کی تینوں شرح عینی، فتح الباری، قسطلانی جمع ہو گئیں اور تینوں اعلیٰ قسم کی۔ عینی قسطنطنیہ والی ہے، قسطلانی بھی قدیم مصری ہے، فتح الباری کا نسخہ بھی کتنا دیدہ زیب ہے کہ صرف ایک اس کے لیے سب ہی کچھ دیا جا سکتا تھا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ ابوداؤد کی شرح عون المعبود بھی آ گئی، بذل المجہود بھی ان شاء اللہ آ جاتی ہے، صحیح مسلم کی بھی آ رہی ہے، ترمذی کے حواشی تقریرات حضرت مولانا انور شاہ، مولانا رشید احمد صاحب، مولانا محمد یحییٰ گنگوہی سب آ

گئیں۔ جو کچھ کمی رہ گئی ہے وہ صرف مرقاۃ کی جو نہیں ملتی ہے لیکن ان شاء اللہ عنقریب طبع ہونے والی ہے۔ فقہ کے سلسلہ میں عالمگیری آچکی تھی، شامی بھی اعلیٰ قسم کی آگئی، بحرالرائق بدائع الصنائع بھی آگئی اور بھی متفرقات موجود ہیں۔ فتح القدیر بھی آگئی، خلافیات میں محلّی جیسی کتاب آگئی۔

خواہ زندہ رہوں یا مر جاؤں لیکن ان قلمی کتابوں کی جگہ ان قیمتی کتابوں کو رکھ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ قرآن مجید کا سرمایہ پہلے سے کافی طور پر موجود تھا، اب احکام القرآن حنفی و مالکی دونوں نے مل کر تشنگی بجھادی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاء۔

حق تعالیٰ ان کتابوں سے انتفاع کے مواقع بہم پہنچائیں اور دین کی خدمت بن آئے، اسی پر زندہ رہوں اور اسی پر مر جاؤں۔ بڑا کام کر دیا جو آپ نے کر دیا، الفاظ نہیں مل رہے ہیں جن کے اندر اپنی مسرت کے سمندر کو بند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ ایک مستی طاری ہے۔ اس گاؤں کو دیکھتا ہوں اور ان کتابوں کو دیکھتا ہوں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ گزشتہ میقات میں دائرۃ المعارف نے بھی اپنے تمام مطبوعات ہدیۃً عنایت فرمائے۔

یہ سب شاید صرف ایک قربانی کا نتیجہ ہے جو حبیب گنج کے کتب خانہ کی تکمیل میں کرنی پڑی مگر بڑی قلیل خدمت ہے۔

مناظر احسن گیلانی

(۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ رشہر الحج الاکبر   (۲ر فروری ۱۹۴۰ء)

صباح یوم الجمعة   حیدرآباد دکن عام ۱۳۵۸ھ

الثامن والخمسون وثلثمائة والف بعد الهجرة النبوية

علی صاحبها امن سلام و تحیة

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خلافِ دستور اس دفعہ نیاز نامہ کے جواب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ دل کا خطرہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا، قریب قریب یقین کی کیفیت پیدا ہونے لگی کہ بالآخر مرنے سے پہلے کم از کم اس زندگی میں اس دامن کے سایہ سے مقدرات نے محروم کر دیا، جس کے نیچے صرف حق تعالیٰ کے فضلِ عمیم نے دیوبند کے ایک معمولی طالب علم کو پہنچا کر جامعۂ عثمانیہ کی صدارت کے عہدہ تک پہنچا دیا۔ وہ دن آنکھوں میں گھومتا رہتا تھا جب حضرت خلد آشیان انار اللہ برہانہ کی آرام گاہ والے پہاڑ پر اس صدی کے سب سے بڑے عالم قرآن[1] (رحمۃ اللہ علیہ وقدس سرہٗ) نے ایک مدفوع الباب طالب علم کا ہاتھ آپ کے مبارک ہاتھ میں دے کر پھر ارشاد فرمایا تھا کہ:

''میری امانت ہے اس کی حفاظت کیجیے گا''

لیکن اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمَّ الصَّالِحَات کہ میرا خطرہ وسوسہ ثابت ہوا۔ گرامی نامہ نے عرض نہیں کر سکتا کہ دل پر کیا اثر کیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، خصوصاً اس فقرہ پر کہ مولانا سلیمان اشرف مرحوم اور تجھ سے خاص لگاؤ ہے۔ آپ سے واقعتاً عرض کرتا ہوں کہ حضرت سے اس خاکسار کا تعلق ابتدا سے نیازمندی کا رہا ہے، جس حال میں آپ کے ساتھ ہوا تھا، کمینہ نہیں ہوں کہ اس کو بھول جاؤں اور اپنے لیے بھی چیز مایۂ سعادت وعزت تھی، ہے، ان شاء اللہ رہے گی۔ حضرت کو اپنے والدِ مرحوم اور عمِ مرحوم کے بعد اپنے نازک اوقات میں حق تعالیٰ نے اس رحم وکرم کی شکل میں دکھایا کہ قدرتی طور پر ان دونوں کے بعد دل نے اس عالمِ رنگ وبُو میں آپ ہی کی شکل کے ساتھ قرار پکڑا۔ زندگی کے ان طویل دنوں میں جواَب کافی طویل ہو چکی ہے کہ پر زاغ پر جب برف باری شروع ہو چکی ہو اس کے بعد درجہ ہی کیا ہے، خدا جانے کتنے ہم نوعوں اور ہم دینوں سے ملاقات ہوئی لیکن ایک تو دیوبند کی خاک میں سویا ہوا رحمٰن کا حبیب اور دوسرا رحمٰن ہی حبیب جسے حق تعالیٰ تا ابد برہم نا پرساؤں کے حال پر قائم رکھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے جگہ عطا فرمائی دل اکثر کہتا ہے صد شکر کہ ہستیم میانِ دو حبیب۔ اور تیسری ہستی مولانا حمید الدین قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ ساتھیوں سے ملتا ہی رہتا ہوں، لیکن جن بزرگوں کے قدموں سے دل نے سکون

حاصل کیا، شاید یہ بات اور کسی کو میسر نہیں آئی۔ بہر حال جنوں میں کیا کیا لکھتا چلا گیا، عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ مولانا سلیمان اشرف غفر اللہ لہٗ سے حضرت کے تعلقات کی نوعیت اور تھی۔ باقی اس ذرۂ ناچیز کے لیے یہی چیز باعثِ فخر ہے کہ حلقہ بگوشانِ شروانی میں شمار رہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔ جہاں اس حلقہ بگوشی سے ان شاء اللہ منافع کی توقع ہے۔

میں دراصل اس خط کے جواب کا ایک اور وجہ سے منتظر تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت کے اس والا نامہ کے بعد دل یہ محسوس کرتا ہے کہ جس توقع کو لے کر حاضر ہونا چاہتا ہوں بحمد اللہ ابھی اس کی گنجائش موجود ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ قَوْلِ الزُّوْرِ، كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا کہ قلم سے چند الفاظ گزشتہ بالا سطروں میں نکل پڑے ہیں، وہ کسی غرض کی تمہید نہیں ہے۔ عالم اسرار السرائر جانتا ہے کہ تصنع کو قطعاً اس میں دخل نہیں ہے۔ ''ہر چہ از دل خیزد بر دل ایزد'' سلف کا قول اپنے اندر کوئی حقیقت رکھتا ہے تو ان شاء اللہ اپنے آثار سے خود اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ عرض یہ ہے کہ اسی عریضہ میں چاہتا تھا کہ ذکر کر دوں، لیکن نہ معلوم کیوں وہ خطرہ پیدا ہوا کہ اب گنجائش بھی باقی ہے یا نہیں۔ پہلے یہ دیکھ لو، بحمد اللہ اس سے زیادہ ثابت ہوا جس کی مجھے تلاش تھی۔

آج جمعہ کا دن ہے، صبح کی نماز کے بعد کچھ دنوں سے یہ معلوم ہوا کہ صباحی وظائف کو کسی کی تقلید میں صبح کی چہل قدمیوں میں ختم کیجیے، سال بھر سے زیادہ ہوا کہ اس پر عمل ہے۔ موجودہ مقام جہاں قیام ہے دیہات کا سماں رکھتا ہے۔ جامعہ کی نئی آبادی کے میدانوں اور اطراف کے باغوں سے گھوم کر آیا ہوں۔ قرآن مجید کے مقررہ حزب کو پورا کر کے حق تعالیٰ کے قدموں پر تھوڑی دیر کے لیے جھکا اور دراصل ان ہی سے عرض کیا ہے۔ جو کچھ عرض کیا ہے وہ آپ تک پہنچا دیتا ہوں۔

حق تعالیٰ ہی اس سے واقف ہیں کہ بحمد اللہ کسی اسراف و حرص و ہوا کی تحصیل میں نہیں بلکہ اپنے گاؤں گیلانی میں ادھر چند موقعہ کی زمین بک رہی تھی۔ خصوصاً جدید قانون لگان کے تحت بعض ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ اس قانون کی رو سے جتنا کھو رہا تھا اس سے بہت زیادہ مل رہا تھا۔ یہ خدا ہی کی طرف سے بات تھی، ادھر چونکہ تنخواہ بھی بڑھ چکی تھی اس لیے حوصلہ ہوا اور میں میدان میں کود گیا، نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى والے نے بڑی آسانیاں عطا

فرمائیں۔ لیکن ایک طرف ان زمینوں کا معاملہ دوسری طرف گزشتہ سال اپنے چھوٹے بھائی کے، جسے والدین یتیم چھوڑ کر چار سال کا حوالہ کر کے گئے تھے اور اب بحمد اللہ پٹنہ کالج میں بی اے کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی شادی اور برادرم مکارم سلمہٗ کی بڑی لڑکی کی شادی۔ باوجود انتہائی کفایت کے پھر بھی خاندانی رکھ رکھاؤ کی بنیاد پر کچھ کرنا ہی پڑا۔ کچھ شادی کی وجہ سے مکانات کی بھی اصلاح ہوئی۔ مکارم کا داماد چونکہ بی اے میں تھا اس کے تعلیمی مصارف کے لیے بھی تقریباً پندرہ سو ادا کیے گئے، اگرچہ بحمد اللہ سارے معاملات نہایت فراخی اور سیر چشمی سے انجام پائے لیکن زمین کے حصہ میں مجھے ایک صاحب سے تقریباً دو ہزار روپے قرض لینے پڑے جس میں سے چار سو تو ادا کر چکا ہوں لیکن سولہ سو روپے کلدار باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے خیال کیا تھا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر دوں گا مگر اچانک ان کے شدید تقاضے شروع ہو گئے۔ احتمال ہے کہ شاید ناگوار صورت حال پیش آ جائے۔ ایک مہینے سے اس چکر میں ہوں اور اس بنا پر ایک معروضہ آپ کی خدمت میں اس مسئلہ کے متعلق منسلک کر رہا ہوں۔

عرض یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں سقامتِ ہنگام کے سوا مختلف قانونی مظالم کی وجہ سے آج کل بڑے بڑے جاگیرداروں اور نوابوں کی حالت متزلزل ہو رہی ہے اور اسی لیے مجھے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس باب میں حضرت کو تکلیف دوں، لیکن بخدا عرض کرتا ہوں کہ اس وقت میرے جاننے والوں میں آپ کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آ رہا ہے جس کے آگے اپنی اس ضرورت کو پیش کروں۔ اس لیے سخت مجبوری کی حالت میں انتہائی بیچارگی کے ساتھ آپ کے سامنے اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ خود یا جس ذریعہ سے ممکن ہو، مبلغ سولہ سو کلدار کا بندوبست اس شرط سے فرما دیا جائے کہ:

(۱) ہزار روپے تو ان شاء اللہ آج سے دو ماہ بعد یعنی بماہ اپریل ۱۹۴۰ء ادا کر دیے جائیں گے اور باقی چھ سو روپے آج سے تقریباً پانچ ماہ بعد یعنی اواخر جون ۱۹۴۰ء یکمشت ان شاء اللہ تعالیٰ خدمتِ والا میں بھیج دیے جائیں۔

(۲) یہ کہ حکومت آصفیہ کے خزانہ میں میرا روپیہ جمع ہے جس سے پھر سولہ سو کی رقم وصول ہو سکتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے اجلِ مسمّٰی آ جائے تو بآسانی اس سے وصول کیا جا سکتا ہے

ماسوا اس کے موضع گیلانی میں اس وقت تقریباً بیس ہزار سے اوپر کی جائیداد میرے نام سے ہے، اس سے بھی یہ رقم وصول ہوسکتی ہے۔

کاش! اگر آج سے دس بارہ سال پہلے کا زمانہ ہوتا تو اتنی تھوڑی رقم کے لیے جو گو ہم جیسوں کے لیے بہت بڑی ہے، مگر حضرت کے لیے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور ایسے وقتوں میں جب میری زیست کی توقع نہ تھی، حضرت نے حسبۃً للہ اس قسم کی رقوم سے میری مدد فرمائی ہے لیکن موجودہ زمانہ کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ ان شرائط کو پیش کردوں۔ اس کی معافی چاہتا ہوں، صرف پانچ مہینہ کی بات ہے اور زیادہ رقم تو دو ہی مہینہ بعد ان شاء اللہ ادا ہوجائے گی۔

اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ جس جدید منصب پر مجھے ترقی ملی ہے، عملاً میری تنخواہ میں صرف سو روپے کا اضافہ ہوا لیکن محض دین وعلم کی عزت کو قائم رکھتے ہوئے جس کی تعلیم حضرت ہی سے حاصل کی گئی صدارت کے تمام لوازم کے مہیا کرنے میں بحمداللہ بخل کو راہ نہیں دیا۔ سواری، مکان، خدم میں ان لوگوں سے کوئی کمی نہیں کی گئی، جو صرف ان ہی کوتاہیوں کی تکمیل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ موٹر بھی آج تین سال سے خداوندتعالیٰ اسی شان کے ساتھ چلا رہا ہے جو محض اسی شان کے جینے میں یہ زمین کا قصہ پیش نہ آتا، تو ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اس وقت میری رسوائی میرے سامنے جھانک رہی ہے ایک ایسے شخص سے معاملہ ہے جو دو مہینہ کیا اب پندرہ بیس دن بھی صبر کے لیے تیار نہیں۔ میں نے خدا سے کہا ہے دیکھیں کیا جواب آتا ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا حمیدالدین فراہی کی جانب اشارہ ہے۔

[2] مظہر احسن گیلانی۔

(۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸ر مئی ۱۹۴۳ء

گیلانی (برگھا)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا فضل صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت والا کا مزاج نصیب دشمناں کچھ ناساز ہے کہ کل کے گرامی نامہ سے اس کی تصدیق بھی ہوئی۔ میں عیادت کا عریضہ لکھنے والا ہی تھا، معلوم نہیں اب کیا حال ہے۔ مولوی فضل صاحب نے لکھا تھا کہ معدے کی کچھ تکلیف ہے۔ امید ہے کہ اب ان شاء اللہ حالت رو بہ صحت ہوگی۔ یہ واقعہ ہے، کہ سرزمینِ ہند میں اب چند ہی انفاسِ طیّبات رہ گئے ہیں جن کا خیال کر کے دل کو تسلی ملتی ہے، جن میں مختلف وجوہ سے حضرت والا کی ہستیِ گرامی اس خاکسار کے لیے خصوصاً ظلِ ظلیل ہے۔ دعا ہے کہ اس سایہ کو سلامت و عافیت کے ساتھ سروں پر تا بدیر قائم رکھے۔

ندوہ کا حال معلوم کر کے گونا اطمینان ہوا۔ دیوبند سے جو خبریں آ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی شبیر احمد صاحب کی پارٹی نے پھر مدرسہ سے قطع تعلق کر کے ڈھابیل سے رشتہ جوڑ لیا ہے۔ مولوی طیّب صاحب نے مگر اس وقت یہ بڑا کام کیا کہ مختلف مدارس کے صدور کو بلا کر طلبہ کے اسباق ان کے سپرد کر دیے۔ تعلیم میں بحمد اللہ کوئی خلل واقع نہ ہوا۔ حالانکہ کہ پانچ مدرّسوں نے استعفیٰ داخل کیا تھا اور وہ بھی ایسے مدرّسین جن کے ساتھ اعلیٰ درجوں کے اسباق متعلق تھے لیکن خدا نے تعلیم کا سامان مہیا کر دیا۔ جن لوگوں نے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے جہاں تک معلوم ہوا ہے، پختہ کار مدرّسین ہیں۔ حضرت والا نے غالباً اپنے کسی اور گرامی نامہ میں بھی حیدر آباد کی تعلیمی نمائش کی کسی رپورٹ کا حوالہ دیا تھا، جس میں ہر فن کی کتابوں کی تصنیف کا انتساب طلبہ جامعہ کی طرف کافی تعداد میں کیا گیا ہے لیکن دینیات کے متعلق کسی تعلیمی کام کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ میں اس کمیٹی اور اس نمائش کے حال سے زیادہ واقف نہیں ہوں لیکن اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ کے جس شعبہ کے طیلسانیوں کا کام بحمد اللہ اس وقت تمام دوسرے شعبوں کے طلبہ سے نمایاں ہے، ان ہی کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے۔ مجھے قطعاً اس کا علم نہیں ہے کہ جامعہ کے کسی شعبہ نے ایسا طالب العلم پیدا کیا ہو، جس کی کتابوں اور تحقیقی مقالوں کا ترجمہ یورپ کی علمی زبانوں میں حتیٰ کہ روسی زبان تک میں ہوا ہو۔ یہ فخر صرف شعبۂ دینیات کو حاصل ہے۔ اسی شعبہ کے طیلسانی

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو علمی تقریروں کے لیے آکسفورڈ اور کیمبرج سے صرف دعوت ہی نہیں دی گئی بلکہ ان کے مضامین کا ترجمہ روسی زبان تک میں کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہی کی ایک کتاب تقریباً پانچ سو صفحوں کی گزشتہ سال عربی زبان میں مصر سے شائع ہوئی جس کا نام ''الوثائق السیاسیۃ'' ہے۔ دلی کے مشہور علمی مجلہ 'برہان' میں شعبۂ دینیات کے ایک طیلسانی کا مقالہ ''انسانِ اوّل'' گزشتہ سال شائع ہوا اور علمی حلقوں میں استعجاب کی نظر سے دیکھا گیا، آج کل بھی اس وقت تک مسلسل چھ نمبروں میں ''الطحاوی الامام'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ دینیاتی طیلسانی کا شائع ہو رہا ہے۔ تحقیق و تدقیق کی جو نئی راہیں اس مقالہ میں نکالی گئی ہیں، یہ صرف شعبۂ دینیات ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ الغزالی پر ایک مبسوط مقالہ 'مجلہ طیلسانیین' حیدر آباد میں شائع ہو رہا ہے ''جنایات پر جائداد'' کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب مولوی مرتضیٰ مرحوم کے صاحب زادے مولوی محمد غوث نے اسلامی قانون کے پیش نظر لکھی ہے جس انجمن ترقی اردو نے کئی سال ہوئے شائع کیا۔ ملک کے رسائل و اخبارات میں اس پر وقیع رائیں دی گئی ہیں۔ اس دفعہ شعبہ دینیات کی نگرانی میں تین مختلف عنوانوں پر ریسرچ ہو رہا ہے:

۱۔ ہندوستان میں اسلامی تصوّف کے ارتقا کی تاریخ — پروفیسر عبد القادر ایم اے (شعبۂ دینیات)

۲۔ قانون جنایات کا تقابلی مطالعہ — مولوی محمد غوث ایم اے (دینیات)

۳۔ جنوبی ہند میں فنِ حدیث — مولوی عبد الرّزاق جعفر ایم اے (دینیات)

جامعہ میں مدت سے ایک ریسرچ جرنل نکلتا ہے جس میں اساتذہ جامعہ کے مضامین شایع ہوتے ہیں لیکن اس تحقیقاتی مجلہ میں آج تک شعبۂ دینیات کے اساتذہ کا کوئی مضمون شایع نہیں ہوا تھا۔ لیکن بحمد اللہ پچھلے دو سالوں سے نصف حصہ اس مجلہ کا ''دینیات'' کے لیے مختص کر دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جو مضامین شایع ہو رہے ہیں، صرف دینیات کے حصہ کے مضامین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ملک کے دوسرے علمی رسائل ان کو نقل کرتے ہیں۔ بہر حال اس وقت تفصیل فہرست پیش کرنی مقصود نہیں ہے بلکہ حضرت والا کو اس غلط فہرست نے بلا وجہ ایک وہم میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ازالہ کے لیے غالباً خاکسار کا اتنا بیان کافی ہو سکتا ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ حیدر آباد پہنچ کر شعبۂ دینیات کے تالیفی کارناموں کی ایک مفصل فہرست خدمت والا میں ارسال کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ممکن ہوا تو اسی کے ساتھ ان کارناموں کی ایک ایک کاپی بھی ارسال کروں گا۔ اس سال شعبۂ دینیات کے طلبہ اپنا ایک الگ مجلہ ''مجلۂ دینیات'' کے نام سے نکال رہے ہیں۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر نے خصوصی طور پر سوا سو روپے طلبہ دینیات کو بطور امداد کے اس لیے عنایت فرمائے ہیں کہ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے جو مالی دشواری اس کام میں طلبہ محسوس کر رہے ہیں اس میں کچھ سہولت پیدا ہو، پرچہ چھپ رہا ہوگا۔ افتتاحِ میقات کے آغاز میں ان شاء اللہ تعالیٰ شائع ہو جائے گا۔

امید ہے کہ ان چند سطروں سے گونا حضرتِ والا کو اطمینان ہو جائے گا۔ ایک تحریک میں نے جامعہ میں یہ بھی کی ہے کہ آنریری ڈگریاں جس طرح دوسرے شعبوں کی طرف سے لوگوں کو دی جاتی ہیں، شعبۂ دینیات کی طرف سے بھی دینی چاہئیں، تحریک کا انجام کیا ہوگا ابھی معلوم نہیں۔ حضرت کو یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ دینیات کا وہی شعبہ جس میں مجموعی طور پر بمشکل بیس پچیس طالب علم اوّل سے آخر تک کلاسوں میں نہیں پائے جاتے تھے آج اسی شعبہ میں ستر پچہتر طلبہ ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ ان کی تعداد دن بہ دن بڑھتی چلی جائے گی۔ اگرچہ خود میرے وظیفہ کا زمانہ بھی قریب ہے لیکن جب تک ممکن ہوگا جو چیز آپ حضرات کی عنایتوں نے خاکسار کے سپرد کی ہے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

مزاجِ گرامی کی طرف دل لگا رہے گا۔ دو ہی لفظ میں سہی، لیکن عافیت و خیریت سے مطلع فرمایا جائے گا۔

مناظر احسن گیلانی

(۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ر رمضان ۱۳۶۲ھ۔ (۲۸ر دسمبر ۱۹۴۳ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ عریضہ مستقلاً لکھ رہا ہوں بلکہ انتظار کرتے کرتے جب تھک گیا، تب دریافت حال میں بھیج رہا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ حیدرآباد پہنچنے کے دو تین دن بعد ہی منی آرڈر خدمت والا میں روانہ کیا گیا، لیکن اس کی رسید اب تک نہیں ملی۔ آج کل رسیدیں دیر میں ملتی ہیں اس لیے ٹالتا رہا لیکن اب تو مہینہ بھر سے زیادہ دن گزر چکا، خدا ہی جانتا ہے کہ کیا صورت پیش آئی۔ محض اس کے دریافت میں کارڈ ڈال رہا ہوں۔

مولانا فضل صاحب بیچارے یرقان میں چند دنوں سے مبتلا ہیں، آج کل وبائی شکل میں یرقان یہاں پھیلا ہوا ہے۔ مولوی احمد اللہ الندوی دائرۃ المعارف کا ایک نوجوان بائیس سالہ شادی شدہ صاحبِ اولاد پندرہ بیس دن ہوئے اسی مرض میں راہی ملکِ بقا ہوا۔ مولوی صاحب کے لیے یہ سخت صدمہ ہے، مولوی فضل صاحب سے معلوم ہوا کہ جس غرض سے ہم کو جانا ہوا تھا اس میں بحمد اللہ کامیابی ہوگئی۔ تفصیلات کا انتظار رہے گا۔

خان بہادر مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

فقط نیازمند
مناظر احسن گیلانی

(۳۰)

۱۰/شعبان ۱۳۶۴ھ۔ (۲۱/جولائی ۱۹۴۵ء)

حیدرآباد دکن جوار الجامعۃ العثمانیہ

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیسے یقین دلاؤں کہ:

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

جب ضرورت پیش آتی ہے تو میرے لیے ضرورتوں کے حل کا جو آستانہ مقرر کیا گیا ہے حاضر ہی ہوتا رہتا ہوں، لیکن ادھر بہت دنوں سے نہ ایسی کوئی ضرورت پیش آئی اور نہ توفیق ہی رفیق ہوئی، جو کسی عریضہ کے پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا۔

آج مولوی عبدالحمید خاں صاحب کے ذریعہ سے پھر معلوم کر کے تشویش بھی ہوئی اور گونہ رفع تشویش بھی کہ گزشتہ موسم گرما میں نصیب دشمناں مزاج والا کچھ زیادہ ناساز رہا۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ باوجود خط و کتابت کے مولانا فضل صاحب نے بھی فقیر کو اس کی خبر نہ دی۔ برادر محترم مولوی عبدالحمید خاں صاحب نے گو اطمینان دلایا ہے کہ بحمد اللہ طبیعت پھر نقطۂ اعتدال پر واپس آگئی ہے، پھر بھی دل چاہتا ہے کہ براہِ راست عافیت مزاجِ سامی کی خبر سے سرفراز فرمایا جائے۔ اب اس آسمان کے نیچے اور بسیط زمین پر یہ واقعہ ہے کہ ایک ہی سایہ ایسا رہ گیا ہے جس کے نیچے وقت پر پناہ حاصل کرنے کا دل میں بھروسہ رہتا ہے۔ سب چلے گئے، حیدر آباد کی آخری ہستی جس کی صحبت میں ایمانی طمانیت کی خنکی میسر آئی تھی گزشتہ جنوری میں ان کی رفاقت سے بھی محروم ہو گیا۔ خبر ملی ہو گی کہ ونپرتی والے حضرت مولانا محمد حسین صاحب قبلہ[1] قدس اللہ سرہ العزیز بھی آخر وہ دن آہی گیا جس کے انتظار میں انھوں نے ساری زندگی گزار دی تھی۔ یوں بیمار تو ایک زمانے سے رہتے تھے لیکن واقعہ ناگزیر سے چند مہینے پہلے ماشاء اللہ ہر طرح اچھے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد لیٹے اور تھوڑی دیر بعد اٹھے، دل میں درد محسوس ہوا، پانی مانگا کلمہ پڑھا اور اتنا بڑا فاصلہ جو غیب و شہادت میں ہے منٹوں میں طے فرمایا۔ آخری دیدار چہرۂ انور کا بارہ بجے شب کو اس وقت نصیب ہوا جب مرقد میں لٹانے کے بعد آخری دیدار کے لیے چہرہ دکھایا گیا تھا۔ عجب نور عجب سرور کی موجیں تھیں جو جلال اجمل کے ساتھ بشرۂ مبارک پر کھل رہی تھیں۔ امیدوار ہوں کہ اپنی خیر و عافیت سے مطلع فرمایا جائے گا۔ حیدر آباد کی ملازمت کی مدت پوری ہو رہی ہے، سال ڈیڑھ سال باقی رہ گئے ہیں۔ ع تا نہ بینم کہ سرانجام چہ خواہد بودن

نیاز کیش ازلی مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا گیلانی کے مرشد۔

(۳۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ر شوال ۶۵ ۱۳ھ۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۴۶ء

بقیۃ الکرم البررہ سیدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ دل میں جو خیال تھا اس کا ازالہ ہوگیا، فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَا۔

اس وقت ایک خبرِ بد کے ساتھ حاضر ہوا ہوں، غالباً پہلے عریضہ میں بھی شاید یہ اطلاع دے چکا تھا کہ میاں ہاشم ندوی کا دماغی توازن نقطۂ اعتدال سے منحرف ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے جو خطرہ تھا وہ پیش آ ہی گیا۔ یعنی لوگوں نے ہاشم بیچارے کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ تین جوان لڑکیاں ناکتخدا۔ ایک بچہ اور چھوٹی بچی بیوی کا بار اس کے سر پر ہے، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر ہوگا کیا؟

کل نواب ناظر یار جنگ بہادر کو اپنے ساتھ لے کر مہدی یار جنگ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، حالات جو تھے وہ پیش کر دیے گئے، ظاہر ہے کہ دماغ کی جو کیفیت ان کے اس وقت ہے، ملازمت کی طرف واپسی کا سوال خارج از بحث۔

البتہ اپنی سابقہ خدمات کی بنیاد پر جن رعایتوں کے وہ مستحق ہو سکتے ہیں ان ہی کی استدعا کی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ نواب صاحب نے بڑی رحمدلی سے کام لیا اور احکام لکھوا دیے ہیں کہ ''چونکہ دماغی مرض میں وہ مبتلا ہو گئے ہیں جس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے اس لیے رخصت سالم تنخواہ کے ساتھ جب تک ان کو مل سکتی ہے دی جائے اور نصف تنخواہ کی رعایتوں سے استفادہ کا موقع ان کو دیا جائے، اس کے بعد وظیفہ کا زمانہ آجائے گا۔ نصف تنخواہ کا وظیفہ کر دیا جائے''۔ یہ لکھوا لینے کے بعد اب کچھ جان میں جان آئی ہے لیکن بدقسمتی سے دائرۃ المعارف کے نظم کی باگ کچھ دنوں سے الیاس برنی صاحب[1] کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی طبیعت سے آپ واقف ہیں۔ خطرہ ہے کہ اس کی کرائی ہوئی کارروائی میں وہ کوئی رخنہ نہ پیدا کریں۔ اس لیے عرض ہے کہ نامناسب نہ خیال فرمایا جائے تو میاں ہاشم کے لیے چند کلمۂ خیر ارقام فرما کر نواب مہدی یار جنگ کو توجہ دلائی جائے کہ جو تجویز انھوں نے کی ہے اس کی تعمیل بھی کروا دیں۔ کیا عرض کروں، خود ہاشم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے، عالم بے خودی میں ہیں، مجھ سے تو ملاقات بھی نہیں کی ہے۔ فقط

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

لے پروفیسر الیاس برنی مصنف "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" پیدائش: اپریل ۱۸۹۰ء، وفات: ۲۵ رجنوری ۱۹۵۹ء

(۳۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۹ رمحرم ۱۳۶۶ھ۔ (۳ ردسمبر ۱۹۴۶ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلّہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ چند دن بہار کے حالات کے زیر اثر کس حال میں گزرے، چاہوں تو زندگی کے بہترین دنوں میں ان کو شمار کرسکتا ہوں لیکن یہ قلب کے لحاظ سے حال تھا، لیکن دماغ کے لیے اتنا بھیانک خوفناک وقت یاد نہیں پڑتا، کہ آیا تھا۔ 'گیلانی' مسلمانوں کی مختصر سی بستی، اس میں بے چارہ مکارم اپنے بال بچوں کے ساتھ گھر گیا۔ میں رہتا بھی تو کیا کر لیتا۔ سامنے میل دو میل پر کفار کے دَل کے دَل مسلمانوں کی آبادیوں کو ختم کر رہے تھے۔ خداوند تعالیٰ کا فضل اس پر رہا کہ حق تعالیٰ کی رحمت نے دِل کو مضبوط رکھا اس وقت سرِ دست اب مصیبت دھیمی ہوگئی ہے لیکن بعض واقعات جو مکارم نے لکھے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتِ مرحوم میں اب بھی کیسے کیسے لوگ ہیں۔ گیلانی کی مسجد کے امام اور مکتب کے معلّم ہماری بستی کے مولوی صاحب تھے، حسن رضا نام تھا، دہلی میں مولوی یٰسین صاحب کے مدرسہ میں تعلیم پائی تھی، فارغ التحصیل تھے، اپنے دو بچوں کے ساتھ گیلانی ہی میں ان کا کئی سال سے قیام تھا۔ ان کے والد جو اُمّی آدمی ہیں ان کو بھی گیلانی ہی بلالیا تھا، وہ ہمارے ہاں رہتے تھے۔ عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ مولوی حسن رضا مرحوم جن کی عمر چالیس سے کم ہی ہوگی جمعرات والے دن اپنے گاؤں دونوں بچوں کے ساتھ گئے۔ اسی عرصہ میں ان کے گاؤں پر حملہ ہوا، مولانا اور ان کے یہ دونوں بچے دو اور بچے جو گھر میں تھے ایک بیوی اپنی ساری بستی کے ساتھ شہید ہوگئے۔ یہ خبر مولانا کے والد کو نہیں پہنچی جو گیلانی میں تھے۔ مکارم سلمہٗ نے لکھا ہے کہ کئی دن تک اس خبر کو ان سے چھپایا گیا، آخر کہنا ہی پڑا۔ یہی ایک اکلوتا لڑکا ان کا تھا سارے خاندان کے ساتھ شہید ہو چکا تھا لیکن جب ان کے کان میں یہ خبر پہنچی تو سربسجود ہو کر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے کہ اپنے

رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے بچوں کو آپ نے قبول فرمایا۔ میاں مکارم نے لکھا ہے کہ اس وقت سے ان کو جتنا مسرور دیکھ رہا ہوں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دماغی توازن بیٹے سے محروم ہونے میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوا ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ

دعا کا محتاج ہمارا سارا صوبہ ہے، میرا سارا خاندان اسی بستی میں ہے۔ مقدر کی بات تھی کہ خلاف دستور ابکی اپنے گھر کو اپنے ساتھ لینے آیا تھا۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل محتاجِ دعا

مناظر احسن گیلانی

(۳۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲؍جون ۱۹۴۷ء حیدرآباد دکن

۲۲؍رجب ۱۳۶۶ھ جواری بقیۃ العثمانیہ حول المسجد الاقصیٰ

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہٗ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حقہ مہر بداں مہر ونشان ست کہ بود

کے پھاہے سے جو زخم بحمد اللہ مندمل ہو چکا تھا، کل سیّد سلیمان صاحب کے ایک مکتوبِ گرامی نے اس زخم کو پھر ہرا کر دیا۔ سیّد صاحب ممدوح کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حریفوں کی درانداز یاں شاید ''اس مہرونشاں'' پر اثر انداز ہونے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ فَاللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ ھُمۡ وَارۡحَمۡھُمۡ۔ اس ''مہرونشاں'' کی کیفیت ہمان است کہ بودند کا معاوضہ دلِ حزیں کے سامنے دنیا کی کسی شے میں چونکہ نظر نہیں آتا اس لیے سیّد صاحب کے اس خط کے بعد بے چین ہوں، اسی بے چینی میں قلم اٹھا لیا ہے، جو کچھ دل میں ہے اسے پیش کرتا ہوں۔ کوئی نیا واقعہ اس عرصے میں اس کے سوا پیش نہیں آیا کہ فروری ۴۷ء میں مسلم یونیورسٹی سے ایک مراسلہ مِنۡ حَیۡثُ یَحۡتَسِب اس فقیر کے نام حیدرآباد پہنچا۔ مراسلہ اس زمانے کے منصرم وائس چانسلر مخدوم زادہ والا شان، نواب عبید الرحمٰن خان صاحب متعنا اللہ بایّام سعادہ کے دستخطِ مبارک سے مزین تھا۔ دینیات کی خالی ہونے والی ریڈری کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا تھا۔ اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو کیا پیش کر سکتا

ہوں، میرے لیے یہ وہ زمانہ تھا کہ:

آں یکے خرداشت بالانش نہ بود
یافت بالان گرگ خر را در زبود

جامعۂ عثمانیہ کی مدت ملازمت ختم ہورہی تھی اور جن تصورات کی بنیاد پر آج سے بیس پچیس سال پہلے حضرتِ والا کی صدر الصدوری کے عہدِ مسعود میں براہ راست بارگاہِ خسروی میں سبکدوشی کے لیے درخواست گزارا ہوا تھا جہاں بیٹھ کر قسمت آزمائی کا ارادہ کیا گیا تھا اس مأمنِ وحید موضع گیلانی کو بہار کے گزشتہ فتنۂ ہائلہ میں مسلمانوں نے قطعی طور پر خالی کردیا تھا۔ این المفر کا سوال دل میں تھا اور آنکھیں کارساز لازوال کی کارسازیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ اس لایعنی مراسلہ کو غیبی اعانت خیال کر کے میں نے جواباً رضامندی کا اظہار کردیا تھا۔ حسنِ ظن یہ تھا کہ ولد کے اس مراسلہ میں "سرّ لابیہ" کے اشارات بھی ضرور پوشیدہ ہیں، ورنہ مسلم یونیورسٹی میں میرا دوسرا جاننے والا اور ذرہ نوازی سے سرفراز کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔

جرأت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت مفتی عبداللطیف صاحب کی توسیع جب یونیورسٹی کسی وجہ سے مناسب نہیں خیال کرتی ہے تو بجائے کسی دوسرے کے تھوڑی بہت خدمت مجھ سے جو ممکن ہے، اس کو پیش کردوں ورنہ معاذ اللہ ذرۂ ناچیز اپنے متعلق اس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہ ہوا کہ واقعتہً حضرت مفتی صاحب کی قائم مقامی کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہوں۔ میرے لیے یہی سرمایۂ سعادت ہے کہ ان کے مستفیدوں کی صف میں شریک ہوں۔ پھر یونیورسٹی کی طرف سے بھی خاموشی اختیار کی گئی اور فقیر بھی چپ ہوگیا۔ کچھ نہیں جانتا دوڈھائی ماہ بعد جامعۂ عثمانیہ سے الگ ہونے کے بعد تقدیر کہاں لے جاتی ہے۔ لَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ایسے قانون والی دنیا جس کے متعلق شاعر کی اس تعبیر کو نبوت کی توثیق کا شرف حاصل ہوا

ستبدی لك الایام ما كنت جاهلا
ویاتیك بالاخبار مالم تزود

کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ میری یہ جسارت جو مسلم یونیورسٹی

کے مراسلہ کے جواب میں ہوئی ہے، کسی حیثیت سے بھی بارِ خاطر کا باعث ہوئی ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر محسن کش کون ہوگا جو حضرتِ والا کے منشاء مبارک سے سرِ مُو ہٹنے کی جرأت کرے جس کے ہر بنِ مُو کا اعتراف ہو کہ۔

کے عطر سائے محفل دانش وراں شدے
گل را اگر نہ بوئے تو کردہ رعایتے

پہلے بھی جو کچھ ہوا اعانت کا ثمرہ تھا، اور آئندہ بھی جو کچھ اگر ہوا اسی رعایت کی سرپرستی میں ہوگا۔ فقط مناظر احسن گیلانی

صاحبزادگان کامگار والا تبار کی خدمت میں، ملا صاحب کی خدمت میں سلام۔

والسلام

مناظر احسن گیلانی

(۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حول المسجد الاقصیٰ

۲۵ رجون ۱۹۴۷ء

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلّہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بردوش صبا رسید نامہ

با بشریٰ اتت لنا الحمامہ

"فنصرت بالدباد" فلا نقول الا ما قالوا:

يَا اَبَانَا اسْتَغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِيْنَ

ولنعم ما قال الاشعر الهندی الامی[1] التونکی المتخلص بکیف

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشکِ غیر کا

کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

والباقی ان شاء اللہ عند التلاقی

خوید کم الامھن الجنانی

السید مناظر احسن الگیلانی

غفر اللہ لہ ولمن ایّاہ

۱؎ کان لا یکتب ولا یقرء ۱۲

(۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیدرآباد دکن جواری الجامعۃ العثمانیہ

۱۶رشوال المکرم ۱۳۶۶ھ (۳رستمبر ۱۹۴۷ء)

سیّدی الامام قدوۃ الانام مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل لفافہ کو بند کر رہا تھا کہ اچانک ۷رشوال ۱۳۶۶ھ کا مورخہ گرامی نامہ موجب ابتہاج وسرور وسرمایۂ عزت وافتخار ہوا۔ اس عریضہ میں یہ خبر دی گئی تھی کہ خدمتِ والا میں ''اسلامی معاشیات'' کا ایک نسخہ عنقریب پیش ہوگا۔ خاکسار نے ناشر کو ہدایت کی تھی کہ اور کسی کے پاس بھیجو یا نہ بھیجو لیکن عالی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر کی خدمت میں ایک نسخہ ضرور روانہ کر دینا۔ مجھے اس کا علم نہ تھا کہ اس حکم کی وہ تعمیل بھی کر چکے، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ تَتِمَّ الصَّالِحَات ۔ بلا مبالغہ بغیر کسی تصنّع کے عرض کر رہا ہوں کہ اب خواہ دنیا اس کتاب کے متعلق جو رائے قائم کرے حضرتِ والا نے جن گرانمایہ الفاظ میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے، میری حقیر کوشش کی یہ کافی قیمت اور ایسا جملہ ہے جس کے بعد کم از کم مجھے تو کسی مزید صلہ کی دنیا میں ضرورت باقی نہ رہی۔ ہاں حق تعالیٰ سے امیدوار ہوا کہ یقبل اللہ کے ساتھ آخر میں جو دعا فرمائی گئی ہے عزیز کریم اپنی رحمتِ کاملہ وشاملہ سے اس کو قبول فرمائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حمایت میں جو گروہ وقتاً فوقتاً کھڑا ہوتا رہا ہے اس گروہ کی صفِ نعال میں کہیں جگہ مل جائے، وہی جگہ سہی جو بازارِ مصر میں بوڑھیا کی تھی۔ اس کا افسوس لکھنے کے وقت ہی ہوتا تھا اور ہمیشہ رہے گا کہ جوہرِ جان سپردگی کا وقت تو

بہر حال سر پر آ ہی گیا ہے، لیکن کاش اس کی کوئی قیمت ہوتی، شاد عظیم آبادی نے لکھا تھا

دمِ آخر اگر لب پر نہ تیرا نام آئے گا
تو میں مرنے سے باز آیا میرے کس کام آئے گا

اس کو ذرا وسیع معنی میں سوچا کرتا ہوں اور دل تڑپ اٹھتا ہے جب یہ خیال سامنے آتا ہے کہ۔

حیف اوقات کہ یکسر بہ بطالت برود

حضرتِ والا ہی کی ایک بات جسے سننے کے بعد بحمد اللہ جان سے لگائے ہوئے ہوں عموماً یاد آتی ہے اور وہی وجہِ تسلی بن جاتی ہے۔ مکہ مسجد جمعہ کی نماز کے لیے حضرت کی ہمراہی میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ان ناقدر شناسیوں کا ذکر فقیر کرنے لگا جن کا تجربہ اہلِ علم و دین کے متعلق اس زمانہ میں ہو رہا ہے، سننے کے ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ یہ حال کیا نیا ہے، جب اپنی حکومت و سلطنت تھی اس وقت بھی دین و علم والوں کے لیے یہ زندگی کب پھولوں کی سیج تھی۔ امام ابو حنیفہؒ ہوں یا مالکؒ، امام احمدؒ ہوں یا بخاریؒ، ازیں قبل چندا کابر و اعیان کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرتِ والا نے ایک ایسی حقیقت کی طرف دماغ کی راہنمائی فرمائی کہ بخدا اسی دن سے فکر و نظر کا رُخ ہی بدل گیا لیکن اس کا افسوس ہے کہ آرزو آفرینیوں کے سوا کوئی واقعی کام انجام نہ پا سکا، یہی خیال گزرتا ہے

ع بیا حافظ کہ ما خود را بملک دیگر اندازیم

ملک تقسیم ہو گیا۔ حضرتِ والا کا تاریخی قطعہ 'معارف' میں نظر سے گزرا۔ میں تو نہیں خیال کرتا کہ اس سے زیادہ بہتر مادۂ تاریخ کسی اور کو میسر آیا ہوگا۔ واقعتاً مسلمانوں کے سامنے مکّی اور مدنی دونوں نمونوں پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ مکّیات کے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج علی گڑھ ان شاء اللہ سب سے بہتر مرکز بن سکتا ہے، کاش! کام کرنے والے لوگ جمع ہو جائیں۔ ''منصف'' میں اس خبر کو پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور تھوڑی سی تکلیف بھی کہ کتاب ''مقالات شروانی'' طبع ہو کر جوہر شناسوں میں تقسیم ہو رہی ہے، اپنی کوتاہ بختی کا خیال آیا کہ اب تک اس کی زیارت سے محروم ہوں۔

حال میں ایک ضخیم کتاب سات آٹھ سو صفحوں میں ''اسلامی معاشیات'' کے نام سے

خاکسار کی پریس سے باہر آچکی ہے، عنقریب خدمت والا میں حیدرآباد ہی سے روانہ ہوگی، ان شاء اللہ۔ ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی'' پر بھی پچھلے دنوں بعض معلومات فراہم ہوئیں جنہیں مرتب کردیا گیا ہے۔ فقط نیازمند

مناظر احسن گیلانی

مولانا اسماعیل شہید کی کتاب ''طبقات'' جو معارفِ صوفیہ میں جہاں تک میرا خیال ہے آخری کتاب لکھی ہے، حق تعالیٰ نے اس عبدِ ضعیف سے اس کے ترجمہ کی تکمیل بھی کرا دی۔ دارالترجمہ سرکار عالی کی فرمائش سے یہ کام کیا گیا۔ ترجمہ اسفار کا شاید یہ کام کنارہ ہو جائے۔

بینما هو یوماً علی ذلك الحمار اذمرّا اعرابی، فقال الست فلان بن فلان؟ قال بلیٰ! فاعطاه الحمار فقال ارکب هذا والعمامة وقال اشدد بها راسك، فقال له بعض اصحابه غفر اللّٰہ لك اعطیت هذا الاعرابی حمارا، کنت تروم علیه وعمامة کنت تشد بها راسك، فقال انی سمعت رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم یقول ان من البر صلة الرجل اهل و دابیة۔ راوی کا اس کے بعد بیان ہے (بعد ان تولی) وان اباه کان ود العمر (جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد کے ود کے لڑکے کے ساتھ صلہ کا یہ سلوک کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو استعمال فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سلوک کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

الحمد للہ کہ اس نیازمند خادم کے خادم زادے کے ساتھ حسنِ سلوک کے نمونے دنیا میں اس وقت تک موجود ہیں۔ فَجَزَاكُمُ اللّٰہ خَیْرًا الْجَزَاء۔ آج سے چھبیس سال پہلے کا زمانہ نظر کے سامنے آگیا، جب اسی لڑکے کا باپ اس حبیب گنج میں ایک طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا تھا اور نوازش ہائے بے کراں سے رزق و بذل و نوال سے ممتاز ہوا تھا اور آج کل تو پھر لسان الغیب کے الفاظ میں

اگر آں طائرِ قدسی زدرم باز آید — عمرِ گزشتہ بہ پسر از سرم باز آید
آں کہ تاج سرِ من خاک کف پائش بود — از خدا می طلبم تا بسرم باز آید

کچھ اس قسم کی آرزوئیں سینے میں موجزن ہیں، خیال بھی گزرتا ہے:

گر نثار قدم یار گرا نمی کنم　　　جوہر جاں بچہ کارو گرم باز آید

ہاں! یہ لکھنا بھول ہی گیا کہ حضرتِ والا کے مکتوب شفاعت کو لے کر میاں محی الدین سلمہٗ مولانا کی خدمت میں پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ کافی اثر انھوں نے لیا اور امداد کی کافی توقع دلا کر ان کو مطمئن کیا ہے، بہرحال حضرتِ والا تو جو کچھ کر سکتے تھے اس کے لیے کر دیا۔ فَعَلَی اللّٰہِ اَجْرُہٗ ۔ آئندہ ان کی قسمت۔ میاں محی الدین نے اپنے خط میں حبیب گنج اور بھیکن پور کے متعلق اپنے تاثرات کچھ ایسے الفاظ میں ظاہر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے بھی اپنا وطن اسی پاک علاقہ میں کیوں نہیں بدل دیا، اس کا ان کو افسوس ہے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] سہ ماہی ''منصف'' علی گڑھ سے سید الطاف علی بریلوی کے زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔

بنام

مولانا محمد زکریا صاحب محمودی[1]

۱۳۴۳ھ (مطابق ۱۹۲۵ء)

برادر محترم بھائی ابو یحییٰ محمد زکریا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اور نہ صرف آپ کا بلکہ دربھنگہ کے احباب میں سے محض پہلی دفعہ آپ کا عنایت نامہ آیا ہے، لیکن خنجروں اورنشتروں سے بھرا ہوا۔ برادرِ من میں نے علماء کی جماعت سے کنارہ کشی اختیار کی، لیکن کیوں؟

دلم از صومعہ بہ گرفت خرقہ سالوس
کجاست پیرمغان و شراب نابِ کجا

مستی اور جنون؟ نہ جانے آپ کا کہاں خیال ہے؟ اسی کی تو کمی ہے کہ میں اب تک مجنوں کیوں نہ ہوا، سب کچھ ہو کر دیکھا، لیکن مزہ کسی میں نہ آیا میں نے اب ارادہؔ:

عشق می ورزم و امید کہ ایں فنِ شریف
چوں ہنرہائے دگر موجب حرماں نشود

اور جس کسی سے ملتا ہوں جس سے کچھ کہتا ہوں وہ یہی مسئلہ ہے۔

معلوم نہیں اس خط سے آپ کی غرض کیا تھی، مولوی لطف اللہ صاحب کو آپ کا خط دے دیا تھا۔ خدا جانے انھوں نے روپیہ کا کیا بندوبست کیا، یا کیا کیا۔

یہ سن کر بہار کے قطب حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب اپنے مالک سے جا ملے، صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ کسی کو ان کا سچا جانشین بنائے، علماء سے اصلاح وتربیت کی امید فضول ہے، کچھ اللہ والوں سے توقع ہے، خدا کرے کوئی اپنی مخلوق کا نہیں اپنے خالق کا بندہ ہو۔

مولانا المحترم المخدوم حضرت مولوی عبدالوہاب صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے اور یہ کہ دعا کا خواستگار ہوں۔ مولوی عبدالرحیم مولوی عبدالحفیظ (الصدیق) مولوی عبدالودود، قاری احسن اور دوسرے یادفرماؤں کو سلام فرمادیجیے۔ کیا کہوں دربھنگہ آنے کو جی چاہتا ہے، لیکن ژولیدہ بالی نے کہیں کا نہ رکھا۔

ہاں! سنیے تو سہی، آپ کے شہر میں سنتے ہیں کہ آموں کے قلم ملتے ہیں۔ اخباروں میں بھی دیکھتا ہوں۔ میرے والد صاحب گیلانی میں ایک باغ لگا رہے ہیں۔ لگاتے کیا ہیں۔ پرانے باغ میں کچھ زمین خالی ہے اس کو بھرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ سے امید کرسکتا ہوں کہ چند قلموں کا انتظام کر دیجیے۔ آپ نہیں مولوی عبدالوہاب صاحب، کوئی صاحب۔ سنا ہے کہ وہاں پنج سالہ قلم بھی ملتا ہے کیا یہ واقعہ ہے؟ اور کیا ایسا قلم دوسری جگہ جا کر کتنے دن میں پھیلتا ہے، صرف لنگڑا کی ضرورت ہے، اگر تکلیف نہ ہو تو ان سوالوں کا جواب دیجیے۔

مناظر احسن گیلانی

ترپ بازار جام نگر حیدرآباد

---

[۱] مولانا گیلانی کے ہم وطن اور رفیق درس دردارالعلوم دیوبند۔ پیدائش: ۱۳۱۲ھ، وفات: ۱۹۶۱ء

بنام

مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی کلکٹر[1]

(۱)

گیلانی (بہار) ۱۹ مئی ۱۹۲۷ء

مخدوم ومحترم! دامت عواطفکم العالیہ وعنایاتکم الغالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جن بلند و برتر لفظوں میں آپ نے اس ناچیز کا اور اس کی ایک حقیر خدمت کا تذکرہ اپنے گرامی نامہ میں فرمایا ہے، اس نے مجھے شرمندہ کر دیا، آپ نے مجھے چھپرہ[2] آنے کی دعوت دی ہے۔ دعوت رد نہیں کی جاتی اور پھر جس پیرایہ میں آپ نے بلایا ہے اس کے جواب میں بجز ''لبیک'' کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لیکن انسانی گردشوں اور زمانی مخمصوں کا کیا علاج ہے۔ ایک تو ابتدا سے میں معذور تھا، بیمار تھا، پھر سرکاری امتحانات کے پرچے آئے ہوئے تھے، ان کے جانچنے میں مشغول کہ یکایک غیب سے ایک جلالی تجلی ظاہر ہوئی اور میری بڑی لڑکی اچانک بیمار ہوئی، آپ کا گرامی نامہ اس کی بیماری کے دوران میں ملا جواب دینے کی فکر میں تھا کہ یہ بیماری اس مرحومہ بچی کی آخری بیماری ثابت ہوئی اور پانچ سال کی عمر اس دنیا میں گزار کر اس دنیا میں پہنچ گئی جہاں اس کے ماں باپ سے زیادہ مہربان مالک موجود ہے اور یہاں بھی وہ اسی کے ساتھ تھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یہ بچی صورت وسیرت میں کچھ ایسے امتیازات رکھتی تھی کہ باوجود اطلاقی تعلقات کے مجھے اس تعین سے خاص انس تھا۔ دوسرے مرحوم عم محترم کی پروردہ اور آغوش گرفتہ تھی، میں اس کو ان کی یادگار سمجھتا تھا، لیکن خدا کی یاد کے سوا کسی دوسری یاد میں مبتلا ہونا ایک خاص مشرب میں شرک سے کچھ کم رتبہ نہیں ہے۔ اِنَّا نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا کا مدعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور اسی کے قول کو سچ ہونا چاہیے۔ بہر حال میں اپنی خود غرضی سے کچھ ہی کیوں نہ کہوں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ گنہگار ہو کر مرنے سے یہ زیادہ

مناسب ہے کہ انسان معصوم ہی روانہ ہو۔ کیا پیغمبروں کے سوا یہ فضیلت کسی اور کو حاصل ہے؟ دنیا کی زندگی کچھ ایسی دلچسپ تو ثابت نہیں ہوئی کہ میں واقعی کسی دوسرے کے لیے برضا و رغبت اس زندگی میں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی آرزو کروں، پس جس کا مِلک ہے، جس کا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض ہے وہ جو کچھ چاہے کرے ہم تو تماشہ دیکھتے ہیں۔ آنے جانے والے نئی نئی شانوں کے ساتھ آرہے ہیں جارہے ہیں اور کسی قافلہ کے ساتھ میں بھی تماشا بن جاؤں گا، میرے آنے کا تماشا ہو چکا ہے اب جانے کا تماشا باقی ہے۔ بہر حال دل بھرا ہوا تھا اس لیے چند الفاظ بے ساختہ قلم سے نکل گئے۔

میں ابھی امتحانات کے پرچوں کے جانچنے میں منہمک ہوں۔ ابھی دس پندرہ دن تک اس سے فرصت ملنی مشکل ہے۔ اس کے بعد اگر فرصت ہوئی تو میں ان شاء اللہ تعالیٰ اعظم گڑھ لکھنؤ وغیرہ جاتے ہوئے چھپرہ بھی ایک آدھ دن کے لیے ہولوں گا۔

لوگ وعظ کیوں سنتے ہیں۔ کیا موت سے بھی بڑا واعظ کوئی اس عالم میں ہے؟ اور اس کی پہنچ ہر گوشہ تک ہے۔

فقر و علم کے شیدائی، مولوی صالح حسین صاحب کی ذات سعادتِ ازلی سے حظ یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر جو اس خاکسار کی کتاب کے متعلق ہے، میں نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ البتہ اس کا وہ حصہ جس میں انھوں نے میرا تذکرہ فرمایا ہے، اس میں ان کو مغالطہ ہوا ہے، دیکھ لینے کے بعد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا "شنیدہ" "دیدہ" سے بہتر تھا میرا نیاز مندانہ سلام ان کی خدمت میں پہنچا دیجیے اور آپ سے نیز مولوی صالح حسین صاحب سے صرف ایک آرزو ہے کہ میرے انشراحِ صدر اور خاتمہ بالخیر کی آپ لوگ دعا فرمائیں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَ الْبَاطِلَ بَاطِلاً۔ ستارے، چاند، سورج، نباتات و جمادات، حیوان اور انسان سب میں حق حق ہو کر اور باطل باطل ہو کر نظر آئے، علم کی تصحیح کا دوسرا نام ایمان ہے، عمل علم سے پیدا ہوتا ہے، درخت پانی سے بڑھتا ہے، عمل علم سے اُگتا ہے۔ غلط علم غلط عمل کو پیدا کرتا ہے۔ پہلے علم کی تصحیح ہونی چاہیے یہی اصل راہ ہے امنو کے مقام کی شرح ہولے تو عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ خود انسان کو لپٹ جاتا ہے، میرا ایک رسالہ

"کائناتِ روحانی" دیو بند میں ملتا ہے۔ مولوی صالح حسین صاحب اس رسالہ کو ضرور پڑھیں۔ آپ کی راہ میں میں نے انس کو پایا۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم۔

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

۱ مولوی محمد یعقوب صاحب کا اصل تعلق 'گیلانی' سے تھا اور وہ مولانا گیلانی کے رشتے میں دادا تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۵۷ء میں ہوا۔

۲ صوبہ بہار کا ایک گاؤں۔

(۲)

۱۱ر شوال ۱۳۴۸ھ۔ (۱۳ر مارچ ۱۹۳۰ء)
حیدر آباد دکن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم

حضرت قبلہ جناب دادا صاحب! مدظلّہ العالی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"درر الجواہر" کتابوں کا پیکٹ مع دستی رقعہ کے کیا ملا، میری آرزو ملی، تمنا ملی، میں نے جو چاہا تھا، آسمان میں اس کا حکم ہوا، زمین پر پورا ہوا۔ وجہ کچھ بھی ہو، لیکن گیلانی کو اسلام کے غوث اعظم رحمہ اللہ سے کوئی نسبت ضرور ہے۔ مگر گیلانی والوں کو حضرت سے بے تعلق پا کر دل ملامت کرتا تھا، پوچھتا تھا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں، اس گاؤں میں کہاں سے کیوں آئے ہیں؟ آپ اس کو اختراعی یا وقتی خیال تصور نہ فرمائیں کہ بار بار جی چاہا کہ گیلانی میں ایک مطبع قائم ہو اور اس کو اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے کہ جب تک بن پڑے حضرت سیّدی شیخ جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیفاتِ قیمہ، مواعظِ بلیغہ اور حالاتِ عالیہ اس کے ذریعہ سے اردو زبان میں شائع کیے جائیں۔ میرے پاس حضرت کی کتابیں ہیں، مواعظ ہیں، آپ کے حالات کے متعلق ایک ذخیرہ ہے۔ میں جن دنوں بائبل کی ان کتابوں کو پڑھتا تھا جن میں انبیاء بنی اسرائیل کے خطبات اور مقالات ہیں تو دل پر خاص

اثر ہوتا تھا۔ قرآن حدیث تو بڑی چیز تھی ان کے سوا دل ڈھونڈھتا تھا کہ ہمارے یہاں بھی کیا ایسی چیزیں مل سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع نصیب کیا تو اچھل پڑا اور اس کے بعد سلسلۂ صوفیاء کے مکتوبات و مقالات ملفوظات سب کو میں نے بنی اسرائیل کی ان کتابوں کا قائم مقام خیال کیا۔ البتہ ترجمہ کرنے میں خاص سلیقہ کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ سوچا تھا کہ جس طرح بن پڑے گا، ہوسکتا ہے کہ اس کام کو حق سبحانہ وتعالیٰ اس ذرۂ حقیر سے انجام دلا دے جو عرب و عراق نہیں مصر و شام نہیں، کفرستان ہند کے ایک دورافتادہ صوبۂ کفر بہار کے ایک کوردہ گاؤں کا رہنے والا ہے اور اس کو بڑی نعمت شمار کرتا تھا کہ کفر کی اس تاریکی میں کم از کم لفظی طور پر ایک ایسا نام تو ملا ہے جو آسمانِ اسلام کا ایک ''نیرّ درخشاں'' ہے۔ میرا اشارہ گیلانی کی طرف تھا اور اس لیے میں نے اس لفظ میں تھوڑی سی ترمیم کرکے اپنے نام کے ساتھ گیلانی کی نسبت قائم کرلی:

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شدی بس ست

لیکن وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللهِ اتنے عظیم کام کے لیے ہر بوالہوس کا انتخاب نہیں ہوتا ہے، الجھا دیا گیا، حیدر آباد کی نقرئی زنجیر میں قید کیا گیا، قید ہوں، کچھ بن نہ آیا۔ اور اب تو زندگی کی آخری گھڑیاں گزر رہی ہیں جوشِ شباب، عزم و عمل کا وقت گزر گیا، خیالات افسانے بن کر رہ گئے اس یاس و ناکامی میں اللہ اللہ حق کردگار کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں کن جذبات کے ساتھ ادا کروں کہ مرنے سے پیشتر ''محمد یعقوب گیلانی'' کے مطبوعہ دستخط سے، میں نے اس کتاب[1] کو دیکھ لیا جو سیّدی الامام گیلانی رحمہ اللہ کے حالاتِ طیبہ سے آراستہ کی گئی ہے، سنا تھا: ع

اگر پدر نتواند، پسر تمام کند

لیکن دیکھا کہ ''اگر پسر نتواند پدر تمام کند'' فَهَنِيْئًا لَكُمْ بَاحَدِيْ ثُمَّ هَنِيْئًا لَكُمْ طُوْبٰى لَكُمْ وَ حُسْنَ مَاٰبٍ، سچ ہے: ع

طمعۂ ہر مرغکے انجیر نیست

آپ نے جس آستانہ سے اخلاص وعقیدت کا رشتہ قائم کیا تھا، مبارک ہو کہ آپ کی

عقیدت کام آئی، گیلانی کے مطلع سے اس صبح کے تباشیر کو ان آنکھوں نے دیکھ لیا، جس کا خیال صرف دل کے گوشہ میں گھٹ گھٹ کر رہ جاتا تھا، اللہ اس کتاب کو آپ کی دینی و دنیوی فلاح کا ذریعہ بنائے اور اس کی توفیق مرحمت فرمائے کہ ثقلین کے غوث نے توحید کے جس مقامِ بلند پر آشیانہ قائم کیا تھا اسی راہ پر آپ بھی زندگی کے سعید دنوں کو گزاریں ''فتوح الغیب'' نظر سے گزری ہوگی اس کا فارسی ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شائع بھی ہو چکا ہے۔ صحیح قادریت وہی ہے، ایک زمانے میں تو تقریباً اس کتاب کی تلاوت کرتا تھا، سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا، بہتر ہوگا کہ اس کتاب کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس کی بھی ہدایت کیجیے کہ وہ حضرت کی راہ چھوڑ کر خود اپنی بنائی ہوئی راہوں پر نہ چلیں یا یوں کہیے کہ

''حضرت کے خدا کو چھوڑ کر خود حضرت کو خدا بنانے کی سعی نہ کریں''

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتَابَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ وَ بِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَ لَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(کسی آدمی کے لیے یہ نہیں ہے کہ اسے اللہ کتاب یا قوت فیصلہ یا نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری بن جاؤ، لیکن اللہ والے اس صلہ میں بنو کہ کتاب سکھاتے ہو اور اسے پڑھاتے ہو اور نہ اللہ تعالیٰ اس کا حکم دیتا ہے کہ دیوتاؤں اور پیغمبروں کو اپنا رب بناؤ وہ تمھیں پھر کفر کا حکم دے گا جب کہ تم اللہ تعالیٰ کے آگے جھک چکے ہو۔)

لیکن جو ''ربنا اللہ'' پر استقامت کرتا ہے تو اس کی مدد کے لیے ملائکہ بھی آتے ہیں جیسا کہ بدر میں آئے۔ اُحد میں آئے، قرآن میں ہے

تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

اور ملائکہ ہی نہیں، اللہ چاہے تو ان کی امداد کے لیے ان ارواحِ طیبہ کو بھیجے جن کا رتبہ ملائکہ سے بھی بلند ہے۔

پس خدا کے برگزیدوں سے نفع اٹھانا اسی پر موقوف ہے کہ آدمی اس خدا کو تھامے جن کے وہ برگزیدہ ہیں، وہابیوں نے امداد انبیاء و اولیاء کا انکار کیا اور جاہل مسلمانوں نے خود انبیاء و اولیاء کے ساتھ تقریباً وہ رویہ اختیار کیا کہ شبہ ہونے لگا کہ ان میں اور خدا میں آخر کوئی فرق بھی ہے یا نہیں۔ فاتحہ کا راز بھی یہی ہے کہ بزرگوں کو جب آدمی ثواب پہنچاتا ہے تو وہ اس کے بدلے میں فاتحہ کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ درود شریف میں بھی حضور ﷺ کے لیے امتی دعا کرتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے اور حضور ﷺ اس کے جواب میں ہر امتی کے لیے دعا فرماتے ہیں۔

ہنود کا یہ اعتراض مسلمانوں پر صحیح نہیں ہے کہ وہ بھی فاتحہ کی شکل میں غیر اللہ کے آگے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں گویا ان کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ فاتحہ ہو یا درود، دونوں صورتوں میں دراصل بزرگوں بلکہ خود خاتم النبیین ﷺ کے متعلق مسلمان اس کا اظہار اپنے خدا کے آگے کرتا ہے کہ اے اللہ میرے تیری رحمت وجود و کرم و عنایت چاہتے ہیں، ان پر رحم فرما اور ان کو ثواب عطا کر (خدا جانے میں نے کیا لکھ دیا)

پروفیسر الیاس برنی[4] میرے ہم مشرب دوست ہیں۔ بڑے شوق سے انھوں نے آپ کی کتاب لی۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کچھ کام وہ کر رہے ہیں۔

والسلام

نیازمند مناظر احسن گیلانی

---

[1] یعنی دررالجواہر

[2] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی معروف کتاب

[3] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۶۶۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت آپ ہی کی جدوجہد سے ہوئی۔

[4] سابق صدر شعبہ معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔ آپ کی پیدائش اپریل ۱۸۹۰ء بمقام بلند شہر، یوپی۔ وفات ۲۵ جنوری ۱۹۵۹ء بمقام بلند شہر۔ آپ کی معروف کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ہے۔

(۳)

۲۸/اپریل ۱۹۴۲ء

سیّدی و جدّی جعلکم اللّٰہُ مِنَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا وَصَابِرُوْا وَصُبِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دلّی کے رسالہ "ندائے حرم" میں اچانک یہ پڑھ کر تعجب ہوا کہ حرمِ محترم کے مدرسۂ صولتیہ کے سالانہ جلسہ میں گیلانی کی ایک عظیم شخصیت شریک ہے۔ اس زمانے میں سفرِ حج کے لیے آمادہ ہوجانا صرف حج ہی نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ کوئی چیز ہے۔ خیال تھا کہ موسمِ گرما کی تعطیل میں ان شاء اللہ سعادت قدم بوسی حاصل ہوگی، لیکن پٹنہ میں اچانک معلوم ہوا کہ قبولِ استغفار کے بعض آثار آپ کے سامنے پیش آ گئے۔ لبخاری میں ہے کہ قرآن کی آیت:

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا یُّجْزَ بِہٖ

(جو برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا)

نازل ہوئی تو صحابہ پر یہ آیت سخت گراں گزری۔ آستانۂ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا گیا کہ جب ہر سوء اور برائی کا بدلہ ہی ملے گا تو اللہ تعالیٰ کا قانون مغفرت وعفو کیا ہوا۔ جواب میں سمجھایا گیا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کی دعا واستغفار قبول فرتے ہیں تو اعمال کی جو سزا آخرت میں ہونے والی ہوتی ہے، وہ دنیاوی مصائب کی شکل میں بدل دی جاتی ہے حتیٰ کہ بخار، غم والم، فکر وتردد، سب ہی کے ذریعے سے تخفیفِ سزا کا یہ قانون اس دنیا میں ظاہر رہتا ہے۔ پس مجازات ومکافات کا قانون بھی باقی رہا اور مغفرت بھی ہوجاتی ہے۔ صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ خواب تک کے مصائب کا سبب بھی قانونِ تخفیف وتحویل ہوتا ہے۔ مبارک ہو آپ کو کہ آپ کی اُخروی گرفت نے تخفیف کی شکل اختیار کی، خود اس فقیر کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ سفرِ حج سے جس دن واپس ہوا اس کے دوسرے دن والد مرحوم گھوڑے سے گرے اور اسی میں وفات ہوئی۔ کچھ پھولوں پر کانٹوں کا قیاس صحیح نہیں،

لیکن پھر بھی جن کی زندگی ہم ایمان والوں کے لیے نمونہ ہے، اس کو نمونہ کیوں نہ بنایا جائے۔ بدر کی مہم سر ہوتی ہے، لیکن جب حضور ﷺ میدانِ بدر کی کامیابی سے واپس ہوتے ہیں تو مدینہ کے دروازہ پر ایک جنازہ ملتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کا جنازہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان ہی کی تیمارداری کی وجہ سے بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ یہ دنیا خیر و شر کے ان ہی آثار سے معمور ہے، پوری زندگی پھول اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، مسافر کو سفر جاری رکھنا چاہیے اس وقت تک جب تک "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ" کا مقام سامنے نہ آ جائے۔

بندہ زاد محی الدین سلمہ[2] کی تاریخ رخصتی ۶ رمئی مقرر ہوئی آپ کو بجائے عام کارڈ کے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ اس امیدوار کو بھی سرفراز فرمایا جائے گا۔ فقط

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

---

[1] مکتوب الیہ سفرِ حج سے واپسی کے بعد بیمار ہو گئے تھے۔ اشارہ اسی جانب ہے۔
[2] مولانا گیلانی کے صاحبزادے جو تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے تھے اور ملازمت کے سلسلے میں وہ، اور حیدر آباد (سندھ) میں مقیم رہے۔

(۴)

یکم فروری ۱۹۴۴ء

جدّی امجدی! مدظلّہ العالی   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ آج ہی باعث سرفرازی ہوا، آج ہی جواب اس لیے دے رہا ہوں کہ دماغ کسی دوسرے مسئلے کی طرف اگر متوجہ ہوا تو پھر متوجہ ہی ہو جاتا ہے۔ سب بھول بھکوس جاتا ہوں، شکر ہے کہ ابھی حالت اسی نوبت پر ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ یہی حال طاری ہو جائے:

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم   الّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم

''حدیثِ دوست'' سے بات آگے بڑھ کر کاش صرف دوست کی ''محویت'' میں ڈوب جاؤں ڈوبا دیا جاؤں ایک ہی تمنا اب باقی ہے۔ ورنہ:

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا　　اب وقتِ آخری ہے، دنیا کو خوب دیکھا

مولوی عثمان صاحب کے متعلق جو دریافت فرمایا گیا ہے، سوان کے متعلق مجھے جو کچھ معلوم ہوسکا وہ یہی ہے کہ میرے آنے سے پہلے وہ اورنگ آباد تشریف لے گئے اور وطن سے اپنے بھائی اور اپنے چھوٹے سالے کو اورنگ آباد ہی کچھ تجارت وغیرہ کے لیے بلایا ہے، اس سے زیادہ اب تک کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ مولوی عثمان صاحب حقیقت یہ ہے کہ اپنے جوار کے ایک سرمایہ ناز نوجوان ہیں، لیکن قوم کا عشق ان کو بالآخر قوم والے کے عشق تک کاش لے آتا۔ وہاں سے تو پھر آگے کی راہ صاف ہے۔ ورنہ:

لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہماں نواز
گپ نویسیوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو

کیا عرض کروں کوئی نہیں ملتا جس سے:

سینہ دارم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ درد و اشتیاق

آپ کا حال جو کچھ میں نے سنا تھا اور پھر جو دیکھا تو دل نے مولانا کے ان اشعار کو دہرایا:

موزہ بر بودی و من درہم شدم　　تو غمم بردی و من در غم شدم
شکرِ حق را کاں دعا مردود شد　　من زیاں پنداشتم آں سود شد

سچ فرمایا ہے:

بس دعاہا کاں زیان ست و ہلاک
وز کرم می نشنود یزدان پاک

مبارک ہو وہ دولت جو بہر حال اسی کا نتیجہ ہے:

پردہ ہائے دیدہ را داروئے صبر
ہم بسوزد ہم بسازد، شرح صدر

مناظر احسن گیلانی

بنام

مولانا عبدالباری صاحب ندوی[1]

(۱)

۲۳ مئی ۱۹۲۸ء مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا[2] (سورہ منافقون)

مخدومی و مطاعی! دام مجدکم العالی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ، گھڑیاں گزر رہی ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں زیادہ دن تک ٹھہرا حالانکہ جو بھی ٹھہرا اور جتنے دن تک ٹھہرا، کیا اس ''صورتِ سرمدی'' کے بعد اس کو ٹھہرنا کہہ سکتے ہیں۔

قَالَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ، قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ، قَالَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''(مومنون)[3]

انسان کا تخمینہ ایک دن یا دن کے کچھ حصے کا ہوگا، لیکن دن اور رات بنانے والے نے یومی تشخصات کو حذف کر کے صرف ''اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا'' کے ذریعہ سے واقعہ کا اظہار کیا، پس جو آیا بہت کم دن کے لیے آیا، واقعہ یہی ہے، باقی قلیل علم والا جہول اپنے کو علامہ اور قلیل لبث والا میّت اپنے کو طویل العمر خیال کرے تو اس کا کون سا فعل حمق سے خالی ہے میرے لیے تو آپ کے اس گرامی نامہ میں عجیب لطف تھا، وہی شان ''غمزۂ خاص بہ ہر گبرو مسلماں داری'' کا سامنے آ گیا۔ کہاں مدینہ، کہاں گدیہ[4]۔ گدیہ کی ایک بیمار عورت، لیکن اللہ اکبر اس شان رحمۃ للعالمینی کا کچھ ٹھکانہ ہے۔

مولانا، اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب) کی تفسیر میں ''اولیٰ'' کے معنی ''اقرب'' ہی کے علمائے ثقات نے لیے ہیں۔ قربِ جسمانی یا قربِ مکانی و زمانی کے سوا ایک اور قربِ ایمانی بھی ہے۔ برزخ میں اس قرب کا ظہور ما تقول فی هذا

الرجل ﷺ کے ذریعہ سے ہوگا۔ درود کی کثرت کیجیے، خوب کیجیے۔ ان کے لیے دعا کیجیے، وہ آپ کے لیے کریں گے، اپنے والد صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے، اللہ تعالیٰ ان بیماروں کو اچھا کرے اور اسی سے التجا کی ضرورت ہے۔ استغفار و حوقلہ بہترین اعمال ہیں۔

مناظر احسن گیلانی

---

1. مولانا گیلانی کے قریبی دوست، سابق استاد شعبۂ فلسفہ و شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، علامہ شبلی نعمانیؒ کے شاگرد۔ پیدائش یکم اگست ۱۸۹۰ء ضلع بارہ بنکی، وفات ۲۰ رجنوری ۱۹۷۶ء لکھنؤ۔
2. ترجمہ: اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آجاتی ہے۔
3. ترجمہ: کہا جائے گا تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے؟ وہ کہیں گے ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا کچھ حصہ۔ سو تم گنتی والوں سے پوچھ لو۔ کہا جائے گا: بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھے رہے ہوتے۔
4. گدیہ ضلع بارہ بنکی اس زمانے میں مکتوب الیہ کا وطن مالوف تھا۔
5. مکتوب الیہ کی والدۂ محترمہ کو زیارت نبوی ﷺ ہوئی تھی۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

(۲)

۱۷ ذی الحجہ مطابق ۱۸ جون ۱۹۲۸ء حیدر آباد دکن

حبیب صمیم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کتنے روز ہوئے میں نے لکھا تھا کہ گھر جا رہا ہوں، غالباً ان شاء اللہ نہیں لکھا تھا یا لکھا ہو تو مشیت کا ظہور ہوا کہ اسٹیشن سے سامان واپس ہوا۔ ٹکٹ ٹرافک منیجر کے پاس بھیجا گیا۔ سمی احمد صاحب[1] امید میں سکندر آباد تک چلے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ٹکٹ بھی وقت پر واپس نہ ہو سکا، خیر آخر کٹ گئی، لیکن جس طرح کٹی کاٹنے والا جانتا ہے اور وہ بھی دیکھ رہا تھا جو عزائم کو اس زور و شور کے ساتھ توڑنے پھوڑنے پر آمادہ ہے۔ آہ! میں کیا تھا، کیا ہوں، خیر اگر اتنی اہمیت اس ماء دافق کو دے دی گئی تو وہ کیا کرے۔ بس اب مٹی تھامے حیدر آباد میں پروفیسر مولانا عبدالباری کے آستانے پر ایک پتھر پڑا ہوا ہے۔ اللہ کے لیے اس کے لیے دعا فرمائیے۔ مولانا عبدالماجد صاحب[2] کا حال آپ نے پھر نہیں لکھا۔ ایک لفافہ مرتب کر کے آج میں نے لکھا ہے، بس نہ پوچھیے کہ کیا کیا گزری، کیا گزر رہی ہے۔ اب بھی نہ سمجھوں تو کب سمجھوں گا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ مولانا گیلانی کے ہم وطن اور کالج کے دفتر میں ملازم۔
۲؎ مولانا عبدالماجد دریابادی۔اردو کے معروف ادیب ،صحافی، مفسر قرآن اور انشا پرداز۔ پیدائش:۱۶رمارچ ۱۸۹۲ء۔وفات:۶رجنوری ۱۹۷۷ء

(۳)

یکم جولائی ۱۹۲۸ء
مطابق ۱۱رمحرم الحرام ۱۳۴۷ھ

ذرہ نواز...... دمتم بالعافیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہاں! اَثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (سورۂ توبہ) گردانے لگا۔اپنی حماقت پر اب اس قدر پچھتا رہا ہوں کہ بار بار قبر کا خیال آ رہا ہے کہ کہیں اسی قسم کی طفلانہ ہوسو میں دل کو بہلا بہلا کر آخرت کی جانب سے جو کترا رہا ہوں وہاں بھی ندامت نہ اٹھانی پڑے اور يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ[۱] (سورۂ زمر)

ایسے وقت نہ کہنا پڑے۔ حیث لا ینفع الندم[۲] (الحدیث)

شدید غلطی کا اعتراف ہے اور دنیا میں اجتہاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہابیوں کی طرح مجھے بھی خمیازہ بھگتنا پڑا، جو عدم تقلید کی وجہ سے ان کو بھگتنا پڑے گا۔مولانا عبدالباری کی نہ سن کر احمق مناظر احسن کی جو سنے گا وہ اسی طرح تلملائے گا جیسا کہ اس وقت میں تلملا رہا ہوں۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ[۳] (لقمان)

اللہ کو جو ڈھونڈھتے ہیں ان کو چاہیے کہ منیب الی اللہ کی پیروی کریں اور جو وطن کو ڈھونڈتے ہیں، ان کو چاہیے کہ منیب الی الوطن کا دامن تھامیں، نہ تھامنے کا نتیجہ دیکھ لیا، خوب دیکھا، پھر پایا، توبہ ہے، استغفار ہے، کچھ نہ ہوا، الآن کما کان یہ تو میری خبر ہے، مبارک آپ کو آپ کی پیشن گوئی، اس طرح غلط نہ ہوئی جیسا کہ قادیان کے پیش گوکی ہوتی رہتی تھی، لیکن میرے لیے تو اچھا نہ ہوا، میں نے کرنال والے معاملہ میں سب کچھ کہہ دیا اب تو آپ آ ہی رہے ہیں، خواہ مخواہ کاغذ سیاہ کرنے سے نفع کیا، کیا آم بھی ساتھ لائیے گا۔ ماجد

میاں صاحب کا آپ نے کچھ حال نہیں لکھا ہے۔ میں نے خط لکھا تھا اپنے مجرم کو مخاطب بنانا بھی مناسب خیال نہیں فرماتے۔ اپنے والد صاحب سے سلام فرما دیجیے۔

شروانی صاحب[4] کا معاملہ حد سے گزر گیا، اب وہ خود اور میں بھی مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ کَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ[5] (سورۂ حج)

ہاں ایک شغل جدید شروع کیا ہے آ کر دیکھیے گا۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ترجمہ: افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی۔

[2] ترجمہ: اس وقت ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

[3] ترجمہ: اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو۔

[4] نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، سابق صدر الصدور حیدر آباد دکن۔ پیدائش ۱۸۸۶ء بھیکن پور (علی گڑھ)، وفات اگست ۱۹۵۰ء

[5] ترجمہ: جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ ایک رسّی آسمان تک تان لے پھر سلسلۂ وحی کو کاٹ دے تو غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کرا سکتی ہے؟

(۴)

گیلانی

۱۹ مئی ۱۹۳۱ء میں مطابق یکم محرم ۱۳۵۰ھ

مخدومی و محترمی! زادکم اللہ سعادۃ وحنانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ بڑے انتظار کے بعد ملا اور یہ پہلا احسان نہیں ہے جو ندوہ کے فلسفی درویش کی طرف سے دیوبند کے ایک شقی ملا پر ظاہر ہوا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ خَیْرًا لُجَزَاء

آپ سے کیا عرض کر سکتا ہوں، وہاں مدینہ کی خوشبو کیوں نہ آئے گی جہاں صاحب مدینہ کے عشقِ صادق کا مجسمہ جیتا جاگتا نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ آپ خوش بخت ہیں نفع اٹھائیے، صحبتِ اولیاء کو غنیمت شمار فرمائیے، خاکسار کے لیے تو گیلانی کا خلوت کدہ ہی لکھا گیا

ہے۔

ادھر کچھ اچھا ہوا تھا، مونگیر[1] گیا، تاریکی اور سیاہی تھی، ان مباحث میں جن میں ہندوستان کے شہر مبتلا ہیں، تین دن میں اس کدورت کا ازالہ ہوا، اب بحمد اللہ دل صاف ہے، لیکن جسم پر نزلہ کا پھر حملہ ہوا تھا، آج اس میں بھی افاقہ ہے، غالباً آپ کے ساتھ آپ کی والدۂ محترمہ اور اہلیہ عالیہ بھی ہوں گی۔ سب کی خدمت میں سلام۔ آج کل ہمالیہ تراشی یعنی پرچوں کی جانچ میں مصروف ہوں۔

فقط والسلام
مناظر احسن گیلانی

۱۔ صوبۂ بہار کا تاریخی شہر۔

(۵)

گیلانی
۲۲ر دسمبر ۱۹۳۱ء مطابق ۱۰ر شعبان ۱۳۵۰ھ

اَخُونَا فِی اللّٰہِ وَ رَفِیقُنَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۶ر دسمبر کو گیلانی پہنچ گیا تھا۔ اٹارسی میں ۹ بجے گاڑی خالی ملی، الہ آباد دس بجے کے بعد پہنچا، خوب سیر کی، ڈاکٹر صدیقی صاحب[1] اور آپ کے مولوی علوی صاحب[2] سے ملاقاتیں بھی ہوئیں، دس بجے چوکی آ کر معین الدین صاحب[3] کی رفاقت میں وطن روانہ ہوا۔ جن احتیاطوں کے ساتھ اب کے سفر کر رہا تھا، خیال تھا کہ دورہ نہ پڑے گا، لیکن گیلانی پہنچ کر شدید تو نہیں تاہم خفیف آثار سے گلوخلاصی نہ ہوئی، چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ بیٹھے رہنے میں تکلیف نہیں ہوتی تھی، کل سے بحمد اللہ طبیعت بالکل صاف ہے، افیڈرین خدا کی تائید ہے جس سے مدد ملتی رہی، معلوم نہیں کہ آپ کا کیا حال ہوا۔[4] اب آج کل پرچوں کا ہمالیہ کاٹ رہا ہوں۔

اس دفعہ حیدر آباد سے میری روانگی ایک شدید باطنی کش مکش کے ساتھ ہوئی تھی، جس کا اظہار نہ کسی سے کر سکتا تھا، نہ اب کر سکتا ہوں۔ اسی انقباض کا نتیجہ تھا کہ چلتی ریل میں حاجی معین الدین صاحب کان پوری[5] کے نام عریضہ لکھا، ان کا جواب پرسوں ملا جس سے

بحمداللہ اب طبیعت کو سکون ہے، اب اس قابل ہوا ہوں کہ انفس کی بجائے آفاق پر بھی نظر ڈالوں، سب سے پہلے آپ یاد آئے، عریضہ لکھ رہا ہوں، کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے بھائی صاحب[6] نے ہمارے بعد کیا طرزِ عمل اختیار کیا "اورنگ آباد" گئے یا نہیں اچھو سلمہ[7] نے بھی کچھ نہیں لکھا، اس کی فکر سب سے زیادہ ہے، مجھ بدبخت کی وجہ سے آپ کو بھی ایک آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا ہے۔ اللہ رحم کرنے والا ہے۔ خدا کرے کہ اس کو کسی عملِ خیر کی توفیق ہوئی ہو۔

اپنے اس انقباض کا کیا حال لکھوں، جس کا ذکر اوپر آیا، مجملاً اتنی خبر تو آپ کو بھی دے سکتا ہوں کہ اس مرتبہ رمضان میں یہ عزمِ صمیم تھا کہ اطلاق سے ہٹ کر پھر کسی تقئیدی شکل کے اشغال میں اپنے کو داخل کروں۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب[8] کی ممانعت کے باوجود دل نے یہی فیصلہ کیا تھا، آنے سے تین چار دن پیشتر ایسے شدید باطنی شکنجے میں کسا گیا کہ بلا مبالغہ عرض کر سکتا ہوں کہ زندگی میں یہ تلخی اس سے پہلے کبھی نہیں چکھی تھی۔ "گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل" خدا جانے یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس حال کی خبر خلافِ عادت مولانا محمد حسین صاحب کو کر دی اور ریل میں جب انقباض بہت بڑھا تو حاجی صاحب کو بھی لکھا۔ حضرت کا تو کوئی خط نہیں آیا ہے، لیکن حاجی صاحب کے خط سے بہت کچھ تشفی ہوگئی۔ میرا عزم تقئیدی[9] ٹوٹ گیا، اب میرے لیے اطلاق[10] کے سوا کوئی صورت زندگی کی نہیں ہے، غلط ہو یا صحیح قرآن پاک کے سوا اب اجازت نہیں پاتا کہ کسی اور طرف دیکھوں۔ ان اشغال کے فوائد کا منکر نہیں ہوں، لیکن غالباً اس طرز کا آدمی ہونا میرے لیے مقدر نہیں۔ ایک بڑھیا کے ایمانِ ساذج پر قناعت کرنا پڑے گا۔ شوقِ کرامات، و آیات کشف و اشراقات سے دست بردار ہوتا ہوں۔ ایک نیک غرض ہی کے لیے ان کا شوق تھا، لیکن جس متعدی ایمان کی تلاش میں لازمی ایمان کی حلاوت بھی ہاتھ سے جائے تو اس تلاش سے کنارہ کشی میں عافیت محسوس ہوتی ہے۔ اُف! کیسی سخت سوزش اور تلملاہٹ تھی جس میں ایک ہفتہ سرگرداں رہا، میری روشنی نے مجھ ہی سے منہ چھپا لیا تھا، میری چٹان میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی تھی، میرا "العروۃ الوثقیٰ" میرے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا، تاریکی اور اندھیریاں تھیں، جس میں میرے باطن کے لیے صرف کڑھنا تھا۔

"اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ وَ جَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا" [11] (الانعام)

مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو دیکھ لیا۔ اس تجربے کے بعد میری ساری جرأتوں کا خاتمہ ہوگیا، خدا جانے میں نے کیا لکھا، آپ کے اخلاص وصدق نے مجبور کیا کہ جو کچھ گزری اس کا اجمالی ماجرا عرض کردوں۔ و حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

سیّد محی الدین صاحب سے ریل میں رفاقت کم نصیب ہوئی، وہ سیکنڈ میں تھے اور میں انٹر میں، دس بجے رات سے صبح تک ساتھ رہا، جو سونے کا وقت تھا۔

اب ان شاء اللہ اجتماع ہوگا، مکان کا بندوبست کر چکے ہوں گے۔ بحمداللہ گیلانی کا حال اچھا ہے۔ سب لوگ عافیت سے ہیں۔ برادر مکارم سلمہ [12] آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ رمضان کی رخصت کا مسئلہ اب میرے لیے نظری ہوگیا ہے۔ صرف تجارتی نقطۂ نظر سے اس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔

فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

۱۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، سابق صدر شعبۂ عربی الہ آباد یونیورسٹی۔ پیدائش: ۲۶ر دسمبر ۱۸۸۵ء۔ وفات: ۲۸ر جولائی ۱۹۷۲ء

۲۔ مولوی ضیاء الحسن ندوی علوی سابق انسپکٹر مدارس عربیہ یوپی

۳۔ الحاج مولوی سید معین الدین سابق مددگار ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن

۴۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں دمے کے مرض میں مبتلا رہے، اشارہ اسی جانب ہے۔

۵۔ مولانا گیلانی کے حیدرآبادی رفیق

۶۔ مولانا گیلانی کے رشتے کے بھائی

۷۔ مولانا عبدالباری ندوی کے چھوٹے بھائی محمد شعیب عرف اچھو

۸۔ مولانا گیلانی کے مرشد اور حیدرآباد دکن کے معروف صوفی بزرگ

۹۔ یعنی خود کو پابند کرنے کا عزم۔

۱۰۔ یعنی چھوڑ دینا یا آزاد کرنا۔

۱۱۔ ترجمہ: اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے نہیں پاتا۔

۱۲۔ مولانا گیلانی کے منجھلے بھائی جو آموں کے بڑے شائق اور فن باغبانی کے ماہر تھے۔ انھوں نے ہندوستان

کے کونے کونے سے آم منگوا کر گیلانی میں متعدد باغ لگوائے تھے۔

(۶)

۵؍جنوری ۱۹۳۲ء

مطابق ۲۵؍شعبان ۱۳۵۰ھ

رفیقی الشفیق عافاکم اللّٰہ و شفاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی لفافہ گرامی سے سرفراز ہوا، سخت متردد ہوں کہ دمہ کے سوا اور کس مرض کو آپ نے محسوس کیا۔ دمہ کے دوروں کو دیکھتے دیکھتے اتنا تو عادی ہو چکا ہوں کہ اب اس کی فکر زیادہ ہوتی بھی نہیں۔ برادرم شعیب سلمہٗ [۱] کو حکم دیجیے کہ واپسی ڈاک سے آپ کی خیریت سے مطلع فرمائیں۔ بحمد اللہ برے بھلے حالوں کے ساتھ صیام وقیام اس سال کا اب تک تو چل رہا ہے۔ آپ کے لیے میری تمام دعائیں اور ہر قسم کی دعائیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب [۲] مخدوم سے سلام فرما دیجیے۔ کیا ان کا یہ مشورہ ہے کہ میدانِ جہاد سے ہٹ کر امن کی آبادیوں میں قیام، مسلم زندگی کے لیے بہتر ہے۔ وَ بَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَ السَّيِّئَاتِ [۳] (اعراف)

یہ قانون انسان کے لیے ہے۔ انسان جہاں کہیں بھی ہوگا، اس کے لیے یہ ابتلاء ضروری ہے، ان شاء اللہ یہ امتحان اسی وقت ختم ہوگا جب کہ لوگ اعلان کریں گے کہ فلاں کی زندگی ختم ہوگئی۔ حالاں کہ حیاتِ حقیقی کا آغاز اسی وقت ہوگا۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔

فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولانا عبدالباری ندوی کے چھوٹے بھائی

۲ حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی فرزند اکبر مولانا سید عبدالحی اور سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ پیدائش: یکم دسمبر ۱۸۹۳ء۔ وفات: ۷؍مئی ۱۹۶۱ء

۳؎ ترجمہ: اور ہم انھیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے۔

(۷)

۷؍جنوری ۱۹۳۲ء

مطابق ۲۷؍شعبان ۱۳۵۰ھ

مخدوم ومحترم مدّ مجدہ العالی!......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دمہ، دورہ اور اتنا سخت دورہ، اس پر ٹائیفائڈ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوا، کیوں ہوا، ”لا شفاء الا شفاؤ ك“ ملفوظ نبی ہے، دعا کے سوا وہ اور کیا کرسکتا ہے جس کے ہاتھ میں صرف سوال ہے، معلوم نہیں اب آپ کس حال میں ہیں اور حیدرآباد کب تشریف لے جائیے گا۔ رمضان کو دو دن باقی ہیں ابھی تک معلوم نہیں کہ یہ رمضان کہاں بسر ہوگا۔ آپ حیدرآباد پہنچ کر ضرور گرامی نامہ سے سرفراز فرمائیں۔ ”النصح لکل مسلم“ کے فریضے کو ادا کیجیے گا۔ میرے دل کا عجیب حال ہے۔ قرآن کے سوا اور صحیح آثار کی روشنی کے سوا اور کہیں خنکی میسر نہیں ہوتی، کیا کروں معلوم نہیں دل کا آئندہ کیا حال ہوگا۔

برادرم مکارم سلمہٗ سلام عرض کرتے ہیں، گھر میں بھی سلام کہتی ہیں، محی الدین سلمہٗ اچھا ہے۔ حفظ کر رہا ہے۔

فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

(۸)

۱۴؍جون ۱۹۳۲ء

مطابق ۸؍صفر ۱۳۵۱ھ

سیّدی الرفیق فی الدنیا والآخرہ......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منی آرڈر ٹیلیگرام کے انتظار میں تھا، لیکن شیر کے منہ میں پتھر پھینکا گیا۔ کارڈ ہی سے ماتھا ٹھنکا، ہوش جا چکے تھے، تاہم اپنے کو سنبھالا اور اسی وقت ڈاک خانہ بلٹی کے لیے آدمی کو دوڑایا، وصیت کی کہ اگر مل جائے تو سیدھے موٹر لاری پر شیخ پورہ پہنچ کر نازک بدنانِ لکھنو

سے ملاقی ہو۔ کارروائی وقت پر ہوئی، لیکن جن نیرنگیوں سے دوچار، دوچار مہینوں سے ہو رہا ہوں، انھوں نے یہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا، یعنی ہمارے نمائندے نے آپ کے ایک ٹوکرے کے ساتھ اور بھی آم کے پانچ ٹوکروں کو اپنا خیال کیا اور موٹر وقلی کی مزدوری دے کر بجائے ایک کے چھ ٹوکریاں گیلانی شام کو پہنچیں۔ شام کو غیر کا مال اسٹیشن سے چھ کوس کے فاصلے پر میرے گھر آتا ہے، ابر گھرا ہوا ہے بارش بھی ہو رہی ہے، بجائے لکھنوی ٹوکری کے ساری توجہ ان اجنبی ٹوکریوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ الغرض اسی وقت ایک دوسرے آدمی کے ساتھ ان قلیوں کے سر پر مال واپس کیا گیا، اس کے بعد نمازِ مغرب پڑھ کر دسہری اور سفیدے کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، ان سارے قصوں میں کچھ بھی نہیں تھا بجز اس کے معطی نے چاہا کہ دے دلا کر لے لے۔ چند روپوں کا وارا نیارا ہوا، ہوا جو کچھ ہوا میاں مکارم انتہائی بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ آپ کے آم نوشِ جان کر رہے ہیں اور میرے طنز وطعن کے ساتھ کر رہے ہیں، وہ اس کا کیا جواب دیں گے میں نہیں جانتا۔ اب میں خود اپنے قابو میں نہیں ہوں۔ دوسروں کو کیا کہوں۔ آپ کے خطوط ان کو سنا دیے ہیں۔ صرف یہی کر سکتا تھا وہ کیا۔ آپ کی فراخ دستی پر حسد نہیں غبطہ ہوا، ہاں اس کا رنج آپ سے نہیں، بلکہ درویش نے اپنا قہر اپنے اوپر توڑا کہ میرا کام فراخ دستوں کے بس سے بھی باہر ہو چکا ہے۔ ''اسیر باذل'' کے بذل ونوال کے لیے غالباً ایک دفعہ کی اراقتِ ماء وجہ کافی ہے، اس سے زیادہ پانی اپنے چہرہ میں نہیں پاتا اور اب ''لَاتَ حِيْنَ مَنَاص'' جب آپ سے نہ ہو سکا تو کس سے کچھ ہوگا۔ میں نے آپ کو آپ کے مہاجن ہی کے خیال سے لکھا تھا، لیکن جب آپ کو منظور نہیں تو خیر۔

نوازش علی صاحب[1] سے میری ملاقات ایسی نہیں ہے کہ ان کو براہِ راست لکھوں ورنہ شاید اس کی جرات کرتا اور آپ کو ضمانت میں پیش کرتا۔ آپ میرے لیے میرے نام سے صرف ایک ہفتہ کے لیے ان سے اپنی ضمانت پر دو سو روپے نہیں دلوا سکتے؟ آپ چاہتے تو ہو سکتا تھا اور کاش! اگر میرے حال کا آپ کو واقعی علم ہوتا تو آپ یہ ضرور چاہتے، لیکن غیب کا عالم تو وہی ہے جو غیب کا عالم ہے، اسی نے نہیں چاہا تو کسی سے کیا گلہ۔

باقی آپ نے ترکِ وطن کا جو مشورہ دیا ہے، وقت پر دیا ہے۔ اب ترکِ وطن ہی

نہیں، بہتر ہوتا کہ ترکِ حیات ہی ہو جاتا تو انسب تھا، روحاً، دماغاً، قلباً، عقلاً، جسماً، مالاً، قرابتہً، وحباً، ہر ہی پہلو سے جو جل رہا ہو، دعا کیجیے کہ اب یہ کوئلہ راکھ ہی ہو جائے یہ جاہل کی آرزو ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ عَالِمِہٖ.

آپ مجھے بار بار اپنے خطوط میں عنایت فرمایانِ اودھ ولکھنو کے اشتیاق کا ذکر فرماتے ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ مدظلہا چونکہ مومنات غافلات میں سے ہیں ان کے لیے تو اس اشتیاق کے کچھ معنی ہو سکتے ہیں، لیکن ''ان رِجَالِ حَازِمِیْنَ وَ اُوْلُوا الْاَلْبَابَ'' پر ضرور تعجب ہے کہ جس سے ساری کائنات بیزار ہو چکی ہے حتیٰ کہ جس کی بیوی، بلکہ خود اس کا نفس بیزار ہو چکا ہے، اسے وہ ڈھونڈ ھتے ہیں۔

رفیق کریم! اب کی حضرت مدظلہٗ کے ساتھ جو چند گھنٹے نصیب ہوئے، ان کے بعد سے ساری مالیخولیائی اولوالعزمیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا اور میری زندگی کا مدار صرف ان ہی جھوٹے اداروں اور نا قابلِ عمل عزائم پر تھا اور اب تو کچھ نہیں ہے، اس لیے اب یہ سوال کہ حیدر آباد جاؤ گے یا نہیں پیدا ہی نہیں ہوتا، غالباً حیدر آباد ہی کی نوکری کے لیے پیدا ہوا تھا اور یہی کام کر کے مجھے دنیا سے جانا ہے۔ بڑی عمارت تھی جو یکا یک منہدم ہوئی اور اس طرح ہوئی کہ شاید اس راز کا کسی سے ذکر بھی نہ کروں گا۔ اسی لیے معین الدین صاحب کے مکان کی خبر سے صدمہ ہوا۔ ''داماد'' کا حجرہ کیا مل سکتا ہے؟ اکیلے ہی آیا ہوں، اکیلے ہی جاؤں گا۔

یہی میری تقدیر ہے۔ مولانا سرور صاحب کو میری ابلہی سے نقصان پہنچا، لیکن کس دوست کو نفع پہنچا؟ یہی میرا حال ہے اور شاید یہی رہے گا۔ گیلانی میں قطعاً جی نہیں لگ رہا ہے، لیکن کہاں لگے گا یہ بھی معلوم نہیں شاید اب کہیں نہیں۔ ایک گوشۂ غربت تھا اس سے بھی رخصت ہوتا ہوں شاید اس قریہ سے میری یہ رخصت آخری رخصت ہوگی، کچھ حالات ہی ایسے ہیں۔

آپ کے آم ماشاء اللہ نہایت اچھی حالت میں پہنچے ہیں۔ ابھی ایک آدھ ہفتہ تک وہ ان شاء اللہ آپ کی یاد دلاتے رہیں گے۔ '' فجزاکم اللّٰہ منّا خیرا الجزاء''۔

ڈاکٹر صاحب سے میرا سلام عرض کر دیجیے اور فرمائیے کہ اپنے اوپر دوسروں کو، شیر کو

شیر پر قیاس نہ فرمائیں۔ "کُلٌ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ" (بنی اسرائیل) مولانا مسعود علی صاحب[5] سے بھی سلام و نیاز، ان کے اخلاص کے صلہ میں دعا کرسکتا تھا، لیکن آج کل اس سے بھی محروم ہیں۔

ایڈیٹر سچ[6] نے بھی بالآخر اپنے چھوٹے خادم کو چھوڑ دیا، شاید کوئی وجہ ہوئی اور وجہ تو ایک ہی ہے جس کے لیے بقا ہے۔ مولانا سرور صاحب کو سلام، آپ ہی ان کی مدد فرمائیں، میری مدد ہمیشہ غلط ہوگی۔ ہاں! والدہ صاحبہ مدظلہا کی خدمت گرامی میں میرا مخلصانہ سلام پہنچاتے ہوئے فرمائیے کہ آپ کا عرفانی بیٹا ہوں۔ سب کے لیے جہاں فرماتی ہیں ایک کور بخت کے لیے بھی کچھ عرض کیجیے۔ برادرم شعیب سلمہٗ کو سلام

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی کے برادر نسبتی
[2] شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ پیدائش: ستمبر ۱۸۷۹ء وفات: ۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء
[3] حیدر آباد دکن کے ایک ڈاکٹر
[4] دیوبند کے فاضل ایک نوجوان عالم
[5] سابق مہتمم دارالمصنفین اعظم گڑھ، شاگرد علامہ شبلی نعمانیؒ۔
[6] مولانا عبدالماجد دریابادی

(۹)

۲۲؍اکتوبر ۱۹۳۲ء روز دوشنبہ مطابق ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

لکھنؤ (شبستان سعادت)

سیّدی الکریم عافاکم اللہ و حماکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے پہلے ایک کارڈ بھیج چکا ہوں جس میں اطلاع دے چکا ہوں کہ بالآخر آپ کے مشکوی معلیٰ[1] میں قیام کی اجازت حضرت ڈاکٹر پناہی[2] مدظلہ سے حاصل ہوچکی ہے۔ الحمدللہ کہ اسی دن شام کو شعیب سلمہٗ مجھے اس مکان میں لے آئے جس میں آنے کے بعد بعد صرف جنت جانے کا شوق رہ جاتا ہے ورنہ زمین کے چہرے پر اتنی خوبیوں اور ماحول کی

زیبائیوں کے ساتھ اس سکون اور راحت کی جگہ ملنی دشوار ہے، حالاں کہ مجھے اپنے گیلانی پر ناز تھا، لیکن اس کی فضائیت اور خوشگوار کیفیت کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ حیدرآباد کے پہاڑ اور جنگل، سبزہ زار، گنبد اور تالاب کسی میں اتنا لطف کبھی نہیں ملا جو اس مکان میں پارہا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مدتوں کی ایک آرزو کہ کسی ایسی جگہ جا کر رہوں جہاں۔

ہم نشیں کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

کی کیفیت حاصل ہوتی، لیکن اس چالیس سال میں اس کا موقع میسر نہ آیا۔ آیا تو اب آیا۔ شعیب سلمہٗ تو ڈاکٹر صاحب وغیرہ کے پاس آٹھ نو بجے چلے جاتے ہیں اور بندہ درگارہ ایک خاص قسم کے عالمِ خلوت میں مغربی حصے کے بالا خانے کے اندرونی کمرے اور برساتی کی چھت پر ایک خاص حال میں بسر کرتا ہے۔ بہرحال اگر میں کسی ہسپتال میں دس پندرہ روپے روز دے کر بھی رہتا تو ریسٹ کا یہ مقام ناممکن الحصول تھا۔ بہرحال حق تعالیٰ نے اس عالمِ پریشانی میں ایک خاص جمعیت کی جگہ پہنچایا۔ رہی میری حالت تو آپ کے مکان میں آئے ہوئے تین دن کامل ہو چکے ہیں، آج چوتھا دن ہے اس عرصے میں اورام تو بالکل اتر چکے ہیں، پیشاب کا رنگ صاف ہو گیا ہے لیکن پرہیز کی سختی کی وجہ سے ضعف بے حد ہے۔ پیشاب میں علاوہ البومن تحقیق سے ثابت ہوا کہ کچھ خون بھی آتا ہے۔ آج پھر میڈیکل کالج قارورہ جانچنے کے لیے جانا ہے۔ دیکھیے کیا رپورٹ آتی ہے، مطلع کروں گا۔ پرہیز میں ڈاکٹر صاحب سخت ہیں اور میں بھی ان کا اتباع واطاعت اس حیثیت سے کررہا ہوں جیسے کسی طبیب کی نہیں بلکہ امام کی کرنی چاہیے۔ دوا بھی کچھ دے رہے ہیں، لیکن نہ مغربی ہے نہ مشرقی "لَا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ" (نور) بلکہ کچھ اور ہے۔ آپ کے مکان کا مفصل حال شعیب سلمہٗ لکھیں گے۔ نظر محمد آپ کا نوکر دو دن تو نیم حاضر باش رہا اس کے بعد بخار و درد سر میں اپنے کو مبتلا بتاتا ہے۔ اللہ میاں نے انتظام کردیا ہے۔ ماجد میاں تکو دیکھتا تھا کہ گو وہ محب علیؒ کو دے رہے تھے، لیکن ان کے پروگرام پر اس کا اثر خاص طور سے پڑتا تھا۔ خیر اللہ نے سب انتظام درست کردیا ہے۔ لوگوں کی آمدورفت بند ہے، لیکن کچھ لوگ ٹپک ہی پڑتے ہیں۔ معلوم نہیں والدہ صاحبہ تشریف لے آئیں یا نہیں، سلام و نیاز عرض کرکے دعا کی درخواست خاص طور پر میری طرف سے دیجیے۔ گیلانی کی کوئی خبر اب تک نہیں ہے۔ فَاللّٰہُ

خَیْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ (یوسف) .

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولانا گیلانی بغرض علاج لکھنؤ آئے اور مکتوب الیہ کے مکان میں قیام فرمایا تھا

۲ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳ مولانا عبدالماجد دریابادی

۴ مولانا عبدالماجد دریابادی کا خادمِ خاص

(۱۰)

لکھنؤ ہارڈنگ روڈ، شبستان سعادت

۲۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء مطابق ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

سیّدی وصدیقی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج لکھنؤ پہنچے ہوئے ہم لوگوں کو گیارہ دن ہوئے ہیں، بجز مولوی صفی[۱] کے کاٹنے کے اور کوئی خبر حیدرآباد کی آپ نے پھر نہیں دی، حالاں کہ شعیب سلمہ، اور خاکسار نے متعدد خطوط اس عرصے میں روانہ کیے ہیں۔ ''اسا بش خیر باد'' یہ بھی معلوم نہیں کہ اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟ حاجی صاحب قبلہ نے بھی خبر نہ لی۔ بہر حال وَاللّٰهُ مَعَكُمَا اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِيْنَ ۔جیسا کہ لکھ رہا ہوں، ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج ہوں اور دوا اب تک جاری ہے چوں کہ اختتامِ رخصت کے دن سر پر آ گئے ہیں، اس لیے کل خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو قارورہ کے ساتھ کہلا بھیجا کہ اب آپ کی رائے کیا ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے یہ حکم دیا کہ ابھی میری حالت اطمینان بخش نہیں، البومن ابھی پیشاب میں آ رہا ہے اور گو خون کی کمی ہوگئی ہے تاہم بالکلیہ اس کا بھی ازالہ نہیں ہوا ہے، اس وقت تک زینہ سے اترنے کی اجازت بھی ڈاکٹر نے نہیں دی ہے، ان کا خیال ہے کہ اورام جو اترے ہیں اگر میں دو تین دن بعد سفر کروں گا تو حرکت و جنبش سے پھر سب ابھر آئیں گے اور جو کچھ نفع اب تک ہوا ہے، ضائع ہو جائے گا۔ انھوں نے حتمی فیصلہ کر کے حکم دیا ہے کہ میں اپنی رخصت میں توسیع کروں۔ میں سخت حیص بیص میں ہوں۔ ایک

طرف یہ خیال کہ لڑکوں کی تعلیم اس ٹرم میں کچھ نہیں ہوئی ہے۔ امتحان سر پر آپہنچا ہے، نیز شدید مالی نقصان ہے، دوسری طرف صحت کی حالت خود مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ حیدر آباد پہنچ کر کام کرسکوں گا اور شدید اندیشہ ہے کہ واپسی کے بعد پھر بستر پر گرنا پڑے گا۔ اب سوائے اس کے چارۂ کار کیا ہے کہ معاملات خدا کے سپرد کروں اور متوکلا علی اللہ اپنی رخصت کی توسیع کی درخواست دوں، ورنہ یہ سارا سفر بے کار اور تمام مصارف رائیگاں ہوجائیں گے۔ آئندہ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ سب کچھ سوچ کر آج رخصت کی درخواست آپ کو بھیج رہا ہوں، اگر ۲۶ آذر تک میں نہ پہنچ سکا تو آپ اس درخواست کو صدر صاحب کے پاس بھیج دیجیے۔ میں نے بذریعہ تار اپنے برآورد پر دستخط کرنے کی ان سے استدعا کی ہے جس کی آپ کو خبر ہوئی ہوگی، دیکھیے وہ کیا کرتے ہیں، برادرم سمی احمد سلمہٗ سے مشورہ کرلیجیے اور جو کچھ آپ لوگوں کے نزدیک مناسب معلوم ہو کیجیے میں تو صرف حیرت اور مقام تفویض میں ہوں کہاں بخار اور کہاں البومن، کہاں خون اور کہاں مقدمہ استسقاء اور لکھنؤ کا سفر، کوئی بات جہول کے پروگرام حیات میں نہ تھی، لیکن تقدیر میں سب کچھ لکھا ہوا تھا۔ لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا (توبہ) ایک ایسا عقیدہ ہے جس کا انکار کفر ہے اور اس سے اختلاف انسانی بس سے باہر ہے، روپیہ بھی روز بروز کم ہو رہا ہے، حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا بل بھی باقی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلق تو ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی یہی رائے ہے کہ جو کچھ نقصانات پہنچے ہیں آرسنک کے انجکشن کا نتیجہ ہے، بہر حال اس کی ادائیگی بھی واجب ہے تاہم حکیم صاحب کا بل مقدم ہے اور برادرم فضل اللہ سلمہٗ کے کچھ روپے جس کی تعداد شاید دس سے کم ہو مجھ پر باقی ہیں۔ اگر وہ "نَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَہ" کے بِرّ سے نفع اٹھانا چاہتے ہوں تو بہتر ہے اور حاجی صاحب کے چودہ کلدار باقی ہیں، خیر دیکھیے کیا ہوتا ہے، گیلانی میں اس سال قحط کا سماں ہے اگرچہ مکارم سلمہٗ کچھ نظم کر کے آئے ہیں، لیکن دیکھیے وہ بھی کس حد تک نتیجہ خیز ہوتا ہے اور کیا لکھوں مولانا کے اشعار آج کل وردِ زباں ہیں۔

ہست ہشیاری زیادِ ما مضیٰ
ماضی و مستقبلت پردہ خدا

آتشے برزن بہر دو تا بکے
پُر گرہ باشی ازیں ہر دو چونے
تا گرہ باقی بود ہمراز نیست
ہم نشیں آں لب و ازاز نیست
جستجوئے ما ورائے جستجو
من نمی دانم تو می دانی بگو
حال و قالے از ورائے حال و قال
غوطہ در بحرِ جمال ذوالجلال

آپ کا نوکر نظر محمد بالکل کاہل متکبر اور سرکش ثابت ہوا۔ شعیب صاحب نے آپ کے ایک قدیم ملازم جان محمد کو رکھوا دیا ہے، جہاں تک مجھے تجربہ ہوا، جان محمد بڑا محنتی جفاکش معلوم ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے لکھنؤ میں بڑا آرام ہو رہا ہے۔ محبّ علی کو سوچ کر آیا تھا، لیکن وہ بالکل مروّت کا معاملہ تھا اور دس بارہ دن سے زیادہ اس مروّت کا نباہ بھی مشکل تھا، خداوند تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ابتدا ہی سے اس کی ضرورت نہ ہوئی۔

شروانی صاحب کا گرامی نامہ آیا ہے وہ دکن جا رہے ہیں، میری معیت چاہتے ہیں، لیکن دیکھیے خدا کیا کرتا ہے۔

حاجی صاحب ؐ کو سلام فرما دیجیے گا، افسوس کہ ان کی خدمت کچھ نہ کر سکا معلوم نہیں حاجی صاحب کی کارروائی کا کیا نتیجہ ہوا۔

والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام کے ساتھ دعا کی التجا فرما دیجیے۔ چونکہ ایسی صورت میں میری درخواست اتفاقی رخصت بیماری میں بدل جاتی ہے، اس لیے شاید ڈاکٹری صداقت نامہ کی ضرورت ہوگی، کسی صاحب سے دریافت کر کے لکھیے کہ کیا ڈاکٹر صاحب کی سرٹیفکیٹ بھیج دوں۔

المغرور بالامانی
مناظر احسن گیلانی

۱؎ مولانا صفی الدین سابق ناظر (محتسب) شعبۂ تالیف و ترجمہ نے غالباً مکتوب الیہ کی کسی کتاب پر اعتراض کیا تھا۔ اشارہ اسی جانب ہے۔
۲؎ ایرانی سال کا ایک مہینہ
۳؎ مولانا محمد علی مونگیری کے پوتے اور سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی
۴؎ حیدرآباد دکن کی اصطلاح میں کلدار ہندوستانی انگریزی سکہ تھا
۵؎ مولانا حاجی معین الدین ندوی سابق کیٹلاگر خدا بخش لائبریری پٹنہ

(۱۱)

۲۹ راکتوبر ۱۹۳۲ء مطابق ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

شبستان سعادت، لکھنؤ

سیّدی وصدیقی، عافاکم اللہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۲۵ آذر ہے، حیدرآباد کے پروگرام کے رو سے آج مجھے روانہ ہو جانا چاہیے، لیکن تفصیل لکھ چکا ہوں۔ خدا خدا کر کے کل اور پرسوں آپ کے خطوط مسلسل ملے۔ خیریت معلوم کر کے دل مطمئن ہوا، لیکن کارڈ میں آپ نے لکھا ہے کہ طبیعت زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے، برادرم شعیب سلمہٗ سے معلوم ہوا کہ والدہ مدظلہا کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ کو دورہ پڑ گیا ہے، خدا خیر کرے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، دعا کر رہا ہوں اپنی بیماری کے زمانے میں آپ کی صحت مجھے ذاتی طور پر زیادہ مطلوب ہوتی ہے، میں بتدریج صحت کی طرف ترقی کر رہا ہوں۔ اورام اتر چکے ہیں، لیکن پیشاب کے اجزاء میں ابھی نقائص باقی ہیں، میں نے ۳۰ آذر تک کی درخواست بھیج دی ہے، لیکن لکھ چکا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ ناکافی ہے، آج ایک درخواست ۲۰ دی تک کی لکھ کر پھر بھیجتا ہوں، اس کے لیے شاید ڈاکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت لکھا تھا کہ دریافت فرما کر ارقام فرمائیں۔ بہرحال آپ کی طبیعت تو ناساز ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو ارشاد فرمائیں کہ وہ ان سوالات کے جوابات بہ واپسی ڈاک عطا فرمائیں۔

۱) شروانی صاحب تشریف لے آئے؟
۲) ان سے آپ لوگوں کی ملاقات ہوئی یا نہیں کوئی بات بھی ہوئی یا نہیں؟
۳) مجھے طبی صداقت نامہ کس نوعیت کا بھیجنا چاہیے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی سند کافی ہوگی؟

۴) میری تنخواہ کا انجام کیا ہوا؟

۵) امتحانات میقاتی کے لیے کونسی تاریخ مقرر ہوئی، میں چاہتا ہوں کہ یہیں سے ہر سال کے لیے سوالات بنا کر بھیج دوں؟

خاص کر حاجی صاحب کو فرمائیں کہ وہ اپنی حالت اور جونئی راہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے کھولی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے، ضرور لکھیں۔ نیز نزھۃ الخواطر[۲] کے انڈکس کا کیا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب سے ذکر آیا تھا فرمایا کہ والد صاحب نے ایسے مقامات کا ذکر اپنی جغرافی جلد میں کیا ہے۔ شاید وہ حصہ طبع بھی ہو چکا ہے۔ ضرورت یقیناً اس کی ہوگی ان سے لے کر ان شاء اللہ تعالیٰ بھیج دوں گا ورنہ ساتھ لاؤں گا۔

دو تین دن ہوئے کہ ماجد میاں دریا آباد سے تشریف لائے۔ تین دن رہے، قیام تو خاتون منزل میں تھا، لیکن روزانہ سات آٹھ گھنٹے کے لیے آپ کے درِ دولت میں تشریف لے آتے تھے، لیکن بُعد مسافت کی شکایت کرتے تھے، کل وہ بھی تھے اور خواجہ عزیز الحسن صاحب[۳] خلیفہ حضرت تھانوی اور ان کے ساتھ ایک مجمع نیز مولوی شفیع صاحب فرنگی محلی[۴] بھی آئے تھے۔ دیر تک مجمع رہا عصر اور مغرب کی نماز آپ کی برساتی کی چھت پر باضابطہ اذان کے ساتھ ادا ہوئی، پہلے موذن ''شبستان سعادت'' (یہ مکتوب الیہ کے مکان کا نام ہے) کے حضرت تھانوی کے خلیفہ خواجہ عزیز حسن صاحب تھے۔ کیا اب بھی اس شبستان کی ''سعادت'' میں آپ کو شبہ ہے۔ ماجد میاں اپنے پروگرام سرمائی پر تھانہ بھون دیوبند، سہارن پور جا رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ بعض لوگوں کو آپ کے مکان کے محل وقوع خصوصاً بُعدِ مسافت پر اور بعضوں کو اس کے نقشہ پر کچھ نکتہ چینی کرتے ہوئے پایا، لیکن ان کے نزدیک جو وجوہ شر ہیں، کیا کروں، میرا گھبرایا ہوا دل اس کو خیر خیال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اختیاری خلوت اگر میسر نہ آسکے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کون شکر ادا کرسکتا ہے کہ اضطراری خلوت کے انعام سے سرفراز فرمایا ہے۔ بہرحال میں نے بار بار اپنے احساس کا اظہار اپنے خطوط میں کیا ہے اور اگر آپ بدگمانی سے کام نہ لیں تو میں باور کراتا ہوں کہ ''مدخوش کرنی'' میں یہ اظہار واقعہ داخل نہیں ہے، لیکن آپ اپنی سہولتوں کو پالینے کے بعد پھر اس کی پرواہ

کیوں فرماتے ہیں کہ جھولوں اور ظلوموں کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔

''با خلق مارا کار نیست''

کا اصول اہلِ عقل و دین کا قدیم اصول ہے۔

اور کیا عرض کروں حق تعالیٰ آپ کو بعافیتِ کلی رکھے اور دورہ سے تو ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ہو چکی ہوگی۔ روپیہ کم ہو رہا ہے، تنخواہ کا جو حصہ بھی ہاتھ آجائے۔ حکیم نابینا[1] کے بل کے بعد اگر تار کے ذریعہ ممکن ہو ارسال فرما دیجیے ورنہ ضروریات کی تکمیل میں دشواری ہو جائے گی، یہاں کہیں سے مدائنہ کا سلسلہ بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ گھر بھی بھیجنا ہے۔

شروانی صاحب سے سلام فرما دیجیے، شاید ان کو میرا آخری خط نہیں ملا۔

جان محمد واقعی میری خدمت کر رہا ہے۔ خصوصاً دوا وغیرہ پینے، پلانے میں بڑی مدد مل رہی ہے، بعض اجزاء روزانہ جنگل سے لانا ہوتے ہیں، مثلاً برگ گیندا، ریشہ برگد وغیرہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ ایسے معتوب ملازم کو محض میرے خیال سے آپ نے اگر محبوب نہیں تو کم از کم اس کے رکھنے کو معیوب نہیں قرار دیا، نظر محمد کا حال شعیب سلمہٗ لکھیں گے۔

تاریخ کی ایک خبر نظر سے گزری کہ لکھنؤ کا بانی ''سعادت خاں'' تھا ''شبستان سعادت[2]'' کے ساتھ ایک مناسبت محسوس کر کے دل مسرور ہوا، خیال گزرا کہ ان شاء اللہ اس سعادت کی بنیاد کی تکمیل اگر خدا چاہے تو اس شبستان سے ہو سکے گی۔ برادرم مکارم سلمہٗ ساتھ ہیں، سلام و نیاز عرض کرتے ہیں۔

والدہ صاحبہ مدظلہا اور اہل بیت پر رحمۃ اللہ علیکم و برکاتہٗ فرما دیجیے۔ عزیزان سعدیہ و مبین سلمہا کو دعا...... صبیحہ کو پیار۔

نیاز کیش

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ایرانی فصلی شمسی سال کا ایک مہینہ، نومبر کے مقابل

[2] مولانا حکیم سید عبدالحی سابق ناظم دار العلوم ندوۃ العلما کی مشہور عربی کتاب جو آٹھ جلدوں اور برصغیر کے تقریباً پانچ ہزار شخصیات کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس عظیم کتاب کی اولین اشاعت دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے

مولانا گیلانی ہی کی کوششوں سے ممکن ہوسکی۔

۳ خواجہ عزیز الحسن غوری، خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ، مصنف 'اشرف السوانح'، وفات: ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء۔

۴ سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۵ مولانا گیلانی کا یہ خاص مزاجی رنگ تھا کہ کسی چھوٹے بڑے حتیٰ کہ اپنے خدمتگار تک کی ناراضی و ناخوشی گوارا نہ فرما سکتے تھے۔ وہ ہر کہ و مہ کو ہر وقت خوش ہی رکھنا چاہتے تھے۔ مکتوب الیہ نے اسی وصف کی بنا پر انھیں خطاب 'خوش کرنی' دے رکھا تھا جس سے وہ خود بھی بہت محظوظ ہوتے تھے۔

۶ حکیم عبدالوہاب نابینا، معروف طبیب۔

۷ مکتوب الیہ کے مکان کا یہ تاریخی نام مولانا گیلانی ہی نے رکھا تھا۔

(۱۲)

۱۷ر نومبر ۱۹۳۲ء مطابق ۱۷ر رجب ۱۳۵۱ھ

لکھنؤ، ''شبستان سعادت''

سیّدی المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بیمہ کے لفافہ کے بعد آپ کا دوسرا کارڈ بھی ملا، افسوس ہوا کہ آپ پر دمہ نے پلٹ کر پھر حملہ کر دیا۔ دوا اس سے پیشتر جا چکی تھی جو ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچ چکی ہوگی۔ اپنا حال کیا عرض کروں میں نے تو خیال کیا ہے کہ بہرحال ۲۳ر ''دے'' تک حیدرآباد کسی طرح پہنچ جاؤں اور اسی لحاظ سے رخصت لی تھی، لیکن ڈاکٹر صاحب کو اجازت دینے میں زیادہ جری نہیں پا رہا ہوں، البومن کا امتحان ۴ر کے بعد پھر نہیں ہوا ہے، عام حالت کچھ ایسی بری نہیں معلوم ہوتی ہے، تاہم نقاہت، ضعف از حد گزشتہ ہے، غالباً اس کی وجہ خوراک کی کمی ہے۔ یہ جو کھانا مجھے مل رہا ہے، اس سے نہ نفس کو مسرت ہوتی ہے اور نہ اطمینان، پھر وہ فربہ ہو تو کیوں کر ہو۔ بطور دوا کے دودھ کو اٹھا کر اور چند توس جس کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہوتی پی جاتا ہوں۔ خیر دیکھیے آئندہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو اپنے دستخط کے پرچے بھیج دیے ہیں۔ اطلاع دیتا جاؤں گا جو حالات سامنے آئیں گے۔ امتحانی سوالات کے داخلہ کی تاریخ گزر چکی ہے، معلوم نہیں جو پرچے بنا کر میں نے بھیجے تھے اس کا انجام کیا ہوا۔

چیک پر دستخط کر کے بھیج رہا ہوں روپیہ وصول کر لیجیے اس وقت مجھے بحمد اللہ مزید روپیہ کی حاجت نہیں، حق تعالیٰ نے آپ کو مہربان کر دیا اور موجودہ مشکلات حل ہوگئیں ہیں

ان شاء اللہ تعالیٰ اسی میں بہ آسانی حیدرآباد تک پہنچ جاؤں گا۔

آپ نے لکھنؤ کے متعلق جن انتظامات کی ہدایت برادرم شعیب سلمہ کو کی ہے وہی اس کا جواب دیں گے۔ ان کی ایک رائے جو تھی وہ لکھ چکا ہوں۔

مختصر گیر و کار آسان کن

اور سب کو سلام فرما دیجیے، امجد صاحب[1] نے اس فقیر کی کٹیا کو مجد کیا، میری طرف سے شکریہ اور بہت شکریہ ادا کر دیجیے۔

حاجی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ ان کو دینیات کے نصاب کی تیاری کے لیے نمونہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا ہے، یہ مسئلہ میری دلچسپی کا تھا، کاش موجود ہوتا، بہرحال وہاں موجود نہیں ہوں میری رائے ہمیشہ سے اسکولی دینیات کے نصاب کے متعلق یہ تھی۔

(۱) فاتحہ سے الم ترکیف یا والضحیٰ تک ترجمہ پارہ بصورت تحلیل الفاظ و معنی۔

(۲) تسبیح و تحیات و صلوٰۃ وغیرہ کا ترجمہ۔

(۳) ادعیہ، قنوت و جنازہ و اذان و بعد الصلوٰۃ

(۴) آیات عقائد باللہ و الملائکہ و الرسل و التقدیر و البعث بعد الموت مع ترجمہ۔

(۵) نماز، روزہ، زکوٰۃ، اضحیہ، ذبائح، کتاب الکراہتہ و کتاب النکاح، طلاق و رضاعت کے مسائل فقہیہ مختصر قواعد کے پیرایہ میں۔

(۶) دو تین اسباق یا اوراق میں حضور ﷺ کی زندگی اور چند سطروں میں انبیاء سابقین کے اسماء و حالات۔

(۷) خلفائے راشدین کے لیے ایک ایک صفحہ

(۸) ائمہ اربعہ کے لیے ایک ایک صفحہ

(۹) سلاسل اربعہ صوفیہ کے بزرگوں کے لیے ایک صفحہ

(۱۰) زمانہ نصاب میں صرف نماز، روزہ کے متعلق ان کے مخصوص مسائل اور کچھ ادعیۂ ماثورہ متعلقہ طفلان وغیرہ۔

(۱۱) اور خلفائے راشدین و ائمہ صوفیہ کی جگہ امہات المومنین کے حالات و زندگی۔

مڈل اور میٹرک تک اسی نصاب کو تقسیم کر کے رکھ دینا چاہیے۔ حاجی صاحب سے یہی

میری رائے عرض کردیجیے اور آپ بھی غور کر لیجیے، ممکن ہے کہ میں اپنی تجویز کی تصویر پوری نہ اتار سکا ہوں، افسوس ہے کہ اس کے متعلق جو میرے پاس یادداشتیں تھیں وہ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ شاید اس میں کوئی اور جزء بھی ہو۔ آپ کے ایک گزشتہ مکتوب سے معلوم ہوا تھا کہ عربی میں ابتدائی تعلیم کی بھی سفارش منظور ہوگئی ہے اگر ایسا ہوا ہے تو اس سلسلہ میں بھی جو میری رائے ہے عرض کیے دیتا ہوں۔

میں چاہتا ہوں کہ چند اسباق اسی کتاب میں عربی کے متعلق اسی طور سے دیے جائیں:

۱......حروف مثلاً جار وغیرہ۔ روابط۔

۲......حروف مشبہ بالفعل

۳......افعال ناقصہ

۴......اسماء الافعال

۵......ضمائر

۶......اسماء اشارہ

۷......اسماء موصول

اس کے لیے کتاب الصرف امرتسری ؒ کے آخر میں ایک باب بہت مفید لگا ہوا ہے اگر اتنی چیزیں ہی لڑکے یاد کرلیں گے تو قرآن کے ترجمہ میں ان کو کوئی دقت نہ ہوگی کہ اردو میں عربی زبان کے اسماء زیادہ، افعال ان سے کم اور حروف یا ملحق بالحروف یہی چیزیں بہت کم ہیں۔

گنجائش ہو تو اسم فاعل، مفعول، آلہ، ظرف، تفضیل، مبالغہ، صفت مشبّہ کے اوزان۔ اگر اس سے زیادہ گنجائش ہو تو افعال کے ابواب مزید و مجرد کے سادہ اوزان بھی دے دیے جائیں۔ اگر اتنا ہوگیا تو پھر ان شاء اللہ عربیت میں راہ مل جائے گی، نحو کے مسائل کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ قرآن خود ہی مُشکل ہے اور اگر زیادہ ضرورت محسوس کی جائے تو مرفوعات و منصوبات و مجرورات کی ایک ہلکی سی فہرست دے دی جائے۔ مبنیات غیر متبدل ہی ہیں۔ غیر منصرف میں چنداں تبدیلی نہیں، اسماء ستہ مکبرہ وغیرہ نوادر ہیں، جن کے الفاظ بھی محدود اور استعمال بھی کم۔ جن کا زیادہ ہے تو کثرت تعداد کی وجہ سے آدمی اس

سے آشنا ہو جاتا ہے۔ بہرحال اگر دینیات کو اسکولوں میں صرف ہفتے کے اندر دو ہی گھنٹے دیئے جائیں تو میٹرک تک بآسانی یہ نصاب ختم کرایا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ اس وقت حیدر آباد میں میں موجود نہیں ہوں، لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی مضبوطی اور حاکم طبیعت فیصلہ میں آسانی پیدا کر دے گی۔

والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام - امجد صاحب و حاجی صاحب کو سلام - بچوں کو دعا - بچیوں کی ماں کو سلام۔

نیاز کیش

مناظر احسن گیلانی

۱۔ حیدرآباد دکن کے معروف شاعر امجد حیدرآبادی (پیدائش ۱۸۸۸ء، وفات ۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء) جو رباعیات کے فن کے ماہر تھے۔

۲۔ فن ۔۔۔ف میں مولانا عبدالرحمن امرتسری کی معروف کتاب۔

(۱۳)

۲۰ رمضان ۱۳۵۲ھ (مطابق، ۱۷ جنوری ۱۹۳۴ء)

گیلانی

سیدی الرفیق! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا عریضہ نیاز مل گیا ہوگا جواب پانے سے پہلے یہ دوسرا خط پھر بھیجتا ہوں، شدید انتظار کے بعد خدا خدا کر کے پرسوں ڈاکٹر صاحب کا گرامی نامہ ملا، امید کی تھی، لیکن اس میں میری رپورٹ مرسلہ کو مجروح قرار دیا گیا۔ شاید کمپاؤنڈر کے فسق کی وجہ سے ورنہ فنی طور پر ان پر ہر طرح سے اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال غالباً کے لفظ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ جو روحانی منافع کا باعث ہے، غالباً جسمانی منافع بھی رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں پر حجت پوری نہ ہو سکی۔ گو مجھ پر حجت تمام تھی لیکن ایسے لوگوں میں ہوں کہ سب کے سب روزے کی مخالفت کرتے ہیں۔ اتفاق یہ ہوتا ہے کہ اسی ہفتہ میں

میں مبتلا تھا کہ یکا یک کل میاں ہاشم سلمہ[1] کا کارڈ آیا ہے۔ جو ملفوف ہے، اس خط نے اور بھی متردد کر دیا ہے۔ مولوی فضل بچارے نے براہ راست بھی خط لکھ کر اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دی تھی، جواب بھی دے دیا تھا کہ اس خط کے بعد پریشان ہو گیا ہوں صرف یہی نہیں کہ میں کہاں جا کر ٹھہروں، بلکہ اپنے سے زیادہ آپ کی فکر ہے، جس وقت سے خط ملا ہے سوچ رہا ہوں کسی آدمی کا خیال نہیں آتا۔ اب دن ہی کتنے باقی ہیں کہ خط و کتابت کروں۔ آپ کو مطلع کر دیتا ہوں۔ بتائیں کیا کیا جائے۔ میری رائے تو اس خط کے بعد سفر ہی کے معاملہ میں کچھ مذبذب سی ہو رہی ہے۔ خصوصاً البومن کی زیادتی۔ نے ڈرا دیا ہے۔ پھر پرہیزی کھانے پینے کی تکلیف کا الگ خیال آتا ہے۔ کام کا بھی ہجوم ہوگا کیونکہ گو گیلانی پہنچ کر اور حالات کے لحاظ سے میں نے صحت میں کافی ترقی کی ہے، لیکن ابھی دو تین گھنٹے اپنے اندر مسلسل کام کی صلاحیت بھی نہیں پاتا ہوں۔ خیال تھا کہ مولوی فضل کے پاس رہنے سے کھانے کا انتظام اچھا ہوگا، لیکن اب اس کی بھی امید نہیں۔

اگر افلاس اور قرض کا خیال نہ ہوتا تو واقعتاً میں اس وقت چند مہینے اور رک جاتا، لیکن اس کا علاج کیا کروں، کشمکش ہے اور سخت ہے، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ آپ کے جواب کا انتظار کرتا ہوں۔ ہاشم کا خط اور البومن کی آخری رپورٹ اسی لفافہ میں ملفوف ہے۔ آپ کی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو یا شعیب سلمہٗ کی معرفت اس کو ڈاکٹر صاحب کے پاس بھیج دیجیے۔

میاں مکارم سلمہٗ بہار گئے ہوئے ہیں۔ شعیب سلمہٗ اور والدہ مدظلہا کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ صبیحہ، سعدیہ، مبین سلمہم[2] کو دعا، اہلیہ صائمہ کو سلام۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ سابق ناظم دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن

۲؎ صبیحہ مکتوب الیہ کی بڑی لڑکی، سعدیہ مکتوب الیہ کے مرحوم بھائی کی لڑکی اور مبین مرحومہ بہن کا لڑکا۔

(۱۴)

۷؍جون ۱۹۳۳ء مطابق ۱۱صفر ۱۳۵۲ھ

حبی الکریم!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

او بصحرا رفت، و من در کوچہا رسوا شدیم

آپ کو نمازوں کی لذت اور اس کے فتوحات مبارک اور ع

وَلِلعَاشِق المَسکین مَا یَتَجَرّع

سخت بے کیف زندگی کا وہ حصہ ہے جو ادھر چند دنوں گزرا۔ کیلا، روٹی لے کر اب کے گھر آیا تھا، خوش تھا کہ مدتوں کے بعد اچھی سانس اور خاصی بھوک نصیب ہوئی ہے، لکھا تھا کہ گھر تک پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ مکارم سلمہ بیمار ہیں، ان کی بیماری کا سلسلہ طویل ہوا، اپریل اور مئی کے دو ہفتے تقریباً اسی تردد میں گزرے بیمار کو تیماردار بننا پڑا، ان بے ہنگم گوشوں کی تصویر اتاری جو ان دنوں مجھ سے بحالت اضطراری ہو رہی تھی،

حکیموں اور ڈاکٹروں نے بھی نوازا اور خوب نوازا بحمد اللہ اب وہ ادھر اچھے ہیں۔

دوسری چیز تو صرف کرامت ہے، حضرت مولانا حسین احمد صاحب ۱؎ قبلہ

نے راستہ میں مشورہ دیا اور میں نے اسے مشورہ ہی سمجھا کہ تم میرے ساتھ مونگیر چلو پٹنہ میں مولانا سجادؒ نے بھی رات کو ساتھ ہوئے ان کا بھی یہی اصرار تھا۔ مجھے یہ دغدغہ تھا کہ امتحانی پرچوں کے متعلق لکھ آیا ہوں کہ گیلانی بھیج دیے جائیں اور وقت کافی گزر چکا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ واپس ہو کر میری پریشانی کا باعث ہوں، اس لیے کیول اسٹیشن پر پہنچ کر حضرت سے عرض کیا کہ صرف ایک ٹرین سے اگر اجازت ہو تو ڈاک خانہ میں اپنے پرچوں کا حال دریافت کرآتا ہوں اس کے بعد واپس ہو کر دوسرے دن مونگیر حاضر ہو جاؤں گا۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ حضرت نے ''حکم'' دیا تھا پس اس حکم کو توڑا، اگرچہ بظاہر اجازت سے توڑا، شاید دل کی رضامندی ساتھ نہ تھی، گھر پہنچ کر مکارم کو ادھر بیمار پایا۔ ڈاک خانہ سے خبر آئی کہ بجز ایک پارسل کے اور کوئی پارسل اب تک وصول نہیں ہوا ہے۔ حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ۸ر خورداد ؁ کو میٹرک کا امتحان ہوا تھا، میں گھر غالباً ۲۴ر خورداد کے بعد پہنچا تھا پرچوں کا نہ ملنا میرے لیے معمہ تھا، بہرحال زیادہ تر مکارم سلمہٗ کی تنہائی اور بیماری کی وجہ سے پھر مونگیر کی واپسی ممکن نہ ہوئی۔

اب پرچوں کی داستان سنیے: خورداد پورا گزر گیا اور پرچے ندارد، بالآخر رجسٹرار کو تار دیا، خطوط لکھے، انھوں نے تمام سینٹروں کو مطلع کیا، تقریباً آخر میں خدا جانے کہاں کہاں کی ٹکریں کھا کر ورنگل، اورنگ آباد، گلبرگہ شریف کے پرچے مجھے ملے ہیں۔ وہ حیدرآباد آکے، حیدرآباد سے مرکزوں کو واپس ہوئے، پھر آئے، پھر گئے، اس کے بعد دوبارہ ان پر لفافے لگا کر اب گیلانی پہنچے، تاریخ ارسال نتائج کی گزر چکی تھی، تاہم اب ان سے فرصت ملی ہے۔ دیکھیے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ تاخیر کے اسباب اب تک متعین نہیں ہیں۔ میں تو اسے صرف حضرت کا ایک تصرّف خیال کر رہا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا اور صرف حیدرآباد ہی کے نہیں، بلکہ مسلم یونیورسٹی کے میٹرک کا بھی ایک پرچہ اس سال میرے متعلق تھا حالانکہ سوالات جس وقت میں نے بھیجے تھے اس وقت لکھ دیا تھا کہ ۲۰ر اپریل کے بعد میں گیلانی میں رہوں گا، لیکن دفتر مسجل کی آنکھوں پر غشاوہ اوڑھایا گیا اور اس نے ریلوے پارسل کے ذریعہ سے حیدرآباد بھیج دیا۔ حیدرآباد ہو کر اس کی بلٹی مجھے یکم مئی کو گیلانی میں ملتی ہے، حیران ہو گیا کہ ریلوے پارسل توری ڈائرکٹ بھی نہیں ہو سکتا۔ بے

چارے عبدالقدوس کو تین روپے کا تار دیا کہ چھڑا کر بذریعہ ڈاک بھیج دو۔ بمشکل ۱۰ رمئی تک یہ کارروائی پندرہ روپے مصارف کے بعد انجام پائی اور وہ بھی آخری تاریخ ارسالِ نتائج کی تھی، کن کن دقتوں سے دو تین دن میں اس کام کو انجام دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد صحت نے پھر ساتھ چھوڑا، دمہ شروع ہوا اور اتنا مسلسل کہ شاید ایک مہینہ سے زائد دن ہوئے ہیں کہ اس کا کم وبیش اثر اب تک جاری ہے۔ بیچ بیچ میں بہت تیزی ہوگئی تھی، تاہم سرد چیزوں کے استعمال سے پھر گونہ سکون پا رہا ہوں۔ اتنا سکون کہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک لطیفہ یہ ہوا کہ ہمارے ایک عزیز اینٹ بنوار ہے تھے مجھے بھی اپنے مکان کے کچھ تکملہ کے لیے اینٹوں کی ضرورت تھی، ان ہی کے ساتھ شریک ہوگیا تھا۔

خدا جانے اودھ کا کیا حال ہے، بہار میں تو جب سے آیا ہوں مسلسل بارش کا سلسلہ جاری ہے۔ اپریل اور مئی گویا برسات کے مہینے ہوگئے، اس کا نتیجہ اور کچھ ہوا یا نہیں، لیکن کچی اینٹوں کی تھاک مسلسل گلتی رہی اور خوب گلی، وہ اینٹ کیا گلی، روپے گلے تاہم خرابی بسیار کے بعد اب بھٹہ لگ گیا ہے۔ یہ ہے تفصیل اس داستان کی جس کی خبر زندگی کی خبر کے بعد دے رہا ہوں۔

وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الحدید)

کے سوا اس زندگی کو اور کیا سمجھوں اب دشواری یہ ہے کہ روپے جو ساتھ لایا تھا کچھ تو ڈاکٹر صاحب وحکیم صاحب لے گئے، کچھ کھایا گیا، کچھ اینٹ کی نذر ہوئے۔ ہمیشہ دستور تھا کہ آخری تعطیل میں مجھے امتحانات کی رقم شیخ امام صاحب کی مہربانی سے مل جاتی تھی، لیکن اس سال میرے معاملات ایسے الجھے ہوئے ہیں کہ اب حیدرآباد پہنچنے سے پیشتر اس رقم کی امید موہوم ہے۔ علی گڑھ والے بھی ایسے فیاض نہیں ہیں، حیدرآباد اور علی گڑھ وغیرہ کی رقم ملا کر تقریباً چار سو کلدار کی توقع تو ہوگئی ہے، لیکن ان سماوی وارضی وکرامتی تصرفات کا کیا کروں۔ آپ بھی تنگدست ہوچکے ہیں، بالکل متحیر ہوں کہ کدھر رخ کروں، آج دس روپے کا آخری نوٹ رہ گیا ہے، اِدھر اُدھر لکھتا ہوں دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ آپ بھی خیال میں رکھیے خود تو کیا دے سکتے ہیں، لیکن اگر کسی ذریعہ سے دو سو روپے بندوبست کر سکتے ہوں تو بذریعہ تار منی آرڈر کے بھیج دیجیے گا، تنخواہ پر نہیں بلکہ معاوضہ کی رقم پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ

خطرہ کہ کب تک حیدرآباد واپس ہوتا ہوں، اس میں نہیں ہے۔ سرد دوائیں جب سے استعمال کر رہا ہوں دمہ میں کمی ہے، لیکن ازالہ نہیں ہوا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ واپسی غالباً لکھؤ سے ہوگی۔ آم کا کیا حال ہے، ادھر تو قحط ہے اودھ میں تو بڑا زور تھا۔ سُتلی جاتی تو اس کے عوض میں آم آتا، مکارم بے چارہ تو ایسا مجہول الحال ہوگیا ہے کہ اب تک اس سے نہ بن پڑا۔ اسٹیشن کی دوری کو بھی اس میں دخل ہے، ستلی کی قیمت آج کل ۵ سیرفی روپیہ ہے اب آپ نے ممانعت کردی ہے، لیکن کیا ضرور ہے، کہ اب نہ جائے، میں پھر بھی بھجوانے کی کوشش میں لگا رہوں گا۔

حضرت الغازی السالار[6] رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت گرامی میں سلام فرما دیجیے۔ شاید ثم اقدام کی سعادت نصیب ہو، ڈاکٹر صاحب سے سلام فرما دیجیے۔ دعا کا طالب ہوں، برادرم شعیب سلمہ، کو سلام و دعا، صبیحہ سلمہا کا حال نہیں لکھا، مولانا سرور صاحب شاید تعطیلوں میں لکھؤ آئے ہیں اگر میں یاد ہوں تو کہہ دیجیے گا ایک بدبخت دہقانی کا سلام ولقاء قبول فرمائیں۔ حضرت والدہ قبلہ مدظلہا کی خدمت میں سلام عرض کردیجیے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

[2] مولانا ابوالمحاسن سجاد، بانی وامیر اوّل امارت شرعیہ بہار واڑیسہ۔ پیدائش ۱۳۰۱ھ۔ وفات: نومبر ۱۹۴۰ء

[3] حیدرآباد دکن میں رائج فصلی ایرانی سال کا ایک مہینہ

[4] ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں، بجز ایک دھوکے کے سودے کے۔

[5] عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ امتحانات کے نگران۔

[6] یعنی مولانا مسعود علی ندوی، تلمیذ علامہ شبلی نعمانی اور سابق مہتمم دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ وفات: ۱۷راگست ۱۹۶۷ء

(۱۵)

۲۸راپریل ۱۹۳۴ء مطابق ۲۱محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

رفیق الکریم!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۹راپریل کو آپ سے رخصت ہونے والا مسافر آج پورے دس دن پر اس عریضہ

کے ارسال کی توفیق پا رہا ہے میں نے اپنے غیر مطمئن وطن پہنچنے کی خبر ریلوے کارڈ سے دی تھی جو برادرم شعیب سلمہٗ کے نام لکھا تھا، اس کے بعد کیا عرض کروں کہ کیا گزری، بہار کے علاقہ میں داخل تو رات میں ہوا، لیکن صبح کیول میں ہوئی، اس کے بعد میں تھا میری دونوں آنکھیں تھیں اور ریل کے دونوں طرف کے درختانِ انبہ تھے۔ مایوسی اور کیسی مایوسی، بقول میاں مکارم کے اہانت کی حد تک واقعات جا پہنچے تھے۔ ڈر کے مارے آم کی خیریت کسی سے نہیں پوچھتا تھا، خدا جانے کیا خبر دے گا، لیکن بتدریج خود مجھ پر یہ حقیقت واضح ہونے لگی کہ اس سال بہار نے نامرادی اور بے ثمری میں بھی زلزلہ[1] سے کم تماشا نہیں پیش کیا۔ صرف ہرے ہرے پتوں سے لدے درخت سڑک کے دونوں جانب تھے، لیکن ان کی شاخوں میں اس کا بھی اثر نہ تھا کہ ان میں کبھی بور بھی آئے تھے، گویا اسوک یا مولسری کے درخت تھے۔ خدا خدا کر کے گیلانی میں داخلہ ہوا غلط خیال تھا کہ سارے صوبہ کے مقابلے میں شاید کسی کو مستثنیٰ کیا گیا ہو۔ تخمی اور قلمی ہر قسم کے درخت پھلوں سے معرّیٰ تھے۔ دل تھام کر بیٹھ گیا۔ ہر شاخ کے نیچے آپ نظر آتے تھے۔ آپ کی چار پائی اور لنگڑے کے لٹکے ہوئے پھل، لیکن تصور تصدیق سے بیگانہ تھا، جی میں آیا کہ آپ کو اس حادثہ کی خبر نہ دوں، شاید گیلانی کو دھوکہ میں شرفِ قدوم کی سعادت میسر آجائے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر غلط بیانی کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو ایسا کر گزرتا۔ خدا جانے اب آپ کے بہار کے ارادہ پر کیا گزرتی ہے[2]۔ بمشکل چند درختوں میں چند پھل پتوں کے اندر دبے چھپے نظر آتے ہیں۔ اس پر آندھی کی یہ حالت ہے کہ ٹٹول ٹٹول کر انھیں بھی ختم کر رہی ہے۔

میں یہ خط دوسرے تیسرے دن آپ کو لکھتا، لیکن اس عرصے میں یکا یک مجھے قریب کے دیہاتوں میں جانا ہوا۔ بد پرہیزیاں ہوئیں اور ایک شدید دورہ دمہ کا آدھمکا، چار دن تک اس میں پریشان رہا۔ میں نے تاڑ کے نیرے کو بھی استعمال کیا، لیکن یہ دورہ اسی کے بعد پڑا، دل چھوٹ گیا، چھوڑ دیا، بحمد اللہ آج سے طبیعت کچھ اچھی ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی مع الخیر ہوں گے۔ اعظم گڑھ کے متعلق کیا ہوا۔ حضرت غازی تو جا چکے ہوں گے۔ ہوں تو سلام فرما دیجیے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت والا میں بھی سلام عرض کر دیجیے، اگر ملاقات ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ نے تعمیر مسجد کے خیال کو اور پختہ کر لیا ہوگا، خدا کرے کہ وہ زمین آپ

کومل جائے، میرے دل کو لگ گئی ہے، والدہ صاحبہ قبلہ کی خدمت میں سلام فرما دیجیے برادم شعیب صاحب کو میری طرف سے بہت بہت دعا کہ ہر دفعہ ان کو میری وجہ سے خاصی کلفت اٹھانی پڑتی ہے۔ البتہ کنجی جس میں طالب علم کا سب سرمایہ تھا اس نے میری بہت سی ضرورتوں کو مقفل کر دیا ہے۔ تالا تو کھولا گیا ہے، لیکن جب دانت میں کوئی چیز پھنستی ہے تو کنجی یاد آئی ہے، کان کھجاتے ہیں تو کنجی یاد آتی ہے، چاقو کی ضرورت ہوتی ہے تو کنجی یاد آتی ہے۔

سنا! وہ مگھئی پان جس کے ساتھ جناب نے نیا نیا عشق فرمایا، اس موسمِ گرما میں خدا جانے کیوں آٹھ آنے ڈھولی ہو گیا۔ آم سے خربوزوں کا تبادلہ تو ممکن نہ ہوا پھر کیا پان سے بیوپار کرنے کے لیے تیار ہیں؟ ان شاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے آپ کے پاس ایک ٹوکرا پان کا تو پہنچ ہی جائے گا۔

محی الدین سلمہا اچھا ہے آداب عرض کرتا ہے۔

فقط والسلام
مناظر احسن گیلانی

۱۔ بہار کا قیامت خیز زلزلہ جو جنوری ۱۹۳۴ء میں آیا تھا۔
۲۔ مکتوب الیہ نے آموں کے موسم میں گیلانی آمد کا ارادہ کیا تھا، اشارہ اسی جانب ہے۔

(۱۶)

۲۴ر مئی ۱۹۳۴ء مطابق ۷ صفر ۱۳۵۳ھ
محراب الہدایت والارشاد گیلانی

رفیق الکریم! ومتم بالسعادۃ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً گاؤں کے تمام شرفاء اور اپنے تابعین (مسلمین وکافرین) کی طرف سے اس لذت بخشی کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں کہ صحرا میں بھی کسی نگاہِ کرم نے وہ چیز پہنچا دی جس سے اکثر لوگ محروم تھے۔ شاید ۶۳ دانے سفیدے کے نہایت عمدہ حالت میں گیلانی پہنچ گئے۔

فَالشُّکر لِمُنْعِمِہٖ وَمُرسَلِہٖ وَ لِنَاظِمِہٖ وَلِلَّذِین سَعَوا فِی ھٰذَا الْخَیرِ بِاِحْسَان

برادرم شعیب سلّمہٗ کو مبارک باد عرض کرتا ہوں کہ خوش نیتی سامنے آئی اور نہایت اچھی حالت میں آپ کے حسنِ تدبیر سے خربوزے گیلانی بروز اتوار پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے لانے والے نے برف بھی خرید لیا، لطف دوبالا ہو گیا۔ بے چارہ مکارم جس کا نام "ستلی فراموش" اب میں نے رکھ دیا ہے سخت نادم ہے اور اب ندامت بیکار ہے کہ دام ہی چڑھ گیا ہے۔ دوشنبہ کو بلٹی اس وقت ملی جس وقت ہضم کے سارے مراتب طے کر کے کیمیائی تغیرات کے لیے لکھنؤ کا خربوزہ گیلانی کی مٹی میں مل چکا تھا۔

کہیے! گرمی کا آپ کے یہاں کیا حال ہے، بندہ تو نو بجے سے زیر پنکھا اس ٹٹی[1] کے ساتھ جو برادرم شعیب سلّمہٗ کا عطیہ ہے داخل ہو جاتا ہے، ظہر سے پہلے ٹٹی پر پانی نہیں دیتا ہوں، لیکن دو بجے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر پھر پانچ تک اللہ تعالیٰ بڑی خنک ہوا میں گزار دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ اس کے بعد بھی دل میں کسی دیہاتی زندگی کے تماشا کا شوق پیدا ہو، آج کل بحمد اللہ دو ایک دن سے بلغم میں کمی ہے۔ پٹنہ کا سفر ایک آدھ ہفتہ کے لیے ملتوی ہو گیا۔ وزیر صاحب بیمار ہو گئے ہیں۔

خاص امر یہ عرض کرنا ہے کہ رخصت کے متعلق اب کیا خیال ہے۔ خلیفہ کے مسئلہ[2] نے ولی الدین[3] کے پیچیدہ مسئلہ کو اور پیچیدہ کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ کیا یہ بہتر ہو گا کہ حضرت مولانا[4] اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استشارہ کیا جائے اور حضرت اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے استخارہ۔ جیسے جیسے تعطیل کے دن ختم ہو رہے ہیں، خود اپنے عزم میں جزم کی کیفیت کو مضمحل ہوتا ہوا پا رہا ہوں۔ ماجد میاں[5] کا خط آیا تھا کیا پھر سخت بیمار ہو گئے تھے اور کیا عرض کروں۔ گیلانی میں بھی کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ میرے مکان پر ہر شخص دعویٰ کیوں کر دیا کرتا ہے، اس کا نظارہ تو آپ نے حیدر آباد میں کیا[6] اور اس کے سامنے اپنے کو جھکا بھی دیا۔ گیلانی میں ایک صاحب نے اپنے مسلول بھانجے کو میری نشست گاہ میں لا کر پھینک دیا جو ہر وقت اپنے بلغم اور دوسرے تمام ذرائع کی اشاعت میں مصروف تھا۔ ڈیڑھ مہینہ کے صبر کے بعد بالآخر کہنا پڑا، لیکن دل بے چین ہے عجب حال ہے وہ صاحب الگ برہم ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ.

مناظر احسن گیلانی

ایکس کی ٹی

۲۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم سابق صدر شعبہ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی اور بانی ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۳۔ڈاکٹر میر ولی الدین، سابق صدر شعبہ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی۔ پیدائش:۱۹۰۳ء، وفات:۱۹۷۵ء

۴۔مولانا حسین احمد مدنیؒ

۵۔مولانا عبدالماجد دریابادی

۶۔مولانا گیلانی کا خاص مزاج یہی تھا۔ بقول مولانا عبدالباری ندوی، مکان کیا پلنگ پر بھی کوئی قبضہ کر لیتا تو اسے ہٹانے کی ناراضگی گوارا نہ کرتے۔ حج کے دوران سفری پلنگ پر کئی کئی کابلی پٹھان لد کر بیٹھ جاتے مگر ان کو کچھ نہیں فرماتے۔

(۱۷)

۳۰ر جون ۱۹۳۴ء مطابق ۱۶ر ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

محراب الہدایت والارشاد، گیلانی

رفیق الکریم! فی الدنیا والآخرۃ!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ خوب کترا کر نکل گئے اور الزام سب سیّدوں کے سر۔ مجھے تو قطعاً آپ کا کوئی خط اس مضمون کا نہیں ملا کہ اس کے بعد وہ اس گھر میں نعرۂ مستانہ لگاتا، ہاں ایک دھیما سا احتمال کسی گزشتہ مکتوب میں اسی کا دلایا گیا تھا۔

البتہ رانچی سے جب واپس ہوا تو برادرم شعیب سلمہٗ کا ایک کارڈ اس مضمون کا ملا تھا کہ بھائی صاحب نے تھانہ بھون سے اطلاع دی ہے کہ واپسی براہ ''بہار'' ہوگی اس کے بعد دسنہ کے سیّد نے دستی خط میں واپسی رانچی کے بعد ہی اس کا مژدہ سنایا تھا۔

مکان دُکان سب صاف کرا کے بیچارے مکارم نے رکھا اور ''علامہ، فلسفی الصوفی کا دورہ لکھنؤ سے'' اس کا پوسٹر ہوا کے کاغذ میں تفصلاً اپنے ہم چشموں میں بانٹنا شروع کیا تھا، لیکن محرمِ اسرار جانتا تھا کہ جو زار کے شدِّ رحال کو جائز نہ سمجھتا ہو، وہ جنازہ پر کیا آئیں گے اور یہی ہو کر رہا۔ باقی الزام تو ہمیشہ بنی ہاشم کے سر تھوپا ہی گیا، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کریمی نہ ہوئی تو کیا کروں۔ گویا اس کا افسوس ہے کہ غریب مکارم خواہ مخواہ اب مضحکۂ اغیار بنا ہوا ہے۔ خیر دسمبر میں اس کی کسر ان شاء اللہ نکالنی ہوگی۔ آم ہی کے وجود سے ورود مسعود کیوں شروع ہو، ان شاء اللہ اس وقت شاید اس سے بھی بہتر چیزیں میسر آسکیں۔

اب سنیے افسانہ رانچی، آپ کے خیالات معلوم نہیں کہاں کہاں گئے۔ وظیفہ سہول اور روانگی رانچی کے درمیان کی کڑیوں کو یہ راجمین بالغیب جن کا نام "فیلسوف" ہے یونہی پوری کرتے ہیں۔ مولوی سہول صاحب کی جگہ کے متعلق معلوم بھی ہے کہ تخفیف پا کر صرف ایک سو چالیس کی ہوگئی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی خیال کی گنجائش ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ مدرسہ شمس الہدیٰ کا ایک جدید نصاب وزیر تعلیمات کے آگے پیش ہوا تھا و قائرہ العصر کمثل الصدیقی وڈاکٹر عظیم الدین کو غیر ہم نے حکومت بہار پر بار ڈال کر تیار کیا تھا۔ جدید منسٹر کو ان لوگوں پر اعتماد نہ تھا اس لیے ایک دیوبند دوسرا ندوہ کا مولوی خانگی طور پر بلایا گیا تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کرے۔ رانچی میں اس کام کے لیے ہم دونوں کو ایک ہفتہ گزارنا پڑا۔ اس نصاب کو تو پھاڑ کر پھینکوا دیا، لیکن جو جدید نصاب دیوبندی و ندوی نے پیش کیا ہے وہ بھی نہ دیوبندی ہے نہ ندوی "میر زاہد" رسالہ کی جگہ "مسائلِ فلسفہ" اور صدرا کی جگہ تاریخ فلسفہ، ہدیہ سعیدیہ کی جگہ افکار حاضرہ نیوتنی کو جگہ دی گئی ہے اور انگریزی کا نصاب انٹر میڈیٹ کے مساوی کر دیا گیا ہے۔ قیاسی منطق کے ساتھ استقرائی کو بھی شریک کیا گیا ہے اور شرح تہذیب کی جگہ "نفسیات" کی ایک کتاب، عالم یا بی اے تک دو دفعہ درسِ قرآن و دو دفعہ حدیث، دو دفعہ فقہ پڑھائی جائے گی، فاضل کے درجہ کو اختصاص کر کے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، ادبِ عربی کے دورے قائم کیے گئے ہیں۔ یہ ہے ان مساعی کا حاصل جو وہاں ہوا یہ تو باہر میں ہوا، اندر کی سنیے۔

گیلانی سے رانچی دو سو میل بجانب جنوب دو ہزار فٹ کی بلندیوں پر واقع ہے۔ موٹر پر ایسی زبردست چڑھائی دو بیماروں کو کرنی پڑی۔ رانچی شملہ بنا ہوا تھا۔ پہنچتے ہی مجھے تو ضیق کے دورے نے ٹپکا، سیّد سالار[1] ابتدا میں تو اچھے رہے، لیکن واپسی سے ایک دن پیشتر سوء ہضمی کے شدید حملہ میں مبتلا ہوئے، ایک دن سفر صرف ان کی وجہ سے ملتوی ہوا، بخار بھی آ گیا تھا، بارے دوسرے دن چل پڑے۔ اب چڑھائی نہ تھی، اتار تھا۔ تاہم دو سو میل کی مسافت کافی تھی اور موسمی انقلاب کے متضاد نقطوں سے گزرنا پڑا، نتیجہ یہ ہوا، دسنہ آ کر سیّد صاحب گرے اور کامل ایک ہفتہ بخار میں غوطہ زن رہے۔ سنا کہ کسی نے میعادی تجویز کیا تھا، لیکن اب بحمد اللہ اچھے ہیں، لیکن بیچارا گیلانی نہ اچھا ہے نہ بیمار اور جنوب کا دوسرا سفر

درپیش، کامل بیمار ہوتا تو بیٹھ ہی جاتا، لیکن ہمسایوں کی شماتت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی، بہر حال جانا ہی ہوگا۔

آپ کا کارڈ پرسوں ملا، پاندان لینے کے لیے لکھنؤ کا قصد مصمم کر رہا تھا اور اپنی طبیعت کا اندازہ کرتا رہا کہ کیا رنگ رہتا ہے، لکھنؤ کی طرف سے لوٹنے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ تقریباً دن بھر کیول اسٹیشن پر پڑا رہنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن لکھنؤ پہنچنا، لکھنؤ سے جھانسی میں اترنا، جھانسی سے قاضی پیٹ میں اترنا، گویا چار تبدیلیاں ہیں اور براہِ گیا، از گیا تا منماڑ، از منماڑ تا حیدر آباد، نیز سید محی الدین سے اسٹیشن اورنگ آباد پر ایک ضرورت خاص سے ملنا بھی ضرور، اپنے آپ سے لڑتا رہا، لکھنؤ کے ارادے کو شکست ہوئی اور گردن جھکا کر عرض کرنا پڑتا ہے کہ گیا ہی کی راہ سے اجازت مرحمت فرمائیں۔ پاندان کسی آنے جانے والے کے ذریعہ حیدر آباد بھیج دیجیے، البتہ کام کے اعتبار سے حیدر آباد کی موجودہ صورت کے متعلق آپ کچھ کہتے سنتے اس کا موقع ہاتھ سے جاتا ہے، لیکن تحریر کے ذریعہ سے یہ مراحل بھی بآسانی طے ہو سکتے ہیں۔ آپ جو کچھ بھی ہدایت دیتے ہیں لکھ کر حیدر آباد بھیج دیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طرح عمل ہوگا۔

آپ کی ترکِ رفاقت سے دل بیٹھا جا رہا ہے، دل کو تسلی اس خیال سے دلا رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ ماہ ابان [ے] تک ہو آؤں، ابان کے بعد کیوں نہ میں بھی براہِ لکھنؤ گیلانی بھاگ آؤں۔ یہ طے کر چکا ہوں، اب کی جامعہ عثمانیہ کے بجائے منظر عام کے گوشۂ تنہائی میں جگہ ان شاء اللہ تعالیٰ پکڑوں یعنی فنون [۸] سے جنون [۹] کی راہ لوں اور دبے پاؤں نکل بھاگوں۔ فنون میں غل مچ جاتا ہے، مولوی فضل سلمہٗ اور اختر صاحب کا بھی خط آیا ہے کہ ابھی جدید عمارت میں کالج نہ جائے گا اب بعد ابان کے خبر ہے۔

دیوبند میں کیا ہو رہا ہے، کیا ہو سکتا ہے کیا اس کے متعلق کچھ خبر دے سکتے ہیں، میاں اختر نے لکھا ہے کہ صاحب مکان نے سیڑھیوں اور کواڑوں پر رنگ کرایا ہے، ان کو اضافہ کرایہ کا وسوسہ ہے، اگر ایسا ہوا تو سلام عرض کرنا پڑے گا۔

وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ (المومن)

ترجمہ: میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہوں۔ بے شک اللہ بندوں کا خوب

نگران ہے۔

آموں کا قحط تو گزر چکا، اب بارش کے قحط کا سامان ہے، جون کی ۳۰ ہے، لیکن چند معمولی جھونکری کے سوا رحمت رب کی توجہ نہیں ہوئی ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[11] (یوسف)

اور کیا عرض کروں ادھر کچھ بخار پھیلا ہوا ہے، سب بچے بیمار ہو گئے تھے، اب اچھے ہیں، مکارم سلمہٗ سلام عرض کرتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں کہ بھائی صاحب کو اب کی "گیا ہی" سے جانے کی اجازت دے دیجیے اس میں زیادہ آسانی ہے۔ وہ مرشد آبادی کیا ہوا[12]؟ آپ نے کچھ خبر نہ دی اپنی والدہ محترمہ مدظلہا سے سلام عرض کر دیجیے اور عزیزان صبیحہ وشمس الباری[13] سلمہا کو دعا ان کی والدہ کو سلام، برادرم شعیب سلمہٗ، کو دعا سعدیہ اور ان کے بھائیوں کو دعا، ڈاکٹر صاحب سے میری اس غداری کا ذکر ذرا ڈھیلے لفظوں میں خدا کے لیے کیجیے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اکتوبر میں ایک آدھ ہفتہ رہ کر صحبت کے آثار فیوض سے سرفراز ہوں گا، اب تو جانے دیجیے سہولت اسی میں ہے، گیلانی نہ آنے کا انتقام نہیں ہے۔

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولانا سید سلیمان ندوی

۲ سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ سلہٹ۔ وفات: ۲۳ مئی ۱۹۴۸ بمقام پورینی بھاگلپور۔

۳ پٹنہ کا مشہور مدرسہ جسے الحاج سید محمد نور الہدیٰ نے ۱۹۱۲ء میں اپنے والد کے نام پر قائم کیا تھا۔

۴ سابق صدر شعبہ اردو، عربی، فارسی پٹنہ یونیورسٹی۔ پیدائش: ۲۵ جون ۱۸۸۶ء۔ وفات: ۱۹ مئی ۱۹۴۹ء

۵ اشارہ ہے نصیر احمد استاد طبیعات جامعہ عثمانیہ (متوطن نیوتنی، اناؤ) کی کتاب 'مسائل فلسفہ' کی جانب۔

۶ مولانا سید سلیمان ندوی

۷ حیدر آباد دکن میں رائج ایرانی فصلی سال کا ایک مہینہ

۸،۹ شعبہ فنون کے مقابلے میں شعبہ دینیات کو یہ لقب مولوی سلیم مرحوم (سابق صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی) نے دیا تھا جن کا ابتدائی تقرر شعبہ دینیات میں ہوا۔ وہاں سے شعبہ فنون میں اور آخر میں پھر شعبہ دینیات میں۔

۱۰ ترجمہ: اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ سب بندوں کا نگران ہے۔

۱۱ ترجمہ: اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۱۲ مرشد آبادی خادم کی جانب اشارہ ہے جو مکتوب الیہ کو حیدر آباد میں ملا اور وہاں سے لکھنؤ آیا، پھر لکھنؤ سے فرار

ہوگیا۔

۱۳؎ مولانا عبدالباری ندوی کے صاحب زادے جو بعد میں پاکستان منتقل ہوگئے تھے۔

(۱۸)

۲۴ر جون ۱۹۳۵ء مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۴ء

محراب الہدایت والارشاد، گیلانی، بہار

رفیق شفیق! ادام اللہ حبکم وعنایتکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت تک جب تک کہ آپ کی بجائے اپنے مکارم سلمہٗ کے ذریعہ سے خط لکھنے پر مجبور نہ ہوا، یہ قطعی خیال نہ تھا کہ میں ۲۴ جون کو گیلانی میں رہوں گا، سب سامان تیار کر چکا تھا حتی کہ راستہ کی نہاری بھی پک چکی تھی، کیوں کہ آپ سے ایک دن پہلے مجھے گیلانی روانہ ہونا ضرور تھا، اپنے ساتھ آم لانے کا بھی خیال تھا، لیکن زیادہ ہوجاتا، اس لیے محی الدین صاحب؎ اور حیدری صاحب؎ کو بذریعہ تار ریلوے پارسل بھجوانا مناسب خیال کیا اور آپ حضرات کے لیے ساتھ لانا چاہتا تھا، اتنے میں وہ واقعہ پیش آیا جس کے جواب میں آپ کا لفافہ کان پور سے چلا ہوا آج مجھے ملا ہے۔

اس میں شک نہیں گزشتہ ہفتہ مجھ پر سخت گزرا، بخار، طحال ورمِ جگر کے ساتھ ساتھ سارے جسم میں پتی دروڑوں کی شکل میں اچھل آئی، ایسی سخت خارشت تھی کہ جی چاہتا تھا کہ جسم کی کھال نوچ کر پھینک دوں، اس پر مزید برآں شدید احتجاج کا دورہ بھی پڑ گیا، جس کا میں عادی نہ تھا شاید اسپرین کے سفوف کی کثرت نے دل کو بہت کمزور کردیا ہے۔

الغرض مَــــنْ رَاقٍ کی آواز ہر طرف گونجنے لگی، اسی سلسلہ میں ایک درخواست رخصت کی وائس چانسلر کے نام روانہ کی، برادرم سمی سلمہٗ کا اسی دن تار ملا تھا جس میں انھوں نے میرے اسی سوال کے جواب میں کہ خانگی رخصت کا اتصال موسمی تعطیل کے ساتھ اگر کیا جائے تو اس کا اثر تنخواہ تعطیلات پر پڑے گا یا نہیں، انھوں نے جواب میں لکھا تھا کہ نہیں پڑے گا، اس لیے رخصت خانگی کی درخواست دی، مگر آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف بیماری کی رخصت مل سکتی ہے، بہر حال اگر میری درخواست میں سقم ہے تو اب اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے، اس سے مطلع فرمائیں۔

میری وہ حالت تو فوری علاج سے بحمد اللہ جاتی رہی، بخار بھی رک گیا ہے اور پتی بھی دب گئی ہے، لیکن دمہ کا تسلسل غیر منقطع ہے، کوئی دوا کارگر نہیں ہو رہی ہے۔ اس سے اختلاج بھی بڑھتا ہی رہتا ہے، آپ نے جو دوا ڈاکٹر صاحب والی بھیجی ہے، معلوم نہیں قلب پر اس کا کیا اثر ہوگا، ذرا بھی سانس کچھ سیدھی ہو لے تو اب ان شاء اللہ تعالیٰ کلکتہ روانہ ہوتا ہوں، ڈاکٹروں سے مشورہ اس دوا کے متعلق وہیں کروں گا، اور یہ دوا اس جنگل میں میسر بھی تو نہیں آسکتی، کلکتہ کے سوا ملے گی کہاں؟

آپ نے حیدر آباد پہنچ کر کیا نظم قائم کیا اس سے مطلع فرمائیں، باورچی اور نوکر کا کیا ہوا، مولوی عبدالحفیظ صاحب سے ان شاء اللہ تعالیٰ مدد ملے گی۔

مولوی سلیمان صاحب ؒ نہ معلوم کب تک تشریف لائیں گے۔

اس وقت ہم لوگ اس قدر پریشانی میں ہیں کہ اورنگ آباد اور حیدر آباد کے لیے جو پارسل آموں کا روانہ ہوگیا وہ ہوگیا، اب پھر صندوق منگوانا، ان کو بڑھئی سے درست کرانا اور اسٹیشن وغیرہ بھیجنا نئے سرے سے دشوار ہی معلوم ہوتا ہے۔ شاید جو آم اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا، وہ نہ بھیجا جاسکے، مجھے اس کا سخت افسوس ہے، میاں رشید ؒ کا خاص خط آیا ہے کہ آم ضرور ساتھ لائیے گا، لیکن کیا کروں یہی غنیمت ہے کہ اس وقت محی الدین صاحب اور حیدری صاحب کے نام پارسل روانہ ہوگیا، آپ اپنے ساتھ خود ٹوکرا لائے تھے تو اس میں لکھنؤ آم روانہ ہوسکا، دیہات میں سامان پیک کرنے کا نہیں ملتا سخت دشواری ہوتی ہے، بڑی مشکل سے بربیگھا میں دو صندوق دیودار کے ملے۔

خیر برادرم فضل سلمہٗ شیخ پورہ سے گزرے، لیکن گیلانی نہ آئے اور خط ڈالتے ہوئے چل دیے، مرید آباد کی سیر نے فرصت نہ دی، ان کو سلام وشکوہ پہنچا دیجیے، مفتی صاحب کو سلام فرما دیجیے۔

میرا مستقل ارادہ ہے کہ اب اس رخصت کو طوالت دوں، لیکن کیا کروں کس قسم کی رخصت لوں اس کے متعلق آپ کے مشوروں کا انتظار کرتا ہوں، اب حیدر آباد دماغ میں نہیں ہے، ہرچہ باداباد۔ اس سال اسی غرض سے گیلانی کی کاشت واشت کو بھی ملتوی کرادیا، دوسروں کو بندوبست کردیا تاکہ برادرم مکارم سلمہٗ کو ساتھ لے کر پہلے کلکتہ جاؤں

وہاں سے بعد علاج خواہ ٹونک یا کابل وغیرہ ان شاء اللہ تعالیٰ چند مہینوں کے لیے روانہ ہوجانے کا خیال ہے، لیکن ان تدبیروں میں قطعی صحت کی ضمانت ہے، دل کہتا ہے بالکل جھوٹ ہے، لیکن عمل کروں گا مولوی سجاد صاحب[۵] سے میرا اسلام فرمادیجیے، ان سے آپ کے معاملات کی اب کیا نوعیت رہے گی، الغرض تمام تفصیلات کو لکھ کر بھیجئے، خلیفہ صاحب[۶] کا کیا ہوا اور آپ کے معاملہ میں کیا صورت ہوگی، اس کی خبر بھی ضرور دیجیے گا، دل لگا رہتا ہے، کالج تو آپ روز ہی جاتے ہوں گے، سمی صاحب کو میرا رقعہ پہنچا دیجیے اور مل کر مشورہ میری رخصت کے متعلق کر کے مجھے مطلع فرمائیں۔

مناظر احسن گیلانی

---

۱ محی الدین اس وقت اورنگ آباد کالج کے پرنسپل تھے۔

۲ سر اکبر حیدری (پیدائش: ۸ رنومبر ۱۸۶۹ء، وفات: ۱۹۴۵ء) اس زمانے میں مملکت حیدر آباد کے وزیر خزانہ تھے۔ وہ مولانا گیلانی کے علم وفضل کے بڑے معتقد تھے۔

۳ مولانا سید سلیمان ندوی اس زمانے میں حیدر آباد آنے والے تھے۔

۴ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، مولانا گیلانی کے شاگرد خاص

۵ مولانا گیلانی کے ہم وطن جو دفتر وزارت خزانہ میں ملازم اور مولانا کے گھر میں اقامت گزین تھے۔

۶ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، سابق صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی

(۱۹)

۱۲ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء چہار شنبہ

مطابق ۳ ر رجب ۱۳۵۴ھ

رفیق محترم! دام مجدکم العالی، ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ عریضہ ایک جدید اطلاع کے لیے لکھ رہا ہوں، ۱۶ اکتوبر کو از روئے جنتری تعطیل نہ تھی، لیکن آج اعلامیہ جریدہ نے اعلام کیا ہے کہ ۱۶ اکتوبر کو تعطیل رہے گی اور دفاتر بجائے ۹ اکتوبر کے ۸ ہی کو کھل جائیں گے، اس لیے مطلع کر دیتا ہوں، کیل کانٹا درست کر لیجیے، لیکن بشارت ماضیہ کے بعد آپ نے تو نیت بدل ہی دی ہوگی تاہم وَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضٰی مَا عَلَیْهِ ادبِ عربی رہے نہ رہے، اس کی کمیٹی شعبہ کی آج جو تھی ملتوی ہوگئی۔ فالحمد للہ۔

اپنا حال کیا عرض کروں، اب تک دل صرف اس پر قانع تھا کہ "قرض نہ ہو" لیکن خدا

جانے یہ کس کی جدید صحبت کا نتیجہ ہے کہ کچھ پس ماند ہوا اور یہ ہوتا ہی نہیں، اس لیے کڑھتا رہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی جگہ درہم و دنانیر نہ لیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کا تخت شیطان نے دل پر بچھا دیا ہے، صرف ایک آیت سے قوت مل رہی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا[1] (نساء)

لیکن میں خود تو "سفیہ" ہوں باقی سفیہوں کو دیتا تو نہیں ہوں، پھر مجھ "سفیہ" کو دیا جاتا ہے جو اس کے مصارف صحیحہ سے واقف نہیں، دعا کیجیے کہ مسئلہ حل ہو اور اَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (لیل) سے قدم نہ ہٹے، تباہی ہے اس کے لیے جس نے وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ "وَاسْتَغْنٰى"[2] اور (روپیہ پر اعتماد کر کے) حق سے بے نیاز ہو گیا اور مصیبت مجھ پر نہ آئے[3]۔ بس اور حالات بہتر ہیں۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ترجمہ: اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مایۂ زندگی بنایا ہے۔

[2] ترجمہ: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروائی اختیار کی

[3] اس زمانے میں مولانا گیلانی صدر شعبۂ دینیات تھے اور ایک ہزار مشاہرہ پانے کے باوجود طالب علمانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سیّد مکارم احسن گاؤں کے نزدیک جب کوئی کھیت یا اراضی فروخت ہونے والی ہوتی تو دلائل اور مصالح کے انبار لگا دیتے۔ مولانا گیلانی اپنے مزاج کی بنا پر ان کی دلیل کو ٹال نہیں سکتے اور اکثر قرضدار ہو جاتے۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

(۲۰)

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء مطابق ۲ شعبان ۱۳۵۴ھ

روز چہار شنبہ (محراب)

رفیقِ الکریم مدظلکم العالی!...... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بڑے آرام و عافیت سے انٹر کلاس میں قاضی پیٹ سے شیخ پورہ تک سفر تمام ہوا، اٹارسی میں اطمینان کے ساتھ رات بھر سویا، صرف گاڑیوں کے آنے جانے کی وجہ سے کبھی کبھی آنکھ کھل جاتی تھی، صبح کو تر و تازہ بمبئی میل ملا، انٹر کلاس اس قدر خالی تھا کہ جبل پور تک

پہنچ کر خیال ہوا کہ اگر تنہائی کا یہی عالم رہا تو رات کو میں تھرڈ میں چلا جاؤں گا، ڈر معلوم ہونے لگا، لیکن بحمد اللہ جبل پور سے ایک ساتھی مل گئے اور ''گیا'' تک وہ ساتھ رہے، آٹھ بجے کے بعد گیلانی دوشنبہ کے دن بحمد اللہ پہنچا، سب کو بعافیت پایا، فصل بھی حق تعالیٰ کے فضل سے بہتر حال میں ملی، تمام ملک سرسبز وشاداب وآباد ہے، ہرے ہرے دھان کے کھیت جہاں تک نظر جاتی ہے، لہلہا رہے ہیں۔ موسم ایسا خوشگوار، معتدل، دور سا ہے کہ کاش اگر صحت ہماری وہ ہوتی جو جوانی میں تھی تو میں خیال کرتا کہ جنت میں آ گیا ہوں، حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ دو دن تین راتیں ریل پر گزاریں، کھانے پینے میں بداحتیاطیاں بھی ہوئیں، لیکن بغیر کسی تکلیف کے گھر تک غالباً پہلی دفعہ اس حال میں پہنچا جس حال میں دکن سے روانہ ہوا تھا۔ حیدرآباد دماغ سے نکل گیا ہے اب وہاں کے سارے حالات اس خدا کے سپرد ہیں جو وہاں بھی ہے اور یہاں بھی ہے۔ یہ اسی کا انتظام ہے کہ آپ ایسے وقت میں وہاں موجود ہیں میری موجودگی میں آپ پر اتنی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جتنی اب ہوتی ہے وقت پر تنخواہ۔ کے بھجوانے کا ضرور نظم کر دیجیے گا۔ مفتی صاحب[1] کو سلام فرما دیجیے گا اور مولوی فضل صاحب کو۔ ان سے کہہ دیجیے گا کہ اگر ضرورت میری محسوس ہو تو مجھے بلا سکتے ہیں۔ اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ سب وہمی ضرورتیں ہیں، مولانا اشرف علی صاحب[2] کا ''استعفا'' بھی چھپا ہے جو گیلانی میں ملا، اب دونوں طرف سے ''ملاعنہ'' اور ''مباہلہ'' کے حدود شروع ہو گئے ہیں۔ حق تعالیٰ کا شکر بجا لایا کہ اس طوفان وفتنہ سے اس نے اپنے ایک غریب بیکس بندے کو بچا لیا، اثباتی کامیابیاں نہ سہی، لیکن بدبختیوں سے بچنا بھی بڑی کامیابی ہے۔

آج اس سے بڑی بدبختی کیا ہو سکتی ہے کہ دنیائے اسلام کے دو بزرگوں میں سے کسی ایک کے قلب مبارک میں کچھ سوء دوسرے کی طرف سے پیدا ہو، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ آپ سے ایک امر عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے جن اغراض سے فرصت لی ہے، وہ فرصت آپ کو معلوم ہے، لوگ میرے مقام وقیام کے متعلق اگر دریافت کریں تو صرف اس قدر جواب دے دیا کیجیے کہ گیلانی سے خط آیا تھا اب ادھر نہیں آیا، اس کے بعد معلوم نہیں کہاں ہیں، میں ان شاء اللہ جہاں جہاں جاؤں گا آپ کو

لکھتا رہوں گا اس وقت تو دو کام اپنے ذمہ ہیں۔ ایک تو آسان ہے ادھر بہت دنوں سے خام[3] ہو گیا تھا۔ دوسرے آپ کے حکم کی تعمیل یعنی اسفار[4] کا سفر خدا کرے دونوں باتیں مکمل ہو جائیں۔ ریل میں پہلے کام کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ رمضان قریب ہے جو کچھ ہے پختہ ہو جائے تو بڑی آرزو پوری ہوگی۔ دعا کا خواستگار ہوں کاش کہ امید پوری ہوتی۔

برادرم مظہر سلمہٗ[5] کو ۶ نومبر تک کلکتہ ضرور روانہ کر دیجیے، ان کے کرایہ وغیرہ کا روپیہ مولوی عبدالحفیظ صاحب کے سپرد کر آیا ہوں۔ مولوی عبدالحفیظ صاحب کے نام ایک الگ پرزہ اس میں ہے، ان کو دے دیجیے گا، لکوا[6] گھر پہنچ کے بہت خوش ہے۔ آج کل تالابوں میں مچھلی کی کثرت ہے، پرسوں ٹہلنے کے لیے ایک تالاب کی طرف جا رہا تھا۔ لگتی (آلہ شکار ماہی) میں نے اپنے ہاتھ میں لے کر تالاب میں ڈالا ایک زبردست مانگر مچھلی ہاتھ آئی، مچھلی کا اس سال بڑا زور ہے، لیکن مجھے مرغوب نہیں۔

حضرت[2] تو تشریف لے گئے ہوں گے عجیب و غریب اَخلاق کریمہ ہے، ولایت سے زیادہ ان کی شرافت ہے یا دونوں صفات مساوی ہیں۔ قطعاً "انا فنا" ورنہ مجھ جیسے کلاب الدنیا اور ان کے اللہ کے ایسے دوستوں کی یہ مداراتیں یقیناً قابلِ حیرت ہیں، کچھ نہیں ہے اس پر تو یہ قدر ہے۔

حضرت امجد صاحب[5] سے سلام فرما دیجیے اور کام ان سے لیجیے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ دو تین نشستوں کے بعد ان کو وہ نقشہ مل جائے گا جس کی ہم لوگوں کو تلاش ہے۔ فقط

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مفتی عبداللطیف صاحب سابق صدر شعبۂ دینیات ۔۔۔ یونیورسٹی

۲ مولانا اشرف علی تھانویؒ

۳ مولانا گیلانی چپکے چپکے قرآن حفظ کر رہے تھے جس کا علم صرف مکتوب الیہ کو تھا۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

۴ صدرالدین شیرازی کی کتاب جس کا اردو ترجمہ مولانا گیلانی نے کیا تھا۔

۵ مولانا گیلانی کے سب سے چھوٹے بھائی

۶ مولانا گیلانی کا وطنی خادم یا باورچی

ے مولانا محمد حسین حیدرآبادی، مرشد مولانا گیلانی
۸ حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

(۲۱)

۱۹ ر ستمبر ۱۹۳۶ء روز دوشنبہ
مطابق ۳ ر رجب ۱۳۵۵ھ

رفیق شفیق! عافاکم اللہ و اخرجکم من الظلمٰت الی النور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ادھر مسلسل مختلف جوانب سے خطوط میرے پاس پہنچ رہے ہیں کہ آپ کے خطوط کا میں جواب نہیں دیتا سب سے زیادہ برادرم فضل سلمہٗ نے دہلی سے متعدد خطوط میں اس کی شکایت کی ہے۔ میں نے اس کے جواب میں جو آخری خط آپ کو لکھا ہے وہ تو شاید مل گیا ہوگا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصّواب۔ یہ میرے خطوط کیا ہوتے ہیں۔ اگر یہ آخری خط بھی نہیں ملا تو اب رجسٹری کے ذریعہ سے خط بھیجنا پڑے گا۔ اس وقت یہ لفافہ اس لیے بھیج رہا ہوں کہ کل ایک تار آپ کے نام کا ملا، خدا جانے میرے دل نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ شہاب پور کا ہے۔ کھولا اور پڑھا اب آپ کو بھیج رہا ہوں۔ شرکت تو آپ کی کیا ہوگی، لیکن معذرت کا خط تو بھیج سکتے ہیں۔ اس خط میں یہی تار ملفوف ہے، مولانا سلیمان صاحب کے گرامی نامہ سے یہ معلوم کر کے کہ آپ کو اب بھی شام کو حرارت ہو جاتی ہے بڑی تشویش پیدا ہوگئی ہے، آپ اپنی حالت پورے طور پر نہیں لکھتے۔ براہِ مہربانی اپنی حالت وصحت نیز ارادوں سے مطلع فرمائیں، حجروں[1] کے متعلق میں نے متعدد خطوط میں آپ کو اطلاع دی، جس کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ نہیں ملے۔ بہر حال پھر لکھتا ہوں کہ وہاج الدین صاحب[2] کی رائے ہے کہ آپ ایک مستقل درخواست درباب حجرات قاضی صاحب کے نام لکھیے۔ حقیقت میں آپ کے لیے بڑی آسانی ہو جائے گی، ممکن ہے کہ اس تجربہ کو جسے آج کل کر رہا ہوں اس سے مجھے دست بردار ہونا پڑے تو اس کے بعد پھر اسی ایک گلیم میں دو درویش ہو سکتے ہیں۔ میں تو بڑے خطیر مصارف کے نیچے دب گیا ہوں۔ حیدرآباد اور پانچ آدمیوں کی سربراہی، ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ نئی بات

صرف اس قدر ہے کہ شروانی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ دائرۃ المعارف کی کمیٹی ہو رہی ہے، ہاشم نے تو بڑا زبردست پروگرام بنایا ہے۔

دائرۃ المعارف سے ایک پرچہ عربی میں بھی نکالنے کا خیال ہے، اس کے وکلا انجمن ہائے استشراق میں شریک ہوں اور تلاش کتب کے لیے ممالکِ اسلامیہ ومغربیہ کی سیاحت کریں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دوسری طرف مخالفانہ جراثیم بھی زور پکڑ رہے ہیں۔ حیدرآباد میں طاعون شروع ہو گیا ہے۔ سرکاری طور پر تسلیمی اعلان شائع ہو چکا ہے۔ رات سالگرہ مبارک کی تقریب تھی، نذر پیش کرنے اور دعوت کھانے کی سعادت نصیب ہوئی، اس سے پیشتر شاہزادہ جواد جاہ بہادر معمر گیارہ ماہ کا انتقال ہوا مجلس زیارت[5] میں مجھے بھی بلایا گیا تھا، اکبر یار جنگ[6] نے سری کرشن پر ایک تقریر کی تھی، جس میں علانیہ اس کی نبوت کا اعلان کیا اور ''علیہ السلام'' بار بار کہا جس پر فرمانِ شاہی کے رو سے زیرِ عتاب ہوئے، معذرت کی، معذرت نامہ اخباروں میں اس اضافہ کے ساتھ ''خوب عذر لنگ، چہ خوب'' شائع ہوا۔ وفاق کے مسائل روز بروز پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ جامعہ میں ہندوؤں نے درخواست دی ہے کہ ہم جوابی پرچے بحروف ہندی لکھیں گے۔ بعض اربابِ اقتدار ان کے ہمنوا ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے نواب[7] بھی ان کے ساتھ ہمدردی میں کمی نہیں کر رہے ہیں۔ اللہ ہی محافظ ہے۔

حضرت مدظلہ العالی[8] ابھی حیدرآباد میں ہیں، گردہ کی شکایت اب نہیں ہے۔ لیکن فسادِ خون کا اثر ابھی باقی ہے، علاج ہو رہا ہے، آپ کا سلام اور آپ کی حالت کی خبر ان کو دیتا رہتا ہوں، پوچھتے رہتے ہیں۔ اب کی تو شروانی صاحب کو بھی ان کے پاس لے گیا۔ چند منٹ کے صبر کے بعد سلسلہ شروع ہو گیا۔ آدھ گھنٹہ بیان رہا۔ شروانی صاحب اچھے خاصے متاثر ہوئے۔ فقط

نیازمند
مناظر احسن گیلانی

---

1. مکتوب الیہ بڑا بنگلہ، موٹر و دیگر سہولیات چھوڑ کر عثمانیہ یونیورسٹی کے قریب نو تعمیر مسجد کے احاطے میں دو کمرے بنوا

کہ یونیورسٹی کے بقیہ ایام وہیں گزارنا چاہتے تھے۔ اشارہ اسی جانب ہے۔
۲ پرنسپل اسسٹنٹ برائے وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی۔ یونیورسٹی کے احاطے میں بنگلے بننے والے تھے جن میں اساتذہ کے لیے قیام لازمی تھا۔ مکتوب الیہ اس لزوم سے بچنا چاہتے تھے۔
۳ مولانا حبیب الرحمن شروانی جو اس زمانے میں مملکت حیدرآباد کے صدر الصدور اور امور مذہبی کے نگران تھے
۴ حیدرآباد دکن کا مشہور علمی، تحقیقی اور نشریاتی ادارہ جو ۱۸۸۹ء میں مولانا انوار اللہ خان اور سیّد حسین بلگرامی کی کوششوں سے قائم ہوا۔
۵ حیدرآبادی اصطلاح میں میت کا سوم
۶ اکبر یار جنگ سابق ہوم سیکریٹری حیدرآباد دکن
۷ غالباً سر اکبر حیدری
۸ مولانا محمد حسین حیدرآبادی، مرشد مولانا گیلانی
۹ حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

(۲۲)

۲ر نومبر ۱۹۳۶ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۳۵۵ھ
حیدرآباد دکن

صدیقنا الصدوق!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کے گرامی نامہ کا جواب تین دن کے بعد دے رہا ہوں۔ آپ نے تنخواہ کے متعلق پیروی کا حکم دیا تھا۔ جس دن خط ملا، جمعہ تھا، اس کے بعد دو دن تعطیل تھی میں نے خیال کیا، دریافت حال کے بعد آپ کو جواب دوں۔ آج کالج گیا، دفتر سے معلوم ہوا کہ تین مہینہ کی برآورد[۱] بنا کر زمانہ ہوا کہ وہ بھیج چکے ہیں، ان کا خیال ہے کہ محاسبی نے چونکہ اس کو واپس نہیں کیا اس لیے غالب قرینہ ہے کہ بذریعہ سنٹرل بینک آپ کو تنخواہ مل چکی ہوگی۔ اس مہینہ کی تنخواہ کی برآورد بھی بنا کر صدر محاسبی بھیجی گئی ہے۔ چاہیے کہ سنٹرل بینک سے اس کے متعلق دریافتِ حال کیجیے۔ یہ وہ رپورٹ ہے جو دفتر سے ملی، اب میرا خیال ہے کہ صدر محاسبی سے بھی دریافت کراؤں۔ آپ نے خود کچھ نہیں لکھا کہ آخر کسی قسم کی کوئی خبر آپ کو ملی یا نہیں۔ صدر محاسبی میں اگر پیروی کی ضرورت ہوگی تو کی جائے گی، یہ تو تنخواہ کا قصہ ہوا۔

اب رہا آپ نے مکان کے متعلق میرے اظہارِ واقعہ کی تعبیر نوٹس سے کر کے منًّا جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا جواب ایک ممنونِ کرم اس کے سوا کیا دے سکتا ہے کہ ندامت سے

اپنی گردن جھکا لے۔ مکان بھر گیا ہے، ایک واقعہ ہے، کسی کو نوٹس دینا یہ میری کمزور "ارنبی"[1]
طبیعت کے لیے ناممکن ہے اور اگر دوں بھی تو پھر چالیس روپیہ ماہوار کا پہلے بندوبست
کرلوں، تب دل میں بھی قوت پیدا ہو، مجبوراً آپ کو لکھنا پڑا کہ اگر یہی حالات رہے تو کوئی
اور نظم قبل سے کر رکھنا چاہیے ورنہ عین وقت پر دھڑ پکڑ، نکالو، اس رست و خیز کے منظر کو
سامنے لانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ بورڈنگ ہی میں چند ماہ قیام کا آپ
کو موقع مل جائے، لیکن وہ بھی ممکن نہ ہوا، پھر دوسری رائے خدمت والا میں پیش کی، اس
کے جواب میں یہ سب کچھ سنا جو مقدر میں تھا مَــنْ تو آپ کے اختیار میں تھا، لیکن اَذیٰ کا اثر
بحمد اللہ میرے دائرہ کی چیز ہے بحمد اللہ اس نے کچھ اثر نہیں لیا۔ اب آپ ہی ارشاد فرمایئے
کہ کیا کروں، ایک پورا قافلہ مکان کے اوپر نیچے اترا ہوا ہے، میں نہیں خیال کرتا کہ ایک
منٹ کے لیے بھی اس ہنگامہ میں آپ گزار سکیں گے۔ تاہم ابھی "شب درمیان" کا قصہ
ہے تو ممکن ہے کہ بغیر کسی نوٹس کے خود یہ لوگ اپنا الگ بندوبست کریں سنتے تو کئی مہینے سے
ہیں کہ اب وہ اپنا الگ نظم کرنے والے ہیں۔ موٹروں پر بیٹھ کر مکان کی گرد آوری بھی ہو رہی
ہے، لیکن ابھی صرف گرج ہے برس نہیں ہے۔ غالباً آپ بھی تعطیل سرما کے بعد ہی ارادہ
فرمائیں گے، ہوسکتا ہے کہ مکان اس وقت خالی ہو جائے اور اب مناسب یہی ہے کہ اسی کا
انتظار کیا جائے ورنہ ان لوگوں کو نوٹس دینا میرے بس سے باہر ہے۔ آپ ہی اپنے اندر
قوت پاتے ہوں تو دے دیجیے اور اگر یہ کچھ نہ ہوا تو پھر ہم مع اپنے چاروں آدمی کے ایک
کمرے کے اندر بسر کریں گے۔ آپ کو ایک کمرہ دے دیا جائے گا۔ اس کے سوا اور کوئی
چارۂ کار سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسری دشواری کھانے کی بھی ہے۔ اطلاع دیتا رہا ہوں کہ
باورچی کا سلسلہ اٹھا دیا گیا ہے۔ کچا پکا جیسا بھی کچھ ممکن ہے اب "لکوا" کے حوالہ ہے۔ یقیناً
آپ اس کا کھانا دو دن سے زیادہ نہ کھا سکیں گے اور اگر آپ کے مناسب اس نے پکا بھی لیا
تو اس روکھے پھیکے کھانے کو دوسرے پسند نہیں کر سکتے۔ یہی حال نوکر کا ہے ایک سیاہ بھوت،
مچکوک الجبرہ جو چوبیس گھنٹے اپنی دھوتی ران سے اوپر اٹھائے رہتا ہے۔ وہ میرا بھوئی ہے[2]۔
میں تو نہیں سمجھتا کہ اس کو دیکھنے کے بعد آپ کے حواس بھی بجا رہیں گے۔ اسی لیے تو عرض
کیا تھا کہ ان حالات میں اب کچھ اور بندوبست ہو، لیکن آپ پسند نہیں فرماتے تو فالله ما

اَمَرَ بِہٖ الْاَمْرِ.

مولوی فضل صاحب آ گئے مگر اب کی بڑی شان سے آئے بیوی بچوں کو کھاتولی[4] چھوڑ کر آئے، ان کا ارادہ تھا کہ اب مفتی صاحب[5] سے الگ ہو کر زندگی گزاریں، مکان بھی تو تجویز کر چکے تھے، لیکن آخر سمجھانے بجھانے سے راضی ہو گئے۔

حضرت مدظلہ العالیٰ[6] گویا اب بالکل اچھے ہیں، لیکن پٹی بندھی ہوئی ہے، اکثر خود تشریف لاتے ہیں، آپ کا اور والدہ صاحبہ کا سلام پہنچاتا رہا ہوں، امید ہے کہ اب آپ کی والدہ صاحبہ بالکل بہتر ہو چکی ہوں گی، میری طرف سے سلام و نیاز عرض کر دیجیے۔

ابھی یہ عریضہ لکھ ہی رہا تھا کہ مولانا ادریس صاحب[7] تشریف لائے، آج وہ اپنے وطن جا رہے ہیں، رمضان تک قیام کاندھلہ میں رہے گا۔ تھانہ بھون شریف اور دیوبند کے سفر کا خیال اگر ابھی باقی ہو تو مولانا اس تمنا کا اظہار کرتے ہیں کہ کاندھلہ کی قسمت میں ایک دن ہو۔ سیّد الطائفہ[8] تو اب سیّد المجاہدین بن کر فلسطین کی طرف بڑھے ہیں۔ اللّٰھم بارک فی مساعیھم.

مناظر احسن گیلانی

---

[1] یعنی تنخواہ کا کاغذ

[2] مولانا گیلانی کی غیر معمولی مروت اور نرم مزاجی سے فائدہ اٹھا کر مکتوب الیہ کی طویل علالتی رخصت کے زمانے میں کچھ لوگوں نے مولانا کے مکان پر اس طرح قبضہ کیا کہ ایک کمرہ بھی خالی نہ چھوڑا۔ یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔

[3] بھوئی، حیدر آباد دکن کی ایک گنوار لیکن وفادار اور محنتی قوم۔

[4] کھاتولی ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ ہے جہاں مکتوب الیہ کے جد امجد ملتان سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔

[5] مفتی عبداللطیف سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونورسٹی

[6] مولانا محمد حسین حیدر آبادی، مرشد مولانا گیلانی

[7] مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔ پیدائش: ۲۰ راگست ۱۸۹۹ء، وفات: ۲۸ رجولائی ۱۹۷۵ء بمقام لاہور

[8] مولانا سیّد سلیمان ندویؒ

(۲۳)

۴رمضان ۱۳۵۵ھ (۱۷ر نومبر ۱۹۳۶ء)

رفیقی الکریم زاد کم اللہ رَافَۃً وَرَحمَۃً..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''صیامِ رمضان'' اور ''قیامِ رمضان'' مبارک ہو، ہماری تراویح تو باغِ عامہ میں امامِ باغ عامہ کے پیچھے ہو رہی ہے۔ فالحمد للہ۔

آپ کا مکتوب خط شاید ایک ہفتہ ہوا کہ آیا ہوا ہے، میں اب تک اس کا جواب نہ دے سکا متفرق سوالات تھے جن کے جوابات حاصل کرلوں، خیال تھا کہ تب جواب دوں گا، اتنے میں آج چار دن ہوئے کہ حضرتِ رمضان کی تشریف آوری ہوگئی۔ اب اِدھر اُدھر جانا ذرا دشوار ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ مولوی محمود احمد خاں صاحب[1] سے ملاقات نہ ہوسکی۔ آج کالج بند ہے کل بھی بند رہے گا پرسوں اگر ان سے ملاقات ہوئی تو کسی دوسرے خط میں اس سوال کا جواب عرض کروں گا۔ باقی آپ نے مکان کے متعلق جن طول طویل خیال کا اظہار فرمایا ہے آپ اس کو دوسرے طریقے سے بھی ظاہر فرماسکتے تھے میں نے تو صرف ایک واقعی حالت کی تصویر آپ کی خدمت میں بھیجی تھی کہ اس مکان میں اتنے آدمی گھس گئے ہیں۔ یہ میرے بس میں نہیں کہ کسی کو گھر سے نکالوں۔ ہر شخص وہی کہنے لگتا ہے جو آپ سے مسلسل دو خطوں میں سن رہا ہوں۔ ''ہجر جمیل'' زبردستی کی نیازمندی اور خدا جانے کیا کیا۔ حالانکہ اس میں ''ہجر'' کی کیا بات ہے نہ کفر، نہ گناہِ کبیرہ نہ صغیرہ، کچھ بھی نہیں، صرف ایک بداخلاقی ضرور سمجھی جاتی اگر آپ کے لیے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچانا اپنا فرض خیال نہ کرتا، اس حال کو دیکھ کر میں نے آپ کو کالج کے کمروں کی خبر دی، دوڑ دھوپ کی، ایک دفعہ نہیں متعدد بار وہاج الدین صاحب سے ملا، پھر اس سے مایوسی ہوئی تو مفتی عبداللطیف صاحب[2] کے مکان کا پتہ آپ کو دیا، غالباً اس مکان کا کرایہ اس مکان سے بیس روپے کم از کم آپ کو دینے پڑتے۔ پھر اس مکان کے صرف ایک کمرہ پر آپ قابض تھے یا زیادہ سے زیادہ دو پر اور وہاں متعدد کمرے تھے، سواری کی بھی آسانی تھی اور یہ بھی صرف ایک رائے کی حد تک بات تھی، نہایت آسانی سے آپ لیت ولعل وزمی کے ساتھ بھی اپنے اس خادم کو لکھ سکتے تھے کہ مفتی صاحب کے مکان میں میں رہنا نہیں چاہتا، ظاہر ہے کہ اگر اس مکان میں آپ کے

لیے گنجائش پیدا نہ ہوئی تھی تو یقیناً میرا فرض تھا اور ہے کہ مسلسل اس وقت تک دم نہ لوں جب تک یا تو اس مکان میں آپ کے لیے نظم کروں یا کسی اور معقول جگہ، ان دو جگہوں میں ناکامی ہوئی تھی تو تیسری جگہ تلاش کی جاتی، لیکن آپ نے تو پندرہ سال کی نوازشوں کا پشتارہ ایک دفعہ مجھ ناتواں کے سر پر دے مارا اور ''قانون'' و ''حق'' کے تمام آلات سے مسلح ہو کر اس کے سامنے مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جو بیچارہ کسی طرح بھی مقابلے کے لیے پیدا نہ ہوا جو دشمنوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا، آپ فرماتے ہیں کہ وہ دوستوں کے مقابلے پر کھڑا ہو، کشمکش کرے، میری خراب قسمت کے یہ سب کرشمے ہیں میں نے کیا لکھا آپ نے کیا سمجھا، بہر حال میں آپ سے دست بستہ معافی کا خواست گار ہوں اور اگر کسی واقعہ کی تعبیر میں مجھ سے عبارتی تقصیر ہوئی ہے تو آپ اس سے درگزر فرمائیں۔

میں نے حسبِ الحکم دل کڑا کر کے سجاد صاحب[3] سے کہہ دیا ہے کہ مولوی صاحب اس مکان میں آ کر اتریں گے، اب دو ہی حال ہے یا آپ مکان الگ لے لیجیے یا ہم اور مولوی صاحب اس مکان سے علیحدہ ہو جائیں جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ مکان تلاش کر رہا ہوں، لیکن ملتا نہیں ہے جب مل جائے گا چلا جاؤں گا، سامنے کریم ٹیکسی[4] نے جو بنگلہ بنایا ہے اس کے صرف بالا خانہ کا کرایا ۸۰ روپیہ مانگتا ہے صرف بالا خانہ، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن میں سخت حیران ہوں کہ کیا کروں، کاش اگر چالیس میں کریم اپنا بالا خانہ دے دیتا تو میں ہی اس میں چلا جاتا یا آپ کو وہاں ٹھہراتا، لیکن اس کرایہ میں وہاں کون جا سکتا ہے۔ اب اگر سجاد صاحب نہ گئے تو میں نے یہی سوچا ہے کہ اوپر کے ''مغربی کمرہ'' اور جو کمرہ ''غسل خانہ'' والا ہے اس میں ہم تین آدمی رہیں گے یعنی خاکسار، میاں محی الدین اور ان کے ماسٹر اور خاکسار کا جو مشرقی کمرہ تھا اس کو آپ کے لیے مخصوص کر دوں، بلکہ اگر واقعی اس دفعہ بھی آپ صرف چند دنوں کے لیے آنا چاہتے ہیں تو آپ کی حیثیت ہمارے یہاں وہی ہو گی جو گزشتہ سال سیّد صاحب[5] کی ہم لوگوں کے یہاں تھی۔

معتبر خبر یہ ہے کہ کالج لیلۃ القدر کی تعطیل سے بند ہو کر ایک مہینہ بعد کھلے گا، مولوی فضل صاحب تو پھر چھٹی لے کر مظفر نگر روانہ ہو گئے، غالباً آپ تو تعطیلوں کے بعد آئیں گے، انھوں نے بھی رخصتوں میں راحت محسوس کی اور ان کا بیان تو یہ ہے کہ کفایت بھی ہے مفتی

صاحب ان کی اس مطلق العنانی پر ابتدا میں کچھ برہم ہوئے، لیکن انھوں نے ذرا ڈٹ کر جواب دیا، اب دم بخود ہیں۔ "جو مزاجِ یار میں آئے" کے ورد میں مصروف۔

خدا جانے آپ کا خط میں نے حفاظت سے کہاں رکھ دیا ہے کہ اس وقت ٹھیک جواب دینے کے لیے بہت ڈھونڈا، لیکن کسی ایک جگہ پر محفوظ ہے کہ آسانی کے ساتھ رسائی اب وہاں ناممکن ہے، ناچار حافظہ کے بھروسہ پر جو جو خیال میں آیا جواب دے دیا۔

حضرت قبلہ[6] اب بحمد اللہ بالکل اچھے ہیں۔ ادھر اس مرض کے بعد ایک خاص رنگ کے ساتھ شگفتہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان کی جوتیوں کے صدقہ "ایمان ویقین" کی عجب گھاٹیاں طے ہوئیں، ان چند مہینوں میں بعض نئی باتوں کا اضافہ ہوا جن سے اب تک محروم تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَ جَلَالِهٖ.

مناظر احسن گیلانی

۱۔ سابق پروفیسر شعبۂ کیمسٹری ورجسٹرار جامعہ عثمانیہ

۲۔ سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، وفات: ۵ر دسمبر ۱۹۵۹ء

۳۔ یہ وہی صاحب ہیں جو مولانا گیلانی کی مروت اور نرم مزاجی کی وجہ سے مکان پر قابض ہو گئے تھے۔

۴۔ مولانا گیلانی اور مکتوب الیہ قیام حیدر آباد کے دوران یہیں سے ٹیکسی کرائے پر لیتے تھے۔

۵۔ مولانا سید سلیمان ندوی جو مولانا گیلانی اور مکتوب الیہ دونوں کے حیدر آباد میں مہمان تھے۔

۶۔ مولانا محمد حسین حیدر آبادی، مرشد مولانا گیلانی

(۲۴)

۱۳ ر مضان ۱۳۵۵ھ (۲۶ ر نومبر ۱۹۳۶ء)

عثمانیہ کالج حیدر آباد دکن

رفیقی الکریم دمتم بالعافیۃ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا جانے آپ نے میرے خط کا کیا جواب دیا ہوگا، بہر حال آخری لفافہ جو میں نے لکھا ہے اس کا جواب آج تک مجھے نہیں ملا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ عریضہ میں لکھ رہا ہوں۔ کیوں لکھ رہا ہوں، کیا بتاؤں، آپ جانتے ہیں اس سیاہ بخت، سیہ سینہ کو "کوئے نیک نامی" میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ کشف و رویاء سے قطعاً کسی قسم کا تعلق نہیں ہے تاہم

رمضان کا مہینہ ہے ایمان اور روزہ کی سعادت حاصل ہے، اسی حال میں مجھے محسوس کرایا گیا کہ آپ کی خدمت میں ''استغفار''[1] کی درخواست دوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے کو حالانکہ آپ کا مجرم نہیں پاتا، لیکن آپ بھی مجھے مجرم گردانتے ہیں اور آج جس اثر کے تحت یہ عریضہ لکھ رہا ہوں، اس میں بھی میں ہی مجرم ٹھہرایا گیا ہوں، بہر حال تفصیل کیا عرض کروں نہ اس وقت کہتا ہوں اور نہ شاید کبھی کہہ سکوں۔ پس صرف اس قدر عرض ہے کہ آپ کو میری کسی بات سے کسی قسم کا گزند پہنچا ہو تو للہ اسے معاف فرما دیجیے، دس سال سے زیادہ کے حقِ صحبت کا خیال فرمائیں، کچھ معلوم نہیں کہ زندگی کے کتنے لمحے اب باقی ہیں کاش اس سے پہلے کہ میں اٹھایا جاؤں، آپ کا کوئی معافی نامہ[2] مجھے مل جاتا جس سے یہ دل کا کھٹکا نکل جاتا۔ میں ۲۵ رمضان تک حیدر آباد ہی میں ہوں مجھے امید ہے کہ آپ خود بھی بخش دیں گے اور میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں گے۔

نئی خبر یہ ہے کہ مولوی حسام الدین کو آپ کی جگہ بہت راس آئی، انھوں نے جوڑ توڑ لگا کر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی جگہ جو اَب شعبۂ قانون میں منتقل ہو گئے ہیں، اپنے کو مقرر کرا لیا، ان کو حکم ملا ہے کہ مولوی عبد الباری صاحب آنے کے بعد شعبۂ دینیات میں کام کریں گے، بس آج سے مجھے اپنے اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔ کسی عمیق قلبی اشارہ کے تحت خدمتِ والا میں اس درخواست کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ والدہ صاحبہ قبلہ مدظلہا کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ ان شاء اللہ اب وہ بالکل اچھی ہوں گی۔

شوریدہ سر
مناظر احسن گیلانی

---

[1] مکان کے قضیۂ نامرضیہ میں مولانا گیلانی کی حد سے زیادہ مروّت اور نرمی کی مکتوب الیہ کو شکایت ہوگئی تھی، یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔
[2] یہ مولانا گیلانی کی کسرِ نفسی کی انتہا ہے۔

(۲۵)

۲۶ رمئی ۱۹۳۷ء مطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

رفیق الکریم سلمکم اللہ تعالیٰ وعافاکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا جانے کون کہتا ہے، کون پھونکتا ہے، اس سال خلافِ دستور پورے صوبہ میں یہ اعلان ہوگیا کہ بہار کا پرانا مجرم[1] جو مرضِ ضیق میں مبتلا کیا گیا تھا، اچھا ہوگیا اور صاحب السیرۃ[2] بھی ان دنوں وطن ہی میں ہیں، ہر چہار طرف سے یلغار[3] کردی گئی بھاگل پور، مونگیر سستی پور، دربھنگہ، اورنگ آباد، گیا، پٹنہ، دانا پور، پھلواری شریف سے لوگوں کا تانتا بندھ گیا، کس کس کو جھڑکتا، آخر جانا پڑا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر آج بھاگا ہوں کہ دیوبند کا سفر سامنے ہے۔ آج ۲۶ کو پٹنہ میں لکھنؤ کے فساد کی خبر معلوم ہوئی تھی، وہیں سے دریافتِ خیریت میں خط لکھنا چاہتا تھا، لیکن امید تھی کہ آپ نے خود خبر دی ہوگی، گیلانی میں آپ کا خط نہیں ملا۔ تب خط لکھنے بیٹھا کہ اچانک ابھی ابھی آپ کا کارڈ ڈاکیہ نے دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ بحمد اللہ بعافیت ہیں، ان شاء اللہ وہ محلہ محفوظ رہے گا۔ ۲۶ کو جب میں گیلانی ہی میں ہوں تو اب آپ سے کیا ملاقات ہوگی۔ میری آخری گاڑی ہے، کل میں روانہ ہوتا ہوں۔ آپ دہلی جا چکے ہوں گے اس لیے یہ عریضہ دہلی لکھ رہا ہوں کیا دیوبند میں ملاقات ہوگی، یا آپ لکھنؤ واپس ہوں گے اور واپسی میں وہیں ملاقات ہوگی، ان امور سے آپ دیوبند میں مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔ برادرم مکارم سلمہ، پر آج کل حضرت[4] کی عقیدت کا غلبہ ہے۔ جو کچھ آپ کا پروگرام ہو اس سے دیوبند میں مطلع فرمائیں۔ برادرم مکارم احسن سلمہ، بھی ساتھ جا رہے ہیں۔ اگر آپ دہلی میں رہے تو ممکن ہے میں ان کو تنہا آپ کے پاس دہلی بھیج دوں، کچھ اطباء سے ملنا چاہتے ہیں۔ فقط

والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

[1] یعنی خود مولانا گیلانی

[2] علامہ سید سلیمان ندوی

[3] سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں تقریر کے لیے

[4] مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ پیدائش: ستمبر ۱۸۶۳ء۔ وفات: ۲۳ رجولائی ۱۹۴۳ء

(۲۶)

۵ مارچ ۱۹۳۸ء مطابق ۳ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

مخدوم ومحترم دامت عنایتکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ حیدر آباد کا چلا ہوا مجھے ذرا دیر میں ملا میں نے اپنی رخصت کے ایام کو غنیمت شمار کیا اور اپنے بعض طبی مشیروں کے حکم سے راجگیر[1] چلا گیا تھا جہاں گرم چشموں کے پہاڑ ہیں۔ لوگ ان میں نہاتے بھی ہیں اور ان کو پیتے بھی ہیں۔ ایک ہفتہ کے قریب قیام رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ غیر معمولی طور پر میں نے فائدہ محسوس کیا افسوس اس کا ہوا کہ راجگیر میں قیام کا موسم فروری پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہاں رہنا بجائے فائدہ کے مضر سمجھا جاتا ہے۔ بہت جلد واپس ہونا پڑا، ان شاء اللہ تعطیلاتِ محرم کے بعد آپ سے ملاقات حیدر آباد میں ہوگی۔ میرا زخم اب بحمد اللہ بالکل اچھا ہے صرف زخموں پر خشک کھٹی[2] جمی ہوئی ہے۔ بہار کا موجودہ موسم بہت زیادہ خوشگوار اور صحت بخش ہوتا ہے۔ اس پر راجگیر کے قیام نے میری صحت کی بحالی میں بفضل اللہ بڑی اعانت کی۔ اب قوت بھی پوری واپس ہو چکی ہے، مکان کا فیصلہ تو آپ کر کے آئے ہوں گے۔ برادرم فضل سلمۂ کا کوئی خط ادھر نہیں ملا، مولوی سجاد صاحب کا ایک خط آیا تھا، لیکن اس میں انھوں نے مکان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

والدہ صاحبہ کی خدمت والا میں میرا سلام پہنچا دیجیے ان کی دعاؤں کا ملتجی ہوں۔ برادرم مکارم سلمۂ بھی سلام فرماتے ہیں اور بحمد اللہ ہر طرح خیریت ہے۔ مولانا سعد الدین صاحب کے خطوط خیریت کے آئے ہوں گے، ان کی خیریت سے بھی مطلع فرمائیں اگر ادھر خط لکھنے کا خیال آ جائے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] راجگیر بہار کا ایک معروف شہر۔ یہاں وہ پہاڑ ہے جو گوتم بدھ کا مسکن اور قدیمی مگدھ سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔
[2] یعنی کھرنڈ۔

(۲۷)

۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء مطابق ۲۰ صفر ۱۳۵۷ھ

سیّدی وصدیقی ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس دن گاڑی لیٹ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن بھر کیول[1] میں بیٹھنا پڑا اور بجائے صبح

کے شام کو بعد مغرب گیلانی پہنچا۔ برادرم مکارم سلمہٗ موٹر شیخ پورہ[2] لے آئے تھے۔ اس سے بڑی آسانی ہوئی، ورنہ رات کو کہاں کہاں بھٹکتا اس کے بعد شیخ پورہ کی مسلم لیگ کا یہاں ہنگامہ شروع ہوا۔ پہلے تو میں چھپا رہا لیکن شوکت صاحب[3] اب آئے تو بے ساختہ ان سے ملنے کو جی چاہا۔ لیڈروں کو میری ہی موٹر کیول سے شیخ پورہ لا رہی تھی، راجہ صاحب تو بارہ بنکی سے بوجہ درد قولنج واپس ہو گئے، لیکن جمال میاں[4] اور چودھری[5] لکھنؤ سے آئے، میں بھی آخر پکڑا گیا اور ایک مختصر تقریر کرنی ہی پڑی۔ حیدر آباد کا حال اخبارات میں پڑھا ہوگا میاں مشتاق کے خط سے معلوم ہوا کہ خاص عثمان شاہی[6] میں بھی اچھی مار پیٹ ہوئی، خدا جانے کیا واقعہ پیش آتا، اگر ہم لوگ وہاں ہوتے، عجیب بات ہے کہ شروانی صاحب[7] کا خط حبیب گنج[8] سے آیا ہے جس میں حیدر آباد کا ذکر بھی نہیں ہے۔ کیا یہ عبدالحمید خاں[9] کا صرف شوشہ تھا جو اخباروں تک پھیل گیا، میں اس کے بعد پٹنہ بھی گیا۔ خطبہ سنا دیا گیا، شکر ہے کہ پسند کیا گیا۔ "سرچ لائٹ"[10] نے اس کا خلاصہ دو صفحوں میں شائع کیا، لیکن پٹنہ میں ایک عجیب سانحہ پیش آیا، مکارم سلمہٗ کی لڑکی کا جس لڑکے سے عقد ہوا ہے، وہ پٹنہ کالج کے سال سوم میں پڑھتے ہیں۔ چند دن ہوئے کہ ان کو زکام ونزلہ کے ساتھ بخار ہوا، اچھا ہوا، امتحان کی وجہ سے محنت کرنی پڑی، بخار عود کر گیا اور کھانسی بھی، بلغم میں ایک دو دفعہ سرخی بھی محسوس ہوئی، اب نہ پوچھیے، ہنگامہ برپا ہو گیا ہے، اگرچہ ڈاکٹروں، حکیموں نے پوری امید دلائی ہے کہ خطرہ کی بات نہیں ہے، لیکن احتیاطاً رخصتی کی تاریخ ہٹانی پڑی اور اس سال امتحان سے بھی ان کو روک دیا گیا۔ سب سامان ہو چکا تھا اب یہ حادثہ پیش آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرمائے۔ ابھی روپیہ کہیں سے نہیں آیا ہے۔ آموں کے نسخے کے متعلق برادرم مکارم آپ کو مستقل جواب دیں گے۔ کہیے خربوزوں کا کیا حال ہے، پچھیا خوب چل رہی ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] کیول مین لائن کا ایک بڑا اسٹیشن ہے۔

[2] شیخ پورہ، ضلع مونگیر (بہار) کا ایک معروف قصبہ ہے۔

[3] مولانا شوکت علی مرحوم، تحریک خلافت کے نامور رہنما، پیدائش: ۱۰ر مارچ ۱۸۷۳ء۔ وفات:

۲۷ر نومبر ۱۹۳۸ء۔
۴ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے صاحب زادے
۵ چودھری خلیق الزماں مسلم لیگ کے نامور رہنما۔ پیدائش: ۲۵ر دسمبر ۱۸۸۹ء، وفات: ۱۸ر مئی ۱۹۷۳ء
۶ عثمان شاہی حیدرآباد دکن کا ایک محلہ ہے۔
۷ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی۔
۸ حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کا بسایا ہوا گاؤں ہے۔
۹ عبدالمجید خاں، مولانا شروانی کے سالے تھے۔
۱۰ بہار کا قدیم انگریزی روزنامہ جو پٹنہ سے شائع ہوتا تھا۔

(۲۸)

۲۴ر مئی ۱۹۳۸ء۔ ۲۴ر ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

گیلانی (بہار)

رفیقی الکریم و صدیقی الحمیم دمتم بالھناء و الرفاھیة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا جانے کس وقت کس نیت سے آپ نے خربوزے رواز نہ فرمائے کہ کچھ عجیب حالات اس کے ساتھ پیش آئے، من جملہ ان عجائبات کے پہلا عجوبہ یہی ہے کہ شاید جتنی تاخیر سے اس کی رسید جا رہی ہے، میں نے آپ کے کسی گرامی نامہ کے جواب میں بھی اتنی تاخیر نہ کی ہوگی اور یہ تو پہلا عجوبہ ہے۔ دوسرا تیسرا الخ سنتے چلے جائیے۔

جس دن آپ کا گرامی نامہ ملا کہ پارسل روانہ ہو چکا ہے۔ ٹھیک اسی وقت ہمارا پورا گھر اپنے ایک خاص عزیز کی تقریب میں شرکت کے لیے پٹنہ جا رہا تھا۔ حیرت تھی کہ اب کیا جائے تو کیا کیا جائے بہرحال یہی سوچا گیا کہ خواہ بلٹی ملے یا نہ ملے، لیکن آدمی شیخ پورہ جائے اور جائز و ناجائز جس ذریعہ سے ممکن ہو پارسل چھڑائے اور اسی وقت اس کو دسنہ روانہ کرے۔ یہی کیا گیا، ہم لوگ دسنہ چل دیے۔ دوسرے دن دو بجے قریب ٹوکرا وہیں پہنچا۔ کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ مولانا عبدالباری صاحب کا بھیجا ہوا خربوزہ مولانا سیّد سلیمان صاحب کی میز کی زینت بنا۔ تصور سے کیا یہ بالاتر واقعہ نہیں ہے۔ بہرحال اس خوف سے کہ ضائع ہو جائے گا دسنہ میں احباب کو تقسیم کیا گیا، میاں مکارم کے لیے یہی فضیلت کافی تھی

کہ لکھنؤ خاص سے ان کے نام خربوزہ آتا ہے اور آتا ہے ایک ایسے بزرگ کی جانب سے جس کے قلم کی لکھی ہوئی کتابوں سے دسنہ لائبریری[1] کی کم از کم الماری کا ایک طبقہ تو ضرور بھرا ہوا تھا۔ سیّد صاحب سے خوب خوب ملاقاتیں دسنہ میں ہوئیں اور یہ انجام اس خربوزہ کا ہوا۔ آپ کے نزدیک تو وہ ادنیٰ تھا لیکن ہم بہاریوں کے لیے او ادنیٰ کا بلند مقام ایک خربوہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ اب سنیے اس کے بعد ہم لوگ گیلانی واپس ہوئے یہاں آکر بلٹی ملی، بیچارے مکارم چوں کہ تقریباتی کھانوں کے بعد عموماً بیمار ہوجاتے ہیں، معدہ بے قابو ہوگیا ہے۔ تین دن سے صاحبِ فراش ہے، گویا غذا بند ہے اور اسی کے ساتھ ان کی ایک لڑکی بیچاری تقریباً ایک ہفتہ سے بخار میں مبتلا ہوگئی ہے۔ ایک سو چار پانچ تک بخار چڑھ جاتا ہے اور اترتا نہیں، سخت تشویش میں اس وقت ہم مبتلا ہیں، ان ہی حالات نے خط لکھنے کی بھی فرصت نہ دی، اس پر طرّہ یہ ہے کہ ربیع الاول کا آگیا ہے مہینہ۔ ہر گاؤں، قصبہ، شہر سے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے، طرح طرح کے وسائل اختیار کیے جاتے ہیں۔ دس سے انکار کے بعد ایک سے اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔ کم از کم اب تک پانچ چھ تقریریں کرنی پڑیں اور ابھی سلسلہ رکتا ہوا نظر آتا نہیں۔ آپ سے عرض کیا تھا کہ میرے باغ میں جو آم سویرے پکتے تھے، ان میں اس سال کوئی نہیں آیا۔ غضب تو اس مٹھوا[2] نے کیا کہ میری چہل سالہ سے زیادہ زندگی میں پہلی دفعہ صفر ہوگیا ہے۔ اعلان اسی کا تھا، لیکن جب کیریاں پتوں سے باہر ہوئیں تو بمشکل پندرہ بیس آم ہاتھ آئے۔ اب امید جو کچھ ہے لنگڑے کی ہے۔ لنگڑے کے بعد درختوں میں جو کچھ پھل ہیں غنیمت ہیں، لیکن افسوس کہ میرے جانے سے پہلے دیکھیے وہ پکتے بھی ہیں یا نہیں۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] دسنہ، ضلع پٹنہ کی مشہور لائبریری جسے بعد ازاں خدابخش لائبریری پٹنہ میں منتقل کردیا گیا۔

[2] مٹھوا بہار کا خوش مزہ اور خوشبودار آم ہے۔

(۲۹)

۸ جون ۱۹۳۸ء مطابق ۶ ربیع الآخر ۱۳۵۷ھ

صدیق الصدوق عافاکم اللہ و حماکم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''شکر'' کی خبر نے جو نمک پاشی کی کیا عرض کروں۔ ''مرے کو ہی ماریں شاہ مدار''
یوں ہی آپ کیا تھے، جو آپ سے اب یہ نکالا جا رہا ہے۔[1] خدا ہی جانتا ہے کہ عباد
کے ساتھ اس کے کیا مصالح ہیں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ '' شَکر '' بھی ''شُکر '' ہی کی
سزاوار ہے، ہولے جو کچھ ہونا ہے یہیں ہو لے۔ آج جب کہ اس دنیا کے مصائب ہمارے
لیے ناقابلِ برداشت بن رہے ہیں، اسی سے اندازہ فرمائیے کہ پھر جس دنیا کی ہر شے میں
بقا ہے، اس کے تحمل کی طاقت کس میں ہو سکتی ہے، عموماً ''گڑمار'' دوا کے متعلق مشہور ہے کہ
اس کے لیے مفید ہے بہ مشورہ اطباء اسی کو استعمال کیجیے اور اس سے صبر حاصل کیجیے کہ آج
جس مکان میں آپ شکر سے روکے گئے ہیں، اسی مکان میں کوئی ایسا بھی تھا جو نمک سے
روکا گیا تھا[2]، رک جائیے جس سے روکا جائے، ان شاء اللہ ابھی ابتداء امر ہے، آپ پرہیز
سے کام لیجیے، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔ باقی آموں کا کیا ہو گا کیا آموں کی شیرینی بھی
ممنوع ہے؟

اب حیدر آباد اور اس کے حالات دماغ پر اپنے موسل چلانے لگے۔ کیا عرض کروں،
اب کی تو ایک نئی دنیا کے ساتھ حیدر آباد کا ارادہ ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عثمان[3] کے پاس والے مکان کے متعلق لکھ دیا ہے کہ امر داد الف[4] سے بحق
میرے اس کو قبضہ میں لے لیا جائے اب تو اسی میں جا کر ان شاء اللہ اترنا ہے۔

یہاں کا حال کیا لکھوں آج سولہواں دن ہے، مکارم سلمہ کی لڑکی کا میعادی بخار
بدستور باقی ہے۔ صبح و شام اسی حال میں بسر ہو رہی ہے۔ دنیا کا عجب حال ہے دیکھیے کب
اس زندگی سے فرصت ملتی ہے، کل عبدالحق (اردو) دسنہ آ رہے ہیں، مجھے بھی بلایا گیا ہے
موسمی حالات ٹھیک رہے تو ارادہ ہے کہ ہو آؤں، برسات سے پہلے برسات کا آغاز ہو گیا
ہے۔ تقریباً کچھ نہ کچھ روز اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

آج کل نہ معلوم کیوں ''ربّ العالمین'' اور ''ربّی الاعلیٰ'' پر دماغ متوجہ ہے[5] ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ''طبیعت'' ''نیچر'' ''فطرت'' ''مادہ'' یہ شیر کے منہ کے پتھر تھے، ان کو حذف
کر دینے کے بعد رَب اور مربوب میں کیا پردہ رہ جاتا ہے اور مربوب سے رب کیا جدا
ہو سکتا ہے۔ کیا درخت سے اس کی طبیعت اس کا مزاج اس کی صورتِ نوعیہ جدا ہو سکتی ہے؟

"پرورش کرنے والی قوت" کو جب "ربّی الاعلیٰ" کی تعبیر واضافت کے ساتھ سوچتا ہوں تو پستی میں بڑی بلندی محسوس ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب میں صرف اپنی قوت کا پرستار ہوں، عجب حال ہے اس خود پرستی کا "مربوب" اسی قوت ربیہ کا "اثر" معلوم ہوتا ہے۔ لکھ دیا، شاید کچھ آپ سے پاؤں، یا آپ ہی کچھ پائیں، والدہ صاحبہ بیچاری کا کیا حال ہوگا۔ صرف "آزمائش" زندگی ہے، ان سے سلام عرض کردیجیے۔ اپنی خیریت اور جو حالات اس کے بعد پیدا ہوئے، اس سے بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مکتوب الیہ کو شکر آنے لگی تھی۔
۲ اشارہ ہے جب مولانا گیلانی بغرضِ علاج مکتوب الیہ مکان میں رہے تھے۔
۳ حیدرآباد دکن میں مولانا گیلانی کے پڑوسی۔
۴ الف، حیدرآباد دکن میں رائج فصلی مہینہ
۵ توحید وجودی کے اشارات

(۳۰)

یوم الجمعہ

۱۷ رجون ۱۹۳۸ء مطابق ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۷ھ

سیّدی و رفیقی فی الدنیا والآخرہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل پھر "زندانِ دکن" کی طرف میرا ابن باس ہونے والا ہے اور پھر "عرفانِ رب" کے ساتھ یہ جانا ہو رہا ہے۔ "فسخِ عزائم" سے تو آپ جیسے اولوالعزم رب کو پاتے ہیں، لیکن "فسخ ویاوس" میں بھی اگر کسی کو یہ یافت میسر ہو تو کیا کیجیے یعنی حالات نے پھر اجازت نہ دی کہ اکیلا روانہ ہوسکوں۔ خیر "استخارہ" نے جب اس اثر کو پیدا کیا ہے تو اس کے سوا جو کچھ بھی ہے "شر" کے سوا اسے اور کیا قرار دوں ایسا کیوں ہوا، اصلی اسباب تو وہی ہیں جو عرض کیے گئے، باقی جھوٹ پھوس بھی کچھ ہے اس کو سن کر کیا کیجیے گا۔

شکر ہے کہ آپ کی "شکر" الحمدللہ غائب ہوگئی، لیکن اس سے آپ کو بھی مغالطہ ہوا اور غالباً گیلانی والوں کو بھی آپ نے جس پہلے خط میں اس کی خبر دی کہ میں "شکر ریز" ہوگیا

ہوں اسی میں لکھنا تھا کہ ''الاحلوایا'' کا استثناء بھی ڈاکٹروں نے فرمایا ہے۔اس وقت ''الحلوا اکلہا'' لکھا اب استثناء کرتے ہیں جب آم کی اس خاص فصل میں یوں ہی کمی تھی اگرچہ میاں مکارم پر بگڑ رہا ہوں اور اصرار کر رہا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو خربوزہ کا معاوضہ تم کو ادا کرنا چاہیے، لیکن کچھ تو وہ اپنی لڑکی کی طویل علالت سے بوکھلائے ہوئے ہیں۔آج تقریباً چھبیسواں دن ہے، گو حالت رو بہ اصلاح ہے، لیکن بخار کا سلسلہ اب تک جاری ہے، بہرحال بندہ تو روانہ ہوتا ہے، اب میاں مکارم لنگڑا بھیج کر استقامت کا ثبوت دیتے ہیں یا خود لنگڑے بن کر خود اپنے کو، مجھے اور سارے گھر بھر بلکہ شاید سارے صوبہ کو رسوا کرتے ہیں۔ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ٹوکری جس پر اس ہدیہ کا ارسال مبنی تھا، اس میں آم بھر کر میاں سمی صاحب کو'بازید پور' بھیجی گئی، سمی صاحب نے اس ٹوکری کو اپنے سسرال ''کوسی'' بھیج دیا، اب اگر آپ کی ٹوکری واپس نہ ہوئی تو اس کا الزام ایک حد تک میاں سمی کے ذمہ بھی آتا ہے۔آپ نے رخصت لے لی، خوب کیا۔ہائے میں کیا کروں کل کسی طرح جاتا ہوں، بس جاتا ہوں۔فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مکتوب الیہ قبل از وقت پنشن کے لیے کوشاں تھے۔اس میں کامیابی نہ ملی تو رخصت لیتے رہے۔اشارہ اسی جانب ہے۔

(۳۱)

۱۸/اپریل ۱۹۳۹ء مطابق ۲۷ صفر ۱۳۵۸ھ

الرفیقی الی الطریق حبی الصادق رزقکم اللّٰہ ایماناً کاملاً ھداکم صراطاً مستقیما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گیلانی پہنچنے کے ساتھ ہی مجھے مختلف تقریبوں میں شریک ہونے کے لیے آس پاس کے دیہاتوں میں گشت کرنا پڑا، میرے بہنوئی[۱] ابھی سفرِ حج سے واپس تشریف لائے ہیں۔ وہاں بھی دو مرتبہ جانا پڑا۔الغرض ان ہی اُلجھنوں میں ایسا الجھا رہا کہ خط لکھنے کی نوبت نہ آسکی، اس عرصے میں آپ کا بھی کوئی گرامی نامہ نہ ملا، وجہش خیر باد۔

کل ڈاکٹر صاحب قبلہ کا گرامی نامہ ملا جس سے اطمینان ہوا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خیریت ہے، آپ کی والدہ مدظلہا کی طرف دل لگا رہتا ہے۔ معلوم نہیں اب کہاں ہیں اور ان کی صحت کیسی ہے؟ ہمارے یہاں تقریب[2] ۲۲ رمئی کو ان شاء اللہ ہوگی، اس گرمی میں آپ کو کیا زحمت دی جائے اگرچہ آموں کی بہار ہے بارش نے موروں کو بالکل گلا دیا ہے، لیکن نہ معلوم کس طرح قلمی آموں میں کیریوں کی کافی مقدار محفوظ رہ گئی ہے۔ آج کل پچھیا تند و تیز ہوا میں کیریاں ہزاروں کی تعداد میں گرتی ہیں، دیکھیے پکنے تک کیا حال رہتا ہے۔ اخبارات سے لکھنؤ کی حالت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ کہاں ہو، کب ہو، کن راستوں پر ہو، کس طرح ہو جب یہ سارے معقولات حکومت نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھے ہیں تو آزادی کیا ملی۔ جب تک آدمی نہ ملے، چیونٹیوں ہی پر توپ چلاتے رہیے۔ ادھر دو تین دن سے نہ معلوم کیوں میں اپنے بعض سیاسی خیالات میں تغیر پاتا ہوں۔ حالانکہ اب تک کسی مولوی نے مجھ کو نہیں چھوا ہے۔ شاید میری مولویت کا بھی اثر عملی طور پر تو کچھ نہ پہلے تھا، نہ اب ہے، لیکن نظری طور پر وہی انجام ہو جو ہر مولوی کا ہے، غالباً دل ان لوگوں کو بھی حکومت ہی کی طرح "صُمٌّ وَ بُکْمٌ" خیال کرنے لگا ہے جو مسلمانوں کی طرف سے بولنے کے مدعی تھے اور کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حیدرآباد اب تو گاؤں گاؤں میں گھس گیا ہے۔ افترا پردازیوں کی گرج اور کڑک میں اس کی سواری اس گاؤں سے اس گاؤں تک گشت کرائی جا رہی ہے۔ البانیہ کے ساتھ محافظ اسلام[3] نے جو کچھ کیا اس پر اس لیے تعجب نہیں ہوا کہ اس نے ایسا کیوں کیا، بلکہ اب تک کیوں نہیں کر رہا تھا، اس پر حیرت تھی اور جب تونس کا رسیکا کا نام لیا جاتا تھا تو تعجب ہوتا تھا کہ البانیہ کو کیوں بھولے ہوئے تھے۔ بچوں کو دعا۔

مولوی فضل صاحب کا خط آیا تھا۔ اسفار کا ترجمہ شبرائے نظر ثانی اب تک نہیں آیا ہے، البتہ فصوص الحکم[4] کے متعلق ایک استفسار آیا تھا، لیکن مولانا عبدالقدیر شاید اس کام کو کر چکے ہیں، یہ رسمی مراسلہ تھا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا لطف اللہ صاحب برادر اکبر مولانا منت اللہ رحمانی

[2] مولانا گیلانی کے صاحب زادے محی الدین گیلانی کی تقریب نکاح

۳ مولانا گیلانی وطنی یا قومی آزادی کے قائل نہ تھے۔ شاید اس میں کچھ تغیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔
۴ غالباً یورپ کی طرف اشارہ ہے۔
۵ 'اسفار اربعہ' جس کا ترجمہ مولانا گیلانی نے تالیف و ترجمہ کی طرف سے کر رہے تھے۔
۶ فلسفہ تصوف پر شیخ محی الدین ابن عربی کی معروف کتاب۔

(۳۲)

۱۷؍اپریل ۱۹۴۰ء مطابق ۸؍ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

حبی الصدوق!......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے چاہا تھا کہ آپ کو اپنی رسید روپے کے ساتھ ہی بھیجوں، لیکن امام الائمہ[۱] کے مالی اجتہاد نے عجب مشکل میں مبتلا کر دیا، تنخواہ حضرت نے بذریعہ بیمہ بھجوائی اور اس بھجوائی میں ایک نوٹ ہزار روپیہ کا ہے، آنے دو آنے کا وزن کے اعتبار سے نفع تھا، غالباً اسی لیے یہ کیا گیا مصارف منہ پھاڑے، چاروں طرف سے جھانک رہے تھے، جب تک یہ ہزاری نوٹ نہ بھنے گاڑی رکی ہوئی ہے، بھلا اس کوردہ میں ہزار کے نوٹ کا خریدار کون ہوسکتا ہے۔ نہ بربیگھ[۲] میں نہ بہار شریف[۳] میں، ناچار کل میاں مکارم کو پٹنہ بھیجا ہے، امپریل بنک میں شاید بھن جائے۔ وہ گئے ہیں دیکھیے وہاں سے کیا جواب ملتا ہے، گویا انجمن اتحاد المسلمین کے ٹکٹ کا حال ہوا، ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ ۲ کی جگہ اب دس روپیہ کی چپت ہے۔ شہر کے آنے جانے میں اس سے کیا کم خرچ ہوگا۔ مجبوراً اب سادہ خط لکھ رہا ہوں تو قصہ یہ ہوا کہ آٹھ بجے گاڑی دریا آباد پہنچی۔ سامان لے کر اترا، یوں ہی دل میں خیال آیا۔ اسٹیشن پر جو لوگ موجود تھے، ان سے پوچھا کہ مولانا[۴] تشریف فرما ہیں یا نہیں، پہلے تو کچھ مبہم سا جواب ملا، لیکن جب چند قدم آگے بڑھا تو ایک صاحب نے حتماً اطلاع دی کہ آج بارہ بجے کی ٹرین سے وہ باہر گئے، زمین پاؤں سے نکل گئی، لیکن شکر ہے کہ گاڑی پانی لینے کے لیے ٹھہری ہوئی تھی، الٹے پاؤں قلی کو ساتھ لے کر اسی ڈبہ میں واپس آ گیا۔ ٹکٹ تو پٹنہ ہی کا تھا، بھوکا بھی تھا۔ کباب روٹی والے سے چند چپاتیاں اور کباب لے کر رات کا کھانا دریا آباد کے اسٹیشن پر کھایا، لکھنؤ سے بہار کے ایک رضائی عالم مولوی ظفیر الدین[۵] وہی جنہوں نے مشرقی کے قبلہ کو ''معارف'' میں درست کیا ہے، ساتھ ہوگئے تھے، ان ہی کے ساتھ صبح کو بانکی پور پہنچا، مولوی لطف اللہ[۶] کو دیکھ کر ہوش اڑ گئے۔

بہت نازک حال میں پایا اور ان سے زیادہ نازک حال بہن سلمہا کا تھا۔ ڈیڑھ سال سے یعنی آغاز سفر حج سے اس وقت تک عافیت کی زندگی سے محروم ہے اتنا غنیمت ہے کہ ٹی، بی کا جو شبہ تھا جس دن میں پہنچا اسی دن ڈاکٹر نے رپورٹ بول و براز کے امتحان کے بعد دی تھی، اس کے جرم بر آمد نہ ہو سکے۔ باقی معدہ، گردے دونوں ماؤف ہیں۔ چونکہ آنتوں میں دانے ہیں، اس لیے زبان اور منہ بھی پک پک جاتے ہیں۔ ڈاکٹری علاج ہو رہا ہے۔ بہن کے اصرار سے تین دن تک بانکی پور ٹھہرا رہا اور علاج و معالجہ کے متعلق ان کے بھائی اور دوستوں سے مشورہ ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ رحم فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے، سب سے بڑی مصیبت ان کی معکوس فطرت ہے جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کے خلاف کرنا ان کے فرائض میں سے ہے۔ ان کے مریدوں کا خیال ہے کہ حضرت نے سال بھر کا تپسیا کیا ہے اور جب میقات تمام ہو جائے گی اچھے ہو جائیں گے۔ خدا کرے اس حسنِ ظن کے ساتھ ان کا رب بھی ہو۔

اور کوئی نئی خبر نہیں ہے۔ البتہ "پیام"[3] اخبار سے یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہوا کہ بے چارے سمی کو تا حکم ثانی میڈیکل[4] کالج منتقل کر دیا گیا ہے اور کونسل یا حکومت میں ان کا مسئلہ پیش ہونے والا ہے۔ رہبر[5] تو آپ کے پاس آتا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کا خط آیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا، بڑا افسوس ہے خدا کرے بے چارہ اس مصیبت سے نکل جائے۔ اور ناروے و ڈنمارک سویڈن کے انضمام کا قصہ تو معلوم ہی ہو رہا ہوگا۔ عجب شانِ الٰہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے میرا اسلام فرما دیجیے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام۔ میاں شعیب کو دعا بچیوں کو دعا، گیلانی میں بحمد اللہ اس وقت تک سب لوگ بعافیت ہیں اگر چہ آم کے متعلق صفر کی رپورٹ تھی، لیکن ذائقہ کی حد تک ہے۔

مناظر احسن گیلانی

۱ے مولانا فضل صاحب جن کا مالی اجتہاد کبھی کبھی الٹا نتیجہ پیدا کر دیتا تھا۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

۲ے بربیگھ جنوبی مونگیر کا ایک مرکزی مقام۔

۳ے بہار شریف ضلع پٹنہ کا سب ڈویژن بو حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی خانقاہ اور مزار کی وجہ سے

معروف ہے۔

۴ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

۵ مولانا ظفیر الدین مولف 'صحیح بہاری' (وفات: ۱۸ر نومبر ۱۹۶۳ء) ڈاکٹر مختار الدین احمد (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے والدِ گرامی تھے۔

۶ مولانا گیلانی کے بہنوئی۔

۷ مولانا منت اللہ رحمانی

۸۔ روزنامہ 'پیام' حیدرآباد دکن کا معروف اخبار جو قاضی عبدالغفار (پیدائش: ۱۸۹۰ء۔ وفات: ۱۷ر جنوری ۱۹۵۶ء) کے زیرادارت شایع ہوتا تھا۔

۹۔ 'رہبرِ دکن' حیدرآباد دکن کا معروف روزنامہ اخبار

(۳۴)

محراب الہدایۃ والارشاد گیلانی (بہار)

۱۹ رمئی ۱۹۴۰ء بمطابق ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

صدیقی الکریم دمتم بالعافیہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مدت سے میں نے آپ کو کچھ نہیں لکھا۔ آپ کا ایک کارڈ آیا تھا، اس کا بھی جواب نہیں دیا ہے۔ واقعہ بھی ہے کہ اس کا سبب وہی پرانی بات ہے کسی خبر کا نہ ملنا اچھی خبر کی دلیل ہے۔ بحمد اللہ یہ چند دن امن وعافیت سے گزرے۔ اس عرصہ میں صرف ایک دفعہ پٹنہ مدرسہ بورڈ کے جلسہ کی شرکت کے لیے جانا پڑا اور ''پٹنہ'' سے ایک دن کے لیے ''آرہ'' میلاد پڑھنے گیا۔ سیّد صاحب قبلہ اس کمیٹی کے صدر تھے۔ ہم دونوں کا قیام ایک ہی جگہ تھا۔ چند دن بڑے اچھے گزرے۔

ادھر خلافِ معمول حضرت تھانوی مدظلہ العالی سے مراسلت کی آخر مجھے جرأت ہو ہی گئی۔ اور جرأت جب ہوئی تو خوب ہوئی خدا کا شکر ہے کہ چند خطوط کی آمد ورفت نے دل کے بہت سے کانٹے نکال دیے حضرت[1] سے صرف دینی ہی نہیں، بلکہ بعض دنیوی مسائل میں بھی مشورہ طلب ہوا تھا۔ ہر ایک کا شافی حکیمانہ جواب مَا قَلَّ وَ دَلَّ عطا فرمایا گیا، کلیاتِ اشرفیہ میں ان دنوں مجھ پر ''قادر بقدرت غیر قادر نہیں ہے'' کا زیادہ اثر ہے کہ چند دنیاوی مشکلات کا حل اس کے سوا کچھ نہ تھا، مسئلہ خاص[2] کے متعلق حضرت نے خلاف معمول اطناب سے اپنے مکاتیب میں کام لیا۔ بحمد اللہ اس سے مجھے نفع پہنچا، لیکن اب تک اس باب میں تشفی نہ ہوئی کہ اتنا ستر اس کے لیے کیوں ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔

اور کوئی خاص بات جو قابل ذکر ہو، سامنے نہیں ہے۔ البتہ حیدر آباد سے خبر آئی ہے کہ سیّد محی الدین صاحب شریک معتمد ہو کر ہوم آفس آ گئے، لیکن خود ان کا کوئی خط نہیں آیا ہے۔ آج کل اگرچہ میں ایک ''کوردہ گاؤں''[3] میں ہوں، لیکن اخبارات اردو اور انگریزی کے جو یہاں آتے ہیں، ان سے تو دن بدن انتشار بڑھ رہا ہے۔ بہرحال دنیا ایک قیوم کی

قومیت کے ساتھ مربوط ہے جو کچھ ہوگا علم و حکمت و ارادہ کے تحت ہوگا، مگر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ حالات تو کسی شدید طوفان کی خبر دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر عثمان صاحب کا خط آیا تھا، لڑکی کی رخصتی کی خبر دی تھی، آپ کی اور میری عدم شرکت پر انھوں نے افسوس کا اظہار فرمایا ہے، ان ہی کے خط سے معلوم ہوا کہ سیّد حسین کی مسجلی پھر معرض خطر میں آگئی۔

مکرم و مخدوم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی خدمتِ گرامی میں سلام و نیاز پہنچا دیجیے۔ سیّد صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ نے ندوہ کی رکنیت سے استعفاء دے دیا ہے۔ آخر اس میں کیا مصلحت پیشِ نظر ہے یعنی کُل چونکہ نہیں مل سکتا، اس لیے جزو کو بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ والدہ صاحبہ کا کیا حال ہے۔ میری طرف سے بہت بہت سلام عرض کر دیجیے۔

برادرم مکارم سلمہٗ سلام عرض کرتے ہیں اور یہ کہ ہمارے باغ میں اگر آم نہ آیا تو لکھنؤ میں بھی اس سال خربوزے نہ آئے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ

[2] مسئلہ خاص سے مراد مسئلۂ وحدت الوجود ہے۔

[3] یعنی گیلانی۔

(۳۴)[1]

رفیقی و صدیقی! عافاکم اللّٰہ و رزقکم شفاً عاجلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ جس میں راستہ ہی میں پھر مرض کے حملہ کی اطلاع تھی، بنام ڈاکٹر صاحب مل گیا، کیا کیا جاسکتا ہے۔ "بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ" کے افعال کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ آپ جس دن گئے، اس کے دوسرے دن میں افطار کے لیے مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا اوپر پہنچا کہ منہ کے بل گرا اور بری طرح گرا، گھٹنا پھوٹا اور آنکھ کے نیچے ایک سخت گھسا لگا۔ گھٹنا میں اب تک پٹی بندھی ہوئی ہے، شکر ہے کہ ہڈی وڈی محفوظ رہی تاہم عید کی نماز مجھے پڑھانی پڑی، بارہ ہزار کا مجمع تخمیناً عیدگاہ سکندرآباد میں تھا۔ تمام

مساجد میں نماز موقوف کردی گئی تھی۔ گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ باوجود ڈاکٹر صاحب کے حکم کے آپ کا ارادہ واپسی کا ہے۔ دیکھوں آئندہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی مہربانیاں نازل فرمائے۔ امام مسجد کو آپ کے جانے کے بعد اب آپ کی نوازشوں کا احساس ہوا میرے پاؤں پر آ کر گرتا ہے کہ مولانا سے معافی کرادو۔ ایک خط بھی لکھ کر دیا تھا، لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔ اب بہت روتا اور پچھتاتا ہے۔

میں نے اس سے کہہ دیا کہ بھائی مولانا ان دنوں جس حال میں ہیں فکر نہ کرو، وہ عفوو درگزر سے کام لیں گے۔ جب عمر کو ان جرائم کے بعد بھی وہ بخشتے رہے تو تمھیں کیوں نہ بخشیں گے۔ دراصل ایک دن میں اس پر برس پڑا تھا کہ مولانا جیسے بزرگ آدمی کے دل کو تم دکھاتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہم لوگ اس کے بعد بھی تم سے راضی رہیں گے۔ ہماری ظاہری مروّت اور نرمی نے تم کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کے بعد اس کے ہوش درست ہوئے۔ بہرحال اس کی ضرورت نہیں کہ آپ سے اس کی سفارش کروں آپ خود ان حالات کے عالم مجھ سے زیادہ ہیں۔

والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کردیجیے بچوں کو دعا اور گھر میں سلام فرمادیجیے۔ ڈاکٹر صاحب سے بھی سلام فرمادیجیے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

ا یہ خط بلا تاریخ ہے

(۳۵)

۲ر جنوری ۱۹۴۱ء مطابق ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

مکرم و مخدوم صدیقی المحترم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

بحمداللہ بخیر و عافیت ہم لوگ کلکتہ پہنچے، مکارم سلمہ کلکتہ اسٹیشن پر موجود تھے، انھوں نے نکاح محی الدین کے متعلق ایک نیا پروگرام طے کیا تھا، یعنی بجائے خرما کے تمر (پن کھجور) اور بجائے ایک خاص قسم کی مٹھائی جسے بہار میں تم دانہ کہتے ہیں اور ایک چنے میں لپٹی ہوئی شکر مختلف رنگوں کی ہوتی ہے۔ انھوں نے عہد جدید کی ٹافی اور لیمن چوس وغیرہ کا تقسیم کرنا طے کیا ہے۔ بہار میں کچھ دنوں سے علاوہ لٹانے کے شرکائے محفل عقد کو کانچ کی تشتریوں میں خرما و

قسم دانہ دیا جاتا ہے، انھوں نے بجائے کانچ کے طے کیا تھا کہ چینی کی تشتریاں بانٹی جائیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ان چیزوں کی خریداری اور پھر بہار کی رسم کے مطابق لڑکی کا جوڑا اور میاں محی الدین کے لیے بھی ایک جوڑا بنانا تھا ان ہی چیزوں کی خریداری میں چار دن لگ گئے۔ عجب شہر ہے، مختلف بازار میں چیزوں کا مختلف بھاؤ تھا، بڑی دماغی کوفت میں مبتلا ہونا پڑا۔ تاہم چیزیں حتی الوسع ارزاں ملیں، لیمن چوس کے تو کارخانے میں پہنچے، جہاں گنے سے ٹوفی و چوکلیٹ تک تمام منازل طے ہوتے تھے۔ خرما سے زیادہ پن کھجور سستی تھی اور دیسی مٹھائی سے وہ ولایتی مٹھائی ارزاں یعنی شکر کا جو عام بھاؤ ہے، اس سے ایک سیر زیادہ۔

بہر حال چار روز کے بعد لدے پھندے ہم لوگ بعافیت گیلانی پہنچ گئے۔ فریق ثانی[1] کی طرف سے بڑا تکلف تھا۔ یہ ایک خاندان ہے جو صرف ایک دن امیر بننے کے لیے عمر بھر غریبی میں کاٹتا ہے[2]۔ ۳۰ر دسمبر کو تاریخ عقد تھی اسی حساب سے ہماری طرف بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑا۔ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ بخیر و عافیت ۳۰ دسمبر کو معین الدین سلمہٗ کا عقد انجام پا گیا۔ بہار کے دستور کے مطابق ان کو لڑکی کے والد نے سونے کی گھڑی، فونٹن پن اور انگوٹھی، ایک سو ایک نقد سلامی دی، بستی بھر کا کھانا تھا اور مہمان بھی باہر سے آئے تھے۔ ان ہی مشغولیتوں میں اب تک خط نہ لکھ سکا، اب دماغ خالی ہوا ہے۔ بہمہ وجوہ خیریت ہے والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ میاں مکارم سلمہٗ، سلام عرض کرتے ہیں اور بھتیجے کے عقد کی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ مولوی فضل صاحب کا ایک خط آیا تھا، لیکن وہ کہاں ہیں جواب کہاں دوں ابھی آپ کا کارڈ ملا آپ نے پوچھا ہے کہ محی الدین کا عقد ہے، متعدد بار ذکر آیا، لیکن بات پختہ نہ تھی۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] جناب معین الدین سابق وکیل پٹنہ

[2] شادی بیاہ کے موقع پر فضول رسومات اور تقریبات کی جانب اشارہ ہے۔

(۳۶)

۳ر مئی ۱۹۴۱ء مطابق ۶ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ

رفیقی الصادق والصدوق السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ئیں پندرہ دن سے اس دنیا میں موجود نہیں ہوں۔ میں کیا عرض کروں کہ کیا گزر گئی، غالباً اپریل کی ۲۲ تھی، کھاپی کر بستی کے لوگ سب سوئے ہوئے تھے، یکا یک ایک بجے اٹھایا گیا۔ آواز تھی ڈاکوؤں نے حملہ کردیا، ہوش وحواس غائب، میاں مکارم میرے زنانہ میں آگئے، کوٹھے پر جھانکنا شروع کیا، بستی کے مغربی حصہ میں ہمارے عزیزوں کا ایک مکان تھا، معلوم ہوا کہ ڈاکوؤں نے اس کو گھیر لیا ہے، سو سے اوپر ان کے ساتھ آدمی ہیں۔ بہر حال ادھر میاں مکارم اپنی فوج لے کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ غنیمت ہے کہ ڈاکوؤں نے مقابلہ نہیں کیا اور بھاگ گئے، اب دیکھا گیا کہ اس گھر کے رہنے والے جن میں ایک بوڑھے بزرگ آدمی، ایک نوجوان گریجویٹ، ایک بیوہ عورت، تینوں بری طرح لاٹھیوں، بھالوں وغیرہ سے زخمی ہیں۔ گھر کے کواڑ توڑ دیے گئے ہیں، لیکن مال بے چارے کے پاس تھا ہی نہیں لیتے کیا۔ یہ واقعہ تو گزرنے کو گزر گیا، لیکن اس کے بعد دہشت، ہراس، خوف پوری بستی پر مسلط ہے۔ رات بھر بندوقوں کے ساتھ ہم لوگ بستی کا پہرہ دیتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں۔ شرفاء کے گھر کے بچے اور عورتیں ایک ہی مکان میں جمع کر دیے جاتے ہیں۔ ڈے لائٹ (Day Light) جلا دی جاتی ہے اور ہم لوگ باری باری سے بندوق لیے پہرا دیتے ہیں۔ اسی عرصہ میں بہار شریف میں ہندو مسلم فساد بھی ہوگیا اب کمیونل کے اندیشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ نہیں کہہ سکتا تھا کہ زندگی میں کبھی اس قسم کے واقعہ کا تجربہ ہوا تھا۔ طاعون کے ہنگاموں کو بھی دیکھا، زلزلہ دیکھا، لیکن "بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ" (بقرہ) کا تجربہ اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، اندھیری رات کبھی اتنی دہشتوں کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں آئی۔ رب الفلق[1] کا انتظار اور اس کی دہائی دل سے کبھی اس شدت سے نہ نکلی جیسی آج نکل رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام فرمادیجیے اور التجاء کیجیے کہ اس وقت ان کی دعاؤں کا سخت محتاج ہوگیا ہوں، آپ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیں گے۔

ماجد میاں کی والدہ کی وفات[2] کی خبر "صدق" میں پڑھی۔

ہاں ایک واقعہ کا ذکر بھول گیا۔ غالباً خبر دی تھی کہ ریل میں میری شیروانی چوری ہوگئی تھی، میرے ساتھ اور مسافروں کا بھی سامان گیا تھا۔ سبھوں نے وردھا میں ریلوے پولیس میں اطلاع درج کرادی تھی، ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ قاضی پیٹ کا ایک ہیڈ کانسٹیبل گیلانی میں

نمودار ہوا، میری شروانی جس میں پان کا ڈبہ، فونٹن پن، گھڑی بھی تھی بجنسہ لے کر آ رہا تھا۔ چور کو جنگل میں پکڑا اور شناخت مالی کے لیے گیلانی آیا تھا، جس کا پتہ لکھوا دیا تھا۔ شناخت کرانے کے بعد اس مال کو واپس لے گیا اور سکندر آباد میں ٹرائی کے بعد واپس کرنے کا وعدہ کیا۔ فللہ الحمد و الشّکر.

میرا خیال تو یہ ہے کہ اس سال ڈاکٹر صاحب کی قدم بوسی حاصل کیے بغیر جو گیلانی آیا، یہ اسی کا خمیازہ ہے۔ ان سے فرمائیے کہ میرے قصور کو معاف فرمادیں، تازہ زخم ہے کہ ہم لوگوں کے رفیق قدیم حاجی معین الدین ندوی بلڈ پریشر کے عام مرض میں پرسوں پٹنہ میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مناظر احسن گیلانی

۱؎ قل اعوذ برب الفلق کی طرف اشارہ ہے

۲؎ وفات یکم مئی ۱۹۴۱ء بمقام پٹنہ

(۳۷)

۱۳ ر مئی ۱۹۴۲ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

مخدوم محترم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ تیمور بے لکھنؤ میں براج رہے ہیں، اس لیے تھانہ بھون ہی لکھا تھا، امید ہے کہ اب آپ اچھے ہو چکے ہوں گے، محی الدین سلمہٗ کی تقریب رخصتی بحمداللہ خیر وخوبی کے ساتھ انجام پا گئی، سیّد صاحب گو ''دسنہ'' آ چکے تھے اور کہلا بھی بھیجا تھا کہ ولیمہ میں شرکت کروں گا، لیکن عین وقت پر کوئی عذر شدید پیش آیا۔ تشریف نہ لا سکے میں خود ''دسنہ'' جانے کا ارادہ کر رہا ہوں اور حالات بدستور ہیں۔

آم غائب ہے تاہم اکے دکے پھل مختلف درختوں میں اب دکھائی دیتے ہیں۔ محی الدین سلمہٗ کی جس دن برات جا رہی تھی عین ان ہی دنوں میں اس کی میٹرک میں بدرجہ دوم کامیاب ہونے کی خبر بھی آ گئی۔ سسرال میں بے چارے کی رسوائی کا جو اندیشہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا، باقی اور دوسرے حالات اس کے وہی ہیں جو تھے۔ ترمذی ؎ میں ہے کہ تین دعائیں مسترد نہیں ہوئی جن میں ''دُعَا الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ'' بھی ہے۔ دیکھیے ان دعاؤں کا ظہور کب

ہوتا ہے۔ آپ سے بھی ملتجی ہوں کہ اس کے دینی صلاح کی دعا فرمائیے۔

مولانا عبدالماجد صاحب کا خط آیا تھا اس میں آپ کی سند سے انھوں نے لکھا تھا کہ لکھنؤ کی راہ دریا آباد کی وجہ سے اس نے چھوڑ دی، میں نے لکھا ہے کہ مولانا کا یہ استنباط ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ صحاح ستہ میں شامل حدیث کی مشہور کتاب 'جامع کبیر ترمذی'

(۴۸)

۱۶ رجون ۱۹۴۲ء مطابق یکم جمادی الآخر ۱۳۶۱ھ

گیلانی (بہار)

مکرم ومخدوم دام مجدکم العالی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عجیب اتفاق ہے۔ بصیغہ اشد ضروری یہی سوچ کر کہ آپ جون ہی میں لکھنؤ پہنچیں گے میرا کارڈ آپ کو ملے گا، لیکن اب میں کیا کہوں کہ کیا ہوا۔ خط کیوں نہ ملا، حالانکہ آپ ہی کی تسلی دلانے پر میں نے اپنا موازنہ تیار کیلئے تھا۔ اب اس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے کہ تار سے آپ کو اطلاع دوں۔ تار بھی دے رہا ہوں اور احتیاطاً یہ لفافہ بھی ڈال رہا ہوں۔ خدا کرے کہ آپ نے اپنے کو مطمئن پا کر جو رقم میرے نام محفوظ کی تھی اس میں ہاتھ نہ ڈال دیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لیے کافی دشواری ہو جائے گی، لیکن لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا۔ وھاب العطایا میسر المشکلات نے بحمداللہ اس تعطیل میں تین بڑے مرحلوں سے نکالا محی الدین سلمہٗ کی شادی سے فراغت ہوئی، مکارم سلمہٗ کی لڑکی کی رخصتی ہوئی اور مکان کو بھی اس قابل بنانا پڑا جس میں محی الدین کی دلہن کو آرام ہو۔ میں خود متحیر ہوں کہ یہ تینوں کام جن میں ہر ایک بجائے خود اہم تھا کیسے سرانجام پا گئے، حیرت اس پر ہے کہ سونے کی اس گرانی کے زمانہ میں مکارم سلمہٗ کی لڑکی کے لیے زیور کا بھی معقول نظم ہو گیا۔ ایسا نظم جو چاہا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کچھ نہ کچھ زائد رقم کا بار پڑ ہی جانا چاہیے تھا۔ میں نے تو خیال کیا تھا کہ تیسیرات کے مسئلہ کے سلسلہ میں ایک تیسیر یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس گنجائش نکل آئی، لیکن خط کا نہ پہنچنا واللہ اعلم کس مصلحت پر مبنی ہے۔

شاید صبر کے اجر سے سرفرازی مقصود ہو۔ "فَالعَبد لَہٗ مَنال فِیْ کُلِّ حَال"۔ شکر کروں گا اگر آپ کے یہاں محفوظہ رقم محفوظ رہ گئی ہو اور صبر کروں گا اگر حکمتِ الٰہیہ نے اس کو صرف کرادیا ہو۔

میں نے اپنے اس کارڈ میں اطلاع دی تھی کہ گھر والوں کو ساتھ لا رہا ہوں، لیکن معلوم ہوا کہ روانگی پر رضامندی صرف جبری اقرار تھا۔ قلباً وہ حیدرآباد جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ جبر میرا شیوہ نہیں ہے، اب کم ہی امید ہے، قسمت نے طالب علم بنا کر زندہ رہنے کا فیصلہ جس کے لیے کردیا ہو وہ تاہلانہ زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔

ایک بات کا خیال ضرور تھا کہ گو جاپانی حملہ کا خطرہ ادھر کچھ دنوں سے مدہم پڑ گیا ہے، لیکن خطرہ کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوا ہے۔ ایسی صورتوں میں عورتوں کے ساتھ حیدرآباد میں رہنا شاید زیادہ پریشانی کا باعث ہو، غالباً یہی مصلحت ہوگی کہ خیر اسی کو قرار دیا گیا، معلوم نہیں آپ کا فیصلہ کیا ہے۔

اسی کارڈ میں، والدہ ماجدہ مدظلہا کے اس مشفقانہ گلہ کے متعلق بھی عرض کیا تھا کہ محی الدین کی شادی میں دعوت ان کو کیوں نہ دی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ دعوت دینا تو میرا فرض تھا گو اس دعوت کا قبول کرنا محترمہ مدظلہا کے لیے سخت صعوبت کا باعث ہوتا۔ اس جہنمی گرمی میں جب فیح جہنم سے عالم معمور ہے گھر سے نوجوانوں کا قدم نکالنا مشکل ہے چہ جائیکہ ان جیسی ضعیفہ کا۔ بہرحال ان کی یہ شفقت میرے لیے ان کی شرکت کی مسرت سے زیادہ ہے۔ امیدوار رہتا ہوں کہ اوقات خاص میں اپنی مخلصانہ دعاؤں میں مجھے فراموش نہ فرمایا کریں گی۔ عرفات کے میدان میں جو قدرتی ایمانی ربط ہم لوگوں میں پیدا ہو چکا ہے، ان شاء اللہ تا قیامت اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ اللہ مدینہ سے روانگی والی رات، سیّد الکونین صلوات اللہ علیہ وسلامہ کا براہ راست رؤیا میں آپ کی والدہ صاحبہ پر ظاہر ہو کر اس دلچسپی کا اظہار۔ کیا یہ کرامتیں جو محض ان کی ہستی پاک کی بدولت حاصل ہوئیں قابلِ فراموش ہوسکتی ہیں؟ میرا بہت بہت سلام خدمت میں پہنچا دیجیے اپنی اہلیہ کی خدمت میں بھی سلام فرما دیجیے۔

بچے سب اچھے ہیں۔ محی الدین کو علی گڑھ بھیج رہا ہوں مولوی فضل صاحب نے نظم فرما دیا ہے۔ مظہر لحیدر آباد ہی آرہے ہیں۔ ایم، اے کی کلاس میں شریک ہونے کا ارادہ

ہے، اس اطراف میں ڈاکہ کی وارداتیں بکثرت ہو رہی ہیں، حضرت مولانا تھانوی مدظلہ العالی کی صحت و عافیت کی خبر جہانیوں کی صحت و عافیت کے مرادف ہے۔

اب کی حیدر آباد سے روانگی کے وقت مولانا محمد حسین صاحب مدظلہ العالی نے جن نوازشوں سے اس عاصی کو سرفراز فرمایا ہے[2] اپنی حالت دیکھتے ہوئے ہمت نہ پڑی کہ آپ سے یا مولوی فضل صاحب سے اس کا ذکر کروں۔ اگرچہ مولوی فضل صاحب کو اس کا علم ہو چکا تھا، لیکن میرے نزدیک ایک ایمانی حسنِ ظن کے سوا اس کے اندر اور کوئی دوسری چیز نہیں۔فان المؤمن عز کریم۔فقط

مناظر احسن گیلانی

۱۔سید مظہر گیلانی مولانا گیلانی کے سب سے چھوٹے بھائی۔

۲۔یعنی خلافت عطا فرمائی تھی۔

(۳۹)

۱۷ر جون ۱۹۴۳ء مطابق ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۶۲ھ

مخدوم محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آخر وقت گزر ہی گیا، طویل تعطیل کے اندر اس کے سارے تصورات ختم ہو رہے ہیں، حیدر آباد اور اس کے مشاغل پھر جھانکنے لگے۔ آپ نے لکھا تھا کہ باہر جانے کا خیال ہے تھانہ بھون وغیرہ کی طرف۔ ادھر ہم کچھ بہار کے میلادی جلسوں اور برادری کی تقریبات میں شریک ہوتے رہے۔ سب سے بڑی تقریب برادرم تقی الدین سلمہ[1] کی صاحبزادی کی تھی۔ بحمد اللہ بخیر و خوبی سب ختم ہو گئی۔ تقی الدین صاحب، محی الدین صاحب سارے کاروبار سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اہل و عیال سمیت راہی دکن ہو چکے، ہم بھی پابہ رکاب ہیں۔

اس سال بحمد اللہ آموں کی بہار خوب رہی، لیکن اس کا مسلسل افسوس رہا کہ آپ کو اس بہار میں شریک نہ کر سکا۔ یوں ہی ریلوے کے مقام کا بُعد، اس کے ساتھ ریلوے خصوصاً مفصلاتی اسٹیشنوں پر پارسلوں کے لینے میں جو گڑبڑ پیدا ہو گئی ہے اور بھی مختلف اسباب و وجوہ ایسے ہیں کہ اب تو جو جہاں ہے جب تک جنگ ہے وہیں ہے۔ لکھنؤ کے

خربوزوں کا خیال میں نے دماغ سے نکال دیا اور یہی خیال آپ کے متعلق بھی گزرا کہ مٹھوا سے آپ نے اپنے کو مایوس بنالیا ہوگا۔ کوئی شبہ نہیں کہ مٹھوا اس سال پیٹ بھر کھانے میں آیا، لیکن کس کام کا جب احباب کو اس میں شریک نہ کرسکا۔ مٹھوا کا زمانہ تو مدت گزری کہ گزر چکا، درمیانی آموں کا وقت بھی گزر گیا، صرف لنگڑا باقی ہے، لیکن واللہ اعلم دنیا کو کیا ہوگا ہے۔ پندرہ جون سے عموماً بہار میں لنگڑے کی پکائی شروع ہوتی تھی، لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ اسباب کیا ہوئے کہ پندرجون تک پہنچتے، سارا موسم لنگڑے کا قریب قریب اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ میں بہت کوشش کررہا ہوں کہ کچھ بھی بچ جائے کہ ساتھ لیتا آؤں لیکن روزانہ سوڈیڑھ سو تک ٹپک کر ضائع ہورہے ہیں۔ میاں مکارم کہہ رہے ہیں کہ اس طرح ان کو برباد کرنے سے کیا فائدہ؟ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عثمان صاحب کا خط آیا تھا۔ ان کے خط سے یہ معلوم کرکے تعجب ہوا کہ آپ کے نام کوئی مراسلہ گیا ہوا ہے۔ اگر تم کو رعایتی وظیفہ نہ ملے تو کیا پھر بھی تم وظیفہ پر علیحدہ ہونا چاہتے ہو۔[2] خدا جانے اس کا کیا مطلب ہے اور حیدرآباد کے متعلق کوئی جدید بات معلوم نہیں۔ بہار میں بارش کے موسم کا آغاز ہوچکا ہے۔ گرانی، گرانی بس اسی لفظ سے سارا آسمان اور ساری زمین بھری ہوئی ہے، لیکن اب تک کوئی موت فاقہ کی وجہ سے دیکھنے میں نہیں آئی، سبحان اللہ! ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام فرمادیجیے اور اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں۔ باقی بحمداللہ گزررہی ہے اور گزرتی ہی رہے گی جب تک گزرانے والے خیال سے کہ گزرتا رہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] بانی مدرسۂ محمدیہ، استھاواں (بہار)

[2] مکتوب الیہ قبل از وقت سبکدوش ہونا چاہتے تھے اور رعایتی وظیفے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

(۴۰)

۲۱ رشب رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ۔ (۲۵ رستمبر ۱۹۴۳ء)

حیدرآباد دکن

مولانا المخدوم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک لفافہ مدت ہوئی تھی ملا تھا، پھر اس کے بعد کچھ معلوم نہ ہوا کہ آپ کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں، میرا کارڈ خدا جانے آپ کو ملا بھی یا نہیں۔ اس وقت جو کچھ بھی حال تھا، اب تک وہی ہے، میں نواب مہدی یار جنگ بہادر[1] سے ملا تھا، لیکن گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مسئلہ ابھی فنانس ہی میں آپ کا پڑا ہوا ہے اور اب بھی یہی حال ہے کوئی خاص بات اس سلسلہ میں نفیاً و اثباتاً ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ اس عرصہ میں مجلس اعلیٰ کا ایک اجلاس ہوا تھا لیکن آپ کا مسئلہ اس میں پیش نہ ہوا، دونوں باتیں اسی گومگو میں ہیں، ساری کارروائی فنانس کے جواب پر موقوف ہے اور وہاں سے کوئی جواب اب تک نہیں آیا ہے۔ آپ کے خاص مسئلہ کے سوا عام حالات میں بھی کوئی تغیر کچھ نہیں ہوا ہے۔ البتہ ''رہبر'' اور ''پیام'' میں ادھر دو مقالے جامعہ پر تنقید کرتے ہوئے شائع ہو رہے ہیں۔ پیام میں تو قاضی[2] نے خود ہی لکھا تھا، رمضان بحمد اللہ گزر رہا ہے۔ تراویح بھی اپنی مسجد میں ہو رہی ہے، حافظ شریف صاحب پڑھا رہے ہیں۔ البتہ ادھر ہفتہ سے مولوی فضل بیچارے بخار کے شکار ہوئے، بخار تو نہیں ہے، لیکن ضعف بے حد ہے، ایک ہفتہ کے لیے اپنے داماد کو دیکھنے کے لیے وہ بھوپال رائسین بھی گئے تھے۔ عبدالقادر مرحوم کی وفات کا واقعہ تو آپ کے سامنے پیش آچکا تھا، ان کی جگہ کوئی نیا انتظام نہیں ہوا ہے۔ صرف حسین شور منصرمی پر کام کر رہے ہیں۔ یعقوب الرحمٰن صاحب ان کی جگہ ترقی پا کر کام کر رہے ہیں۔ آپ کی جگہ پر منصرم نہیں دیا گیا۔ تقاضے پر تقاضا کیا کچھ فائدہ نہ ہوا، علمِ کلام کے بعد اسباق مجھے اپنے ذمہ لینے پڑے اور آپ کا قرآن بھی میں ہی پڑھا رہا ہوں۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر کی خدمت میں مولانا عبدالحئی مرحوم والی کتاب والا[3] معروضہ میں نے پیش کر دیا، وعدہ کیا ہے کہ اس کو مجلسِ تصنیف و تالیف میں بھیج دوں گا۔ ابھی تک اس کے آگے کارروائی نہیں بڑھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے سلام فرما دیجیے اور یہی خبر پہنچا دیجیے۔

علی میاں[4] کو بھی میرا سلام فرما دیجیے۔ ان کے خط کے جواب میں وطن ہی سے میں نے ایک خط مدت ہوئی لکھا تھا، لیکن انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ واللہ اعلم کیوں نہ دیا، معلوم نہیں کہاں ہیں۔ انھوں نے لکھا تھا کہ مولانا مرحوم کی کتاب کے مسودات پر نظرِ ثانی

کررہے ہیں۔ میرے نزدیک اس کام کو ختم کرنا چاہیے، کیوں کہ کارروائی چھڑ چکی ہے، ڈاکٹر صاحب بیچارے کی توسیع نامنظور ہوئی۔ حضرت مولانا ادھر اچھے تھے لیکن ایک ہفتہ سے پھر دردِ فمِ معدہ کا شدید دورہ پڑ گیا تھا۔ کبھی کبھی حاضری ہو جاتی ہے۔ حیدر آباد میں بجلی پر بھی شدید کنٹرول قائم ہو گیا ہے اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کا وہ حصہ جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری حالات کے متعلق بعض مفید معلومات درج ہیں، میں ''صدق'' میں بھیج رہا ہوں۔

اپنی والدہ صاحبہ قبلہ مدظلہا کی خدمتِ گرامی میں میرا بہت بہت سلام پہنچا دیجیے، معلوم نہیں اب ان کی صحت کیسی ہے، ان سے ضرور استدعا کیجیے کہ میرے لیے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائیں اور یہ کہ زندگی کچھ اس طرح گزرے کہ رسوائیوں میں کچھ اضافہ نہ ہو۔ شعیب صاحب کہاں ہیں، ہوں تو سلام فرما دیجیے، بچوں کو دعا و پیار۔ معلوم نہیں آپ کا ان دنوں مشغلہ کیا ہے۔ خدا کرے کچھ کررہے ہوں۔ یہاں تو بارش کا سلسلہ ایک ماہ سے ایسا قائم ہوا ہے کہ بلاناغہ روز برس رہی ہے۔ عثمان ساگر حمایت ساگر[5] امنڈ آیا ہے، سارا ملک جل تھل ہے، لوگ اس حال سے مطمئن ہیں، لیکن گرانی دن بہ دن مزید برسرِ ترقی ہے۔

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

۱۔ مہدی یار جنگ، سابق وزیر تعلیم حیدر آباد دکن

۲۔ قاضی عبدالغفار۔ اردو کے معروف ادیب، انشاپرداز اور صحافی۔ پیدائش: ۱۸۹۰ء۔ وفات: ۱۷؍جنوری ۱۹۵۶ء

۳۔ نزهة الخواطر جو بعد ازاں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔

۴۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی۔ پیدائش: ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۳ء۔ وفات: ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء۔

۵۔ حیدر آباد دکن کے مشہور بند اور تفریح گاہیں۔

(۴۱)

۱۷؍جون ۱۹۴۴ء مطابق ۲۵؍جمادی الآخریٰ ۱۳۶۳ھ

مخدومی و محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ اور بیمہ کی رسید مل گئی، مولوی سعد صاحب[1] کے بچے کا حال سن کر کلیجہ

دہل گیا۔ جب مجھ پر دُور سے اتنا اثر ہوا تو آپ لوگوں پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ اس کے سوا اب اور کیا دعا کی جاسکتی ہے کہ اس معصوم بچے کی مشکل کو ارحم الراحمین آسان فرمائے، اف اتنی غیر دلچسپ دنیا میں دلچسپیوں پر تعجب ہوتا ہے۔ اپنا حال تو آپ کو لکھا ہی ہوگا کہ میں گیلانی میں ہوں اور آپ کی گیلانیہ² پٹنہ میں۔ وہیں ان کو پیچش کا انجکشن دیا جارہا تھا۔ ادھر ایک ہفتہ سے خبر آئی ہے کہ بخار آگیا ہے اور اترتا نہیں ہے۔ میں خود پٹنہ جارہا تھا، لیکن سبھوں کی رائے پھر وہی ہوئی کہ میں جاکر کیا کروں برادرم مکارم سلمہٗ کل پٹنہ روانہ ہوگئے ہیں دیکھیے حق تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب کا شبہ، جسے آپ نے اس روپیہ کے متعلق لکھا ہے میرے سامنے بھی تھا اور ابتدا میں لوگوں نے جب یہ خبر سنائی تو وہی سوال وصیت کا میرے سامنے بھی آیا تھا، لیکن بعد کو جب یہ سوچا گیا کہ وہ بے چاری تو کہارن تھی بذات خود مسلمان ہوگئی تھی، نہ شوہر ہی اس کا باقی ہے اور نہ اس کے بطن سے کوئی بچہ، البتہ اس کے اعزہ ہیں، یعنی عصبات ہیں، لیکن سب کفر ہی پر قائم ہیں، یہ اختلاف دین موجب حرمان ارث ہے، اس لیے گویا اس کا پسِ ماندہ ترکہ دراصل مستحق تو تھا کہ اسلامی بیت المال میں نفاذ وصیت کے بعد داخل کردیا جائے، ولکن این بیت مال المسلمین۔ یہ سوچ کر بیت المال میں اسی لیے ایسے اموال داخل ہوتے تھے کہ عامۃ المسلمین کی ضرورتوں میں کام آئے۔ اس وقت حرمین کے باشندے مسلمانوں میں جس حد تک محتاج امداد ہیں ظاہر ہے اور متوفیہ کے منشاء کی بھی اس سے تکمیل ہوتی ہے، بس یہی سوچ کر یہ روپیہ بھیجا گیا ہے۔ باقی اس کے بھائی کافر کو دینے والوں نے جو روپیہ دیا تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہوسکتے ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کے کافر بھائی نے اپنا حصہ نکال کر نصف رقم ان صاحب کے حوالہ کی جنھوں نے میرے سپرد یہ رقم کی ہے۔ یہ دارالحرب ہے اموالِ معصومہ کے قوانین کا انطباق حربی ممالک کے اموال پر مشکل ہے۔ پس میرے نزدیک بغیر کسی دغدغہ کے آپ اس رقم کو حرمین بھجوادیجیے۔ متوفیہ نے اگرچہ لفظ تو مکہ کا استعمال کیا تھا، لیکن عوام ''مکہ'' سے مراد مکہ و متعلقات مکہ لیتے ہیں، اس لیے اگر مدینہ والوں کو بھی اس میں شریک کیا جائے تو کچھ حرج نہ

ہوگا، خصوصاً جب اس میں تصرف کا نقطۂ نظر بیت المال والے لاوارث مال کا رکھا جائے تو بات اور زیادہ آسان ہوجاتی ہے۔ یہاں بھی آم کا وہی حال ہے۔ روانگی کا زمانہ جیسے جیسے قریب آرہا ہے، دل دھڑک رہا ہے۔

مناظر احسن گیلانی

۱۔ مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی کے ذہین اور ہونہار بچے کے انتقال کا ذکر ہے۔
۲۔ گیلانیہ سے مراد مولانا گیلانی کی اہلیہ محترمہ۔

(۴۲)

۱۲ر دسمبر ۱۹۴۴ء مطابق ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

مخدوم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ کہ آپ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا کارڈ نہ صرف میرے لیے بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے باعثِ اطمینان ہوا، جن کا دل آپ کی صحت کی جانب لگا ہوا تھا۔ آپ اب کچھ چلنے پھرنے بھی لگے ہیں، اس سے مزید جذبۂ شکر خداوندی میں اضافہ ہوا۔ خدا کرے کہ دسمبر کی تعطیلات میں آپ اتنی قوت حاصل کرلیں کہ اختتامِ تعطیل کے بعد حیدرآباد آجایئے۔ میں اپنا حال کیا لکھوں۔

تعطیل کا آغاز دو تین دن بعد ہونے والا ہے۔ دیوبند سے بھی طلبی آئی تھی، خیال تھا کہ جامعہ سے اجازت مل جائے گی تو شاید دو تین دن پہلے یہاں سے نکل جاؤں، لیکن کل جو مراسلہ ملا ہے، وہی قاضی[1] کا زمانہ یاد آ گیا۔ غصہ میں میں نے تو سفر کا بالکلیہ ارادہ ہی ملتوی کردیا۔ آج مراسلہ کا جواب دے رہا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دیوبند علمی ادارہ نہیں ہے یا فقیر علمی نمائندہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بہرحال سوال و جواب میں تو ''تا تو بمن رسی، من بخدا رسم'' خیال تھا کہ اگر دیوبند جانا ہوتو واپسی میں ایک ٹرین کو لکھنؤ کے لیے چھوڑ دوں گا، لیکن

آں خیال شکست وآں ارادہ نہ ماند

فقیر کی یادہ نویسیوں کی جب آپ بھی تعریف کبھی کردیتے ہیں تو یہ واقعہ ہے کہ ان کے متعلق مجھے کچھ دھوکہ ہونے لگتا ہے۔ مولانا حالی کی نظموں کی تسلیم نے ایک دفعہ تعریف

کی تو مولانا نے لکھا تھا کہ:

تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن
مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

یہ واقعہ ہے کہ آپ جیسے اربابِ بصیرت ونظر بھی جب ستائش شروع کردیں تو دماغ خراب ہو، دل خراب ہو، جو کچھ بھی خراب نہ ہو کم ہے، بہرحال دعا فرمایئے کہ ذخیرۂ آخرت ملخ کہ یہ ٹانگ ہو جائے اور سلیمان چاہے تو اس دعوت کو بھی قبول کر سکتا ہے۔

خاکسار نے ایک لفافہ آپ کی دریافت خیریت میں ڈاکٹر صاحب کو بھی لکھا تھا، معلوم نہیں ملا یا نہ ملا، جواب نہ ملا اور وہ مجھ جیسے عاصی وسرکش کو اپنے محسن ڈاکٹر سے پہلے کب تھی، جواَب اس کی شکایت کروں۔ بشرطیکہ ملا بھی ہو، میں نے اپنی کتاب ''قرآنی ادب''[۲] بھی ان کے پاس بھیجی تھی، معلوم نہیں ان کے ملاحظہ سے گزری بھی یا نہیں۔ میرا بہت بہت سلام عرض کردیجیے، واستدعاء استغفار فی الساعات الخاصہ اپنی والدہ صاحبہ کو بھی سلام فرمادیجیے کوئی خاص بات ادھر قابلِ ذکر نہیں ہے۔ آپ کی رخصت کی درخواست آپ کی درخواست آنے سے پہلے ہی خاکسار نے داخل کردی تھی، کیونکہ آپ کی درخواست بعد کو پہنچی۔ تنخواہ کی برآمدگی کی کارروائی بھی کردی گئی ہے۔ ہاں آج کل لاٹ صاحب[۳] پانچ دن سے آئے ہوئے ہیں، آج جارہے ہیں۔ اس وقت تک کسی نئی بات کا اظہار نہیں ہوا ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[۱] قاضی محمد حسین سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

[۲] 'قرآنی ادب' نامی کتاب مولانا گیلانی نے اردو دانوں کے لیے قرآن فہمی کو آسان بنانے کی غرض سے لکھی تھی۔

[۳] یعنی وائسرائے

(۴۳)

۱۲ رجون ۱۹۴۵ء یکم رجب ۱۳۶۴ھ۔

گیلانی (بہار)

مولانا المحترم!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یقیناً میرے عریضہ کا انتظار آپ کو کرنا چاہیے، لیکن سچ عرض کرتا ہوں شرمندگی قلم پکڑنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ہو یہ رہا ہے کہ آج پچیس چھبیس دن سے گھر کی فوج کے ساتھ ناشتے اور کھانے کے وقت اس بندۂ کمینہ کی مسلسل فـاکھۃً وابّـا (عبس) کی نعمتوں سے سرفرازی فرمائی جارہی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو کہہ سکتا ہوں کہ سو سے اوپر ہی آم کٹتے ہیں، بازار میں جو قیمت آموں کی ہے، اس کے حساب سے دس بارہ روپیہ روز سے کم کا اسراف نہیں ہے، لیکن سوچتا ہوں کہ بچوں کے منہ سے چھین کر گراں آموں کو روپے کی شکل میں بدل بھی دیا جائے اور بالفرض بیچنے کی جو سزا ایک دفعہ بھگت چکا ہوں اس کا اعادہ نہ ہوا تو اس روپے کا مطلب بھی تو یہی ہے کہ گھر کے لوگ نفع اٹھائیں اور دوسرے اربابِ حقوق تک ان کے حقوق پہنچا دیے جائیں۔ پھر وہ آم ہی کی شکل میں کیوں نہ پہنچے۔ بہرحال آپ خیال فرماسکتے ہیں کہ ایسی حالت میں قدرتاً اپنے ان احباب کا خیال آنا ہی چاہیے، جنھیں آم کے قدرشناسوں میں جانتا ہوں، لیکن حالت یہ ہے کہ اسٹیشن (شیخ پورہ) تک کسی پارسل کا بھجوانا ایک ایسا مسئلہ بنا ہوا ہے جس کے حل کی کوئی شکل نہیں ہے۔ آدمیوں کا قحط ہے، کمینے عموماً ملازمتوں میں جا کر داخل ہوگئے ہیں۔ سیدھے منہ سے کوئی بات تک کرنے پر رضامند نہیں ہے۔ ایک آنے کی جگہ ایک روپیہ تک دیجیے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔ عجب زمانہ ہے سمجھتا تھا کہ جرمنی کے خاتمہ کے بعد مصائب کا خاتمہ ہوگا، لیکن بظاہر ان میں کچھ اضافہ ہی ہوگیا ہے۔ میں کیا عرض کروں منہ میں آموں کی قاش ڈالتا ہوں آپ کو یاد کرتا ہوں، میاں مکارم پر بگڑتا ہوں اور ان کی ایک لچھے دار تقریر (علی الموانع) سن کر چپ ہوجاتا ہوں۔ بہرحال ہوسکتا ہے کہ اپنے ساتھ کچھ آم لے چلوں، لیکن ریل کی کشمکش کا خیال جس کی تسلیط کا آغاز ہوچکا ہے جب اسے سوچتا ہوں تو ہڈی کانپنے لگتی ہے۔

سیّد صاحب تو آج کل میرٹھ براج رہے ہیں۔ ایک نوازش نامہ ان کا آیا تھا، مولوی فضل صاحب اپنے خسر کو چھ مہینے کی توسیع دلانے میں کامیاب ہوئے۔ اخبار سے معلوم ہوا

۔ڈاکٹر صاحب سے سلام فرمادیجیے گا۔اخباروں سے معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں گرمی سخت پڑ رہی ہے۔یہ گرمی تو یہاں بھی ہے،لیکن نہ اتنی جس کی خبر لکھنؤ سے آ رہی ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

ا۔سورۂ عبس میں وارد فاکھۃ و ابا میں ابا مولانا گیلانی کے نزدیک انبہ یعنی آم ہے۔

۲۔مولانا عبداللطیف سابق صدر شعبۂ دینیات،عثمانیہ یونیورسٹی

(۴۴)

۶ رنومبر ۱۹۴۵ء۔۳۰ رذی قعدہ ۱۳۶۴ھ

جوار الجامعہ عثمانیہ،محلہ مسجد اقصیٰ

مولانا محترم!......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چہ خوش! یہاں انتظار کی گھڑیاں شمار کرتے کرتے،اکیلے نیاز مند ہی نہیں،مولانا فضل،ڈاکٹر عثمان صاحب سب کے سب تھکے چلے جا رہے ہیں اور آپ کا گرامی نامہ آتا بھی ہے تو کس کے پاس حافظ زرّیں المعروف بہ حافظ محمد شریف[1] (مولوی فاضل) کے پاس۔یعنی مولوی فاضل کے امتحان میں وہ کامیاب ہوگئے۔اب بہ تلاش ملازمت سرگرداں ہیں۔خیر تو اچانک ان کے نام جو آپ کا کارڈ آیا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ نہ فقیر کا لفافہ ہی آپ کو ملا ہے اور نہ کوئی حیدرآباد کی دوسری ڈاک ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ''

علی میاں سلمہٗ کا بھی ایک خط رائے بریلی سے اسی مضمون کا مل کر میرے لیے باعث حیرت بنا ہوا تھا کہ تم نے خط کا جواب نہیں دیا،کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سفر پر جو روانہ ہوئے تو یاروں نے آپ کی ڈاک کو خرد بُرد کر دیا۔مولوی فضل چار عدیم الجواب خطوط کے مدعی ہیں۔

خاکسار نے اپنے اس عریضہ میں لکھا تھا کہ کدو کاوش کے بعد علی میاں کے متعلق دو راہیں لوگوں نے نکالی ہیں،ان میں سے جس طریقے کا چاہیں انتخاب کریں۔اگر حیدرآباد آ کر کام کرنا چاہتے ہیں تو ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے دو سو کلدار سفر خرچ دینے کا وعدہ کیا یعنی طباعت کی مد سے اور لکھنؤ میں رہ کر کام کرنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر کیا ہوگا کتاب

کو قابلِ طباعت بنا بنا کر وہ بھیجتے جائیں، دائرۃ المعارف چھاپتا جائے گا۔ میں نے لکھا تھا کہ حیدر آباد آنے کے لیے سفر خرچ ہی کا سوال ہے باقی قیام کے لیے تو خاکسار کا غریب خانہ جب تک ہے، علی میاں کو دوسری جگہ ٹھہرنے کا حق ہی کب دیا جائے گا۔

افسوس ہے کہ خط آپ کو نہیں ملا اور نہ اب تک کارروائی آگے بڑھی ہوتی، اب تو نومبر کا مہینہ آ گیا، دسمبر کی تعطیل سر پر ہے، ایسی صورت میں علی میاں حیدر آباد کیا آئیں گے میں نے بریلی بھی ان کو اسی مضمون کے ساتھ جواب دیا ہے۔ آپ کے متعلق برنی صاحب [۳] اور علی یاور جنگ [۴] دونوں سے متعدد بار مل چکا ہوں، مگر اب تک تصفیہ نہیں ہوا ہے اور کوئی خاص نئی بات اِدھر پیدا نہیں ہوئی۔

ہاں مولوی شریف صاحب سے معلوم ہوا کہ اسی خط میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اعظم گڑھ گئے تھے اور وہاں بیمار ہو گئے، شاید سیّد صاحب قبلہ کی عیادت ہی میں جانا ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں سیّد صاحب اب کیسے ہیں اور آپ کا کیا حال ہے۔ سیّد صاحب نے تو مجھے لکھا تھا کہ دارالمصنّفین کی نظامت اب مولانا عباری [۵] کے سپرد کر دی جائے تو مناسب ہے، کہیے تیار ہیں۔

اپنی والدہ صاحبہ محترمہ کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولانا گیلانی نے کسی مناسبت سے انھیں 'حافظ زریں' کا خطاب دے رکھا تھا۔
۲ نزھۃ الخواطر کی طباعت دائرۃ المعارف عثمانیہ نے منظور کر لی تھی۔ ڈاکٹر نظام الدین اس وقت اس ادارے کے ناظم (ڈائریکٹر) تھے۔
۳ پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم
۴ علی یاور جنگ سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ
۵ مولانا عبدالباری ندوی

(۴۵)

۱۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء۔ ۱۳ر محرم ۱۳۶۵ھ
گیلانی

حبی ورفیقی فی الدنیاوالآخرۃ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا لفافہ گیلانی کے پتے سے لکھا ہوا مجھے گیلانی ہی میں مل گیا۔ آپ کے گرامی نامہ نے میری ان کلفتوں کو سچ پوچھیے تو دھو دیا جو تکمیل وظیفہ کی کارروائی کی ناکامی کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ بحمد اللہ حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی دولت سے سرفراز فرمایا، جو کچھ آپ سے لیا گیا ہے، وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو آپ کو دیا گیا ہے۔ فَـهَـنِيْـئًـا لَكُـم ثُمَّ هَـنِيْـئًـا لَكُم ۔ صحت وتندرستی کی دولت مزید برآں ہے۔ امید ہے کہ اس نعمت کے شکر میں مسلمانوں کو اپنا علم عطا فرمانے میں اب تقاعد نہ فرمائیں گے۔[1]

البتہ آپ کے خط سے پھر میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی کارروائی اٹھائی جا سکتی ہے اور حیدر آباد پہنچ کر ان شاء اللہ پھر اس کی کوشش کا عزم کیے ہوا ہوں۔ میں نے فرمانِ مبارک کے ان الفاظ کو نہیں دیکھا تھا جو وہیں کی کارروائی کے سلسلہ میں شرف صدور لائے ہیں، ان الفاظ سے اس نتیجہ کو پیدا کرنا یقیناً صحیح نہیں ہے جسے ان حضرات نے مانع کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

اور کیا عرض کروں گھر آنے کے بعد جن حالات میں گھر جاتا ہوں ان ہی میں گھرا ہوا ہوں۔ ایک ہفتہ بھی گیلانی میں سکون کے ساتھ بیٹھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ آج یہاں کل وہاں کسی کی شادی، کسی کی غمی۔

آج کل زیادہ تر مسلم لیگ کا زور ہے، دیوبند میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے مجھے بلایا گیا ہے۔ شاید اس اہم جلسہ میں ضرور شریک ہوں، لیکن حیدر آباد ہی میں ایک دن سڑک پر کیلے کے ایک چھلکے پر میرا پاؤں پھسل گیا۔ اگر سنبھالنے والے سنبھال نہ لیتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گزرتی، لیکن سنبھل جانے کے باوجود پاؤں پر ایک سخت جھٹکا تو لگ ہی گیا۔ رگوں اور پٹھوں پر کافی اثر اس جھٹکے کا رہ گیا ہے، گو مالش وغیرہ سے اب اچھا ہو رہا ہوں، لیکن تاریخ انعقاد تک میں سفر کے اور کسی طویل سفر کے قابل ہو جاؤں گا، مشکل ہے ۔ ڈاکٹر صاحب اور مولوی سیّد ابوالحسن کو میرا اسلام فرما دیجیے۔ والدہ صاحبہ کو میرا اسلام فرما دیجیے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

۱۔ مکتوب الیہ کے وظیفے کی کارروائی
۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(۴۶)

۳رجنوری ۱۹۴۶ء مطابق ۲۹رمحرم ۱۳۶۵ھ

گیلانی (بہار)

حبی وصدیقی فی الدنیا والآخرہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی آپ کا نوازش نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ جی ہاں پاؤں تو اب اچھا ہے، ابوالکلامی[1] مقام تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا۔ واقعی وطن میں وطنی مشغولیتوں نے دماغ بوکھلا دیا۔ ابکی ۹رجنوری کو کالج کھلے گا۔ امروز فردا میں خاکسار دکن ان شاء اللہ روانہ ہو جائے گا۔ مناسب تھا کہ تین چار دن بعد آپ ایک خط ذرا مفصل لکھ کر بھیجتے، مطلب یہ ہے کہ آئندہ اس سال کارروائی کو پھر کس طرح اٹھایا جائے۔ جو نکات دماغ میں ہیں، وہ تو خیر اپنی جگہ ہیں، لیکن اس عرصہ میں جو باتیں آپ کے قلب پر وارد ہوئی ہوں ان کو لکھ کر بھیجئے، میں شدت سے آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ دیوبند نہ جانے کی[2] مجھے بھی مسرت ہوئی، نتائج کا علم مجھے بھی نہیں ہے، اخباروں سے بھی پتہ نہ چلا۔

اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرتے ہوئے دعا کی بھی درخواست دیجیے۔ اب دل بہت گھبراتا ہے، اس لیے زیادہ گھبراتا ہے کہ دکن سے وطن تک ایک آدمی بھی اب ایسا کوئی باقی نہ رہا جس سے میں گفتگو کر کے اپنے دل کی کم از کم بھڑاس نکالوں۔ اور نہ کوئی ایسا ہے جس سے کچھ سن کر سکینتِ قلب حاصل کروں۔ ایسی تنہائی محسوس کر رہا ہوں، گویا دنیا میں تنہا پیدا کیا گیا ہوں۔ گویا اگر میں آدمی ہوں تو دوسرے آدمی نہیں ہیں اور وہ آدمی ہیں تو میں جانور ہوں۔

''معارف'' میں دوسرا نمبر بھی سود والے مضمون کا آ گیا ہے۔ نظرِ مبارک سے گزرا ہوگا۔ ماجد میاں نے مطلع کیا ہے کہ کوثر اخبار جو ابوالاعلائی تحریک آرغنون ہے خاکسار پر سب وشتم، لعن وطعن اسی سود والے مضمون کی بنیاد پر کر رہا ہے۔ وَ اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ (یوسف) وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی. اس کے سوا اور کیا جواب دوں۔ ڈاکٹر

صاحب کو سلام فرما دیجیے۔ دارالمصنفین کی رکنیت کے متعلق خط آیا تھا۔ اس سے ضرور مطلع فرمائیں گے کہ آپ آج کل اپنے تصنیفی کام میں مشغول ہیں یا نہیں، خدا کرے آپ کی سوانح و واردات[3] عام مسلمانوں تک پہنچ کر ایمانی قوت کے بڑھانے میں ممد و معاون ہو۔ نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد پھسل کر گر رہے تھے اور پیروں میں سخت چوٹ آئی تھی، اشارہ اسی جانب ہے۔

[2] مولانا گیلانی دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

[3] مولانا اشرف علی تھانویؒ سے متعلق۔

(۴۷)

۱۲ر جنوری ۱۹۴۶ء مطابق ۷ صفر ۱۳۶۵ھ

حیدر آباد دکن

مخدومی و صدیقی ...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افرغ اللہ علیکم من لدنہ صبرًا و ثباتا۔ ہوش اڑ گئے جوں ہی آپ کے کارڈ پر نظر پڑی، کالج ہی میں ملا، ایک دفعہ نہیں ابتدائی سطروں کو کارڈ کی دوبارہ سہ بارہ پڑھتا تھا۔ یا اللہ یہ کیا مضمون ہے، مولوی فضل صاحب سامنے بیٹھے تھے۔ آخر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ بھائی! مولانا یہ کیا لکھ رہے ہیں۔ آخر جو واقعہ واقع ہو چکا تھا ماننا پڑا کہ وہ ہو چکا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔شان نہ گمان، اف کیا دھوکہ ہے، زندگی صرف فریب ہے، مگر کیا کیجیے، ان ہی دھوکوں میں خود بھی جینا ہے۔ دوسروں کو مرتے ہوئے خود دیکھنا، اپنے مرنے کا تماشا دوسروں کو دکھانا بس یہی حاصلِ حیات ہے۔ اللہ اللہ آپ کی بیچاری ضعیفہ والدہ کے لیے یہ کیسا صدمہ[1] ہے اور آپ کے لیے بھی کیا کم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اپنے گھر کے لوگوں میں جو تعلق مولانا مرحوم سے آپ کے قلب کو تھا کسی سے نہ تھا۔ بڑی ذمہ داریاں چھوڑ کر آپ پر چلے گئے۔ کیا بتاؤں کہ اچانک آپ کن حالات میں اس حادثے کی مینار پر گھر گئے۔ بس ایک ہی بات شروانی صاحب کی یاد آتی ہے کہ "گھوڑا چھوٹ نہیں پڑا ہے" باگ والے کے ہاتھ میں ہر کلی و جزئی واقعہ کی باگ ہے، علیم و خبیر، رحیم و کریم ارحم الراحمین

اس عالم کا "حیّ القیوم" ہے۔ جاہل کو کیا حق ہے کہ عالم حکیم کے کسی فعل پر نکتہ چینی کی جرأت کرے اور یوں بھی اگر سوچیے کہ ایک مرحوم سعد آپ سے لیے گئے ہیں، لیکن ان ہی کے ذریعہ سے چھ افراد کا اضافہ آپ کے کنبے میں ہوا ہے۔ آپ کو اور آپ کی والدہ کو چاہیے کہ ان ہی بچوں کو ان کا قائم مقام تصور کریں۔ ماشاء اللہ ان کے بعض بچے اب ہوشیار اور سعید ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ جلد اپنے والد کی جگہ کو پُر کرلیں گے، لیکن پھر بھی سعد سعد ہی تھے، ایمان کے ساتھ گئے ہیں، بحمد اللہ ایمان والوں کو چھوڑ گئے ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ[2] (طور) جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد)[3]

انھوں نے صبر کی زندگی گزاری تھی، ان شاء اللہ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ کے ساتھ عالمِ ملکوت میں ان کا استقبال ہو رہا ہو گا حق تعالیٰ سے مغفرت کی التجا ہر مومن و مسلم کے لیے فرض ہے، ان جیسے مومن باللہ کے لیے کیوں نہ کروں گا۔

خدا جانے میں نے کیا کچھ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس خبر نے خود میرے ہوش و حواس کو ایک حد تک مختل سا کر دیا ہے، حالاں کہ ان سے جسمانی قرب کے مواقع کم ہی میسر آئے، لیکن دل میں ان کی بڑی جگہ تھی جس کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَ ارْحَمْهُ آپ کی والدہ صاحبہ کو کیا لکھوں تعزیت سے ان کا غم گزر چکا ہے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی سعد الدین مرحوم کے اچانک انتقال کا ذکر ہے۔

[2] ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ان کے درجے میں شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔

[3] ترجمہ: ہمیشہ رہنے کی جنتیں جس میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ بھی، ازدواج اولاد میں سے جو لائق ہوں گے وہ بھی اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے کہ تم سلامت رہو اس کی کہ تم نے صبر کیا۔ بس یہاں تمھارا انجام بہتر ہے۔

(۴۸)

۱۱؍فروری ۱۹۴۶ء مطابق ۸؍ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

حیدرآباد دکن

مولانائے محترم! افرغ اللّٰہ علیکم من لدنہ صبراً جمیلا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ آیا ہوا رکھا ہے جواب میں تاخیر کی وجہ کیا عرض کروں۔ حوادث کا عجب حال ہے، عشاء کی نماز کے لیے مسجد جا رہا تھا پارویوں لے کے لونڈوں نے راستہ میں "حِبَالُهُمْ" کو "يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا تَسْعَى" کی شکل میں ڈال دیا تھا اور کسی طرف چھپے ہوئے ڈور کے ایک سرے کو ہلا رہے تھے، خدا جانے دام کس لیے بچھایا گیا تھا، آ گیا اس میں بندہ۔ تاریکی میں اندازہ زیادہ نہ ہوسکا، سانپ ہی کا خیال گزرا۔ بزدل تو فطرتاً ہوں، تڑپ کر آگے کی طرف بھاگا، لیکن پاؤں میں دوڑنے کی قوت کہاں تھی۔ چاروں شانے چت گرتا تو شاید زیادہ تکلیف نہ ہوتی، سینے کے بل گرا گھٹنوں اور مونڈھے میں چوٹ تو خیر معمولی تھی، لیکن سینے پر شدید ضرب آئی، تاہم بدن جھاڑ کر اٹھ گیا۔ رات کو کسی سے کہا بھی نہیں، چپ چاپ نماز پڑھ کر سو رہا صبح کو سینے کی تکلیف ناقابلِ برداشت حد تک پہنچی ہوئی محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کو بلایا، سینے کی غالباً کوئی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ظنِ غالب کی شکل میں اپنی تجویز پیش کی، سن کر دم نکل گیا، ایکسرے کرانا ہوگا، سپرد کر دیا۔

سکندرآباد ہسپتال میں جا کر ایکسرے کرایا گیا، خدا کا شکر ہے کہ شکست کا پتہ نہ چلا، اس کے بعد چار دن تک مرہم پٹی درد کے ازالہ کے لیے ہوتی رہی۔ تقی صاحب اپنے گھر اٹھا کے لے گئے تھے، ان کے داماد ڈاکٹر ہیں، انھوں نے مرہم پٹی کی۔ آہستہ آہستہ درد میں کمی ہوئی، اب کالج جا رہا ہوں اگرچہ ابھی بالکلیہ درد کا ازالہ نہیں ہوا۔ اس دُکھڑے کو رونے کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ جواب میں تاخیر کی وجہ معلوم ہو، ورنہ سچ یہ ہے کہ آپ کا غم اس وقت ایسا غم ہے:

صبّت علی الایّام صرن لیالیا

کیا تسلی دوں میرے الفاظ اور معنی کا ذخیرہ ختم شدہ معلوم ہوتا ہے۔ بڑے زلزال شدید کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کو صحیح وسلامت رکھے، آٹھ سال کی مہاجرت کے بعد حبشہ سے اللہ کے محبوب ﷺ کے بھائی مدینہ آئے تھے، خیبر کے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی واپسی کی، پیغمبر ﷺ کو اس تعین میں دشواری ہو رہی تھی، لیکن چند ہی مہینے کے بعد پیغمبر کے بھی محبوب بھائی موتہ جاتے ہیں، ایک ہاتھ کٹتا ہے دوسرے سے اسلام کا پھریرا بلند رکھتے ہیں وہ بھی کٹتا ہے تو کٹے ہوئے ہاتھ اور منہ سے تھامتے ہیں۔ آخر اسّی زخم جو سب کے سب سامنے ہی کی طرف تھے کھا کر اس دنیا سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ روتے جاتے ہیں اور خبر دیتے جاتے ہیں۔ جعفر شہید ہوئے، زید شہید ہوئے، جو کبھی زید بن محمد کہلاتے تھے۔ سب سے بڑے محبوب کے ساتھ جب یہ واقعات پیش آ سکتے ہیں اور آئے ہیں تو اس کے بعد اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے۔ میرا تو قلم کانپ رہا ہے، کس طرح آپ کی اور آپ کی والدہ کی تسلی کروں۔

مولوی سیّد ابوالحسن علی کے پاس ''نزہۃ الخواطر'' ترتیب وتصحیح وتنظیم کے لیے بھیجی گئی ہے، معلوم نہیں پہنچی یا نہ پہنچی۔ مولوی فضل کا معاملہ ہنوز روزِ اوّل ہے کیا عرض کروں، بے چارے مظہر[2] کو ان لوگوں نے پارٹ ٹائم لکچرار بنا کر اس وعدے سے بھیجا تھا کہ تین چار ماہ بعد اس کو مستقل کر دیا جائے گا، لیکن ڈھائی سال گزر گئے نہ اس کی سروس ہی مستقل ہوئی اور نہ تنخواہ میں ایک پائی کا اضافہ۔ جو بساط بچھی ہے اس کے مہروں کے متعلق کیا عرض کروں، بجز اس کے ''ربّ نجّنی من القوم الظالمین'' ڈاکٹر صاحب سے سلام فرما دیجیے۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا صدمہ سخت ہے، ان سے کیا عرض کروں، ایمان وایقان ان کی مشکل میں نجم بنے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] پھیری سے پھل بیچنے والی ایک خانہ بدوش قوم جو مولانا گیلانی کی رہائش کے نزدیک جھونپڑوں میں رہتی تھی۔

[2] مولانا کے سب سے چھوٹے بھائی، سابق استاد شعبہ معاشیات عثمانیہ یونورسٹی۔

(۴۹)

۲۸ رفروری ۱۹۴۶ء۔ ۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ

حیدرآباد دکن

اخونا فی اللّٰہ صدیقی فی الدنیا و الاخرۃ ثبتکم اللّٰہ علی الصراط المستقیم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

ایک ہی مضمون کے دو کارڈ جن سے یکے بعد دیگرے ایک دن کے تقدم وتأخر سے سرفرازی ہوئی، مجھ پر تو ایک بڑا مسئلہ منکشف ہو گیا۔ آپ کا سہو میرے لیے سجدۂ سہو کا قائم مقام بن گیا۔ روایت بالمعنی پر منکرینِ حدیث کے اعتراضوں میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ایک مقدمہ کی تعبیر میں چند آدمی نہیں بلکہ ایک ہی شخص دوسری دفعہ ان ہی الفاظ کو دہرا نہیں سکتا جن سے پہلی دفعہ اپنے مافی الضمیر کو اس نے ادا کیا ہو، شک اندازی کا ایک مشہور حربہ ان کے پاس یہ بھی ہے۔

لیکن آپ کے ان دونوں گرامی ناموں کو ملا کر میں نے جو دیکھا تو جو کچھ ایک میں تھا وہی دوسرے میں۔ معانی ہی نہیں الفاظ تک قریب قریب دونوں کے ایک ہی ہیں۔ میں نے تو دونوں کو رکھ لیا ہے۔ ''تدوینِ حدیث'' میں روایۃ بالمعنیٰ کی بحث میں ان شاء اللّٰہ منجملہ دوسرے دلائل کے یہ دونوں کارڈ بھی دلیل کا کام دیں گے خصوصاً ایسی حالت میں جب بولنے والے کے سامنے نہ معانی ہی کا اعادہ چنداں اہم تھا اور نہ الفاظ کا۔ آپ کے حافظہ کی داد دوں یا ذہنی گرفت کی استواری کی تحسین کروں۔ بہرحال ایک دلچسپ مسئلہ آپ کا یہ سہو بن گیا۔ آپ نے خیال کیا کہ پہلا کارڈ گم ہو گیا، لیکن وہ گم نہ ہوا، میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا۔

اس وقت یہ عریضہ اسی واقعہ کے اظہار کے لیے لکھ رہا ہوں، آپ نے اپنے جس ابتلا کا ذکر فرمایا ہے، ان شاء اللّٰہ اس کو شفاہاً سنوں گا۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (مائدہ)

ان شاء اللّٰہ اب شیطان بھی آپ کے دین سے مایوس ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ حق تعالیٰ ہی کا فضل ہے، لیکن اس کے فضل کے ظہور کی شکل اللّٰہ والوں کی صحبت ہوئی ہے۔ حضرت مدنی کا ہاتھ پکڑنے والا اور حکیم الامت کی صحبت طیبہ سے استفادہ کرنے والا کیا محروم رہ

سکتا ہے؟ اور سب سے بڑی ولایت کا سایہ تو آپ پر ان ہی اقدام کا سایہ ہے جس کے نیچے آپ کی جنت ہے۔ میرا بہت بہت سلام والدہ صاحبہ سے عرض کر دیجیے۔ دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔

مولانا فضل کا معاملہ ہنوز روز اوّل کے حال میں ہے۔ اب تو مجھے مایوسی سی ہو گئی ہے۔ برنی صاحب[3] کی مُستحلیّت اس وقت ان کے حق میں ہے۔

مناظر احسن گیلانی

[1] فتنۂ انکار حدیث کے رد میں مولانا کی کتاب جس میں ان شکوک وشبہات کا اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے جو حجیت حدیث کے منکرین پیش کرتے ہیں۔

[2] مولانا حسین احمد مدنیؒ۔

[3] پروفیسر محمد الیاس برنی اس زمانے میں جامعہ عثمانیہ کے رجسٹرار تھے۔

بنام

ڈاکٹر غلام دستگیر رشید[1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا رخورداد ۴۲ (مئی ۱۹۳۳ء)

حیدر آباد

برادرم اعزو اکرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یدر آباد پہنچ کر آپ کی تلاش دل نے زیادہ کی، لیکن حسرت ہوئی جب سنا کہ آپ نہیں ہیں اور بیمار ہو کر وطن تشریف لے گئے۔ آپ نے جو اپنا حال لکھا ہے، کیا پوچھتے ہیں، کہ جس کو آپ نے لکھا ہے اس پر کیا گزر رہی ہے۔

لیکن برادرِ عزیز اگر ہمیں ایجاد سے محروم کیا جاتا اور پیدا کر کے بھی اگر جمادات و نباتات، حیوانات کی صف میں (ہم) شریک کر دیے جاتے یا انسان ہی ہوتے تو کیا ممکن نہ تھا کہ کافروں کے گھر پیدا ہوتے۔ شکر ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ زندگی نے موقع دیا کہ اللہ والوں کی صحبت نصیب ہوئی، خدا کا کلام پڑھا، سمجھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پڑھی، پڑھائی اور اسی کے ساتھ ایک دراز مدت تک وہی کھایا جو بڑے بڑے منکروں کو بھی نصیب نہیں، خوب گزری، اب کہ بیمار ہوں اور حق تعالیٰ کی مرضی ہے کہ چند چیزوں سے محروم رہوں تو کیا یہ ملال کی بات ہو سکتی ہے؟ بڑی سفاہت اور دنایت ہوگی جو پاؤں ڈگمگائے اور ڈگمگانے کے بعد بتائیے تو سہی کہ کیا کوئی پناہ دینے والا ہے؟ کیا کوئی ملحد صحت دے سکتا ہے؟ روپیہ دے سکتا ہے؟ خیال گزرتا ہے کہ ملاحدہ شاید اچھی صحت و حالت میں نہیں ہیں؟ شیطان کہتا ہے کہ یہ الحاد کا اثر ہے؟ لیکن فرشتہ اندر سے پکارتا ہے کہ آرام و صحت کو الحاد سے کیا تعلق؟ ہاں ملاحدہ کے ساتھ قدرت اپنے تعلقات کی نوعیت بدل دیتی ہے تو اس سے خدا ہی ثابت ہوتا ہے۔ کیا منہ دکھائیں گے اس خدا کو (جو) اپنے منکر کی رسیوں کو

ڈھیلی کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری رسی بھی ڈھیلی ہو جائے لیکن رسی والے سے شرم کرنا چاہیے۔ آخری انجام پر نظر رکھنا چاہیے۔ بحمد اللہ میں بہ ظاہر اب اچھا ہوں۔ البومین نے دماغ کا جوہر نچوڑ دیا ہے لیکن ڈھانچہ باقی ہے۔ ہو سکے تو اس لاشِ بے جان کو ایک دفعہ دیکھ جاتے۔ والسلام

مناظر احسن گیلانی

لے مولانا گیلانی کے شاگرد اور سابق صدر شعبہء اردو نظام کالج حیدرآباد دکن۔ پیدائش: ۱۰۹۶ء۔ وفات: ۲۵ راپریل ۱۹۹۳ء۔ تمام خطوط بنام ڈاکٹر غلام دستگیر رشید ماخوذ از سہ ماہی صحیفہ لاہور، مئی جون ۱۹۷۹ء

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ رمارچ ۵۱ء

رفیع القدر، حبّی و محبی مولوی غلام دستگیر صاحب رشید (سلمکم اللہ تعالیٰ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے حیرت ہے کہ آپ کے اس نیاز مند کا تعلق خاندان ارضی کے ساتھ باقی ہے۔ صرف یہی خبر آپ کی تسکین وتشفی کے لیے کافی نہیں ہو رہی ہے۔ اب کی تو آپ نے قلندرانہ انداز میں کچھ اتنا مجھے ڈرا دیا ہے کہ جب تک آپ ہی مطمئن نہ کریں گے، خوف کا ازالہ مشکل ہے۔ خدا کے لیے ''مجبور کرنے'' کا کوئی بہانہ نہ کیجیے۔ یوں ہی غریب انسان مجبور ومعذور ہے۔ اختیاری کا عنصر مجازی نہ نظر آنے والا بلکہ سمجھ میں نہ آنے والا محض قانونِ مجازات کی تصحیح کے لیے اس کے اندر جو مانا جاتا ہے آپ نے تو اس پر بھی حملہ بول دیا۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ میرا سکون اختیاری نہیں بلکہ اضطراری سکون ہے۔ حقیقی سکون کا مقدمہ ہے۔ مجبور کر کے اعظم گڑھ لوگوں نے بلا تو لیا اور فقیر چلا بھی گیا۔ اعظم گڑھ پہنچ کر لکھنؤ اور دریاباد پہنچنے کی عدم حاضری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک طرف مولانا عبدالباری اور دوسری طرف مولانا عبدالماجد۔ اصحاب بَطْشٌ شَدِیْد سے بچنے کی صورت ہی کیا تھی۔ لیکن دریاباد پہنچنے بھی نہ پایا تھا لکھنؤ ہی میں طبیعت میری بھی خراب ہوئی اور برادرم مکارم سلمہٗ، جو میرے ساتھ تھے ان کی بھی۔ نتیجہ یہ کہ دریاباد کے اسٹیشن سے گزر گیا۔

مولانا سے اعظم گڑھ میں ملاقات ہو چکی تھی اس کو کافی خیال کر لیا۔ اگر چہ دربار دریاباد میں عذر نا قابل مسموع قرار پایا ہے۔ بھائی! دو سال کے بعد اس نیت سے بھی نکلا تھا کہ مشکلات کا حل شاید سوچنے والوں کے دماغوں میں آیا ہو لیکن کیا عرض کروں بڑی مایوسی کے ساتھ واپسی ہوئی۔ امت کی کثرت منتشرہ کو "وحدت" کا قالب کیسے عطا کیا جائے۔ چار کروڑ زبانوں کو ایک زبان اور آٹھ کروڑ کانوں کو ایک کان بنانے کی کوئی تدبیر ممکن ہے۔ سوال ہی دلوں میں نہ تھا، جواب کیا ملتا۔ اسکولوں اور کالجوں کے قرآنی اقامت خانوں کے نظام کا ذکر جس سے بھی آیا مفید بتایا لیکن عمل کے لیے کوئی تیار نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مدت کے بعد آپ کے نوازش نامہ میں ایک قابلِ غور مسئلہ مدتوں کے بعد نظر کے سامنے آیا۔

اردو سے زیادہ ہندی میں اور بجائے خصوصی انتساب کے اسلامیات کو دوسری چیزوں کے ساتھ لپیٹ کر ادا کرنا، ایک مفید تصور ہے۔ ان شاء اللہ دارالمصنفین کے بزرگوں کے سامنے اس نصب العین کو پیش کروں گا۔ بات دل میں اتر گئی۔ مجیب صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری ہے۔[1] غالباً جامعہ ملیہ کے بک ڈپو میں مل جائے گی۔ وہاں سے منگوا لوں گا۔ ڈاکٹر یوسف الدین[2] کی سعی مشکور مطبوعہ شکل میں بحمد اللہ سامنے آ گئی۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ عُمُرِهٖ وَاَيِّدْهُ بِنَصْرِكَ الْعَزِيْز۔ اب تو ساری امیدیں آپ ہی لوگوں سے اس رخصت ہونے والے پیر فرتوت کی وابستہ ہیں۔ آپ ہی چند لوگوں کا تصور کر کے مطمئن ہو جاتا ہوں۔ اس وقت صرف آپ کے کارڈ کی رسید لکھ رہا ہوں۔ تفصیلاً پھر کبھی ان شاء اللہ کچھ لکھوں گا۔ مولانا غوثی شاہ صاحب[3] کی کتاب کے متعلق پہلے کچھ لکھنے کا ارادہ تھا لیکن 'الحق' کے نام سے جب حیدر آباد میں ''الباطل'' کی اشاعت باطمینان ہو رہی ہے تو خاموش ہو گیا۔ تیز سے تیز تر ہوئے جا رہے ہیں، اب تو حضرت مجدد بھی نشانے پر آ گئے ہیں۔ سچ ہے:
میکشد اندر طعنہ (از) پاکان ہند۔

---

[1] ''دنیا کی کہانی'' از پروفیسر محمد مجیب سابق پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی۔

[2] ڈاکٹر یوسف الدین، مولانا گیلانی کے نامور شاگرد۔ سابق صدر شعبۂ مذہب و ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن۔ ان کے نام مولانا کے خطوط اسی مجموعے میں شامل ہیں۔

[3] مکتوب الیہ کے پیر و مرشد

ع حیدرآباد دکن کا ایک ماہوار رسالہ جس میں مولانا گیلانی کے مضامین چھپتے رہتے تھے۔

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸ ستمبر ۱۹۵۱ء

گیلانی (بہار)

مجمع الکمالات عزیز محترم بھائی رشید صاحب ارشدکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خیال تو آپ کا آتا ہی رہتا ہے۔ خیر یہ چھوٹ بھی جائے گا، تو خیال کی قوت انشاء اللہ ساتھ جائے گی۔ اسی کے ساتھ اپنے دوستوں کی یاد بھی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اپنا حال وہی ہے کہ:

راست گوئی کہ زندہ در گورم

نبوت کے اس ملفوظ مقدس کی تصدیق ہوئی۔ فرمایا گیا تھا وقت آئے گا کہ بَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْ ظَهْرِهَا کو مومن غنیمت شمار کرے گا۔ جی ہاں! ''مصلحت عالمانہ''[1] میں شریک ہونے کے لیے بڑا زور دیا گیا تھا لیکن بحمد اللہ ایک گاؤں میں آکر جب سے دفن ہو گیا ہوں، پکارنے والے پکارتے ہیں۔ سر اٹھاتا بھی ہوں، مگر جوں ہی کہ:

دیدیم شب فتنہ کہ باقی ست غنودیم

بندہ نے تو ''غنودگی'' ہی کو اپنا شیوہ کہیے یا پیشہ بنا لیا ہے۔ نظم واقعی بڑی بلیغ ہے۔ مطبوعہ شکل میں کہیں ملتی ہو تو بھیج دیجیے گا۔ سودا کا شعر اسی زمین میں مشہور ہے:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

کہتے ہیں کہ علی حزیں نے اس شعر کو سن کر کہا تھا ''در پوچ گویانِ ہند بد نیستی''، مگر جوش نے حال میں زراہ (......) ''سوئے کربلا''[2] نشہ میں جو کچھ لکھ مارا ہے، اس سے دل بہت متاثر ہوا 'صدق' میں نظر سے گزرا ہوگا۔ برہان، الفرقان، دارالعلوم میں سلسلہ وار مقالات شائع

ہوتے رہتے ہیں۔ سورۂ کہف کی تفسیر بحمد اللہ اب کنارے آ لگی۔......[2] ہو چکے ہیں۔ اب کل دو قسطیں اور باقی ہیں۔ کتاب ......[3] آپ لوگوں کی نظر سے گزرتا بھی ہے یا نہیں۔ گاہندری نے اطلاع دی تھی کہ عبدالرحمٰن صاحب نے خاکسار کے مضامین متفرقہ کو جمع کیا ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے؟ میں تو آپ ہی کو اپنے مقالات و مضامین کا وارث سمجھے ہوئے تھا۔

آپ کو پہلے شاید کبھی لکھا تھا کہ "تہذیب" کے نام سے جنیدی صاحب[5] ایک تاجر کتب نے سہ ماہہ نکالا تھا۔ کریم موٹر ٹیکسی کے متصل بجانب شرق چھوٹی سی دوکان بھی ان کی تھی، چہ غم؟ کے نام سے ابراہیم بن ادھم پر ایک مختصر سا مضمون ان کو لکھ دیا تھا۔ دو نمبر شائع ہوئے۔ کچھ ان کے پاس مسودہ رہ گیا، کاش! مل جاتا۔ میرے پاس "اسلامی معاشیات" کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا ہے۔ حیدر آباد میں ملتا ہو تو تلاش کیجیے۔ عبدالرزاق صاحب[6] نے "الدین القیم" چھاپی تھی۔ کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن کچھ نہیں ملا الّا یہ کہ چند نسخے۔ اگر ہو سکے تو "الدین القیم" کے کچھ نسخے ان سے وصول کر کے بھیج دیجیے۔ اور کیا عرض کروں، بس گزر رہی ہے۔ اپنے حلقۂ کے احباب، خواجہ صاحب بڑے و چھوٹے، مولوی عبدالرحمٰن اور دیگر احباب کو سلام فرما دیجیے۔ گھر میں بھی دعا کہہ دیجیے۔

بچوں کو دعا　　　　　فقط

مناظر احسن گیلانی

---

1. جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ دینیات کو ختم کر کے شعبۂ تقابلِ مذہب کے قیام کے خلاف مولانا گیلانی نے اختلاف کیا اور خانہ نشین ہو گئے تھے، اشارہ اسی جانب ہے۔

2، 3، 4۔ عبارت غیر موجود۔

5. تاجر کتب حیدر آباد دکن۔

6. مالک اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن۔

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ر جولائی ۱۹۵۳ء

گیلانی (بہار)

برادر عزیز محترم مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ڈبل ایم اے، سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مدت کے بعد آپ کا نوازش نامہ موجب ابتہاج ومسرت ہوا۔ جواب تاخیر سے دے رہا ہوں۔ ادھر پھر کچھ ''قلبی'' حالت منقلب ہو گئی تھی اور فوری کوئی بات دریافت طلب آپ کے خط میں تھی بھی نہیں۔ آپ نے یہ مژدہ سنایا کہ اس عمر میں بھی طلب العلم کے فریضہ سے آپ غافل نہیں ہیں۔ اللحد تک جس کی طلب کا حکم ہے اس میں قدم روکا کیوں جائے۔ آپ اکہرے ایم اے کے بعد دوہرے ایم اے ہو گئے ''فـهـنيـئـا لكم ثمّ هنيئا لكُم'' آپ کی ایک دعائی نظم حال میں ''مشعل'' کراچی میں نظر سے گزری، ماشاء اللہ۔ خدا جانے میرے ''ہفوات'' بھی آپ لوگوں کی نظروں سے گزرتے رہتے ہیں یا نہیں۔ زمینداری و جاگیرداری والا مقالہ ''معارف'' میں شائع ہوا تھا۔ ظفر احمد تھانوی[1] نے جواب میں بڑا زور لگایا ہے، مگر ان غریبوں سے کون الجھے ''جوابش ندہی'' پر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ آپ نے عورتوں کے حق ووٹ کے متعلق پوچھا ہے، آپ ہی کے ابنِ حزم کا قول یاد آیا، اپنی کتاب ملل والنحل جس کا نام الفصل ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

”وما ذكر الله تعالىٰ منزلة عن الفصل الا وقرن النساء مع الرجال كقوله تعالىٰ ” ان الـمسـلـمـيـن والـمسـمـات“ الآية حاشا الجهاد فانه فرض على الرجال دون النساء“

مطلب یہی ہے کہ فضائل وکمالات کا انتساب مردوں اور عورتوں دونوں ہی کی طرف قرآن میں کیا گیا ہے صرف ''جہاد'' ہی ایک فرض ہے جو فقط مردوں کے ساتھ مختص ہے۔ آپ سن کر تعجب کریں گے کہ شیعہ وسنی تو ابوبکرؓ وعلیؓ میں گرفتار ہیں اور ابنِ حزم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعویٰ کیا ہے کہ تمام مسلمانوں سے افضل امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن ہیں۔ اس کتاب میں اس شخص نے بڑی تفصیلی بحث اس پر کی ہے۔ عورتوں کی نبوّت کا بھی ابنِ حزم قائل ہے۔ اس پر بھی باب باندھا ہے۔ شامی میں لکھا ہے کہ حنفی علماء میں ابن معمام بھی اس کے قائل تھے کہ رسالت تو نہیں مگر نبوّت کی

نعمت اور فضیلت سے عورتیں سرفراز ہوئی ہیں۔ اسی طرح حکومت کے اقتداری محکموں میں امام ابوحنیفہؒ کا رجحان بھی یہی تھا کہ عورتوں کو بھی بحال کیا جا سکتا ہے۔ ابن حزم نے 'محلّٰی' میں تو امام کی طرف یہ قول منسوب کر دیا ہے کہ "جائز ان تلی المرأة بحکم وھو قول ابی حنیفه" شامی وغیرہ میں اس مسئلے کی تفصیل پڑھیے۔ ان ہی معلومات میں آپ اپنے سوال کا جواب تلاش کر لیجیے۔

اور کیا عرض کروں۔ اخوان واعزہ، بھائی حمید، بڑے خواجہ، خان صاحب،[1] مولوی عبدالخالق خان[3] کثر یاد آتے ہیں۔ دینی علوم کا سلسلہ امت میں جاری ہے، اس سلسلہ میں ان عزیزوں کی کوششوں سے آگاہ ہوں۔ میں نے احمد نواز جنگ بہادر کو بھی اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن داد کے معاملہ میں وہ اپنے ذاتی الہام کے سوا کسی کی نہیں سنتے، حالانکہ مکہ و مدینہ بلڈنگ کے وقف کی آمدنی کے متعلق ان ہی نے خبر دی تھی کہ حرمین بھیجنے کی اجازت نہیں مل رہی ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ حرمین کی رونق دین کی اشاعت کے ساتھ وابستہ ہے جب تک وہ ممکن نہ ہو دینی علوم کی اشاعت پر اس رقم کو صرف کر سکتے ہیں۔ ان سب سے اور ہمارے مخدوم ومحترم کلیم اللہ صاحب قادری[4] سے ملاقات ہو تو سلام فرما دیجیے۔ برنی صاحب قبلہ کے حالات سے بھی ضرور خبر دیجیے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

اپنی بچیوں کا حال آپ نے نہیں لکھا۔ مزید اضافہ بھی کچھ ہوا؟ گھر میں اپنے میری طرف سے دعا کہہ دیجیے۔

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے اور معروف عالم دین۔ پیدائش: ۵؍اکتوبر ۱۸۹۲ء، وفات: ۱۸؍دسمبر ۱۹۷۴ء

[2] مولانا احمد حسین خان سابق لیکچرار شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی۔

[3] مولانا عبدالخالق تلمیذ مولانا گیلانی۔

[4] حیدرآباد دکن کے مشہور تاجر۔

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیلانی

۲۶ رجنوری ۱۹۵۴ء

الاخ الاعز گرامی قدر مولوی غلام دستگیر رشید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا کارڈ ہفتہ عشرہ ہوا، مل چکا تھا، چاہیے تو یہی تھا کہ وقت پر جواب دیتا لیکن ایک تو لکھنؤ کا سفر مولانا ندوی مرحوم کی مجلسِ ماتم میں شریک ہونے کے لیے کرنا پڑا۔ اتنا مجبور کیا گیا کہ جس حال میں بھی تھا پہنچا۔ وہاں سے واپسی کے بعد میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا یعنی رات کو چوروں نے میرے مکان پر حملہ کر دیا۔ ہم لوگ تو سوئے ہوئے تھے لیکن لَا تَـأْخُـذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ جاگ رہا تھا۔ اذن ان ہی کا ہو گیا اور اپنا حصہ رسدی مسلمانوں کے اس عام فتنہ میں مجھ سے بھی ادا کرا دیا گیا۔ زیورات اور عورتوں کے کپڑے لے گئے۔ تقریباً آٹھ دس ہزار اوسط میری طرف سے یہ چندہ ادا ہوا۔ خود میرا تو کچھ نہ تھا۔ آپ کی استانی صاحبہ کا تھا۔ حال ہی میں لڑکی کی شادی ہوئی تھی، اپنا جو کچھ تھا، بچی کو دے دیا تھا، ہم دونوں تو مصفے ہو چکے تھے۔ وَلَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔

آپ نے اپنے خط میں اس کی خوش خبری سنائی کہ کرنے کے جو کام ہیں آپ لوگ کر رہے ہیں۔ دوسروں کے خطوط سے بھی اسی قسم کی خبریں ملتی رہتی ہیں، جی خوش ہوتا ہے۔ اَيَّدَكُمُ اللّٰهُ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ آپ نے البر والتقویٰ کے تعاون کے قرآنی حکم کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ مسلم وغیر مسلم سب ہی کے لیے ہے یا خاص مسلمانوں کے ساتھ محدود ہے۔ اللہ اعلم بمرادہ لیکن ہم جب صحیح روایتوں میں حلف الفضول کے قصے کو پڑھتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے ''لو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت ''یعنی اسلامی عہد میں بھی اس معاہدہ کی طرف اگر بلایا جاؤں جو حلف الفضول میں ہوا تھا تو اس دعوت کو میں قبول کروں گا۔ حلف الفضول نبوت سے پہلے مکہ کے کفار میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ''ان ترد الفضول علی اهلها و لا یعز ظالم مظلوما '' مطلب جس کا

یہی ہے کہ بلاوجہ کسی کا مال اگر لے لیا گیا ہو تو مالک کو واپس کر دیا جائے گا اور کسی ظالم کی پشت پناہی نہیں کی جائے گی بلکہ ظلم سے اس کو روکا جائے گا۔ آپ کو سیئر وحدیث کی کتابوں میں حلف الفضول کی تفصیلات مل جائیں گی۔ نیز مدینہ منورہ تشریف فرما ہونے کے بعد یہود اور اطراف وجوانب کے غیر مسلم قبائل سے معاہدات فرما فرما کر تعاون علی البرّ والتقویٰ کی جو شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے، خود قرآن میں بھی ہے:

"لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ"[2] (سورۂ ممتحنہ)

جس سے صراحتہً یہ معلوم ہوا کہ البرّ میں تعاون کے لیے اسلام شرط نہیں ہے۔ الغرض قرآن سے قرآن کے مجمل حکم کی جو تفصیل اور مہبطِ قرآن نے عمل اور قول سے اس قانون کی جو تشریح کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے بعد تفسیروں میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ بڑے خواجہ اور خواجہ حمید احمد صاحب، خان صاحب، مولانا عبدالخالق ان سب احباب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ آج کل کلیم اللہ صاحب قادری کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں اگر ملاقات ہو تو عرض کر دیجیے گا کہ آپ لوگوں کا نمک خوار آپ کو بھولا نہیں ہے۔ مولوی عبدالستار صاحب کو بھی یہی پیام پہنچا دیجیے۔ اپنے گھر میں میری طرف سے دعا کہہ دیجیے، معلوم نہیں اب آپ کے کتنے بچے ہیں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا سید سلیمان ندویؒ

[2] ترجمہ: اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸ ستمبر ۱۹۵۴ء

برادرِ عزیز محترم مولانا رشید صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بہت دن کے بعد یاد فرمائی ہوئی۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ بالکل اچھا ہوں لیکن جس حال میں تھا اس سے بہتر حال میں اب اپنے آپ کو پا رہا ہوں۔ چار مہینے پٹنہ میں گزرے، ابھی لکھنے پڑھنے کی نہ قوت ہی پیدا ہوئی ہے اور نہ اجازت ڈاکٹروں نے دی ہے۔ البتہ خطوط مختصر کے ساتھ بدپرہیزی کرلیا کرتا ہوں۔ اس کی خوشی ہوئی کہ مقالہ آپ کا پورا ہوگیا۔ بڑی دلچسپ اور روح پرور چیز ہوگی مگر میرے لیے کیا؟ کاش! ہم بھی اس سے لذت حاصل کرتے۔ آپ نے جامی کی جس غزل کے متعلق دریافت فرمایا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ دیوان میں آپ کو نہ ملی۔ حیدرآباد کے کتب خانے اس باب میں آپ کی مدد نہ کرسکے تو بانکی پور کی لائبریری[1] سے کیا مدد مل سکتی ہے اور کوئی اب آدمی بھی نہیں جس سے اس کی تحقیق کراؤں۔ سنا ہے کہ سالار جنگ کا خاص کتب خانہ عام ہوگیا ہے وہاں تو متعدد نسخے اس دیوان کے ہوں گے۔ خیال آتا ہے کہ ناگ پور یونیورسٹی سے بھی آپ نے ڈگری لینے کی کوشش کی تھی اور شاید کامیاب بھی ہوگئے تھے۔ مگر اب حافظہ اتنا قوی نہیں رہا ہے۔ شکر ہے کہ مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم کی سوانح عمری[2] تین جلدوں میں تقسیم ہوکر چھپ رہی ہے۔ پہلی جلد کا اکثر حصہ چھپ گیا ہے، ان شاء اللہ نظر سے گزرے گی۔ آپ لوگوں سے جدا ہونے کے بعد یہ بڑا کام بھی اللہ میاں نے آسان کیا، نیا میلاد نامہ[3] تو آپ کو مل گیا ہوگا۔ کبھی کبھی اپنے حالات اور خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔ آپ لوگوں کی یاد اس فقیر کے دل سے کیا مٹ سکتی ہے۔ زندگی کے دن وہی دن تھے جو آپ لوگوں کی خدمت میں گزرے، اب تو صرف ''اجل مسمّٰی'' کے انتظار میں آٹھوں پہر بسر ہوتے ہیں۔ حالات دنیا کے پہلے بھی بدلتے رہے اور اب بھی بدلتے ہی رہیں گے۔ کُلَّ یومٍ ھو فی شأن۔

بہ یک لحظہ، بہ یک ساعت، بہ یک دم
دگرگوں می شود احوالِ عالم

فَتَرَبَّصُوا حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ فقط

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

بڑے خواجہ چھوٹے خواجہ کیسے ہیں۔ کس حال میں ہیں ملاقات ہو تو سلام فرما دیجیے گا۔ یہ بے چارے غوثی اپنے اجلِ مسمّٰی تک پہنچ گئے۔ آپ ہی سے اس کی خبر ملی۔ رحمۃ اللہ

علیہ وغفرلہ۔ برنی صاحب قبلہ[4] سے ملاقات ہو تو سلام عرض کردیجیے گا۔

---

[1] خدابخش لائبریری، بانکی پور پٹنہ
[2] "سوانح قاسمی"
[3] یہ میلادنامہ "ظہورِنور" کے نام سے حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔
[4] پروفیسر محمد الیاس برنی مصنف "قادیانی مذہب اور اس کا محاسبہ"۔ وفات: ۲۵ر جنوری ۱۹۵۹ء بلند شہر۔

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳ر جون ۱۹۵۵ء
گیلانی (بہار)

الاخ السعید الرشید ارشدکم اللہ فی الدّارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا نوازش نامہ کئی دن ہوئے ملا۔ میں بسترِ علالت پر ہی پڑا ہوا ہوں۔ خواجہ محمد احمد صاحب کے بچے (شفاء اللہ) کی خیریت سے بواپسی ڈاک مطلع فرمایئے۔ دل لگا ہوا ہے۔ دعا کررہا ہوں شافیِ حقیقی شفائے عاجل عطا فرمائے۔ خواجہ حمید احمد صاحب سے سلام فرمادیجیے۔ آپ نے اپنی تشریف آوری کے سلسلے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے بھلا وہ لکھنے کی بات تھی۔ بھائی یہ نازک زمانہ جس سے ہم لوگ گزر رہے ہیں اس میں صبح کا شام اور شام کا صبح کرلینا بھی بسا غنیمت ہے۔ زندگی کے جھگڑوں سے فرصت نایاب ہے۔ آپ لوگوں سے فقیر آپ کی دعاؤں کا ملتجی رہتا ہے۔ کسی وجہ سے یہ ظلوم وجہول یاد آجائے تو دعا کرلیا کیجیے کہ زندگی ختم ہونے سے پہلے کسی کام میں گزرے اور جب ختم ہو تو ربّ غیر غضبان کے قدموں میں پہنچادیا جاؤں۔ آپ اپنی ڈگری کی تیاری میں پوری توجہ صرف کیجیے۔[1] امید ہے کہ نمایاں حیثیت آپ کو حاصل ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر کیا بفضلِ خدا آپ کی جو استعداد ہے وہ دوسروں کو ڈاکٹر بنا سکتی ہے۔ خاکسار کے ژولیدہ دریدہ وبریدہ مقالات و خرافات کے آپ امین ہیں۔ شکر ہے کہ "تدوینِ حدیث" کے چاروں مقالوں کی طباعت کا نظم کراچی میں ایک ادارہ کررہا ہے، "تدوینِ فقہ" والے مقالہ کو بھی لاہور کا ایک ادارہ

شائع کر رہا ہے۔ "اطلاقی تصوف" کی اشاعت کی صورت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نکل آئے گی بلکہ نکل چکی ہے۔ کاش! النبی الخاتم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی اچھا ایڈیشن آپ لوگوں کی کوششوں سے نکل آئے۔ "الدّین القیم" تو آپ ہی کا عطیہ ہے۔ بس ان چیزوں کی خبر گیری آپ لوگ فرماتے رہیں گے۔ بندہ تو زندگی کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہے۔ کچھ دنوں سے ہمارے قادری صاحب کی کوئی خیر وخبر معلوم نہیں۔ ملاقات ہو تو سلام فرما دیجیے۔ بچوں کو میری طرف سے دعا کہہ دیجیے اور پیار کیجیے۔

سورۂ کہف کی تفسیر[2] کا قصہ افسوس ملتوی ہو کر رہ گیا۔ بظاہر اس کی اشاعت کی اب امید نہیں۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر غلام دستگیر رشید کے زیرِ تحقیق مقالے "انسانِ کامل کا تصور فارسی شاعری میں: سنائی سے اقبال تک" کی جانب اشارہ ہے۔

[2] بعد میں یہ تفسیر بھی "تذکیر بسورۃ الکہف" کے عنوان سے شائع ہوئی۔

بنام

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

۱۹ر ستمبر ۱۹۳۷ء۔ ۱۲ر رجب ۱۳۵۶ھ چہارشنبہ

سیّدی الامام...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ ''فاجعہ الیمہ'' کے موقعہ پر باوجود انتہائی جدوجہد کے دیسنہ حاضر نہ ہوسکا۔ اس نے ایسا اثر مسار کیا ہے کہ پھر ہمت نہ ہوئی کہ تحریر کی شکل میں فریضۂ تعزیت ادا کروں۔

صبر واستقامت کی دعا ہی پر قناعت کرتا رہا کہ ادھر مولانا عبدالباری صاحب کے نام جو گرامی نامہ شرفِ صدور لایا اس سے آپ اور آپ کی اہلیہ کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا اور اس کے ساتھ اس عالمِ کمزوری میں اعظم گڑھ، پٹنہ، دیسنہ، مظفر پور کی تگ ودو کا حال معلوم ہوا۔ عجب بات ہے حق تعالیٰ اپنے مخلصین کے لیے تکفیر وتطہیر کا اعلیٰ نظم اسی دنیا میں فرماتے ہیں تا کہ جب دارِ باقی میں وہ پہنچیں تو پاک وصاف پہنچیں۔ پچھلا حادثہ اگرچہ آپ کے لیے جانگداز اتنا نہ ہو، لیکن آپ کے گھر کے لیے بہر حال ماں کا واقعہ ہے، آپ کا اپنی لڑکی سے جدا ہونا اور ان کا اپنی ماں سے جدا ہونا کیفیت کے لحاظ سے دونوں کا پلہ برابر ہے، لیکن جواں مرگی کی تلافی کس واقعہ سے ہوسکتی ہے۔ میں نے مرحومہ کے انتقال کی خبر گیلانی میں یکا یک سنی آپ کے ساتھ دو دفعہ پٹنہ حاضر ہوا۔ بیماری کی کوئی خبر نہ تھی کہ یکا یک یہ خبر ملی، بعد کو معلوم ہوا کہ شاید وہ کچھ دنوں سے بیمار تھیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے گھر کے لوگوں کو صبر جمیل اور اجرِ جزیل سے سرفراز فرمائے۔

مولانا عبدالباری صاحب ہی کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاکسار کی ''ژولیدہ نوائی'' نے سامعۂ ہمایونی تک پہنچنے کی بھی سعادت حاصل کی۔ کئی دفعہ میرا خود ارادہ ہوا تھا کہ خدمتِ والا میں کسی خط کے ساتھ اس کو بھیجوں، لیکن گزشتہ ندامت ہمیشہ دامن کش ہو جاتی تھی۔ اس خط میں شبلی[1] کا ایک پھول بھی تھا جو دیوانے منصور[2] کے سر پر مارا گیا ہے۔

یہ ایک عاجلانہ مضمون تھا جس نے کتاب کی شکل اختیار کی۔ کچھ تو طباعت کی ناقابلِ عفو غلطیاں پھر بھی رہ گئی ہیں۔ نیز قصداً بھی اس رسالہ کو اس لیے تیار کیا گیا تھا کہ جس طرح عیسائی اسٹیشنوں پر انجیل وزبور کے ترجمے فروخت کرتے ہیں، ریل کے مسافروں کے لیے ایک ''اسلامی مشغلہ'' اس کے مقابلہ میں تیار کیا جائے اسی لیے عمداً اس کی زبان کچھ انجیل سی ہوگئی ہے۔ واقعات میں بجائے بین ترتیب کے ایسی ترتیب رکھی گئی ہے کہ ''ربطِ فقرات'' میں کچھ وقت صرف ہو۔ اب میں خود جب پڑھتا ہوں تو اس متن کے لیے شرح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بھلا اس صورت میں آپ نے اس کو غور سے استیعاباً کیا پڑھا ہوگا، لیکن میری تمنا تھی کہ ایک آدھ نظر اس حیثیت سے اس پر ضرور ڈالی جائے کہ واقعات میں علت و معلول کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے کہاں تک درست ہے۔ دفع دخل مقدر کے سلسلے بھی آپ کی نظر کے محتاج تھے۔ غزوات وسرایا، ازواجِ مطہرات، مدنی زندگی کی سیاست، تحویل قبلہ وغیرہ کے اسرار، میں چاہتا تھا کہ کوئی جاننے والا ان کو پڑھتا اور ہوتا کوئی خدا کا بندہ جو مجھے نیک مشورہ دیتا۔ اور کیا عرض کروں جی رہا ہوں، جب تک ان حالات میں جینا ہے۔

''ہندوستانی''[3] کے لفظ نے مبارک ہو کہ حسنِ قبول کا تمغہ حاصل کیا جزاک اللہ۔ حیدرآباد کا قصد کب تک ہے، مناسب تو یہی ہے کہ ''جلد ششم''[4] کے ساتھ تشریف فرمائی ہو اور سنیے! آپ کے قدیم دوست مفتی عبدالقدیر البدایونی نے آپ کی ''کتاب الجنایات''[5] کو مسترد ٹھہرایا ہے تفصیل پھر کبھی۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ابوبکر دلف بن جحدر شبلی، مسترشد حضرت جنید بغدادیؒ، وفات: ۲۸ رذی الحجہ ۳۳۴ھ
[2] حسین بن منصور حلاج جو اپنے نعرۂ اناالحق کی وجہ سے مشہور ہے۔
[3] زبان کے لیے اردو اور ہندی کے الفاظ کو چھوڑ کر 'ہندوستانی' کا لفظ سب سے پہلے مولانا سیّد سلیمان ندویؒ نے وضع کیا تھا جسے گاندھی جی نے بھی قبول کر لیا تھا۔
[4] یعنی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ششم۔
[5] ۱۹۳۳ء میں حکومت حیدرآباد دکن نے دارالمصنفین کو فقہ حنفی کی رو سے ضابطۂ جنایات کی ترتیب وتدوین کی خدمت سپرد کی تھی جس کا مسودہ مولانا سیّد سلیمان ندویؒ نے حکومت حیدرآباد کو پیش کیا تھا۔

حیدرآباد دکن

۴؍رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ (۸؍نومبر ۱۹۳۷ء)

سیّدی الامام! دمتم بالعافیۃ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو تو خط لکھتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے، کچھ نہیں تو کم از کم یہی اعتراض سہی کہ خط غبار کا خط تھا۔

امید ہے کہ آپ بعافیت اپنے اہلِ بیت میں پہنچ گئے ہوں گے۔ ہم لوگوں کا اسی عالمِ مسافرت میں چوتھا روز ہے۔ آپ کے جانے کے بعد تیسرے دن یکا یک ایک خبر ہم لوگوں کو ملی کہ آپ کے متعلق اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کا کوئی فرمان اقدس شرف صدور لایا ہے۔ اس وقت دفاتر بند ہو چکے تھے۔ دوسرے دن شہر ہی میں معلوم ہوا کہ وہ فرمان آیا ہے۔ میں نے اور مولوی عبدالباری صاحب نے پڑھا۔ غالباً اس فرمان کی نقل آپ کو مولوی صاحب بھیجیں گے۔ میں تو اس وقت صرف جناب کو مبارکباد دینا چاہتا ہوں اور دیکھیے کہ جب ملنے کا ارادہ نہ تھا تو ملنے کا کیا عجیب سامان ہوا اور بحمد اللہ ملاقات جتنی بار ہوئی اس سے پیشتر کی کوئی ملاقات ایسی ثابت نہ ہو سکی۔ افسوس ہے کہ سرکار کے سامنے تمام واقعات اپنے اصلی شکل میں نہ تھے اور اس سے انھوں نے یہ خیال فرمالیا کہ تین سو روپے تو ان کو مل ہی رہے ہیں، اس میں سو کلدار کا اور اضافہ کیا جائے، گویا ان کے خیال میں آپ کا وظیفہ اب چار سو ہے، لیکن واقعہ کے اعتبار سے یہ سو ہی روپیہ ہوا۔ کل ہم لوگ متعدد لوگوں سے اس باب میں مشورہ لینے کے لیے دوڑے، خود ہوش صاحب[1] کے پاس بھی گئے۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ اس وقت اس سو کی منظوری کونسل سے حاصل کر لینی چاہیے اور بقیہ سو کے لیے اس وقت جدوجہد کی جائے جب ''سیرت'' کی اعانت کا مسئلہ پیش ہوگا یعنی اس کی توسیع کا، مینائی صاحب[2] کی تحریک مسل میں موجود ہے کہ سیرت کی امداد آپ کے نام شخصی طور پر منتقل کر دی جائے، اسی کو بنیاد بنا کر ان شاء اللہ اس وقت اس مسئلہ کو چھیڑا جائے گا۔

ہوش صاحب فرماتے تھے کہ آپ سے ملنے کے بعد دو تین دن تک تقریباً زیادہ وقت آپ ہی کے ذکر و فکر میں گزرا۔ سیرت النبیؐ جلد پنجم نظرِ مبارک سے نہیں گزری تھی، ہوش

صاحب سے منگوائی گئی۔ آج کل زیر مطالعہ ہے اور دادِ تحسین مل رہی ہے اور کیا عرض کروں مجھے اس کا افسوس ہوا کہ آپ حضرات نے میرے اس حقیر مضمون ہی کو سہی، لیکن بہر حال جس کی طرف اس کا انتساب تھا، وہ تو عالی تھا، آپ لوگوں نے غور سے نہیں دیکھا۔ خدا جانے اس پر بھی آپ کو کھجانے نے کچھ موقع دیا یا نہیں۔ تین دن تک ہم لوگوں کو سخت خوف ہوا کہ اب حملہ ہوا تب ہوا، لیکن لائف باتھ سوپ کی جو بٹی رہ گئی تھی، اس سے ایک دو دفعہ غسل کر لیا، اب خارشت کا پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ دو دن تک تو یقین ہو چکا تھا کہ آخر مجھے بھی ہو گئی۔

آپ کو اس صابن سے کچھ نفع ہوا یا نہیں، اسی صابن کی ایک اعلیٰ قسم بھی ہے "ٹائلٹ لائف باتھ سوپ" اگر اس سے نفع نہ محسوس ہوا ہو تو اسی کو منگوا کر دیکھیے۔

آج کے اخباروں میں "معلوماتِ عامہ" کی جانب سے آپ کی اور نواب مہدی یار جنگ بہادر[4] کی پوری تقریر دائرۃ المعارف والی شائع ہوئی ہے۔

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

ہاں! اشد ضروری سلسلہ کی ایک بات رہی جاتی ہے۔ ہوش صاحب نے فرمایا تھا کہ آپ نے عند التذکرہ یہ جو فرمایا تھا کہ فوق بلگرامی نے اپنی کسی کتاب میں آپ کے کسی مضمون کو بجنسہٖ نقل کر کے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کا پتہ کس طرح چلے گا؟ منقول فیہ اور منقول عنہ دونوں کتابوں کا پتہ بصیغہٴ اشد ضروری، خود ہوش صاحب کو لکھ کر بھیج دیجیے اور ان کو آپ ایک خط شکریہ کا بھی لکھیے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا، بظاہر حق تعالیٰ نے ہوش صاحب ہی کو اس کا ذریعہ بنایا۔

---

[1] نواب میر عثمان علی خان، آخری نظام حیدر آباد دکن۔ پیدائش: ۶ر اپریل ۱۸۸۶ء۔ وفات: ۲۴ر فروری ۱۹۶۷ء

[2] کلدار ہندوستانی سکے کو اور حالی حیدر آبادی سکے کو کہتے تھے۔

[3] ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی سابق معتمد تعمیرات حیدر آباد دکن۔ پیدائش: ۸ر جون ۱۹۰۰ء۔ وفات: ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء، مصنف "مشاہدات"

[4] اختر مینائی فرزند امیر مینائی، سابق ناظم مذہبی امور حیدر آباد دکن

۵ سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی، فرزند عماد الملک سید حسین بلگرامی

(۴)

۱۴ر مارچ ۱۹۳۸ء

سیّدی وسیّد المسلمین! دمتم بالہناء والعافیۃ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی کے جواب میں رسید کا کارڈ مل گیا ہوگا۔ میں تفصیلی جواب دینا ہی چاہ رہا تھا اور ایک ضرورت بھی پیش آ گئی اور واقعہ یہ ہے کہ ہوش صاحب ان دنوں کچھ بیمار ہیں ایک دن ان کی عیادت کے لیے گیا ہوا تھا معلوم ہوا کہ آرام فرما رہے ہیں، واپس چلا آیا، بعد کو ان کا ایک ضروری مکتوب ملا کہ ''مجھ سے تم اور مولانا عبدالباری صاحب فوراً ملیں'' ۔رات گیا تھا بیچارے اب تک فریش ہیں۔ الوانِ نعم کا کھانے والا صرف خشک ٹوس کے دو ٹکڑے اور ایک سفید سا پانی جس کی تشبیہ انھوں نے خود ''بول حمار'' سے دی، ان کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ بُرا بھلا کہتے جاتے تھے اور لقمہ حلق میں اتار رہے تھے، بہر حال ملنے کے بعد فرمایا کہ ضرورت یہ پیش آ گئی ہے کہ مولانا نے اعلیٰ حضرت کے مضمون کے متعلق میری فرمائش سے جو کچھ لکھ کر بھیجا ہے، بہت اچھا تھا، لیکن ناواقفیت کی وجہ سے آخر میں انھوں نے کج کلاہِ ایران کا بھی ذکر اس شخص کے سامنے کر دیا جو اپنے سوا کسی سر پر کلاہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ انھوں نے وہ خط مجھے واپس کر دیا ہے کہ آپ تک پہنچا دوں اور اسی خط کو دوبارہ بحذف حصۂ آخری ان کے نام بعجلت ممکنہ روانہ فرمائیے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ایک دوسرا مضمون بھی اظہار رائے کی غرض سے دیا ہے۔ اس کا تراشہ بھی اسی لفافہ میں بند ہے۔ اس کے متعلق ایک الگ رائے قلم بند فرما کر ہوش صاحب ہی کے نام روانہ فرما دیجیے۔ آئندہ انھوں نے فرمایا کہ مولانا کو لکھ دو کہ کسی زندہ و مردہ حکمران کا ذکر تشبیہاً و نظیراً بھی اپنے گرامی ناموں میں نہ فرمائیں۔ وہی بے چارہ جس کا ذکر آپ نے اس خط میں فرمایا ہے۔ اس کا نام ''سپاہی زادہ لدی بٹورنے والا، اجڈ جاہل'' ہے۔ شاہوں کے دربار میں ان عجائبات کا تماشا ناگزیر ہے۔ حسب منشا ہوش صاحب خود ہی آپ کی خدمت میں ان چیزوں کو بھیجنے والے تھے، لیکن علالت کی وجہ سے نہ بھیج سکے اور دیر ہو رہی ہے۔ ضرورت جلد

جواب پہنچانے کی ہے کیوں کہ آپ کی رائے کے متعلق بندگانِ عالی دریافت فرماتے رہتے ہیں۔

مولانا مسعود علی الحاج کی واپسی سالماً غانماً الحمدللہ ہوگئی۔حق تعالیٰ کے انعامات جو اُن کے حال پر ہوئے، سن کر مسرت ہوئی اور تھوڑا سا رشک بھی ہوا۔ برنی صاحب نے اس قسم کے حضرات کا نام ''شکریون'' رکھا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تبریک وتہنیت کے لیے اعظم گڑھ اترتے ہوئے وطن جاؤں۔ لیکن گھر سے خطوط ایسے مشوش آرہے ہیں کہ بچے اور خود مکارم سلمہٗ کی طبیعت خراب ہے۔ خدا کرے کہ یہ لوگ اچھے ہو چکے ہوں ورنہ پھر بعجلت ممکنہ مجھے گیلانی جانا پڑے گا۔ مولانا الحاج کو سلام فرمادیجیے۔ حسب الحکم ''جمعیۃ التمدن الاسلامی'' کے کاغذات پر دستخط وغیرہ کر کے واپس کردیا ہے۔

اور کیا عرض کروں۔ حیدرآباد اپنے آخری نازک عہد سے گزر رہا ہے نہ کوئی دماغ ہے اور نہ کوئی دل جو اس وقت اس کے جہاز کو منجدھار سے پار نکالے۔ حیدری صاحب[1] ایک تنہا جاندار آدمی ہیں لیکن وہ بھی دل سے محروم ہیں اور اس وقت دماغ سے زیادہ دل کی ضرورت ہے۔ اب مسلمانوں کی اس آخری پارۂ نان کا خدا ہی حافظ ہے۔ اخبارات وہ سب کچھ آپ کو سناتے ہی رہتے ہوں گے جو ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

مولانا عبدالباری ندوی اگرچہ اب مجھ سے الگ ایک مسجدی حجرہ میں رہتے ہیں، لیکن بحمداللہ جوار کا شرف اب بھی حاصل ہے۔ کالج کی آمد و رفت ساتھ ہوتی ہے۔ سلام فرماتے ہیں۔

نیازمند

مناظر احسن گیلانی

---

[1] سر اکبر حیدری، سابق وزیر اعظم مملکت حیدرآباد۔ پیدائش: ۸/نومبر ۱۸۶۹ء، وفات: ۱۹۴۵ء

(۴)

۲۸ر جنوری ۱۹۳۹ء۔ ۶ر ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ شنبہ

سیّدی و سیّد المسلمین! متعنا اللہ بطولِ بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا کارڈ، اس سے پہلے کارڈ کا مطلب مل چکا ہوگا!

ایک خاص بات آپ سے عرض کرنی ہے۔ موجودہ حالت جو اسلام کی ہو رہی ہے، مجھ سے زیادہ آپ کو اس کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ مشکلات کے حل کی مختلف راہیں لوگ پیش کرر ہے ہیں۔ آپ نے پاکستان کی ایک پہلی تحریک، ڈاکٹر عبداللطیف کی دیکھی ہوگی ان ہی سے معلوم ہوا کہ یو پی کے لوگ اس سے راضی ہیں۔ خصوصاً اسماعیل خان کو اپنے بڑے حامیوں میں بتاتے ہیں۔ بہر حال جہاں تک میں دیکھتا ہوں جن جن لوگوں کے اوطان پر ضرب نہیں پڑتی، اسے پسند کرتے ہیں۔ ڈاکٹر لطیف کا گھر بھی علاقہ مدراس کے ضلع کڑپہ میں ہے۔ مدراس سے اس کی دھجی کو پھاڑ کر انھوں نے حیدر آباد میں شریک کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ سب مالی خولیا تو ہے ہی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کوئی اور مالی خولیا کیوں نہ پیش کر دیا جائے۔ پاکستان کی تحریک اور اس سے بھی زیادہ کڑپہ تحریک میں مسلمانوں کو صرف ایک لازمی قوم کی حیثیت سے تسلیم کر کے ان کے بقا کی مدافعتی کوشش جو ممکن ہو سکتی ہے پیش کی گئی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جن علاقوں میں اسلام داخل ہو چکا، صدیوں وہاں حق کی پرستش ہو چکی، اسلام وہاں چمک چکا، مسجدوں سے وہ ملک بھر چکا، اب پھر اس کو خود اپنے اختیار سے کفرِ خالص کا علاقہ بنا دیا جائے، حالانکہ اسلام لازمی مذہب نہیں متعدی مذہب ہے، مسلمانوں کا کام "نَکَصَ عَلَی الْعَقَب" نہیں، بلکہ اقدام ہے، آج نہیں تو کل جن ملکوں میں اسلام کی روشنی مکمل ہو سکتی ہے، ان امکانات کو کم کرنا کہاں کی دانشمندی ہو سکتی ہے۔ بہر حال ان امور کو مجھ سے زیادہ آپ سمجھ سکتے ہیں، میرے سامنے اس وقت دو خیالات ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اگر واقعی مسلمانوں کو ایک سمت کی جانب سمٹ کر رہنا ناگزیر ہے تو پھر یہ صورت کیوں نہ اختیار کی جائے کہ ہر صوبہ کے چند اضلاع کو مسلمانوں کے تناسب آبادی کے لحاظ سے ان کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ فرض کیجیے کہ ہمارا بہار ہے کہتے

ہیں کہ وہاں کی کل آبادی چار کروڑ کے لگ بھگ ہے، مسلمانوں کی تعداد اس صوبہ میں چالیس، پچاس لاکھ کے قریب قریب بتائی جاتی ہے، اگر اس تعداد کو چند اضلاع میں تبادلۂ قومی کے ذریعہ سمیٹ لیا جائے جو بہار میں اسلامی ثقافت و تہذیب کے مرکز ہیں تو مسلمانوں کا نازک مقام قوی بھی ہو جاتا ہے اور ہر صوبہ میں اسلام کی روشنی باقی بھی رہ سکتی ہے۔ آئندہ اس کے اقدام اور توسیع کے امکانات بھی باقی رہتے ہیں اور اس طرح تمام اقلیت کے صوبوں کو ہر صوبہ میں چند مخصوص اضلاع میں سمیٹ لیا جائے، پھر جس طرح بوسنیا، ہرزی گوینا وغیرہ میں مسلمانوں کا ایک محاذاتی نظام حکومت ہے یہی طرزِ عمل یہاں بھی اختیار کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اسلامی فیڈریشن کو بھی مشرکانہ فیڈریشن سے جدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ مرکزی حیثیت سے ہماری اکثریت کے علاقے بٹنے سے محفوظ رہ جائیں اور اقلیت والے صوبوں میں ہم ایک جگہ سمٹ کر آباد ہو جائیں۔ میری غرض یہ ہے کہ جب ہر ایک اپنے اپنے اغراض کے تحت تجویز پیش کر رہے ہیں، ہم بہار کے مسلمان بھی اس تجویز کو کیوں نہ پیش کریں۔ باقی ہونے والا جو کچھ ہے وہی ہو کر رہے گا۔ آپ کے پاس اولاً تو خود ایک آرگن ہے، ثانیاً آپ آزاد ہیں، ثالثاً آپ کی آواز ملک میں آواز کی حیثیت رکھتی ہے، مسلمان اور بہاری ہونے کے لحاظ سے اگر اس کام کو اپنے ذمہ لیجیے تو اسلام کی بھی خدمت ہوگی اور جس زمین نے آپ کو پالا ہے، اس کے باشندوں کے ساتھ بھی احسان ہوگا۔

(۲) دوسری بات وہی ہے جس کا زبانی تذکرہ کیا تھا یعنی اردو ہندی کے جھگڑے سے الگ ہو کر مسلمان جو تعلیم پاتا ہو، اس کے لیے اتنی عربی لازم کرا دیجیے کہ قرآن مجید کا ترجمہ براہ راست کرنے پر قادر ہو جائے۔ عنوان اس کا ''قرآن کی تعلیم'' ہی رکھا جائے۔ ہماری بھی مذہبی تعلیم یہی ہے اور اسی میں ہماری زبان، تمدن، تہذیب سب کی حفاظت ہے، میٹرک تک یا ''وردھا اسکیم'' کی اختتامی تعلیم تک اتنی عربی پڑھا دینی کچھ مشکل نہیں ہے خصوصاً جب صرف قرآنی عربی تک ہماری جدوجہد محدود ہے، اگر فارسی مٹ بھی جائے، لیکن اس کی جگہ ہر مسلمان کے لیے عربی رسم الخط کا پڑھنا اور قرآن

عربی کا جاننا ضروری ہے تو میرا سب کچھ محفوظ ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چلتے چلاتے اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین وملت کی آپ اتنی خدمت ضرور کیجیے۔ اب ہم لوگوں کا آخری وقت ہے میں تو یونہی خالی داماں چلا، حیدر آباد کے روپے پر سب کچھ نثار کر دیا اور وہ روپیہ بھی نہ رہا، زندگی کے قیمتی اوقات ان ہی مزخرفات میں بسر ہوئے، لیکن بحمد اللہ حق تعالیٰ نے آپ سے کام لیا اور بہت کچھ لیا۔ یہ دو کام اور کر جائیے تو بڑا کام ہو جاتا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ ڈاکٹر سید عبداللطیف کرنول کے رہنے والے انگریزی کے بہترین انشاپرداز تھے۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر 'ترجمان القرآن' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہاں اشارہ ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون کی طرف ہے جس میں انھوں نے مسلمانانِ ہند کے لیے کلچرل زون کی اسکیم پیش کی تھی۔

۲ سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے پوتے۔ مسلم لیگ کے اہم رہنما۔

(۵)

۱۴ر مارچ ۱۹۳۹ء

سیّدی وسیّد المسلمین ادام اللہ عافیتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عریضہ کے ساتھ ایک اور نیاز نامہ منسلک ہے۔ میں نے وہ لکھا نہیں ہے، بلکہ لکھوایا گیا ہے۔ اَلْغَرِیقُ یَتَبَشَّثُ بِکُلِّ حَشِیشٍ بے چارے ڈاکٹر عثمان صاحب اپنی لڑکی کی پریشانیوں کو دیکھ کر بعض دفعہ اس قدر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں کہ مجھے جنون کا اندیشہ ہونے لگتا ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ اسی جنون کے سلسلے میں یہ خیال بھی ان کے دماغ میں آیا کہ خدا نے آپ کو بھوپال پہنچا دیا ہے۔ شاید ان کی مشکل کے حل کی کوئی صورت قدرت آپ کے ہاتھوں پیدا فرما دے۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ اس سلسلے میں مولانا بے چارے کیا کر سکتے ہیں لیکن انھوں نے کہا کہ تم لکھ کر تو دیکھو۔ آپ سے میں کیا عرض کروں، حسبۃً للہ، ممکن حد تک ان کی جو امداد سرکاری، غیر سرکاری، ضابطہ، بے ضابطہ شکل میں آپ یا مولانا رضوان صاحب کر سکتے ہوں تو کیجیے۔ کوئی شبہ نہیں کہ بے چاری لڑکی حد سے زیادہ مظلوم

ہے۔ مولانا عبدالباری اور فقیر نے ایک دفعہ اصرار کر کے لڑکی کو بھوپال جانے پر راضی بھی کیا، گئی بھی، لیکن حالات بجائے سلجھنے کے اور الجھ گئے۔ اب اقتران کی شکل تو کوئی باقی نہیں رہی ہے، افتراق کلی کا کوئی فائدہ نہیں۔ درمیانی راہ بھی ہو سکتی ہے کہ گزارے کے لیے ظالم شوہر کی تنخواہ سے کچھ رقم اس بے چاری تک ماہ بماہ پہنچ جائے۔ فیصلہ بھی ہو گیا۔ حکم بھی دیا گیا لیکن تعمیل کون کرے۔ کوئی صورت تعمیل کی نکل سکتی ہو تو اسے سوچیے، اللہ واسطے کا کام ہے مومن کی کشف...... کا معاملہ ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ آنکھ کی شکایت کا ازالہ ہو چکا ہوگا۔ خاکسار پر اس شبخون حملے کے بعد بحمد اللہ کوئی دوسرا حملہ نہیں ہوا لیکن ایک ہی حملہ میں کس بل نکل گیا۔ ایک مہینہ گو فریش رہا، ایک ہفتے سے کالج آ رہا ہوں اب میری مدت ملازمت کُل ایک مہینہ باقی ہے۔ یہاں کے حالات جیسے تھے، ان کو دیکھتے ہوئے تو یہی خیال تھا اور ابھی اس خیال سے نپٹنے کی کوئی بین وجہ سامنے نہیں آتی ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب جیسی شخصیت کے ساتھ جب بے نیازی کا وہ سلوک کیا گیا تو فقیر کس کھیت کی مولی ہے، جو میرا خیال کیا جائے گا، لیکن تین چار دن سے کچھ خبریں ایسی مل رہی ہیں کہ ارباب حل وعقد کو چونکہ سرِ دست کوئی دوسرا آدمی نہیں مل رہا ہے، اس لیے کچھ دن کی توسیع کر دینے کا خیال کیا گیا ہے۔

میں عجیب کش مکش میں ہوں۔ سارا خواب، خوابِ پریشاں ہو کر رہ گیا۔ سوچے ہوئے تھا کہ وظیفہ لے کر گیلانی چلا جاؤں، پھر وہیں سے دوسری خدمات کا سلسلہ اگر میسر آئے گا شروع کروں گا۔ پھر وہیں اپنے آبا و اجداد کے ساتھ سو جاؤں گا۔ لیکن اب کہاں جاؤں؟ کچھ ادھر اطمینان کی خبریں بہار سے آنے لگی تھیں کہ پھر اچانک حکومت کے اس طرزِ عمل کی خبریں مل رہی ہیں کہ کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو۔ حکومت نے طے کر دیا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو مجرم قرار دے کر ان کی آبرو ریزی کی جائے۔ واقعات کا علم ہوا ہوگا، بڑے بڑوں کے سر کی پگڑی اتاری جا رہی ہے۔ ایسی حالت میں بہار کے تو خیال سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر پھر کہاں قیام کیا جائے؟ دکن کا حال کیا بیان کروں؟ بس اللہ ہی اللہ ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کیا ہوگا؟ پنجاب کی حالت سن سن کر کلیجہ منہ کو چلا آتا ہے۔ ریاستوں کا یہ حال، غیر ریاستی علاقے اس حال میں۔ فتنۂ تاتار میں مسلمانوں پر کیا گزری

تھی، اب اس کا کچھ تھوڑا بہت اندازہ ہو رہا ہے۔ مولوی فضل صاحب سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی مدتِ ملازمت مئی میں ختم ہوگئی تھی اور توسیع بھی ابھی نہیں ہوئی ہے۔ شروانی صاحب کا خط میرے نام بھی آیا تھا، جس میں علی گڑھ آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ لیکن مجھے تو ان کی تحریروں میں اب خرافت کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ محدثین پر جب آخر عمر میں یہ حالت طاری ہو جاتی تھی تو ان پر کیوں تعجب کیا جائے۔

ہاں صاحب! میں یہ خط لکھ ہی رہا تھا کہ اسی زمانے میں اچانک بھوپال سے ایک طویل وعریض وکھبن لفافہ رجسٹرڈ موصول ہوا، کھولا تو معلوم ہوا کہ زبیری صاحب کا ہے، دارالمصنفین سے ''اعتزل عنا'' کا جو فیصلہ ان کے متعلق کیا گیا تھا، اسی کے متعلق مجھ سے سوال تھا کہ جس جرم کا مجرم مجھے ٹھہرایا گیا ہے اور جن صاحب کی وجہ سے ٹھہرایا گیا ہے، اس جرم کے سب سے بڑے مجرم تو وہی تھے بلکہ پہلے آدمی وہ ہیں جنھوں نے الموتی کے متعلق ذکر بالشر کو تحقیق کا ایک اہم فریضہ قرار دیا تھا۔

اس سلسلے میں پشتوں کے چند افراد مامون، سعدی، حافظ، امیر خسرو کے متعلق مولوی شبلی صاحب کی عبارتیں نقل کر کے بھیجی ہیں، میں تو یہی جواب دے رہا ہوں کہ غلطی کا جواب غلطی نہیں ہے یا کیا لکھوں۔ فقط

والسلام

مناظر احسن گیلانی

(۶)

۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق ۱۶ شعبان ۱۳۵۸ھ

سیّدی وسیّد الہند! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لیجیے جناب ''اَمّا ھٰذا فَقَد قَضٰی مَا عَلَیہ''. حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایفائے عہد کی توفیق اس نے آسان کی۔ مضمون بھیج رہا ہوں۔ میں نے اپنا کام کر دیا، اب آپ کو پسند آئے یا نہ آئے، اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اتنی محنت زندگی میں کسی مضمون کے لکھنے میں مجھے اٹھانی نہ پڑی۔

آپ کو کیا معلوم کہ حیدر آباد میں کن لایعنی مشاغل میں زندگی بسر ہوئی ہے۔ کہاں

دارالمصنفین کی یک سوفضا اور کہاں دکن کی لابعنیاں، خیر جو کچھ ہو سکا وہ یہی تھا۔ خدا کرے کہ آپ اس کو پسند فرمالیں تو میری محنت ٹھکانے لگی، اس سے زیادہ کچھ مطلوب نہیں۔ مبیضہ کسی کاتب سے چاہا کہ تیار کرا کے بھیجوں، لیکن اس نے ۱۵ دن کی مدت چاہی، آپ کے انتظار کی تکلیف کا خیال کر کے اسی کٹے پھٹے حال میں بھیج دیتا ہوں۔ دارالمصنفین کے کاتب ماشاء اللہ ان سے زیادہ جنیات پڑھتے ہوں گے۔

پٹنہ کا تیر نشانہ پر بیٹھ کر پھر غلط ہو گیا۔ میاں نجم الہدیٰ[1] نے پہلے تار رہنے کا دیا، پھر اکتوبر کو طلبی کا دعوت نامہ آپ کے حوالہ سے آیا، لیکن اسی دن شام کو پوس پونڈ[2] کا تار بھی مل گیا۔ "الیاس احدی الراحتین" کے لفظ سے لذت اندوز ہوا۔ مضمون کو پڑھنے کے بعد ضرور مطلع فرمائیے کہ مجھے سب سے زیادہ اسی کا انتظار رہے گا۔ طویل تو ہو گیا ہے، لیکن اس میں میرے قصد کو دخل ہے، ورنہ النبی الخاتم ﷺ[3] کا مصنف اختصار پر بھی قادر ہے، بحمد اللہ! لیکن بیچ کی راہ سے محروم، کتاب میں بعض غلطیاں تھیں، جن میں غلط نامہ نے بعض کی تصحیح کر دی ایک جگہ "خذف"[4] کے ساتھ "غلیل" کی حرمت کا جو دعوہ آپ نے کیا ہے سمجھ میں نہیں آیا، "النصح"[5] کا ترجمہ اخلاص سے فرمایا گیا ہے، لیکن میرے اساتذہ ہمیشہ "بہی خواہی" و "خیر اندیشی" اس کا ترجمہ مجھے بتاتے رہے ہیں کہ لغوی معنی "سینا" سے زیادہ مطابق ہے۔ "النُّصحُ لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" کا مطلب زیادہ دلچسپ تھا میں نے ان باتوں سے تعرض نہیں کیا۔ حسن و قبح کی بحث میں فٹ نوٹ میں معتزلہ کے نقطۂ نظر کی طرف ہلکا سا اشارہ ہے اور یہ سچ عرض کرتا ہوں کہ یہی دو باتیں ایسی ہیں جن پر دل میں کھٹکا پیدا ہوا ورنہ ان کے سوا میں نے جو کچھ لکھا ہے سخن سازی نہیں بلکہ حقیقت طرازی ہے۔ جو دل میں تھا قلم پر آیا ہے اور کوئی نئی بات نہیں۔ مولوی عبدالباری دل شکستہ تو پہلے ہی تھے دست شکستہ ہو کر اور......[6] فقط

مناظر احسن گیلانی

مضمون کو قصداً چند حصوں میں تقسیم کر دیا ہے بالکل ناپسند ہو تو صرف پہلا صفحہ کچھ پسند ہو تو صرف مبیضہ اور کُل پسند ہو تو کُل۔ ناپسندیدہ حصہ کو واپس فرما دیجیے گا آخر محنت صرف ہوئی ہے۔

۱؎ مولانا نجم الہدیٰ؛ مولانا گیلانی کے چچیرے بھائی مولوی ضمیر الحسن کے بیٹے۔

۲؎ Postponed یعنی ملتوی

۳؎ مولانا گیلانی کی سیرت ﷺ کے موضوع پر اچھوتے اور نادر طرز تحریر کی حامل کتاب۔

۴؎ یہ لفظ 'خزف' نہیں بلکہ 'خزق' ہے، جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

۵؎ 'النصح' کے لغوی معنی اخلاص اور (کپڑا) سینا دونوں ہیں اور نصیحت کی تعبیر بہی خواہی اور خیر اندیشی کے ساتھ درست ہے۔

۶؎ بقیہ عبارت غیر موجود۔

(۷)

۱۰ ررمضان المبارک ۱۳۵۸ھ (۲۷ راکتوبر ۳۹ء)

سیّدی وسیّد المسلمین! حیاکم اللہ وابقاکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون کے روانہ کرنے کے بعد انتظار جواب کے یہ دن مجھ پر سخت گزرے۔ دل دھڑک رہا تھا کہ خدا جانے آپ پسند بھی فرماتے ہیں یا نہیں۔ زیادہ تر اپنی اسی دیوانگی سے اندیشہ تھا جس کی مہذب تعبیر آپ حضرات وجد و رقص سے فرمایا کرتے ہیں۔ مشاغلِ مکروہہ کی کثرت میں اتنا بھی جو بن پڑا وہ محض خدا کا فضل تھا۔ جواب میں جوں جوں تاخیر ہوتی جاتی تھی، گمان، ظن بلکہ سوء ظن کی شکل اختیار کرتا چلا جاتا تھا کہ پرسوں گرامی نامہ نے بحمد اللہ اضطراب کو سکون سے بدل دیا۔ اب اس کی پروا نہیں ہے کہ دنیا پسند کرے گی یا نہیں، آپ حضرات کی توثیق میرے لیے کافی ہے، مجھے اس کا بھی ڈر تھا کہ شاید آپ کے مافی الضمیر کے سمجھنے میں تو مجھ سے کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔ جہاں تک گرامی نامہ سے میں سمجھا ہوں شاید ایسا نہیں ہوا ہے۔

ایک اور بات کا بھی کھٹکا تھا۔ یعنی جھونک میں کوئی ایسی صورت تو نکل نہیں آئی کہ بجائے واقعی تعریف کے مراء لے اور غلو کا میں مرتکب ہو گیا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ قلم کو میں نے سنبھال سنبھال کر چلایا ہے۔ جو کچھ لکھا ہے وہ میرے دل میں واقعی جذبات ہیں، ریائی گفتگو نہیں ہے۔ بہر حال اب جو کچھ بن پڑا وہ پیش کر دیا۔ آپ کے حقوق مجھ پر بہت زیادہ ہیں۔ بقول آپ ہی کے کہ "الندوہ" ۲؎ کی راہ سے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بہت کچھ شعوری و غیر شعوری طور پر استفادہ کرتا رہا ہوں اور میں اپنے لیے اس میں فخر محسوس کرتا

ہوں کہ آپ مجھے اپنے مستفیدین میں شمار فرمائیں۔ شاید ان حقوق کا کوئی حصہ اس ذریعہ سے ادا ہو گیا اور واقعہ تو یہی ہے کہ ''مادح خورشید مداح خود است''۔

مورِ ضعیف کو اچھا موقعہ ملا کہ سلیمان کے تخت کے ساتھ لٹک کر اسے بھی ایک گونہ بلندی میسر آئی، حسب الحکم ایک اجمالی فہرست کتاب کی مرتب کر کے بھیج رہا ہوں۔ میرے پاس مسودہ نہیں ہے وہی مبیضہ تھا اور وہی مسودہ، جوڑ کس طرح ملے گا؟ اب اس وقت میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ بہرحال کسی طرح اس کو کھپا دیجیے۔ ضرورت اس کی واقعی شدید تھی میرا خیال ادھر نہیں گیا تھا۔

(ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اگر بہار مدرسہ بورڈ کا جلسہ ممکن الوقوع ہو تو یہ آپ کے اختیار کی بات ہے کہ دسمبر میں مجھے ۲۱ دنوں کی تعطیل جو ملتی ہے، اس کی مدت اور بڑھا دیجیے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دیوبند میں بھی اسی زمانہ کے قریب قریب مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہے۔ اگر آپ ۷ دسمبر کو جلسہ کی تاریخ مقرر فرمائیں تو میں دیوبند ہوتا ہوا پٹنہ اور پٹنہ سے گھر چلا جاؤں گا۔ دیوبند بھی تاریخ کے بدلنے کے لیے لکھ رہا ہوں، وہاں ۲۸، ۲۹ نومبر کو جلسہ ہے لیکن ۳۰ نومبر کو ہمارے کالج کی جدید عمارت کا افتتاح خود اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ فرمانے والے ہیں۔ بحیثیت صدر دینیات ہونے کے ایسے موقعے پر اپنے غائب ہونے کو مناسب خیال نہیں کرتا۔ ۳۰ نومبر کو یہاں سے فارغ ہو کر میں ۳ دسمبر تک دیوبند پہنچ سکتا ہوں اور ۳، ۴، ۵ تک وہاں، ۷ کو پٹنہ۔ ۱۵ دسمبر سے میرا کالج ۲۱ دن کے لیے بند ہو رہا ہے۔ یہ پروگرام ہے۔ اس میں میرا امالی نفع بھی ہے اور ایک ہفتہ میں گھر رہنے کے لیے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مل جائے گا۔ میں دیوبند بھی لکھ رہا ہوں کہ تاریخ بدل دی جائے۔ نجم الہدیٰ سلمہ نے لکھا ہے کہ تاریخ کا تعین آپ کے اختیار میں ہے)[۳]

آج کل تو روزوں کا خمار چڑھا رہتا ہے۔ بیچارے مولوی عبدالباری صاحب علاوہ دست شکنی کے بخار گرینی کے عارضہ میں چند دن کے لیے مبتلا ہو گئے تھے۔ تین روزوں کے متعلق ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ'' پر عمل کرنا پڑا۔ اب اچھے ہیں، آج صائم تھے، لیکن ہاتھ ان کا ملائم نہ ہو سکا، کلوروفارم سے ڈرتے ہیں کہ کہیں رجعت ناممکن نہ ہو جائے اور بحالت

ہوش و حواس بالجبر پر راضی نہیں ہیں۔ طے کر لیا ہے کہ "شاہ یک دست" ہی ہو کر رہوں گا ۔عجیب بات ہے کہ جس دن لکھنؤ میں گر کر انھوں نے ہاتھ توڑا، ایک صاحب ان کے حیدر آبادی مکان میں رفیق تھے، اسی دن یا اس کے دوسرے دن وہ بھی گرے اور ہاتھ ہی ان کا بھی اکھڑ گیا۔ ماجد میاں بیچارے بھی اسی میں الجھے ہوئے ہیں، ان دنوں یارانِ باصفا سے مدت ہوئی کہ ملاقات نہ ہو سکی جنگ نے بحمد اللہ حیدر آباد کی سیاسی شورش میں بہت کچھ سکون پیدا کر دیا ہے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مبالغہ آمیز مدح۔

[2] ماہنامہ 'الندوہ' اگست ۱۹۰۴ء میں جاری ہوا جس کے ایڈیٹر مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی تھے۔ یہ دور ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ اس رسالے کو دوبارہ ۱۹۴۰ء میں مولانا ابو الحسن علی ندویؒ اور مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ نے جاری کیا لیکن ڈھائی سال بعد یہ بند ہو گیا۔

[3] قوسین کی عبادت ماخوذ از ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت فروری ۱۹۶۳ء

(۸)

۲۲ر مارچ ۱۹۴۱ء مطابق ۲۲ر صفر ۱۳۶۰ھ

سیدی المحترم المخدوم! دام مجدکم العالی!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معارف[1] میں "یادِ سجاد" رحمہ اللہ تعالیٰ کے عنوان سے آپ نے جو کچھ لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کیفیت مولانا مرحوم کی وفات پر میرے دل پر طاری تھی، اسی کی آپ نے ترجمانی فرمادی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو آنسو، آنکھوں سے اس مضمون کے پڑھنے سے بے اختیار نکلے آپ کے کسی مضمون پر شاید کبھی نہ نکلے تھے۔ جس وقت مولانا مرحوم کی وفات کی خبر اچانک مجھے معلوم ہوئی، بے اختیار چند مصرعے موزوں ہو گئے تھے جو غالباً "نقیب"[2] میں شائع بھی ہو گئے۔ نظم میں جن جذبات کا اظہار بند بند لفظوں میں میں نے کیا تھا، آپ نے نثر میں ان ہی کو کھول کر رکھا اور خوب ادا ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہار کی تنہا دولت لٹ گئی۔

يَـا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِي رَبِّي وَ جَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ [3] کی آیت

شاید ان کے لیے بھی نازل ہوئی تھی۔ مولانا کی وفات کے بعد مسٹر عبدالعزیز[4] سے تحسر اً ان کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ موت کے بعد بھی دل سے ان کے گرانی نہیں گئی تھی۔

ان شاء اللّٰہ غدا القی الاحبہ...... محمد ﷺ و حزبہ

---

[1] دارالمصنفین اعظم گڑھ کا مشہور عالم علمی ماہنامہ جو جون ۱۹۱۶ء سے آج تک برابر جاری ہے۔ 'معارف' کا نوے سالہ اشاریہ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

[2] اخبار 'نقیب' امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا ترجمان

[3] ترجمہ: کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کیا۔

[4] بہار کے سابق وزیر تعلیم اور مشہور بیرسٹر

(۹)

۲۰ رمئی ۱۹۴۱ء مطابق ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۶۰ھ

بانکی پور

مخدوم و محترم سیّد صاحب قبلہ! ثبتکم اللّٰہ و رزقکم اللّٰہ صبرًا جمیلاً۔

وعلیکم السلام و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ

آج ہی آپ کا گرامی نامہ گیلانی سے گھومتا ہوا مجھے پٹنہ میں ملا ہے جہاں بحیثیت ایک مہاجر کے اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ مقیم ہوں۔ اس کا افسوس ہوا کہ آپ بھی ادھر پریشانیوں میں مبتلا رہے خصوصاً معصومہ[1] کے ہجران کا غم آپ کے لیے سخت ہے، لیکن جو زندہ ہو چکا وہ مرتا نہیں ہے، اس واقعہ کے بعد صرف "انا بفراقك لمحزون" کا صدمہ ہی باقی رہ جاتا ہے اور " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کا اطمینان اس کے لیے کافی ہے۔ ہم لوگوں کا حال کیا پوچھتے ہیں۔ ۱۴ راپریل کو گیلانی پہنچا۔ ایک ہفتہ اطمینان سے گزرا کہ اچانک دوسرے ہفتہ میں واقعہ کا آغاز گیلانی سے بہ شکل ڈاکہ شروع ہوا۔ سیّد محمد ندوی[2] استھانوی کی سسرال گیلانی میں حسن صاحب کے یہاں ہے۔ آپ ان سے ناواقف نہ ہوں گے۔ رات کے دو بجے جب ہم لوگ سوئے تھے جیکاروں کی آواز لگاتے ہوئے بستی کے شمالی حصہ کی طرف جہاں ان کا مکان ایک ویران ٹولہ میں ہے، ڈاکو گھس پڑے۔ ہم لوگ انتہائی جنوب کے حصہ میں سوئے ہوئے تھے۔ اطراف میں کوئروں، چماروں، سناروں کا

مکان تھا۔ ڈاکوؤں کو دیکھتے ہی بجائے مقابلہ اور شور و غوغا کے سب اپنے اپنے کمروں کو بند کر کے رام رام جپنے لگے، ڈاکو باطمینان تمام اپنے کام میں مصروف رہے۔ سید محمد ندوی کے نانا خسر جن کا نام بھگو میاں[ع] ہے، ان بیچارے کو خوب لاٹھیوں، گڑانسوں سے پیٹا اتنا پیٹا کہ مار کر گویا گرا دیا پھر اندر حویلی میں ایک عورت (عمر ۴۵ سال) بیوہ، ان کی لڑکی اور ایک ان کا پوتا (۲۲ سال) جس نے بی۔اے میں امتحان دیا تھا ان دونوں کو زدوکوب شروع کیا۔ سب سے مال دریافت کرتے تھے، بیچاری عورت کے بال پکڑ کر گھسیٹتے تھے اور کمروں میں لے جا کر مال مدفونہ کا پتہ پوچھتے اور یہ سب قصہ اس لیے کر رہے تھے کہ آج سے بیس سال پہلے بھگو میاں نے پانچ ہزار روپے میں ایک جائیداد بیچی تھی اور اسی روپیہ سے وہ گاؤں والوں کے ساتھ کچھ لین دین کا کاروبار کرتے رہتے تھے۔ بیس سال میں روپیہ خرچ ہو چکا تھا، لیکن عوام پر یہی باور رہا کہ اب تک موجود ہے، اسی کی یہ سزا تھی جسے وہ بھگت رہے تھے۔ آدھ گھنٹہ کے بعد بالآخر ایک ملاح زادی جو اس طرف رہتی تھی اور میرے گھر کے ساتھ حیدر آباد حال میں گئی تھی، اس سے رہا نہ گیا اور سر پیٹتے وہ ہمارے محلہ کی طرف کسی نہ کسی طرح پہنچ گئی۔ برادرم مکارم سلمہ جو اپنے کمرے میں سوئے تھے، ان کو اس نے جگایا، مکارم اٹھے، میں زنانے میں کوٹھے پر سویا تھا مجھے جگایا اور اطراف کے ہندو مسلمان جو سوئے ہوئے تھے، سب کو جگا کر ڈاکوؤں پر حملہ آور ہوئے، لیکن وہ کام کر چکے تھے، ہلہ کا شور سن کر چمپت ہو گئے۔ زخمیوں کو اٹھایا اور یہ معاملہ تو ختم ہو گیا، لیکن اس رات کے دو بجے سے جو آنکھ کھلی تو یقین کیجیے کہ تقریباً سترہ، اٹھارہ دن تک پھر اس طرح بند نہ ہوتی تھی، جس طرح کبھی نیند یا خواب شیریں میں بند ہوتی تھی۔ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ[ع] اور وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ[ۛ] کی تفسیر اور قیمت اب سمجھ میں آئی۔ آفتاب غروب ہوتا تھا اور مختلف سمتوں سے مسلسل خبریں آنے لگتیں کہ ڈاکو فلاں طرف ٹارچ، جسے انھوں نے بھگو میاں کے واقعہ میں بکثرت استعمال کیا تھا، دکھا رہے ہیں۔ بستی کی مختصر فوج لے کر گیلانی والے اس پر حملہ کرتے تھے نمونہ وہم یا دھوکا ثابت ہوتا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ دو تین دفعہ واقعی ڈاکوؤں کی جماعت کا سراغ ملا۔ ہم لوگوں کے پاس تین نال (کی) بندوق تھی۔ اس سے ڈھارس بندھی ہوئی تھی، اطراف کے قریٔ اور

دیہاتوں پر بھی مختلف دھاوے ہوتے رہتے تھے، چند دیہاتوں کے متعلق زیادہ شہرت تھی جن میں ایک دیسنہ بھی تھا۔ بہر حال یہ فتنہ ابھی خوابیدہ نہ ہوا تھا کہ اچانک ۲۷/اپریل کو بہار کا حادثہ جاں گداز پیش آیا۔ مغربی بہار کے قریٰ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہم مصیبت کے مارے کانپ رہے تھے کہ ۳/مئی کو بالآخر مشرقی بہار کے گاؤں چشتی پور میں کربلا کا میدان دن دھاڑے سب کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اب تک فساد کی آگ ہم لوگوں کی طرف سینوں میں دبی ہوئی تھی، لیکن چشتی پور نے "مَا بَطَنَ" کو مَاظَهَرَ سے بدل دیا۔ ہر گاؤں کے گنواروں کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ حکومت کی طرف سے امداد کے پہنچنے میں دیر ہوئی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ قبل اس کے کہ چشتی پور کے واقعہ کا اعادہ کسی اور گاؤں میں ہو، فوج پلٹن وغیرہ آ گئی۔ کچھ اس بیرونی امداد اور کچھ عموماً شریف بستیوں میں چند بندوقوں کا ہونا اس نے بالوں بال بچالیا اور حق تعالیٰ کا فضل عظیم ہوا ورنہ آج دیسنہ اور گیلانی، استھانواں تو تودۂ خاک کی شکل اختیار کر چکے ہوتے۔ دیسنہ اور استھانواں میں تو غنیمت ہے کہ کچھ لوگ رہتے بھی گیلانی میں، ایک مکارم اور اس فقیر کے سوا سالہا سال سے کوئی قابلِ ذکر انسان نہیں رہتا تھا۔ حق تعالیٰ کا کرم ملاحظہ فرمایئے کہ حسنِ اتفاق سے صرف اسی سال چند گھرانوں کے کچھ لوگ بعض خاص ضرورتوں سے اس گاؤں میں آئے ہوئے تھے، جن کی وجہ سے کچھ آدمی اور کچھ بندوقیں مہیا ہو گئیں۔ اسی عرصہ میں گیلانی کے ایک بگھا میں ہیضہ شدید قسم کا پھوٹ پڑا۔ سات موتیں دھڑا دھڑا ہو گئیں۔ خطرہ ہوا کہ، فرقہ واری فساد کو تو برداشت کر رہے تھے، لیکن اب یہ تیسری بلا نا قابل برداشت ہو گئی اور سچ یہ ہے کہ دراصل دل پہلے ہی سے طے کر چکا تھا کہ اس وقت اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا[1] کے سوال کے جواب کی تعمیل پر آمادہ ہونا چاہیے، خصوصاً گیلانی میں میرا پوزیشن بہت نازک تھا، اندھوں میں اسی کو راجہ قرار دیا گیا۔ مولویت کی پخ الگ لگی ہوئی تھی، آخر "اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ"[2] کے حکم کی تعمیل میں "فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ وَقَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"[3] کہاں جاؤں؟ کیا حیدرآباد، بیس اکیس آدمیوں کا قافلہ اور اسی کے ساتھ مکارم سلمہ کے گھر میں بارہ دن ہوئے کہ ولادت ہوئی تھی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ سینکڑوں کے مصارف کے ساتھ دکن میں

دشواری معلوم ہوئی اور پٹنہ (مدین) کا خیال کر کے "فَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ" کہتا ہوا پٹنہ آ گیا ہوں مولوی محمد حسین مرحوم کے مکان کے پاس ہی ایک مکان کرایہ پر لے لیا ہے، اسی میں مقیم ہوں۔ جہاں تک خبریں آ رہی ہیں اب ہم لوگوں کی طرف بظاہر امن قائم ہو گیا ہے، ملٹری فورس گشت کرتی رہتی ہے، استھانواں مستقر ہے، دیسنہ کی حفاظت کا خیال زیادہ کیا گیا ہے۔ سنا ہے کہ بستی والوں نے بھی محافظوں کا ایک دستہ مقرر کر لیا ہے اور حکومت نے بھی کچھ سپاہی دیے ہیں۔

یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے "شَيْءٌ مِّنَ الْخَوْفِ" کا عام ابتلائی ظہور ہے یا کسی قوم کی قسمت کا آخری فیصلہ ہے۔ ابھی تک میرا رجحان پہلے خیال ہی کی طرف ہے، جنگ میں حکومت کی کمزوریوں کا پروپیگنڈا عوام میں کیا جا رہا ہے۔ کسان سبھا، مہا سبھا، بلکہ کانگریس کے مہا سبھائی عوام کو دلیر بنا کر مسلمانوں پر ہولا رہے ہیں اور جب تک جنگ کا آخری فیصلہ ہو کر ملک کے امن و امان کو پھر قانون کے آہنی پنجوں کے نیچے نہ دبایا جائے گا اس قسم کے واقعات کا اعادہ شاید ہوتا رہے۔ اس عبوری دور میں آخر اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی حفاظت کا کیا سامان کیا جائے۔ چالیس، پچاس لاکھ انسانوں کا اچانک ایک صوبہ سے منتقل ہو کر دوسرے صوبوں میں پہنچنا ناممکن ہے۔ حکومت ہر ہر گاؤں کی حفاظت کے لیے مزید مصارف کا بار وہ بھی موجودہ حالت میں اپنے اوپر عائد کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہو سکتی۔ میری رائے تو یہی ہے کہ خود اپنی رضا مندی سے مسلمان حفاظت کا کوئی ٹیکس اپنے اوپر عائد کرائیں اور اسی ٹیکس سے بڑے بڑے گاؤں مثلاً دیسنہ، استھانواں جیسی آبادی رکھنے والوں میں کم از کم رائفل کے ساتھ اگر دو پنجابی یا سرحدی پٹھان رکھ دیے جائیں اور چھوٹے گاؤں جہاں اکا دکا مسلمان ہیں مثلاً سیاں، دھرہرا، وہ بڑے محفوظ قریٰ میں چلے آئیں اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اپنی رائے سے مطلع فرمایئے۔

بھوپال سے میرے نام اب تک کوئی مراسلہ نہیں آیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا تو ضرور حاضر ہوں گا۔

معاشیات والے مقالے کو ساتھ لایا تھا کہ درست کر کے بھیج دوں گا، لیکن ہوش ہی کب باقی رہا، اب کچھ مطمئن ہوا ہوں۔ نظرِ ثانی کر کے ان شاء اللہ تعالیٰ بھیج دوں گا۔

آخری مصیبت یہ ہے کہ چند دن ہوئے ضلع پٹنہ میں شدید اولہ باری، تیز طوفانی آندھی کے ساتھ ہوئی، یوں آموں کے منجر[11] جل چکے تھے بچے کھچے پھل بھی صاف ہو گئے رہے نام اللہ کا۔

مناظر احسن گیلانی

---

1. مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صاحبزادی کی وفات کا ذکر ہے۔
2. سابق استاد جامعہ رحمانی مونگیر و مدرسہ محمدیہ استھاواں ضلع پٹنہ
3. اصل نام محمد نصیر الحق تھا اور گیلانی کے رہنے والے تھے۔
4. ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں۔
5. اور اندھیری رات کے شر سے جب رات آجائے۔
6. ترجمہ: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم جس میں ہجرت کر جاتے۔
7. یہ آیتیں حضرت موسیٰؑ کے واقعات سے لی گئی ہیں، ترجمہ: لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمھیں قتل کر دیں، پس تم نکل جاؤ۔ بیشک میں تمہارے ہمدردوں میں سے ہوں۔
8. ترجمہ: پس موسیٰؑ وہاں سے نکل گئے خوف اور وحشت کی حالت میں، کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ان ظالموں سے نجات دیجیے۔
9. ترجمہ: جب موسیٰؑ مدین کی طرف چلے تو کہنے لگے کہ امید ہے میرا رب مجھ کو سیدھے راستے پر چلا دے گا۔
10. سابق وزیر تعلیم حکومت بہار۔
11. پھولوں کے گچھے

(۱۰)

۱۴ر اگست ۱۹۴۱ء مطابق ۲۰ رجب ۱۳۶۰ھ

سیّد الکریم! مدمجدہ العالی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سخت تشویش کی حالت میں اس وقت رات کے تین بجے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ عبدالقدیر صاحب بدایونی جو نام نہاد کے لیے ہائی کورٹ کے مفتی ہیں اور مدرسہ نظامیہ[1] کی مجلس انتظامی کے میر مجلس ہیں، محض اپنے ذاتی اغراض کے تحت ایک نیا فتنہ اٹھا رہے ہیں یعنی اندر احکام کو ہموار کر کے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ[2] کے شعبہ دینیات کو جامعہ سے نکال کر مدرسہ نظامیہ میں شریک کر دیا جائے۔ متعدد بار اس تحریک کو اس شخص نے اٹھایا، لیکن تحریک دبا دی گئی۔ ادھر پھر اس کو زندہ کرنا چاہا ہے۔ ضرورت آپ کی

توجہ خاص کی ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کے نقصانات کا آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو وقار اسلامی علوم کو جامعاتی نصاب میں شریک ہونے کی وجہ سے آج حاصل ہے، وہ بالکل برباد ہو جائے گا۔ بیچارے مولویوں کے لیے جو بھی چند امتیازی جگہیں حیدر آباد کی ریاست میں اس ذریعہ سے نکل آئی ہیں، ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔ میرا ذاتی طور پر تو چنداں نقصان نہیں ہے، تنخواہ تو بہر حال ملتی رہے گی ان شاء اللہ! لیکن یہ بڑی بُری بات ہوگی۔ ایک دفعہ جہاں یہ علوم یونیورسٹی کے نصاب سے نکلے جیسا کہ انگریزی خوانوں کا گروہ مدت سے چاہ رہا ہے پھر ان کا داخل ہونا ناممکن ہے، مولانا حمید اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ[۳] کی ایک یادگار ہے، دار العلوم کو توڑ کر انھوں نے ہی جامعہ بنایا تھا اور شعبہ دینیات ہی قدیم دار العلوم کا جامعہ میں نمائندہ ہے۔ عرض یہ ہے کہ بعجلت ممکنہ جس طرح ہو سکے، سب سے پہلے ایک خط نواب مہدی یار جنگ بہادر کو بذریعہ رجسٹری ارسال فرمائیے کہ وہ اس تحریک کو آگے بڑھنے نہ دیں۔ اسلامی علوم کے وقار کو سخت صدمہ پہنچے گا اگر ایسا ہوا۔ نواب عماد الملک[۴] نے ہمیشہ اس ریاست میں اسلامی علوم کی سرپرستی کی، لکھیے کہ آپ ہی کی ذات سے ساری امیدیں وابستہ ہیں اور اگر آپ کے تعلقات نواب صاحب چھتاری[۵] سے ہوں تو ایک خط ان کو بھی لکھ دیجیے کہ یہ صورت غالباً آپ کی صدارت کے زمانہ میں پیش ہے۔ شدت کے ساتھ وہ اس کی مخالفت فرمائیں۔ ہو سکے تو ایک خط عبد العزیز صاحب[۶] کو بھی لکھ دیجیے۔ یوں تو میں حتی الوسع کام کر ہی رہا ہوں، لیکن ضرورت آپ کی امداد کی ہے۔ ایسا نہ ہو غیر اہم قرار دے کر آپ تغافل سے کام لیں، خدا جانے آپ ہیں کہاں؟ میں اس خط کو دیسنہ کے پتہ سے لکھ رہا ہوں۔ بہر حال آپ جہاں ہوں گے ان شاء اللہ مل جائے گا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

وجوہ

(۱) جامعاتی نصاب میں اسلامی علوم کی شرکت اس کے وقار کا باعث ہے نظامیہ جو نیم سرکاری ادارہ ہے، اس میں چلے جانے کے بعد یہ وقار جاتا رہے گا۔

(۲) دونوں اداروں کے مقاصد جدا جدا ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کی تکمیل کرنے والے علماء پیدا کرنا یہ نظامیہ کا مقصد ہے۔ سارے ممالکِ محروسہ میں ایک خالص دینی

مدرسہ یہی ہے گویا ایک قومی ضرورت کی اس سے تکمیل ہوئی ہے اور ایسے علماء جو جدید عصری تعبیروں میں اسلامی علوم کو علم کے موجودہ سر بلند طبقوں میں پیش کر سکیں یہ شعبۂ دینیات کا مقصد ہے جس میں بی، اے تک طلبہ کو انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ جدید عصری علوم تاریخ، جغرافیہ، ریاضی میٹرک پھر ایم اے میں ایک ہی مضمون پڑھا کر آئندہ ڈاکٹریٹ کی تیاری کے لیے طلبہ تیار کیے جاتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھگوان داس[7]، رادھا کرشنن[8] وغیرہ بیسیوں علماء ایسے پیدا ہو چکے جنھوں نے ہندوؤں کی خرافات کو علم کا رنگ دے کر یورپ میں مقبول بنایا، لیکن مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ ہوا۔ یہ کام ہم مولویوں کا نہیں انگریزی خوانوں کا تھا، لیکن چند امیر علی[9] اور صلاح الدین کے سوا کون پیدا ہوا؟ نہ ہندوستان میں نہ بیرونِ ہند۔ شعبۂ دینیات سے توقع ہے کہ چالیس، پچاس میں دس پانچ ایسے عالم نکل آئیں گے۔ جیسے ایک ڈاکٹر حمید اللہ[10] ہیں اور بھی چند لڑکے اس سلسلہ میں کام کر رہے ہیں۔

(۴) اس لیے شعبۂ دینیات میں بھی اسلامی علوم پڑھائے جاتے ہیں اور نظامیہ میں بھی۔ اگر دونوں کا انجذاب ہو سکتا ہے تو عربی ادب کے شعبہ اور فارسی ادب کے شعبہ کو کیوں نہ مدرسۂ نظامیہ میں داخل کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ کوئی نہیں کرے گا اور نہ ایسا ہونا چاہیے مگر اسلامی علوم کا جامعہ میں رہنا یہ لوگوں کو ناگوار ہے۔ وہ نہیں سمجھتے انگریزوں نے اپنی یونیورسٹیوں سے چونکہ ان علوم کو شہر بدر کیا، داخل ہونے کے بعد اب جامعہ عثمانیہ سے شہر بدری کا سامان ہو رہا ہے۔ حالانکہ ڈھاکہ، علی گڑھ نے اپنے نصاب میں ان کو شریک کر لیا ہے۔

۱۔ مدرسہ نظامیہ، حیدر آباد دکن کا قدیمی مدرسہ جواب جامعۂ نظامیہ کے نام سے معروف ہے۔

۲۔ جامعۂ عثمانیہ میں شعبۂ دینیات، مولانا حمید الدین فراہی سابق پرنسپل دار العلوم حیدر آباد کی کوشش اور تجویز کے نتیجے میں قائم کیا گیا تھا۔

۳۔ مولانا حمید الدین فراہی، مفسر قرآن۔ پیدائش: نومبر ۱۸۶۳ء۔ وفات: ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء

۴۔ نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی، پیدائش ۱۸۴۴ء۔ وفات ۱۹۲۶ء

۵۔ نواب حافظ محمد احمد خان چھتاری، سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن

۶۔ سابق وزیر تعلیم حیدر آباد دکن

۷ ڈاکٹر بھگوان داس، ماہر ہندو فلسفہ وبانی ودیا پیٹھ یونیورسٹی، الہ آباد

۸ ڈاکٹر رادھا کرشنن، ماہر فلسفہ ہندوستانی وسابق صدر ہندوستان

۹ سیّد امیر علی مصنف Spirit of Islam، وفات: اگست ۱۹۲۸ء

۱۰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ عالم اسلام کے نامور محقق، دانشور اور کئی اہم کتب کے مصنف۔ پیدائش: ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء۔ وفات: ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء۔ مفصل حالات اور علمی خدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں 'ڈاکٹر محمد حمید اللہ' از محمد راشد شیخ

(۱۱)

۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ ۷ر شوال ۱۳۶۰ھ

حیدر آباد دکن

سیّد المحترم! مدظلہم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واللہ اعلم آج کل آپ کہاں ہیں۔ رمضان کا غالباً عشرہ رواں تھا جب آپ کا ایک سفارشی گرامی نامہ ملا تھا۔ چونکہ واقعات کا علم نہیں تھا۔ چاہا کہ تحقیق کے بعد آپ کو جواب دوں، ان دِنوں بُعدِ مسافت اور پٹرول کے راشن کی وجہ سے آمد ورفت میں بڑی دشواری ہوگئی ہے۔ اس لیے مسئلہ کی تحقیق میں تاخیر ہوئی ہے۔ جہاں تک میں نے متعدد ذرائع سے دریافت کیا، زنانہ کالج میں بالفعل کسی تقرر طلب جائیداد کا پتہ نہ چلا اور نہ کوئی مجلس تقررات اس کے لیے مقرر ہوئی ہے جس کا فقیر رکن ہو، مولانا خلیل عرب صاحب[1] کی صاحبزادی صاحبہ[2] سے تعارف گزشتہ سال میں نواب محمد یار جنگ بہادر کے توسط سے حاصل ہو چکا ہے۔ دیر تک مجھ سے گفتگو ہو چکی ہے ان کے اسناد بھی میں نے دیکھے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی عورتوں میں اس بچی جیسی قابلیت عربی و اسلامی علوم میں کسی دوسری عورت میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے، ان کا خیال مجھے اسی زمانہ سے ہے۔ پھر آپ کے حکم کے بعد تو اور تقویت ہوگئی بھوپال سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن ڈمرانوی[3] بھی سفارش کی تھی خود مولانا خلیل عرب کا گرامی نامی بھی آیا تھا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میرے بس میں جو کچھ ہوگا، کوئی دقیقہ ان کی اعانت کا اٹھا نہ رکھا جائے گا۔

رمضان ہی میں بعض مقامی اخباروں میں آپ کی آمد آمد کی خبر شائع ہوئی، ہم لوگوں کو تعجب ہوا۔ متعدد احباب خصوصاً امجد صاحب[4] دریافت کرنے آئے، لیکن بجز لاعلمی کے

اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ واللہ اعلم کیا واقعہ ہے۔ مولانا عبدالباری بے چارے ان دنوں سخت بیمار ہیں، رخصت لے کر گھر جانا چاہتے تھے، لیکن عین روانگی کے دن دورہ پڑا اگر گئے، اب اچھے ہیں مگر کالج نہیں جا رہے ہیں۔

ہاں صاحب مشہور تو یہ ہو گیا کہ بالآخر آپ نے بھی ایک دیوبندی[5] کے ہاتھ میں ہاتھ دے ہی دیا، کیا یہ صحیح ہے، خدا کرے صحیح ہو۔

آپ کی عین وقت پر امداد سے شعبۂ دینیات بحمد اللہ اس انقلابی طوفان سے بچ گیا۔ گو اس میں حیدری صاحب کی روانگی کو بھی دخل ہے۔ ہندوؤں سے مرعوبیت اس بیچارے کو اس حرکت پر آمادہ کر رہی تھی۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر سے میری گفتگو ہو چکی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس خرخشہ کو ختم کر دینے کا انھوں نے تہیہ کیا ہے۔ شروانی صاحب نے بھی اس مسئلہ میں بڑی دلچسپی لی، جدید صدر اعظم بہادر نواب چھتاری سے آپ کے تعلقات تو سنتے ہیں بہت وسیع ہیں مجھ سے تو ملاقات بھی نہ تھی۔ اسی لیے مِلا بھی نہ تھا۔ رمضانی دعوت میں ایک دفعہ مدعو ہوا، آٹھ دس مہمان تھے اس دن گفتگو کا موقع ملا تھا، لیکن برنی صاحب نے سب کے حقوق یک قلم غصب کر لیے پھر کوئی صورت اجتماع کی ایسی نہ ملی کہ کھل کر بات ہو۔ آپ کا ذکر سیاسی کتاب کے سلسلہ میں آیا تھا، وہ کئی بار آپ کو شاہ سلیمان صاحب کے لفظ سے یاد کر رہے تھے، غالباً ملاءِ اعلیٰ میں جس کی شاہی کا فیصلہ ہو چکا ہے ملاءِ ادنیٰ پر اسی کی تجلی پڑی ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا، برنی نے ساری گفتگو کرکری کر دی۔ آج کل مولوی عبدالقدیر بدایونی کا ان کے یہاں بہت زور ہے۔ ہر ڈنر اور دعوت میں سنا گیا ہے کہ مدعو ہوتے ہیں۔

ایک اور ضروری مسئلہ میں آپ کی اعانت کا محتاج ہوں، قصہ یہ ہے کہ اسی طالب علم نے جس نے طحاوی[؁] کا مقالہ لکھا تھا اب ایم اے میں کامیاب ہو جانے کے بعد چونکہ یہاں کے امیر و مشائخ کے گھرانے کا لڑکا ہے، اس لیے نوکری سے بے پرواہ ہو کر پی ایچ ڈی کی تیاری میں لگ گیا ہے۔ "جنوبی ہند میں اہلِ حدیث" اس کے تحقیقاتی مقالہ کا عنوان ہے۔ نگرانی میری ہے۔ کئی دن سے چاہ رہا تھا کہ اس موضوع کے متوقع مواد کی نشاندہی میں آپ سے اعانت حاصل کروں یعنی چاہتا ہوں کہ:

(۱) آپ کے جو مضامین مختلف اوقات میں ''ہندوستان میں علمِ حدیث'' کے متعلق شائع ہوئے ہیں، ان کا پتہ دیجیے اپنے کسی شاگرد سے ''معارف'' کے ان پرچوں کو نکلوا کر میرے نام ویلو کرادیجیے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ خود ذرا فرصت سے چند سطروں میں ان کتابوں کی نشان دہی فرمائیے جن سے اس لڑکے کو مدد مل سکتی ہے۔ محمد یحییٰ کی تاریخ، ابن بطوطہ [۸]، اخبار الاخیار [۹]، یاد ایام [۱۰]، دعوتِ اسلام [۱۱] سے بالفعل اجزاء کا انتخاب کررہا ہے۔ جنوبی ہند میں اگر سی پی اور گجرات کو بھی داخل کرلیا جائے تو اس میں کچھ حرج تو نہ ہوگا۔ عام طور پر پرانی کتابوں میں سورت، بمبئی، احمد آباد کو جنوبی ہند میں ہی خیال کرتے تھے، اسی طرح ''مانڈو برہان پور'' کی اسلامی ریاستیں بھی جنوبی ہند ہی کی ریاستیں غالباً سمجھی جاتی ہیں۔

''رحمت عالم'' [۱۲] کے نسخوں کا انجام؟ میرا عجیب حال ہے یوں تو حیدرآباد کی پبلک جس قدر مجھ سے دلچسپی رکھتی تھی، وہ بہت کچھ زبان بندی کی وجہ سے ختم ہوچکی ہے، لیکن سکندرآباد میں ہر ہفتہ خطبہ مع الترجمہ ہوتا ہے۔ عید کی نماز بھی میں ہی پڑھاتا ہوں۔ اس سال بھی تقریباً ۸، ۹ ہزار کا مجمع تھا، لیکن واہ رے میں! بیس نسخے ''رحمتِ عالم'' کا بیچنا کوہ کندن بن گیا۔ سکندرآباد میں ''نوجوانانِ سکندرآباد'' کی ایک مشہور جماعت ہے جو آپ سے بھی خط و کتابت وعقیدت رکھتی ہے، اسی کے سکریٹری کے حوالہ آج سے آٹھ دس مہینہ پہلے کیا۔ ہر ہفتہ تقاضا کرتا ہوں مختلف جوابات پارہا ہوں، غالب قرینہ ہے کہ جس طرح دوسری انجمن والوں کا پیشہ ہے، اسی عام پیشہ کے تحت ان سعادت مند نوجوانوں نے مجھ بڈھے احمق کو احمق بنایا۔ اب دس پندرہ دن اور انتظار کرکے ان کی نوجوانی پر آنسو بہاتے ہوئے ندوہ کی اس رقم کو خود ہی بھیج دوں گا۔ کمال یہ ہوگا کہ میرے پاس اس کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا تو خیر قوم کے ان عاشقوں سے یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہوا ہے، متکبرین ہوں یا مستضعفین اب تک برائے ''اکل'' کے سوا ان انجمنی وقومیاتی شکلوں کا اور کوئی نتیجہ نظر آیا۔ اُفٍ لَّهُمْ وَ لِمَا يَعْبُدُوْن.

جب آپ اپنے حدیث کے مضامین کے پرچے ''معارف'' کے تلاش کرائیے تو اسی

کے ساتھ اگر ممکن ہو تو معارف میں خاکسار نے مولانا برکات احمد[13] رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو مضمون لکھا تھا اور آپ کی سیرت والے مضمون کے پرچوں کو چنوا لیجیے ان ہی پرچوں کے ساتھ ان پرچوں کو بھی ویلو کرا دیجیے۔ ہاں مرتضیٰ زبیدی[14] پر بھی شاید "معارف" ہی میں کچھ لکھا تھا اور دادا مرحوم[15] کی ایک کتاب کے متعلق بھی "معارف" میں خاکسار کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، میں چاہتا ہوں کہ ان سب کو منگوا کر ایک جلد میں جمع کر دوں۔ میرے سارے مضامین بکھرے ہوئے ہیں کسی کا ایک ورق بھی موجود نہیں اور موجود رہنے کے لیے وہ ہیں بھی نہیں۔ "فَیَذْهَبُ جُفَاء"

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا خلیل عرب، سابق استاد شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کے استاد۔ پیدائش: ۱۸۸۷ء۔ وفات: ۲۶ر اگست ۱۹۶۶ء بمقام کراچی۔

[2] رقیہ خلیل عرب صاحبہ، عربی و علوم اسلامیہ کی ماہر۔ [پیدائش ۱۹۱۶ء۔ وفات ۲۱، دسمبر ۱۹۸۰ء کراچی] علامہ خلیل عرب کی صاحبزادی۔

[3] مولانا گیلانی کے قریبی عزیز۔

[4] حکیم الشعراء، امجد حیدر آبادی.

[5] مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مولانا سیّد سلیمان ندوی کی بیعت کا ذکر ہے۔

[6] ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی، مصنف شرح معانی الآثار۔

[7] 'کتاب المحبّر' ابوجعفر محمد بن حبیب کی تاریخی تصنیف جسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایڈٹ کیا اور ۱۹۴۲ء میں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن نے شایع کیا۔

[8] مشہور عالم سیاح جس نے ۲۹ برس تک مختلف ممالک کی سیاحت کی اور سفرنامہ تحفة النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار کے نام سے لکھا۔ یہ سفرنامہ اردو سمیت دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

[9] اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی معروف تصنیف۔

[10] 'یادِ ایام یا مختصر تاریخِ گجرات' حکیم سیّد عبدالحی سابق ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء کی تصنیف۔ یہ گجرات کے مسلم حکمراں، مشائخ، علماء اور مشاہیر کے کارناموں پر مختصر لیکن تاریخی معلومات سے لبریز کتاب ہے۔

[11] ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی معروف انگریزی کتاب The Preaching of Islam جس کا ترجمہ 'دعوتِ اسلام' کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔

[12] مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر تصنیف جو خاص طور پر خواتین اور بچوں کے لیے لکھی گئی۔

۱۳؎ مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی، پیدائش: ۱۸۶۳ء۔ وفات: ستمبر ۱۹۲۸ء۔ مولانا گیلانی کے استاد اور ناظم مدرسہ خلیلیہ ٹونک۔
۱۴؎ عربی لغت کے امام اور 'قاموس' کے شارح
۱۵؎ مولانا گیلانی کے دادا، مولانا سید محمد احسن گیلانی

(۱۲)

۲۵ر اپریل ۱۹۴۲ء مطابق ۷ر ربیع الآخر ۱۳۶۱ھ

سیّدی الامام دمتم فی ظل اللّٰہ الملک النعام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قسمت کے تہی دستوں کے لیے رہبرانِ کامل کی راہ نمائیاں پہلی دفعہ لاسود ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ آپ نے چاہا تھا کہ بھوپال مجھے بلایئے۔ میں نے بھی حاضری کا ارادہ کرلیا تھا۔ مارچ سے گفتگو ہو رہی تھی، لیکن مارچ والی تاریخ حکومت نے ٹال دی۔ اپریل کا مہینہ مقرر ہوا، حیدر آباد میں منتظر رہا کہ اب مراسلہ ملے گا۔ بہ یک کرشمہ دو کار ہوگا، لیکن نہ کام ہی نکل سکا نہ کرشمہ ہی کا ظہور ہوا۔ جب نربدا کو عبور کر کے میں گنگا کے کنارے پٹنہ میں پڑا تھا تب حکومت بھوپال کا تار پلٹنے کا ملا۔

۲۷ تاریخ اپریل کی میرے لڑکے محی الدین سلمہٗ کی برات کی رخصتی کی تاریخ تھی۔ اب تک شادی کے متعلق ایک تنکا بھی خریدا نہ گیا تھا، پٹنہ سیدھے حیدر آباد سے اسی لیے اترا تھا، مکارم سلمہٗ گیلانی سے آ گئے تھے، میں خریداری میں مشغول ہو چکا تھا مشغولیت نہ ہوتی تو جیسے میرا سارا کام مکارم سلمہٗ کے اختیار تمیزی کے سپرد ہے، یہ کام بھی وہی کر لیتے، لیکن اب بہت سی چیزوں سے میری ذاتی دلچسپی بھی پیدا ہو چکی تھی۔ کسی کی رائے نہ ہوئی کہ اسی حالت میں پھر جنوبی ہند پلٹ جاؤں، وہی تار دے دیا، جو آپ کے سامنے پہنچا ہوگا۔ بھوپال میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا اور نہ وہاں کے لوگوں سے میرا کوئی تعلق تھا، اس دفعہ ایک اچھی صورت آپ کے ذریعہ سے نکل آئی تھی، مشیت الٰہی غالب آئی، بہرحال آپ کی کرم فرمائیوں کا شکریہ تو برگردنِ ماواجب! مجھے نفع نہ پہنچا، اس کا الزام خود مجھ پر عائد ہوتا ہے کہ اس کے پوچھنے کی ضرورت تو نہیں کہ غالب خستہ کے بغیر کام ظاہر ہے کیسے رک سکتا

تھا۔

معلوم نہیں اب کی موسمِ گرما میں حسبِ دستور دسنہ تشریف آوری ہوگی یا نہ ہوگی اور ہوگی تو کب؟

محی الدین سلمہٗ کی شادی کی تاریخ بجائے ۲۷/اپریل کے بعض دوسری تقریبوں کی وجہ اب ۶/مئی مقرر ہوئی ہے۔ میں اپنی قسمت میں کاش اس بلندی کو محسوس کرتا کہ آپ کی شرکت کا امکان اس تقریب میں کسی طریقہ سے پیدا ہو جاتا، لیکن بلندی ہو یا پستی، قسمت کے دونوں پہلو خود صاحبِ قسمت کے لیے مجہول ہیں۔

بحمد اللہ علم کی دولت کے ساتھ معرفت و عمل کی دولت بھی آپ کے لیے مقدر تھی، آستانۂ تھانہ بھون کی حاضری کا حال مولانا عبدالباری صاحب سے معلوم ہوتا رہتا تھا، "هَنِيئًا لَكُمْ ثُمَّ هَنِيئًا لَكُمْ" الصّٰدِقِين کی معیت آپ کو مبارک ہو، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے صراط کی ہدایت اصل ہدایت ہے غضب اور ضلالت سے نجات کی واحد راہ بھی ہے، "وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا" کی سند کے ساتھ "الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" کی مجلس، اس کی شرکت ہر قسم کی مجلسوں سے گزرنے کے بعد ان شاء اللہ رسوخِ تام کی بشارت و ضمانت کی حامل ہے۔

عجیب بات ہے کہ نہ یہاں محاسدہ ہے نہ مباغضہ، نہ منافسہ اور نہ مقابلہ، بلکہ ہر ایک دوسرے کے لیے داعی۔ گو مدت ہوئی اس راہ سے دور ہو چکا ہوں[1] لیکن اب تک وہ حلاوتیں دلِ ناکام کو یاد ہیں جو کسی زمانے میں میسر آئی تھیں۔ آپ لوگوں کی انقلابی زندگی خیر کی طرف اور میرا انقلاب شر کی طرف باعثِ عبرت ہے۔

مولانا عبدالباری تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ غالباً تھانہ بھون[2] روانہ ہو چکے ہوں گے۔ وہ خانقاہ امدادیہ[3] میں براج رہے ہیں اور میں گیلانی میں بہاری شادیوں کی ظلمتوں میں مبتلا ہوں۔ بہ ظاہر زندگی کے آخری دنوں میں ان مکروہ مشاغل کے ساتھ ابتلا میرے لیے سخت ابتلا ہے کہ "اَلْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيْم" ہو سکتا ہے آپ جیسے "الصّٰلِحِيْنَ" کی محبت و عقیدت میرے حسنِ عاقبت کی وجہ بن جائے۔

آخر میں پھر اسی تمنا شرکت کا اظہار کر کے اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔ خدا کرے دسنہ

آنے کا پروگرام ۶رمئی سے پہلے ہو ورنہ اعظم گڑھ سے ظاہر ہے کہ اس کی توقع کیا ہو سکتی ہے۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

۲۵راپریل ۴۲ء

ا درسیات کی تکمیل کے بعد مولانا گیلانی خانقاہ رحمانی مونگیر میں ڈیڑھ سال تک مولانا محمد علی مونگیریؒ کی تربیت میں رہے، یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔

۲ تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر یوپی کا مردم خیز خطہ جسے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نسبت سے عالمگیر شہرت ملی

۳ خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون دراصل مولانا حاجی امداد اللہ مکی کا مسکن تھا جن کے ہجرت مکہ مکرمہ کے بعد اس خانقاہ کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رونق بخشی۔

(۱۳)

۳رفروری ۱۹۴۳ء۔ ۷محرم ۶۲ھ پنجشنبہ۔ جامعہ عثمانیہ

سیّدالامام بشریٰ لکم وطوبیٰ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایں قالبِ فرسودہ گر از کوئے تو دورست

اَلْقَلْبُ عَلٰی بَابِكَ لَيْلًا وَ نَهَارًا

کچھ عجب حال ہے، جب آپ کی زیارت موجبِ اجر وثواب بنی تو جسے ثواب واجر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہی اس سعادت سے محروم ہے۔ آپ کہاں سے کہاں پہنچے اور پہنچائے گئے اور ہم جرسِ کارواں کی صرف آواز ہی سنتے رہے۔

مولانا عبدالباری صاحب سے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کی جو تفسیر آپ کے ساتھ ہو رہی ہے، اس کی خبریں سنتا رہتا ہوں۔ کتنی مسرتیں ان خبروں میں اپنے لیے پاتا ہوں، آپ کو اس کا اندازہ کیا ہوگا۔ خبر ملی تھی کہ آستانہ حکیم الامت حضرت تھانوی سے سندِ خلافت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ "معارف" کے شذرات میں جو کچھ جس قلم سے شائع ہوا ہے اب اس کی عبدیت اور بندگی میں کون شک کر سکتا ہے۔ بندے نے بندے کے بندے ہونے کی توثیق کی، میرے نزدیک تو خلافت کا حاصل ترجمہ یہی ہے۔ سب کچھ نگاہوں سے ہٹ جائے اور:

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ غیرو، نہ خدائے دگراست

اسی ایک حقیقت واقعیہ کا تحقق تام بس سب کچھ صرف یہی ہے "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" کے مقام پر سرفرازی نصیب ہوئی، ان شاء اللہ فردوس میں اس کے نزول کی تیاری ہے، ایسی مہمان نوازی کہ "لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا" اس لیے کہ "لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ" (الآیۃ) طلب لامحدود کے لیے مطلوب کو بھی لامحدود ہی ہونا چاہیے، بلکہ مطلوب کی لامحدودیت ہی نے اس طالب کو پیدا کیا جس کی "ھَلُوعِیت"[1] کسی نقطہ پر ختم نہیں ہوتی۔ کسی راہ میں ہو خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنی فطرت کے اس جذبہ کو اسی راہ پر لگا دیا جس کے لیے پیدا کرنے والے نے اسے پیدا کیا تھا کہ آدمی نے اس "ہلوعیت" کو خود نہیں پیدا کیا، ورنہ خلق کا فعل مجہول کیوں رکھا جاتا۔ دیکھیے قدم بوسی کی تمنا کب پوری ہوتی ہے، دیسنہ حاضر ہوا تھا، مکین سے ملاقات نہ ہو سکی، لیکن مکان کے چاروں طرف پروفیسر سعید رضا صاحب[2] اور ان کے بھائی حفیظ صاحب کی معیت میں گھوم آیا، کمرے بند تھے، طواف سے زیادہ موقع نہ مل سکا، ایک برات میں گیا تھا۔ اور حالات کیا عرض کروں:

ہمیں نالۂ ماند مسکینِ حسن را
ازاں روز ترسم کہ ایں ہم نہ ماند

واللہ اعلم نسل انسانی کی دیوار کس کروٹ گرنے والی ہے۔ خیر ہم تو بہت جی چکے۔ اتنا کہ حساب سے عہدہ برآ ہونا صرف فضل ہی پر محمول ہے، اب تو سامنے یہی حال رہتا ہے۔

عنقریب است کہ از ما اثرے باقی نیست
شیشہ بشکستہ و مے ریختہ وساقی نیست

اس وقت مولانا عبدالباری صاحب کے مشورے سے یہ عریضہ خدمت والا میں روانہ کر رہا ہوں۔

مولانا عبدالحئی مرحوم[3] کی کتاب الہند[4] کا حال آپ سے زیادہ دوسرا کون جانتا ہے، خیال یہ آیا ہے کہ مجلس تصنیف و تالیف کی زیر نگرانی مولانا محمود الحسن ٹونکی کی[5] "معجم

المصنفین"[6] کی ترتیب وتدوین کا جو کام تھا وہ ختم ہو چکا ہے، اس میں گنجائش کافی ہے، نواب مہدی یار جنگ بہادر کی خدمت میں ایک محضر پیش کیا جائے جس کا مسودہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، مقصد یہ ہے کہ آپ چند توثیقی کلمات ثبت فرما کر اسے "نواب صدر یار جنگ بہادر" کے پاس علی گڑھ بھیج دیں۔ نواب صاحب کو میں بھی لکھ رہا ہوں، آپ بھی لکھیے وہ بھی اس پر دستخط فرمائیں، یہ مناسب نہ ہو تو الگ ایک خط "نواب مہدی یار جنگ" کو اس سلسلہ میں لکھیں۔ اس کے بعد حیدرآباد کے چند ممتاز دستخطوں کے بعد ارادہ ہے کہ نواب صاحب کی خدمت میں ہم لوگ لے جا کر پیش کریں۔ بڑی علمی خدمت انجام پا جائے گی، اگر حکومت آصفیہ کی طرف سے اس کی اشاعت کا نظم ہو جائے۔ فقط

نیازمند

مناظر احسن گیلانی

---

[1] کم حوصلہ، کچے دل کا۔

[2] سابق صدر، شعبہ اردو، عربی، فارسی سینٹ زیورس کالج بمبئی

[3] سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مصنف نزہۃ الخواطر۔ والد گرامی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

[4] کتاب الہند، مولانا عبدالحی کی کوئی تصنیف نہیں۔ غالباً نزہۃ الخواطر لکھنا چاہتے تھے

[5] مولانا محمود حسن ٹونکی مصنف معجم المصنفین: وفات: ستمبر ۱۹۴۷ء بمقام ٹونک

[6] مولانا محمود حسن ٹونکی کی معروف تصنیف جو تیس ہزار مصنفین کے حالات اور ان کی تصنیفات کے جامع تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی صرف چار جلدیں حیدرآباد دکن سے قبل تقسیم شائع ہو سکیں، بقیہ جلدوں کے وجود اور عدم وجود کے بارے میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱۴)

۵ر فروری ۴۳ء۔ ۹ محرم ۱۳۶۲ھ

سیّد و سیّد الہند! ادام اللہ مجدکم ...... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مولانا عبدالباری صاحب کے اوراد کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا، مولوی عبید اللہ صاحب[1] والا مضمون ٹائپ ہو کر آ گیا ہے۔ آپ کی خدمت میں اسے بھیج رہا ہوں، اسے ملاحظہ فرمالیجیے، میں اسے بھی شائع کرنا نہیں چاہتا، بلکہ خیال یہ ہے کہ ایک کاپی اس کی دیوبند بھیج دوں، مولوی طیّب[2]، مولانا حسین احمد صاحب[3] و مولوی شبیر احمد صاحب[4] اس کو

دیکھ لیں اور دراصل جس کے لیے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ مولوی سعید اکبر آبادی[5] ہیں جنھوں نے بلا وجہ اس شخص کی غلط نصرت کا بیڑہ اٹھایا ہے، میں نے ان کو منع بھی کیا تھا، لیکن انھوں نے شاید میرے تعصب پر اسے محمول کیا۔ اب میں یہ آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ اس قسم کے ارتداری عقائد کے آدمی کو قتل کرنے کا امکان نہ ہو کہ حکومت نہیں ہے تو کم از کم اس کی تردید تو کرنی چاہیے، لیکن آپ ان ہی کی تائید میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، بلکہ بڑی ذمہ داریاں اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ اگر اس مضمون کو دیکھ کر وہ پلٹ گئے تو فبہا، ورنہ ظاہر ہے کہ پھر میدان میں اترنا ہی پڑے گا۔ بہرحال اگر سعید احمد صاحب کی سمجھ میں بات آ گئی تو ''برہان'' ہی میں کہوں گا کہ اس مضمون کو اپنے نوٹ کے ساتھ شائع کریں اور اگر وہ راضی نہ ہوئے، اپنی غلطی پر ان کا اصرار باقی رہا تو پھر کسی دوسرے پرچے میں دے دوں گا۔ آپ اگر فرمائیں گے تو ''معارف'' ہی میں دے دوں گا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ پریس میں آنے سے پہلے اصلاح کی ممکنہ کوشش کر لی جائے۔ پریس میں آنے کے بعد ممکن ہے کہ ضد پیدا ہو جائے اور میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

1. مولانا عبید اللہ سندھی، پیدائش ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء سیالکوٹ، وفات ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء
2. مولانا قاری محمد طیّب صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند۔ پیدائش ۱۸۹۷ء۔ وفات: ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء
3. مولانا حسین احمد مدنیؒ
4. مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ پیدائش ۱۸۸۸ء، وفات ۱۹۴۹ء
5. مولانا سعید احمد اکبر آبادی، سابق مدیر ماہنامہ 'برہان' دہلی۔ پیدائش: ۱۹۰۸ء بمقام آگرہ۔ وفات: ۲۴ر مئی ۱۹۸۵ء بمقام کراچی۔

(۱۴)

۳ر مارچ ۱۹۴۳ء۔ ۱۴ر صفر ۱۳۶۲ھ

حیدر آباد دکن

سیّد الکریم! زادکم اللہ عرفاناً وقرباً...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یقیناً ہم زمینیوں کے حدود سے آپ بہت بلند ہو چکے ہیں۔ یوں ہی بلندی کیا کم تھی اور اب تو ماشاء اللہ حکیم الامت مدظلہ العالی کی نیابت و خلافت کی دولت سے سرفراز ہیں، چالیس سال تک مولوی شبلی[1] کی نیابت اور عمر عزیز کے چہل سال کے بعد مولانا تھانوی کی:

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

عمر بن عبدالعزیز[2] رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ یاد آیا، خلافت کے زمانہ میں لباس کی قیمت چند درہم سے آگے نہ بڑھی۔ پوچھنے والے نے ولید[3] اور عبدالملک[4] کی گدی پر بیٹھنے والے سے پوچھا۔ مشہور جواب ہے کہ تمنا کی مدینہ کی ولایت کی، پوری ہوئی، فاطمہ بنت عبدالملک سے شادی کی، پوری ہوئی، خلافت کی، پوری ہوئی، اب جنت کی تمنا کی باری ہے، صرف اس کا سامان ہے۔ آپ نے بھی وہی کیا۔

وَ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ وَ عَلَيْكُمْ

لیکن عریضہ نیاز کے ساتھ اتنی بے اعتنائی کہ ملنے کے باوجود جواب سے محروم رکھا گیا، رسید کی خبر بھی غیر کے ہاتھ پہنچائی گئی اور یہ "دارالمصنفین" کی رکنیت کا کیا قصہ ہے، بجٹ کے ملنے سے پہلے اس کا علم بھی کسی ذریعہ سے نہ ہوا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کس خصوصیت کو میرے اس انتخاب میں دخل ہے۔ نظرِ عنایت نگاہِ کرم کے سوا اور کس چیز کا تصور کروں۔ حسب الحکم دستخط کر کے واپس بھیج رہا ہوں۔

"محضر نامہ" کو شروانی صاحب کے پاس آپ نے روانہ نہیں فرمایا۔ ان کا خط آیا تھا کہ انتظار ہے مگر آیا نہیں نہ بھیجا ہو تو اب بھیج دیجیے، جہاں تک عجلت ممکن ہو کرنا چاہیے کہ:

آفتہا است در تاخیر طالب رازیاں دارد

اور کیا عرض کروں جی رہا ہوں، آپ کو اور مولانا عبدالباری کو دیکھتا ہوں۔ شعر یاد آتا ہے:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اور کیا عرض کروں، مولانا عبدالباری کا حال حدود رشک سے بھی آگے نکل گیا، اب میرے نزدیک تو وہ اچھے خاصے صاحب دل بزرگ ہیں كَثَّرَ اللّٰهُ اَمْثَالَهُمْ۔

دیکھیے ''دارالمصنفین'' مجھے اپنی رکنیت کے بعد بھی اپنے آنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، اب تک تو:

تو برونِ در چہ کردی؟ کہ درونِ خانہ آئی

کے ساتھ ہی ڈانٹ بتاتا رہا ہے۔

میزانیہ دیکھ کر بحمد اللہ طبیعت خوش ہوگئی، لیکن یہ ''دارالمصنفین'' کا قومی واجتماعی خزانہ ہے۔ ہمارے احباب میں تو ایسے متعدد حضرات ہیں، جن کے شخصی دفائن اس سے اضعافاً مضاعفۃً بڑھے ہوئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ کیسے ہوتا ہے، ساری زندگی اسی تمنا میں کٹ گئی، لیکن اللہ میاں نے اس تجربہ کا موقع نہ دیا۔

میں نے کبھی عرض کیا تھا کہ معاشیاتی مسائل کے متعلق کچھ چیزیں جمع ہوگئی ہیں۔ پہلے ''معارف'' میں بھیجنے کا خیال تھا، لیکن بعد کو دل سے اتر گیا۔ مسودہ کو ڈال دیا تھا، حال میں کالج کے ''مجلۂ علمیہ'' میں مضمون نہیں تھا، بھرتی کے لیے اسی کے ایک باب کو دے دیا تھا، میں نے آپ کے پاس بھجوایا تھا، مِلا ہوگا۔ چند چیزیں اِدھر خاص تیار ہوئیں، لیکن ایسے وقت میں۔ ع

چوں دورِ خسرو آمد، مے درسبو نہ ماندہ

کاغذ وطباعت کی دشواریاں ایسی ہیں کہ ان کی اشاعت تقریباً ناممکن ہے۔ مولانا مسعود علی صاحب[1] کی خدمت میں سلام فرمائیے اور مبارکباد۔ نگرامی صاحب[2] کا ایک کارڈ میرے قرآنی جنون کے متعلق آیا تھا، جواب تیار کر رہا ہوں، ان شاءاللہ بھیجوں گا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] علامہ شبلی نعمانی، پیدائش مئی ۱۸۵۷ء۔ وفات ۱۹۱۴ء

[2] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدائش ۶۲ھ۔ وفات ۱۰۱ھ۔ پانچویں خلیفہ راشد جنھوں نے محض ڈھائی برس حکومت کی لیکن اپنے تقویٰ، ایمان داری اور سوجھ بوجھ سے دورِ خلفائے راشدین کی یاد تازہ کردی۔

[3] اموی خلیفہ۔ پیدائش ۵۰ھ۔ وفات ۱۲۵ء

[4] عبدالملک بن مروان، اموی خلیفہ، پیدائش ۲۳ھ۔ وفات ۸۵ھ

۵ مولانا مسعود علی ندوی، سابق مہتمم دار المصنفین اعظم گڑھ۔
۶ مولانا محمد اویس ندوی نگرامی، سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

(۱۶)

۱۵ مارچ ۱۹۴۳ء۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ

حیدرآباد

سیّدی الامام دمتم بالعافیہ والسلام...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً"

لیجیے حق تعالیٰ نے ایک ہی سال میں ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ ہندوستان کے دونوں علمی مرکزوں کو اتفاق کرنا پڑا کہ جن نیک بزرگوں نے جس نصب العین کو پیش نظر رکھ کر ندوۃ العلماء کے دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی، بالآخر وہ اسی نتیجہ تک اپنے خریجوں کو پہنچا کر رہا، آنِ واحد میں دیوبند اور علی گڑھ دونوں نے اس کی تصدیق کی۔ آپ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں اور ان پاک جانوں کے نام سے فاتحۂ خیر پڑھتا ہوں، جن پر بدگمانیاں کی گئیں، لیکن بالآخرہ ہی سامنے آیا جو دوراندیشوں کے اس مقدس گروہ نے سوچا تھا۔ دین کی بھی توثیق ہوگئی اور علم کی بھی۔ خدا کرے ندوہ اپنے نتائج کو آئندہ بھی اسی مثال کا تابع رکھے، وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ.

(آپ کا گرامی نامہ رجسٹرڈ مل گیا۔ تاخیر کی وجہ سے دل میں وسوسے ضرور پیدا ہوئے لیکن بحمد اللہ وہ وسوسے ہی تھے، مگر آپ نے خاکسار کے معروضے کو شاید زیادہ توجہ سے نہیں پڑھا یا جواب چونکہ دیر میں دینے بیٹھے، اس لیے فقیر نے جو کچھ عرض کیا تھا، اس کا خیال نہ رہا۔ آپ کی خدمت میں درخواست جو بھیجی گئی تھی اس کا مطلب تھا خود اپنے دستخط سے اسے مزین فرما کر نواب صدر یار جنگ بہادر کے پاس حبیب گنج بھیج دیجیے لیکن آپ نے بجائے دستخط کرنے کے ایک مستقل سفارش نامہ ارقام فرما کر واپس فرمادیا۔ نواب مہدی یار جنگ کی خدمت میں آپ کے اس سفارش نامہ کے ساتھ اس درخواست کو خاکسار نے مولوی عبدالباری کی معیت میں پیش کیا، ان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ آپ حضرات کے دستخط کے ساتھ یہ درخواست پیش ہوگی تو کارروائی میں سہولت ہوگی۔ فرمائیے کیا دوبارہ

خدمتِ عالی میں اسے بھیجوں یا کوئی مصلحت مانع ہے، اگر ایسا ہے تو وہی ارقام فرمایئے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، آپ کو کچھ خیال ہی نہ رہا ورنہ بجائے ایک مستقل سفارش نامہ کے چند الفاظ کے ساتھ درخواست ہی پر دستخط کا ثبت کرنا سہل تھا۔ شاید جذبہ کا کچھ اثر ہو۔ خیر جو کچھ ہوا حق کی مرضی سے ہوا، خیر ہی ہوا)۔ بچوں کی تقریب سے ان شاء اللہ فراغت ہو چکی ہوگی،

فَبَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَهُمْ بِالرِّفَاءِ وَّ الْبَنِيْنَ، وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ۔

معلوم نہیں دسنہ میں کب تک قیام رہے گا۔ اپریل میں میرا کالج بھی ان شاء اللہ بند ہوگا۔ اگر آپ حسب دستور گرمیوں میں گھر ہی رہے تو قدم بوسی کی سعادت ان شاء اللہ حاصل ہوگی۔ آپ نے تو دیوبندیت کے امتیاز پر بھی قبضہ کر لیا اب ہم غریبوں کے پاس کیا رہ گیا ہے بجز اس کے:

تو شاد گفتہ بفرماں دہی و من بغلامی

خیال آتا ہے اور اس کو آنا چاہیے، لیکن حافظ کان میں کہتے ہیں:

تو بہ تقصیر خود افتادی ازیں در محروم
از کہ می نالی و فریاد چرا می داری
اے دلِ خام شرمے ازیں قصہ بدار
کار ناکردہ چہ امید عطامی داری

اور سچ تو یہ ہے جیسا کہ میرے چھوٹے بھائی مظہر سلمہ نے کہا کہ:

''سیّد صاحب تو ہمیشہ سے وہی تھے جس کی تصدیق مولانا تھانوی (متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائہ) نے فرمائی: وہ باہر سے زبردستی کچھ دن کے لیے وہ بنے رہے جو وہ نہیں تھے۔''

علی گڑھ کے امتیاز سے تھانہ بھون کے امتیاز کا دل پر زیادہ اثر اور وزن ہے، لیکن بعض روایتوں میں پڑھا ہے ''فاروق'' کا خطاب فاروق اعظمؓ کو یہودیوں سے ملا تھا، غالباً ''ابنِ سعد'' میں ہے۔ اس سے تسلی ہوئی، آخر علی گڑھ کا گروہ کیا یہودیوں سے بھی زیادہ ہم

سے دور ہے؟ لیجیے یہ بھول ہی گیا، خاکسار کی ہرزہ سرائیوں کی جو "مجلۂ علمیہ" میں شائع ہوئی ہے، آپ نے تعریف فرمائی ہے، "معارف" کے قابل ان کو سمجھتا تو کیا پہلے نہ بھیجتا؟ مگر جب زنگی کو "کافور" آپ قرار ہی دیتے ہیں تو اشاعت کے لیے پوچھنے کی حاجت ہے؟ اس کے دوسرے اجزا چند متفرق رسالوں میں بانٹ دیے گئے۔ شائع ہونے کے بعد خدمت گرامی میں حاضر ہوں گے۔

الداعی لفلاحکم و

صلاحکم

خاکسار مناظر احسن گیلانی

---

[1] قوسین کی عبارت ماخوذ از ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ بابت مارچ ۱۹۶۳ء

(۱۷)

۱۳ر مئی ۱۹۴۳ء مطابق ۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

الی السید الدکتور الامام...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مایوسی کے بعد گرامی نامہ سے سرفرازی ہوئی۔ جواب اسی وقت دیتا لیکن بہار میں بھی مجھے میلاد خوانی سے فرصت نہیں ملتی، بر بگھا، استھانواں کے بعد بہار والوں نے پکڑا۔ صحت ایسی نہیں رہی ہے کہ تقریروں کا بار زیادہ برداشت کر سکوں، چند تقریروں کے بعد ہی گر جاتا ہوں، آج آپ کے گرامی نامہ کا جواب دے رہا ہوں۔

ندوہ کی حالت بڑی افسوسناک ہے، شروانی صاحب کا بھی ایک خط آیا تھا، اب کبرسنی نے ان کو اس قابل نہیں رکھا ہے کہ عملی دلچسپیوں کو اسی پیمانہ پر باقی رکھیں، احتشام علی صاحب[1] کی وفات کا ناگہانی حادثہ ندوہ کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ان کی جگہ کس کا انتخاب کیا جائے؟ میرے پاس بھی ایک گشتی چٹھی آئی ہے، ضرورت ایسے آدمی کی ہے جو زمینداری وغیرہ کے معاملات کا بھی تجربہ رکھتا ہو، کیا احترام علی صاحب[2] ان کی قائم مقامی نہیں کر سکتے؟ اور تو جتنے نام ہیں، ان میں یا تو پیر فرتوت ہیں، مثلاً نسیم صاحب[3] بعض صرف ملا ہیں اور بعض ادبی کاروبار والے حضرات ہیں۔ بہرحال غور کر رہا ہوں، رائے کا

رُجحان جس کی طرف ہوگا، لکھ کر بھیج دوں گا۔ کاش! اتنا وقت ہوتا کہ آپ حضرات کے رُجحانوں سے واقفیت حاصل ہوتی، اب دیکھیے، ندوہ کیا ہوتا ہے، جہاں تک بہار وغیرہ میں آئے ہوئے طلبہ سے معلوم ہوا عمران خاں صاحب[۴] کے اکثر حضرات شاکی نظر آئے۔ ان کے بیان سے محسوس ہوا کہ عمران خاں کو یہ لوگ ایک جنگی صف کا اچھا ناظم تصور کرتے ہیں، لیکن درسگاہ کی نظامت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

معلوم نہیں آپ کے دفتر میں دیوبند کا رسالہ ''دارالعلوم'' آتا ہے یا نہیں۔ اپنی معاشی کتاب کا مقدمہ میں نے اسی رسالہ کو دے دیا تھا، اگر آتا ہو تو منگوا کر ضرور دیکھیے۔ طباعت کی فاحش غلطیاں رہ گئی ہیں، افسوس ہوتا ہے کہ ایک مرکزی درسگاہ کے مجلہ میں قرآنی آیتیں بھی صحیح نہیں چھپ سکتی ہیں۔

آج کل ایک مکروہ مشغلہ میں پھنس گیا ہوں، ابوالاعلیٰ صاحب مودودی[۵] نے اسفارِ اربعہ کے بعض حصوں کا ترجمہ اپنے قیام حیدرآباد کے زمانہ میں لے لیا تھا، لیکن اس فن سے بالکل کورے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اوّل سے آخر تک ترجمہ غلط در غلط ہوگیا ہے۔ ''دارالترجمہ'' نے میرے حوالہ کیا ہے کہ اس کی تصحیح کروں، تجربہ سے معلوم ہوا کہ تصحیح کیا ہوگی، الگ ترجمہ کی حاجت ہے، تاہم درست کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بہار کا آم آپ کا منتظر ہے، خوشبو ہی کے لیے سہی، شاید آپ کی زیارت میسر آجائے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ منشی احتشام علی کاکوروی، پیدائش ۱۸۶۹ء۔ وفات ۱۹۴۳ء

۲ منشی احتشام علی کے صاحب زادے

۳ سابق وکیل۔ ضلع بارہ بنکی سے تعلق تھا

۴ سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلما۔ پیدائش: ۱۳ر نومبر ۱۹۱۳ء بھوپال، وفات: ۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۶ء

۵ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، بانی جماعت اسلامی۔ پیدائش: ۲۵ر ستمبر ۱۹۰۳ء۔ وفات: ۲۲ر ستمبر ۱۹۷۹ء

(۱۸)

۱۲ر اگست ۱۹۴۳ء/۳۰ر رجب ۱۳۶۲ھ۔ حیدرآباد دکن

سیّدی المحترم! ادام اللہ مجدکم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا جانے آپ کہاں ہیں۔ دلّی کی گلیوں میں آپ کو ڈھونڈا، اس لیے ڈھونڈتا تھا کہ مل کر روؤں گا، اس یتیمی پر، جو باپ کے مرنے کے بعد پھر دہرا گئی، مفتی صاحب[1] سے معلوم ہوا کہ آپ کو بھوپال میں روک لیا گیا، دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ میں شریک ہونے کے لیے دیو بند گیا تھا، کیا معلوم تھا کہ دیو بند کی مجلسِ ماتم میں شریک ہونا میرے لیے مقدر ہو چکا ہے۔[2] راستہ میں معلوم ہوا تھا کہ آپ بھی بھوپال آئے ہوئے ہیں۔ غالباً دلی میں، بہر حال آپ کو وہ غم مبارک ہو، جوان شاء اللہ سرمایۂ نشاط و سرور ہے۔ بڑے بلند اختر آپ نکلے، وقت سے پہلے جاگے، ٹھیک جس وقت مجلس شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا، دارالعلوم میں جماعت دیو بندیہ کے اس ستونِ اعظم کے انہدام کی خبر مدرسہ پہنچی جو بحمد اللہ انہدام میں تعمیر ہے، لیکن دنیا والوں کے لحاظ سے انہدام ہی سمجھا گیا۔ حیدر آباد جب واپس ہوا تو مولانا عبدالباری صاحب کو بہت متاثر پایا، تقریباً نیم جنونی حالت میں۔ مبارک ہے یہ جنون۔ خدا ہی جانتا ہے آپ کس حال میں ہوں گے۔ خواجہ[3] ہمارے تو مجذوب تھے ہی، سنا ہے کہ کئی دنوں تک اپنے آپ میں واپس نہ ہوئے، معلوم نہیں اب کیا حال ہے۔

اس وقت یہ عریضہ ایک خاص وجہ سے بھی لکھ رہا ہوں، دیو بند سے واپسی کے بعد ''معارف'' ملا، دیکھ کر میں نے سر پکڑ لیا کہ ادارۂ معارف نے میرے اس مضمون کو جو 'دارالعلوم' میں شائع ہوا تھا، معارف میں شائع کر دیا، مخمل میں ٹاٹ کا بخیہ، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ دارالعلوم والوں نے تو میرے مسودہ ہی کو شائع کر دیا تھا جس کی نظرِ ثانی بھی نہ ہو سکی تھی اور پھر اپنی طرف سے اس مسودہ کا منہ کالا کرنے میں دارالعلوم کے کاتب و مصحح نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ کاش! اشاعت سے پہلے حقیر کو مطلع فرما دیا جاتا، کم از کم تنبیہ کر دیتا کہ ذرا سنبھل کر پروف اور کاپی کے دیکھنے والے صاحب دیکھیں گے، لیکن غفلت میں انھوں نے لاپروائی سے کام لیا۔ جانتا ہوں کہ مضمون نگار کو جتنی تکلیف اور جتنا احساس اپنے مضمون کے اغلاط کا ہوتا ہے، پڑھنے والوں کو اس کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی، لیکن اغلاط کی بھی حد ہوتی ہے، علاج غلط نامہ کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، وہی بنا کر بھیج رہا

ہوں، اگر مناسب خیال فرمایا جائے تو آئندہ نمبر میں اس غلط نامہ کو شائع کر دیا جائے جو الگ اسی کے ساتھ منسلک ہے۔ اور کیا عرض کروں، دیوبند سے مولانا شبیر احمد صاحب کا تعلق بالکلیہ جدا ہو گیا، آئندہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

ندوہ کا حال نہ معلوم اب کیا ہے شروانی صاحب سے ملنے علی گڑھ گیا تھا، میرے ساتھ وہ بھی لکھنؤ روانہ ہوئے تھے، فرماتے تھے کہ آپ بھی لکھنؤ آئیں گے، الجھا ہوا ندوہ سلجھایا جائے گا۔

'دارالعلوم' کے شائع شدہ مقالہ کے بقیہ حصے اگر ''معارف'' میں آئندہ شائع ہوں تو کسی ناقد بصیر سے اس کی تصحیح کرا لیجیے۔ آزادی کے ساتھ تصحیح کر سکتے ہیں، میں تو اس مضمون کو ''معارف'' کے لائق خیال بھی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ عجیب بات کہ حیدرآباد میں، دلّی میں جہاں کسی سے ملاقات ہوئی، اکثروں کو دیکھا کہ وہ اس کے مداح تھے، واللہ اعلم کیا بات ہے۔ سچ عرض کرتا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن جب لوگوں نے پسند کیا ہے تو خیال ہے کہ اس کے بقیہ حصص جو بالکل نامکمل حالت میں پڑے ہوئے ہیں، انھیں درست اور مکمل کر کے خدمتِ والا میں بھیج دوں گا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دارالعلوم دیوبند میں عندالتعزیت جو ارتجالی تقریر خاکسار نے کی تھی، ''صدق'' میں شاید وہ نظر سے گزرے۔ مولانا مسعود علی ندوی صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے تعزیت کے ساتھ انھیں اس مبارک و مسعود حزن و غم کی تہنیت دیتا ہوں۔ ہر ایک کا مقدر اتنا اونچا نہیں ہے، جسے یہ غم نصیب ہو، ایسے کتنے ہیں۔

مولانا شاہ معین الدین صاحب[4] کی خدمت میں غیبی سلام عرض ہے۔

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مفتی عتیق الرحمن عثمانی، بانی ندوۃ المصنفین دہلی۔ پیدائش: اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ وفات: ۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء

[2] مولانا اشرف علی تھانویؒ کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں تقریب

[3] خواجہ عزیز الحسن غوری خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی جو شاعری میں مجذوب تخلص رکھتے تھے۔

[4] سابق ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ و مدیر 'معارف' پیدائش: ۱۹۰۳ء۔ وفات: ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء

(۱۹)

۲۰ر نومبر ۱۹۴۳ء۔ ۲۲ر ذیقعدہ شنبہ۔ حیدرآباد دکن

سیّدی الامام! دمتم بالہناوالعیش المدام...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت ہوئی ایک عریضہ خدمتِ والا میں روانہ کر چکا ہوں، معلوم نہ تھا کہ نصیبِ دشمناں ادھر آپ کچھ بیمار ہوئے۔ چند دن ہوئے اپنی طویل رخصت سے واپس ہو کر مولانا عبدالباری صاحب حیدرآباد پہنچے ہیں، تب معلوم ہوا کہ ادھر آپ کی طبیعت پھر کچھ بگڑ گئی تھی، بلا تصنّع عرض کرتا ہوں کہ چل چلاؤ کے اس حال میں مسلمانانِ ہند کے اندر جن چند نفوس کے دم کو غنیمت خیال کرتا ہوں، ان میں اب تو شاید سب سے زیادہ اہمیت آپ ہی کے وجودِ گرامی کو حاصل ہو گئی ہے۔ دست بدعا ہوں کہ آپ صحت عاجلہ سے متمتع ہو چکے ہوں گے۔

اس وقت اس عریضہ کے لکھنے کی وجہ ایک تو آپ کی عیادت ہے اور دوسری فوری وجہ ''معارف'' کا مضمون ''حیاتِ شبلی'' کا نمونہ ہے جزاکم اللہ۔ پڑھنے کے بعد بے ساختہ ھٰذا فَقَدْ قَضٰی مَا عَلَیْہِ کا جملہ زبان پہ جاری ہو گیا۔ اپنے استاد کا حق آپ نے ادا کر دیا اور واقعی مولانا شبلی مرحوم کا جو حق تھا اسی کو آپ نے ادا کیا ہے، اغراق وغلو، افراط وتفریط سے پاک۔ اس قسم کی سوانح عمری خصوصاً اس عہد میں شاید ہی کسی کی مرتب ہوئی ہو، بلاشبہ مولانا شبلی قدیم وجدید علمی طبقے کے درمیان ایک برزخی وجود کا مقام حاصل کیے ہوئے ہیں، لیکن افسوس کہ مضمون بہت جلد ختم ہو گیا۔ خدا جانے آپ لوگوں کا کیا قصہ ہے، متعدد بار جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے سے یہ لکھوا چکا ہوں کہ ''دارالمصنفین'' کی ہر کتاب شائع ہونے کے ساتھ بھیج دی جایا کرے، لیکن نہ حیاتِ شبلی[۱] ہی آئی ہے اور نہ تاریخ ترکی[۲]۔ ضابطہ کی شکل میں اگر منگواتا ہوں تو مراسلہ بازی کا ایک طویل سلسلہ چھڑ جائے گا، کیا یہ ممکن ہے کہ سرِ دست ''حیاتِ شبلی'' کے دو نسخے میرے نام بھجوا دیجیے میں دونوں کی قیمت کتب خانے سے وصول کر کے روانہ کر دوں گا۔ میں کتب خانہ کے نام ہی سے منگواتا مگر اس میں دفتری جھگڑے پیدا ہو جائیں گے۔ بڑی مہربانی ہو گی، اگر اس عریضہ کے ملنے کے ساتھ ہی ان

دونسخوں کے بھجوانے کا بصیغۂ اشد ضروری دفتر کو حکم دے دیجیے، ''تاریخ ترکی'' تو باضابطہ کی شکل میں منگوائی جائے گی، بے چینی ''حیاتِ شبلی'' کے دیکھنے کی ہے، چند قطرات نے پیاس بھڑکا دی، خصوصاً فہرست نے تو کھلبلی سی باطن میں مچادی ہے، جب تک پوری کتاب پڑھ نہ لوں گا، چین نہیں آئے گا۔ ہاں صاحب! مولانا شبلیؒ کے متعلق میرا ایک انفرادی نقطۂ نظر تھا، لیکن بقول

درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

یعنی باوجود سب کچھ ہو جانے کے ابتدا میں بھی وہ ملا ہی تھے، بیچ میں بھی ملا ہی رہے اور مرے بھی ملا گیری کا کام انجام دیتے ہوئے۔ کسی حالت میں ملائیت کے دائرے سے نہ نکل سکے۔ ثبوت میں اسی چیز کو پیش کرتا تھا، جس کا ذکر سوانح میں کیا گیا ہے کہ مقلدیت وغیر مقلدیت، شیعہ وسنی، ردِ آریہ، ردِ عیسائیت ساری زندگی ان کی ان ہی ملایانہ مشغلوں میں گزری، اگرچہ دنیا انھیں مورخ شاعر، لیڈر تعلیمی ماہر وغیرہ وغیرہ سمجھتی رہی اور میں ملائیت کے ساتھ کمالِ وفاداری کی دلیل اسے خیال کرتا ہوں۔ انھوں نے ملاؤں ہی سے سیکھا تھا، جو کچھ سیکھا تھا، ان ہی سے پڑھا تھا، جو کچھ پڑھا تھا، اتنی ساری زندگی ان ہی کے آستانوں پر چولا بدل بدل کر گھومتے رہے، کسی موقع پر آپ نے ان کی تحریر کے یہ الفاظ کہ ''میں عقیدۃً بھی حنفی ہوں اور عملاً بھی'' ان کی زندگی کا آخری تاثر جسے کسی نمائش پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور بھی ملائیت پر اُن کے مہر لگا دیتا ہے۔

بہرحال جس طریقہ سے آپ کے قلم نے ان کو پیش کیا ہے، دل حکم کرتا ہے کہ ان شاء اللہ آخرت میں بھی وہ کامیاب رہیں گے۔ مجھ پر تو ان حالات کے پڑھنے سے جنھیں اب تک پڑھ چکا ہوں یہی اثر پڑا ہے کہ كَانَ رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اور راہ قلندری کا پروانہ راہ داری صرف یہی ہے:

کفر کافر را و دیں دین دار را
ذرّۂ دردت دلِ عطّار را

اور اگر اس میں وہ کامیاب ہوئے تو کامیاب ہے، ورنہ آج سوانح عمری کے یہ اوراق ان کے کس کام کے!:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
کہ ہم تو یہاں بھی اکیلے رہیں گے
نیاز مند مناظر احسن گیلانی

۱؎ علامہ شبلی نعمانی کے حالات اور ان کی علمی اور عملی کارناموں کا مجموعہ جسے ان کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تصنیف فرمایا۔

۲؎ کتاب کا درست نام 'دولت عثمانیہ' ہے جو دو جلدوں میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی اور جسے ڈاکٹر محمد عزیر نے تالیف کیا۔

(۲۰)

پنجشنبہ ۱۷ / اگست ۱۹۴۴ء ۔ ۲۷ / شعبان ۱۳۶۳ھ

حیدر آباد دکن

مخدوم و محترم سیّدی و سیّد المسلمین د متم بالھناء و العافیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

من غیر ترقب آپ کا لفافہ پرسوں ملا (پڑھ کر مسرت ہوئی کہ بخیر و عافیت آپ دیسنہ سے اعظم گڑھ تشریف لے آئے۔ اس کا افسوس ہوا کہ شاہ معین الدین صاحب فریش ہیں۔ جواب کے نہ ملنے سے تردد ضرور ہوا تھا، شکر ہے "شیخین" کی باتیں آپ نے بھی پسند فرمائیں۔ جی ہاں کاغذ کی وجہ سے بڑی کھلبلی مچ گئی۔ آپ لوگوں کا تو سارا کاروبار کاغذ کی ناؤ پر جاری ہے، خدا کرے کوئی صورت استثناء کی دار المصنفین کے متعلق نکل آئے۔ مگر جو تقریر میں نے صالح حیدری کی اس مسئلہ کے متعلق پڑھی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بھی کچھ مجبور نظر آتی ہے اور آمد ہی بہت کم ہے۔ لیکن ماشاء اللہ آپ حضرات اثر والے ہیں، کوئی صورت خدا کرے نکل آئے۔ سالارِ طائفہ ان شاء اللہ کوئی مخلص نکالیں گے۔

حسبِ ارشاد میں نے رضوی کے معاملہ کی تحقیق اسی دن کرائی یعنی مولانا فضل صاحب جو اس سے کافی واقفیت رکھتے ہیں، ان کو رضوی کے پاس بھیجا۔ آج مولانا نے یہ خبر سنائی ہے کہ براہِ راست ان سے وہ ملا اور کہا کہ آج ہی اس نے آپ کی خدمت میں خط بھیجا ہے اور روپیہ بھی حسب الوعدہ اس نے بیان کیا کہ آج بذریعہ بیمہ روانہ کر چکا ہے، یا

روانہ کرے گا۔ایسی صورت میں بجز انتظار کے اور کیا کر سکتا ہوں۔مولانا فضل صاحب سے میں نے کہا ہے کہ رضوی کو براہِ راست مجھ سے ملنے کے لیے کہیے،وعدہ تو آنے کا کیا ہے۔اس سلسلہ میں بس یہی کارروائی کی گئی ہے۔خدا کرے جو کچھ اس نے کہا ہے وہی کیا بھی ہو۔[1]

آپ کے دفتر میں ''الدین القیم''[2] اور ''تعلیم و تربیت''[3] والی دونوں کتابیں پہنچ گئیں، دیکھیں آپ حضرات کی رائے کیا ہوتی ہے؟ ہمارے معتقد اعظم[4] تو ہم سے کچھ برگردد آخر ہو ہی گئے۔''مدینہ'' والے کے خط کے جواب میں میں نے جو کچھ لکھا تھا وجہ ناگواری یہی وجہ ہوئی ہے، گو معاملات پر اس کا اثر نہیں پڑا ہے، لیکن وہ لطف جاتا رہا۔بیس، بائیس سال کے تعلقات میں شکایت پیدا ہونے کا یہ پہلا موقع پیدا ہوا ہے اور خوب اچھی طرح پیدا ہوا، اسی کا خطرہ ان کے مزاج کی وجہ سے تھا۔'صدق' میں ''الدین القیم'' پر جو رائے شائع ہوئی ہے، وہی اس اندرونی انقلاب کی دلیل ہے۔

معاشی مضامین کے متعلق آپ نے پہلے بھی لکھا ہے اور اب کی بھی کہ یہ یہ کردو، میں اپنا حال کیا عرض کروں، جسے قلم کا شباب لکھا ہے، وہ میری خبطگی کی ایک حالت ہے، ایک دفعہ جھونک میں لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا، اب پھر اس پر نظر ثانی حک و اصلاح میرے لیے مشکل ہے۔آپ کے یہاں فن تصنیف کے طلبہ کی ایک تعداد تو ہمیشہ رہی ہے۔کیا ان ہی حضرات میں کسی کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ خرافات کو حذف کر کے کارآمد اجزاء کا انتخاب کرلیں، بہرحال آج کل تو چند دوسرے مشغلوں میں ہوں، ''تدوینِ فقہ'' پر ایک مضمون پڑھا تھا، دوبارہ اس کو مرتب کر کے لکھنے لگا تو اس نے بھی کتاب ہی کی شکل گویا اختیار کر لی ہے، ابتدائی سو صفحات اس کے جامعہ عثمانیہ کے تحقیقاتی مجلہ میں ایک سال ہوا چھپنے کے لیے دیا تھا، مضمون چھپ تو گیا ہے، لیکن دس، پانچ صفحہ ایک صاحب کے مضمون کا باقی ہے۔ سرکاری کام ہے، کب نکلتا ہے، ایک کاپی اس کی اسی ہفتہ میں ان شاء اللہ خدمت والا میں حاضر ہوگی اور بھی چند کام جاری ہیں، شاید وقت پورا ہو رہا ہے، جو کچھ اس عرصہ میں نگلا تھا اگلوایا جارہا ہے، امیدوار دعا و توجہ ہوں۔

مولانا عبدالباری صاحب کی حالت دن بدن بہت زیادہ قابلِ رشک بنتی چلی جارہی

ہے، میں تو ہر دن ارتقاء کی کیفیت پا رہا ہوں، وہ بڑی روح اور بڑے نفس کے آدمی ہیں۔

مولانا مسعود علی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض ہے۔ ان کے حکیمانہ ظرافت آمیز فقرے بہت یاد آتے ہیں۔ "اَللّٰھُمَّ ایدہ و انْصُرْ علی مَسْئَلۃِ کاغذ" جہاد لے دے کے یہی رہ گیا تھا، لیجیے اس پر ایک لائسنس لگ گیا، فبقلبہ پر اب عمل کیا جائے گا ورنہ صورت ہی کیا باقی رہی[5]۔ مولانا عبدالباری بڑے خوش ہیں اور خوش ہونے کی بات تو مولانا مسعود علی کے لیے بھی ہونی چاہیے، لیکن کاش صورت کوئی اور ہوتی۔

بہرحال "کاغذی ناؤ" کے ملاحوں کے امتحان کا بھی تو وقت آ گیا، اس طوفان میں "اپنی کشتی" ساحل تک بخیر و سلامتی کون پہنچاتا ہے۔

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

---

۱ قوسین کی عبارت ماخوذ از ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۶۳ء

۲ 'الدین القیم' مولانا گیلانی کی معروف کتاب جس کا مکمل ایڈیشن مکتبہ اسعدیہ اردو بازار کراچی نے کچھ عرصہ قبل شائع کیا۔

۳ اس کتاب کا مکمل نام 'ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت' ہے جسے سب سے پہلے ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔

۴ معتقد اعظم سے مراد غالباً مولانا عبدالماجد دریابادی ہیں۔

۵ اشارہ ہے اس حدیث نبوی ﷺ کی جانب جس میں فرمایا گیا: تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو طاقت سے برائی کو (نیکی سے) بدل دے، اگر یہ قدرت نہ ہو تو زبان سے ورنہ کم از کم دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور مرتبہ ہے۔

(۲۱)

۲۶ ستمبر ۱۹۴۴ء۔ ۷ ارشوال ۱۳۶۴ھ

حیدرآباد دکن

سیّدی الکریم النجیب الصدیق اید کم اللہ بنصرہ......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

من غیر ترقب آپ کا گرامی نامہ ملا پڑھ کر جو مسرت ہو سکتی تھی اس کا اندازہ مجھ سے

زیادہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ خیال تو کیجیے کہ

راہ پر ان کو تو لگا لائے ہیں ہم باتوں میں
اور کُھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

کی فکر میں جس کی عمر گزری ہو، وہ اپنے اس مشن کی کامیابی کو دیکھ کر ظاہر ہے کہ جتنا بھی مسرور ہو بجا ہے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ اسی رسالہ کو خاکسار نے خدمت والا میں جب آپ توپ کے سانچے والے مکان میں تشریف لائے تھے، قلمی حالت میں مطالعہ کے لیے پیش کیا تھا۔ اس وقت بھی جہاں تک میرا خیال ہے، آپ نے پڑھ لیا تھا، بلکہ بعض مقامات میں آپ کے اصلاح کردہ الفاظ اصل نسخہ میں موجود ہیں، پھر اس جدید تاثیر کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بہر حال شک ہے کہ بزرگوں کی نگاہ میں کوئی چیز جچ جائے اور قابل قدر ٹھہرے، میرے لیے تو یہی چیز بس کرتی ہے، فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاء.

ماجد میاں[1] کے متعلق مجھے خود حیرت ہے کہ انھوں نے نہ معلوم کس حال میں یہ لکھ دیا، کل انھوں نے اپنے لفافہ میں اخبار 'انقلاب' کا ایک تراشا بھیجا ہے، جس میں اسی کتاب "الدین القیم" کے متعلق مدیر نے غیر معمولی تحسین و تعریف کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ کو میں نے کیا لکھا تھا ان کے مسلک سینما سے قدرے میرا تجاوز یہ وجہ یا اس کتاب کی ابتداء میں مولوی عبدالباری صاحب کی کتاب کو ماخذ بنانے کی حرکت ان کی برہمی کا باعث ہوئی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ میرا یہ وسوسہ وسوسہ ہی ہے یا اس کے اندر کوئی حقیقت پوشیدہ ہے، لیکن اتنی خفیف سی بات سے ماجد میاں کی جو عظمت میرے قلب میں ہے کیا وہ کم ہو سکتی ہے۔ بلا شبہ انھوں نے ایک خاص پہلو سے ہندی اسلام کی بڑی خدمت کی ہے، ایسی خدمت جس میں وہ تنہا ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اپنے دل سے آپ بھی اس کو نکال دیجیے۔ آپ نے سچ لکھا ہے، ساری عمر کے حاصل یہی چند لوگ ہیں، بس یہی چند لوگ ہیں، ان کو بھی چھوڑ دیا جائے تو تنہا زندگی کیسے بسر ہوگی اور وہ ہوں یا ہم ہوں، کچھ نہ کچھ کمزوریاں سب ہی میں ہوتی ہیں، تعلقات میں دوام کی صورت یہ ہے کہ ان کی کچھ نہ کچھ کمزریوں کا حق ہر اس بندے کو دیا جائے جو ضعیف اور کمزور بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ آج ۳۲، ۳۴ سال سے میرے ان کے تعلقات قائم ہیں۔ چوتھائی صدی گزر گئی، اب

دن باقی ہی کتنے ہیں۔ حق تعالیٰ سے داعی ہوں کہ کٹتے کٹاتے چند بزرگوں اور دوستوں سے نیاز مندی کے جو تعلقات آخر عمر تک باقی رہ گئے ہیں، وہ آخری سانس تک باقی رہیں۔

بالفعل اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں اور دو ایک روز بعد وہ مضمون آپ کی خدمت میں ان شاء اللہ پہنچے گا۔ اتنا پھر بھی کہہ دیتا ہوں کہ "دارالمصنفین" کے کلیات و جزئیات کو کیا واقعی براہِ راست اپنے ہاتھ میں اس طور پر رکھنا چاہتے ہیں کہ قطعاً کسی دوسرے کے ارادے سے یا مشورہ اور عمل سے مدد نہ لی جائے، کیا خدا نے جس بوجھ سے آپ کو آخری زندگی تک ہلکا پھلکا رکھنا چاہا، اس نعمت سے گریز کرنا چاہتے ہیں، بس آج صرف اسی قدر، تفصیل آئندہ۔

"تعلیم و تربیت" والی کتاب پر کیا معارف میں کچھ لکھیے یا لکھوایئے گا، مسلم لیگ کے حلقہ میں تو کتاب نہایت مقبول ہوئی "الدین القیم" پر بھی طوالت مانع ہے، ورنہ اپنی تجویز "دارالمصنفین" ہی کے سلسلہ کی مدت سے دماغ میں آ رہی ہے، اسے پیش کرتا، یعنی جی چاہتا ہے کہ "دارالمصنفین" میں ایک شعبہ "دارالترجمہ" قائم کیا جائے اور جو کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں ان کے تراجم کا بندوبست انگریزی اور ہندی زبان میں کیا جائے بلکہ اور بھی جو مناسب کتابیں اردو میں ایسی لکھی جائیں، جن کا ترجمہ ان زبانوں میں مفید ہو، اس قسم کا کام اس شعبہ سے لیا جائے۔ یہ کام میں تو خیال کرتا ہوں کہ مترجمین کر سکتے ہیں اور آپ لوگوں کی محنتوں کا حقیقی فائدہ جس سے دوسرے بھی مستفید ہوں، ان ہی صورتوں میں ممکن ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[۱] مولانا عبدالماجد دریابادی۔

[۲] 'انقلاب' لاہور سے شائع ہونے والا معروف روزنامہ جو غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔

(۲۲)

۱۰ر نومبر ۱۹۴۴ء۔ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ پنجشنبہ

سیّدالکریم العلامہ!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(سخت رنج وانتشار کے ساتھ آپ کو یہ خبر دے رہا ہوں کہ ہمارے مولانا عبدالباری صاحب دمہ سے اچھے ہونے کے بعد اچانک بلڈ پریشر کی شکایت میں مبتلا ہوئے۔ میں گلبرگہ شریف خطابت کے سلسلہ میں گیا ہوا تھا، واپسی پر معلوم ہوا کہ اسی کے بعد ان کے دل پر چند حملے ہوئے، وہی حملے جو بلڈ پریشر والوں کو ہوتے ہیں۔ پہلے تو صرف دورانِ سر ہی کی شکایت محسوس ہوئی، وہی شکایت جو آپ کے سامنے بھی ان کو ہوئی تھی۔ جس دن گلبرگہ شریف سے میں واپس ہوا، اسی دن مولانا رخصت بیماری لے کر لکھنو تشریف لے جارہے تھے۔ اللہ رحم فرمائے)[1]

آج آپ کی خدمت میں اپنی کتاب ''تدوین فقہ'' کا ایک ابتدائی حصہ جو بصورت مقالہ ہمارے یہاں کے ریسرچ جرنل میں چھپا ہے، بھیج رہا ہوں۔ جانتا ہوں کہ غریبوں کی کتابوں کے پڑھنے کی زحمت آپ بھلا کہاں برداشت کریں گے، لیکن سرسری نظر جیسے خاکسار کے دوسرے خرافات پر ڈال دی جاتی ہے، خدا کے لیے اس نظر سے بھی اسے محروم نہ فرمائیے۔ آپ کی رائے اور خیال کا انتظار رہے گا، ماجد میاں کو تو مدت ہوئی پہلے ہی بھیجا تھا، لیکن غالباً پسند نہ آیا، کوئی خاص چیز جواب میں نہ آئی، البتہ مولانا عبدالباری صاحب نے بڑی ہمت افزائی کی، اسی قسم کی جیسے جناب والا نے ''الدّین القیم'' کے متعلق فرمائی ہے، ''معارف'' میں جو نوٹ اس کتاب پر شائع ہوا ہے، بڑی دیر میں ملا، ''معارف'' کے سرّاق آج کل پیدا ہوگئے ہیں، نہ مولانا عبدالباری ہی کو پرچہ ملا اور نہ مجھے، 'صدق' میں مجذوب صاحب[2] رحمہ اللہ پر آپ کے مقالہ کا ذکر چھپا تھا، اسی کے بعد اس کی تلاش شروع ہوئی، کالج سے بھی کوئی صاحب لے گئے تھے اب کل ان شاء اللہ اس کے پڑھنے کا موقع ملے گا۔

مجھے اس کی شکایت آپ سے رہے گی کہ تعلیم وتربیت والی کتاب کی طرف آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ مولوی کی طرف سے وکالت کا حق افسوس ہے کہ اس میں خواہ مخواہ میں نے ادا

کیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنے مخالفین تو خیر موافقین کی بھی کتابیں یہ نہیں پڑھتے، کتنے قدیم اوہام باطلہ جو عہد جدید کی پیداوار تھے، ان کا ذکر کیا گیا، لیکن شاید کسی مولوی نے نہیں دیکھا، ایک مولوی صاحب کا صرف پنجاب سے خط آیا ہے کہ نحو وصرف میں تُو نے جن چند مختصر رسالوں کو کافی قرار دیا ہے یہ کیا غضب کیا ہے، بس اس کے سوا اور کوئی بات کسی نے پوچھی بھی نہیں۔ ہاں انگریزی خوانوں میں سے صرف افضال قادری صاحب مسلم لیگ کے شعبہ تعلیمی کے سیکریٹری، ان کا ایک مفصل خط موافقت میں آیا تھا۔

بہر حال میری یہ عرض قطعاً نہیں ہے کہ آپ لوگ میری مداحی فرمایئے لیکن میرا یہ تو بجا حق ہے کہ جس طرح آپ لوگوں کی کتابیں نقطہ نقطہ حرف حرف پڑھتا رہا ہوں، آپ بھی میری کتابوں کو کیوں نہیں پڑھیں گے۔ فرض نہیں کم از کم قرض ہی سمجھ کر اس بار کو اتاریئے، میں جانتا ہوں کہ جتنا نفع آپ حضرات کی کتابوں سے خاکسار کو پہنچا ہے، میری کتابوں سے ظاہر ہے یہ نسبت آپ حضرات کو پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن پڑھنے میں کیا حرج تھا، کیا یہ بھی کوئی گناہ ہے؟

(شیخ اکبر کے نظریہ علم کے مقالہ کا کیا انجام ہوا۔ اسلامی معاشیات کی آخری قسط بھی 'سیاست' میں شایع ہو گئی لیکن میں اسے اس لیے نہیں بھیج رہا ہوں کہ گزشتہ اقساط ہی کے لیے 'معارف' میں جگہ نہ نکلی تو آئندہ کے لیے کیا نکلے گی۔

اس میں شک نہیں کہ 'معارف' کی بدولت اس مضمون کو لوگوں نے کثرت سے پڑھا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی اور علم میں اضافہ بھی ہوا کہ آپ کے پرانے کرم فرما امین صاحب زبیری مورخ بھوپال اسی مضمون سے متاثر ہو کر مجھ سے ملے۔ مگر ان کے متعلق میرا جو خیال تھا وہ برعکس ثابت ہوا۔ میں نے ان کی مشہور شایع کردہ کتاب 'خطوط شبلی' نہیں دیکھی تھی، نام سنا تھا، مجھے وہ دکھائی گئی۔ خطوط میں تو خیر کچھ نہ تھا لیکن مولوی عبدالحق صاحب پر تعجب ہوا۔ افسوس، دل کی تربیت جب تک نہ ہو تو صرف دماغ کو روشن کر کے آدمی نہ خود نفع حاصل کر سکتا ہے نہ پہنچا سکتا ہے۔ زبیری نے ایک پرانا دکھڑا اپنا شروع کیا ۔آپ پر، شروانی صاحب پر، اکرام اللہ خاں پر، سب پر ان کے دعاوی دائر تھے۔ ہاں بیچارے شروانی صاحب پر تو مکاتیب کے شروع میں بھی حملہ کیا گیا ہے۔ مجھے بڑا افسوس

ہوا کہ زبردستی مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے خیالات کو مولوی شبلی مرحوم کے الفاظ میں بھر کر ان کے کردار کو داغدار بنانے کی نامبارک کوشش کی ہے۔ میں اس قصہ سے بالکل ناواقف تھا۔ زبیری صاحب کے آپ کی 'حیات شبلی' پر بھی بڑے بڑے دعوے ہیں۔ دھمکا رہے تھے کہ میدان میں میں بھی اترتا ہوں، حجت کر رہے تھے کہ میرے حوالے سے اس کتاب کے اندر جب واقعات درج کیے گئے ہیں تو اب ذمہ داری مجھ پر بھی عائد ہوتی ہے، حقائق کا انکشاف کروں گا۔ بڑی تلخی گفتگو میں تھی۔ توبہ توبہ، استغفر اللہ)[۳]

میرا ایک مختصر سا مضمون ''جدید خارجیت'' کے عنوان سے 'صدق' میں نکلا تھا، آپ نے کاہے کو پڑھا ہوگا، اس میں مشرقی[۴] اور عبدالوحید کے ساتھ ساتھ حماقت یہ ہوئی کہ مودودی صاحب کی طرف بھی ذرا سخت لہجہ میں ''روئے سخن'' نام کی صراحت سے ہو گیا، مسلسل لعنت و ملامت کی بارش مجھ پر ہو رہی ہے، ان کے معتقدوں میں ہل چل مچی ہوئی ہے، مجھے حاسد قرار دیا جا رہا ہے، خود مودودی صاحب کا بھی گرامی نامہ آیا تھا، جس کا جواب ان کو دے دیا ہے۔

نیازمند

مناظر احسن گیلانی

۱، ۳ قوسین کی عبارتیں ماخوذ از ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۶۳ء

۲ خواجہ عزیز الحسن غوری ''مجذوب خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ''، مصنف 'اشرف السوانح'۔ وفات ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء

۴ عنایت اللہ مشرقی بانی خاکسار تحریک، پیدائش: ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء، وفات: ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء لاہور

(۲۴)

۷ دسمبر ۱۹۴۴ء۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ چہار شنبہ حیدر آباد دکن

سیدی و سید الہند! ادام اللہ عزکم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ سامی کئی دن ہوئے کہ موجب فرحت و انبساط ہوا۔ گو تھوڑی سی اس کی تکلیف بھی ہوئی کہ آپ کے قیمتی وقت کو بلاوجہ میں نے گویا ضائع کیا۔ آپ کی تحریر کا ہر لفظ جو قیمت رکھتا ہے اور اس کے بعد ان دو طویل اوراق کے خط کو دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے جہول و ظلوم، ذلیل و ذلول کے ساتھ حق تعالیٰ کی نوازشیں بے سبب کے سوا اور کیا ہے؟

الحمد للہ اس وقت تک حیدر آباد اپنے تمام خصوصیت کے ساتھ اسی حال میں ہے جس حال میں چھوڑ کر آپ گئے تھے، اس بشارت سے کہ مدراس کا قصد ہے اور سفر مدراس کے سلسلہ میں حیدر آباد بھی سرفراز کیا جائے گا، فقیر کو خصوصاً اور جن جن جاننے والوں سے ذکر آیا، بڑی مسرت ہوئی، بلکہ جواب میں تاخیر کی وجہ آپ کی یہی بشارت ہوئی۔ آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ تُو ان دنوں میں کہاں رہے گا، واقعہ یہ ہے کہ وہی زمانہ ہماری سرمائی تعطیل کا ہے، عام طور پر مِنْ دُوْنَ تَخَلُّف فقیر ہر دو تعطیلوں میں گیلانی شریف کی حاضری ضرور دیتا ہے، لیکن اب کی سال یہ اتفاقی صورت پیش آ گئی ہے کہ سرمائی تعطیل کی مدت کُل ۱۹ دن کی ہے، اسی میں آمد بھی اور اسی میں رفت کی طویل مدت بھی شریک ہے، یہ مسئلہ قابلِ بحث ہو گیا۔ میں نے مکارم سلمہٗ کو گیلانی اس حادثہ کی خبر دی تھی اور لکھ دیا تھا کہ اس سال اب کی ٹال جانے کا ارادہ ہے، لیکن بعض خانگی ضرورتوں کی وجہ سے انتظار تھا، اس کے بعد آخری رائے قائم کروں گا، مگر میاں مکارم سلمہٗ کا جواب آج تک نہیں آیا۔ مجبوراً طے کر لیا ہے کہ اس سال سردی کا یہ موسم حیدر آباد ہی میں بسر کروں، ان شاء اللہ اسی صورت میں بہر حال حیدر آباد ہی میں رہوں گا خواہ جناب والا کی تشریف آوری آمد میں ہو یا رفت کے وقت۔ لیکن ایک پھیرا ہونا ضرور چاہیے اوُر قیام کے متعلق کیسے جرأت کروں، آپ کے میزبان جب بنجارہ ہل سٹر بھی پائے جاتے ہیں تو سیتا پھل منڈی[۱] کے فقیر کے جھونپڑے کو کون پوچھتا ہے۔ لیکن کلاہ گوشۂ دہقان خود تو آسمان تک نہیں پہنچ سکتا، جو پہنچ سکتا ہے کاش اسے پہنچانے کا خیال آ جائے۔

مولانا عبد الباری صاحب کے افاقہ کا حال دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہو رہا ہے، اپنی رخصت کی توسیع ''سرمائی تعطیل'' تک انھوں نے کرالی ہے۔ اب نوکری وہ چھوڑیں گے کیا، نوکری بیچارے کو خود چھوڑ رہی ہے، بلکہ یہ مسئلہ موجودہ حالت میں مولوی صاحب کی تشویش کا سبب بنا ہوا ہے۔ بڑھاپے میں اہل و عیال والے ہوئے ہیں جب زیادہ آمدنی کی ضرورت ہوئی ہے اسی وقت آمدنی کا یکایک غیر معمولی حد تک کم ہو جانا، موجب فکر ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی کوشش اس سلسلہ میں انھوں نے ممکنہ حد تک اٹھا بھی نہ رکھی، لیکن اب تک اوپر کی منظوری نہیں ہوئی ہے، حق تعالیٰ فضل فرمائے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''مَنْ

حَیْثُ لَا یَدْرِی" طور پر مولانا کا دماغ اس واقعہ کے احساس سے متاثر ہے، بلڈ پریشر کا جدید مرض کی شکل میں ان پر حملہ کرنا بلاوجہ نہیں ہے، لکھتے ہیں کہ دماغ پر زیادہ اثر ہے۔

اور کیا عرض کروں، "الدین القیم" پر جناب والا کی رائے "معارف" والی پڑھی "صوفیانہ علم کلام" نام آپ نے خوب رکھا۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ اپنے فطری استھانی رنگ کے خوف سے پنسل برداشتہ والے اس مسودہ کو اسی اجمال واختصار کی حالت میں شائع کرانا پڑا۔ اہلِ بصیرت تو اندازہ کر لیتے ہیں، لیکن عوام بے چاری کو اس کا صحیح اندازہ لگانا کہ کن کن مسائل میں نئی راہیں اختیار کی گئی ہیں ذرا مشکل ہے گو بعضوں نے اعتراف کیا ہے کہ تقریباً کتاب کے دو ثلث مسائل ایسے ہیں جن کے دعاوی تو ٹھیک قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، لیکن استدلال میں کسی کی تقلید نہیں کی گئی ہے۔ لیکن بات آپ نے صحیح لکھی کہ متکلمین سے ہٹ کر درحقیقت حضراتِ صوفیہ کی زلہ رُبائی کا یہ نتیجہ ہے۔ میرے پیش رو اس راہ میں شیخ اکبر[۳] اور مولانا اسماعیل شہید[۴] رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ کہیں کہیں اپنی اپج بھی ہے، آپ نے حدیث کنز[۵] پر جس کھٹکے کا اظہار کیا ہے، صحیح ہے، لیکن فقیر نے ملا علی قاری[۶] کے اس بیان پر اس مسئلہ میں بھروسہ کیا ہے کہ "معناہ صحیح" میرے نزدیک بھی واقعہ یہی ہے، "موضوعات علی قاری"[۷] میں ملاحظہ فرمایا جائے، روایت تو مشکوٰۃ[۸] میں بھی موجود ہے، باقی "ولا الضالین" کی تفسیر پر آپ کا یہ اعتراض کہ نص کے خلاف ہے، اس کا جواب تو اسی مضمون کے ذیل میں دیتا چلا گیا ہوں، غور فرمایا جاتا تو شاید اس کا اندازہ فرما لیا جاتا کہ بخاری[۹] کی اس تفسیر سے غفلت نہیں برتی گئی ہے، ملاحظہ ہو "ص ۱۲۷ الدین القیم" کے یہ الفاظ:

> "یہودِ مدینہ کو تجربات کے جو مواقع میسر آئے، وہ عموماً نصاریٰ کو حاصل نہ تھے، اس لیے اگر بخاری میں عہدِ نبوت کے ان دو فرقوں میں سے ایک "مغضوب علیہم" اور دوسرے کو "الضالین" کے تحت داخل کیا گیا، تو ان الفاظ کی یہ ایک اچھی توضیحی مثال ہوسکتی ہے۔"

آپ نے "دارالمصنفین" کے اندرونی قصوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ جو ارقام فرمایا ہے کہ میرے مبسوط خط کا تو نے جواب نہیں دیا، واللہ اعلم، اس سے اشارہ کس گرامی نامہ کی طرف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نہ ملا ہو، بہر حال قصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالباری

صاحب کے پاس آپ حضرات کے جو آخری خطوط آئے تھے، ان سے یہ معلوم کر کے تشفی ہو چکی تھی کہ الحمدللہ خرخشہ مٹ چکا ہے اعراض کی وجہ یہی ہوئی، واللہ اعلم۔ اس کے سمجھنے میں فقیر کہاں تک حق بجانب ہے۔ دعا تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس ایک ادارے کو تو جھگڑوں رگڑوں سے پاک رکھے، مجھے اُمید ہے کہ جب تک دارالمصنفین کو آپ کا قلم وسکوت میسر ہے بدنمائی کی صورت ان شاء اللہ ظاہر نہ ہوگی۔

یہ آپ نے خوب لکھا ہے کہ میں مینہ برسا رہا ہوں۔ سچ عرض کرتا ہوں، لکھنے کے لیے فقیر نے اب تک خود کچھ نہیں لکھا ہے جو کچھ بھی ہو جاتا ہے کوئی سر پر سوار ہو کر لکھوا لیتا ہے یا اسی قسم کی مجبوریاں پیش آجاتی ہیں۔ باقی آپ کا اسکراہ خدا کرے بڑھتا جائے، اس لیے کہ اُجرت میں اسی قدر اضافہ ہوگا جس حد تک نفس کی لذت اس میں شریک نہ ہوگی۔

''کتاب تعلیم وتربیت'' پر آپ ہی کچھ ارقام فرمائیں گے یا کسی سے لکھوایئے گا؟ بہر حال مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ:

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

لیکن آج نہیں تو کل، کرنا مسلمانوں کو وہی پڑے گا ان شاء اللہ جو آج کہلایا گیا ہے۔

وماذلک علی اللہ بعزیز
مناظر احسن گیلانی

۱؎ بنجارہ ہل حیدر آباد دکن کی وہ آبادی جہاں امراء واعلیٰ حکام کی رہائش گاہیں تھیں۔

۲؎ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ملی ہوئی چھوٹی سی آبادی جہاں مولانا گیلانی کی اقامت گاہ تھی۔

۳؎ شیخ محی الدین ابن عربی مصنف 'فصوص الحکم'

۴؎ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اور شاہ عبدالغنیؒ کے صاحب زادے۔ شہادت بمقام بالاکوٹ مورخہ ۶ رمئی ۱۸۳۱ء

۵؎ حدیث کے الفاظ ہیں

۶؎ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر، پچاسوں کتب کے مصنف

۷؎ ملا علی قاری کی تالیف جس میں موضوع احادیث پر تحقیقی تبصرہ کیا گیا ہے۔

۸؎ حدیث کی معروف کتاب

۹ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری مولف 'صحیح بخاری'

(۲۴)

۲۴/اپریل ۱۹۴۵ء۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ۔ دوشنبہ

گیلانی (بہار)

سیدی دمتم بالھنا والعافیۃ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ عریضہ گیلانی سے لکھ رہا ہوں۔ (اعظم گڑھ کے متعلق تو قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا لیکن لکھنؤ ہوتے ہوئے بہار آنے کا ارادہ جزماً طے شدہ تھا، ٹکٹ بھی مولانا عبدالباری کے ساتھ لکھنؤ کا پندرہ دن پیشتر لے چکا تھا، برتھ بھی رزرو کرا چکا تھا۔ خیال اس کا ضرور تھا کر لکھنؤ میں آپ حضرات سے نیاز حاصل ہونے کا موقعہ مل گیا، تب تو خیر ورنہ ہلکا سا ارادہ یہ بھی تھا کہ گاڑی میں زیادہ زحمت نہ پیش آئی تو ایک درشن دارالمصنفین کا بھی حاصل کرلوں گا۔ لیکن اعظم گڑھ تو اعظم گڑھ لکھنؤ جانا بھی میسر نہ ہوا۔ ٹکٹ بدلوانا پڑا اور مولوی عبدالباری صاحب کے چند دن بعد حیدرآباد سے روانہ ہوا، ایک ہفتہ کے قریب پٹنہ میں قیام رہا اور اب کسی نہ کسی طرح ہانپتے کانپتے گیلانی پہنچ گیا ہوں۔ مستردھو کر دکن کی جو ڈاک گیلانی پہنچی ہے، اسی میں دارالمصنفین کا بجٹ بھی تھا۔ دستخط کر کے اسے واپس کر رہا ہوں۔)[1] اُدھر حیدرآباد میں مختلف ذرائع سے معلوم ہوتا رہا کہ ملک بھوپال آپ کو اپنے محروسہ کا قاضی القضاۃ اور کسی نئی قائم ہونے والی جامعہ کا امیر بنا کر وہیں قیام کرانے پر مصر ہے۔ خیال تھا کہ اس مسئلہ پر لکھنؤ ہی میں شفلہاً گفتگو کا موقع ملے گا۔ میرے نزدیک تو اس میں بظاہر کسی قسم کا حرج نہیں معلوم ہوتا۔ بھوپال میں رہ کر بھی جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آپ ان خدمات کو انجام دے سکتے ہیں جنھیں اس وقت اعظم گڑھ میں انجام دے رہے ہیں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی جتنی نگرانی اعظم گڑھ سے اس وقت کر رہے ہیں بھوپال سے بھی کر سکتے ہیں۔ بلکہ اسی کے ساتھ اپنے خاص مقاصد واغراض کے مطابق آپ تعلیمی مہمات کے حل پر بھی ایک حد تک قادر ہو سکتے ہیں۔ حیدرآباد میں تو دھوکہ دیا گیا، دارالعلوم کو توڑ کر جامعہ بنانے کا خیال مولانا حمید الدین نے جن عزائم کے پیشِ نظر رکھ کر فرمایا تھا، وہ پورے نہ ہوئے، دارالعلوم تو ٹوٹ گیا لیکن اسی کے ساتھ مولانا کے عزائم کو بھی بری طرح شکست

نصیب ہوئی۔ شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کا بوجھ بنا ہوا ہے، خدا کرے بھوپال میں آپ کو موقع اس شکست کی تلافی کا مل جائے۔

مجھے اس کا افسوس ہے کہ طول کلامی کی وجہ سے میرا مقصد لوگوں پر ظاہر نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس کے سوا اور میں کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کے اساسی علوم (قرآن وحدیث وفقہ) کی تعلیم کو لازم قرار دے کر قدیم علوم کی جگہ جدید علوم وفنون کو قبول کرلیا جائے اور اسلامی علوم کے کسی خاص فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے تخصیصی درجے قائم کردیے جائیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طریقہ سے نصاب کی دوئی کو ختم کرکے مسلمانوں کے لیے ایک ہی تعلیمی نصاب کے قائم کرنے کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ میری یہ بدقسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگوں نے میرے منشا کے سمجھنے یا کم ازکم سمجھانے میں تغافل سے کام لیا۔

بہرحال بھوپال میں اگر کوئی میدانِ عمل کام مل سکتا ہے تو اس کو چھوڑنا ممکن ہے کہ مسئولیت کی وجہ بن جائے۔ حیدرآباد کی سرزمین اسی قسم کے اصلاحی کاروبار کے لیے کم ازکم جہاں تک میرا تجربہ ہے شور ہے، لیکن علی یاور جنگ اگر آپ کے مشوروں سے مستفید ہونا چاہیں تو اس سے گریز مناسب نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ساتھ کسی جامعہ عربیہ کے قیام کا امکان پیدا ہوجائے۔

پٹنہ میں ایک ہفتہ کا قیام صرف سوز اور اندرونی کش مکش میں گزرا۔ عجب بے حسی اور مردنی وہاں کی اسلامی آبادی پر چھائی ہوئی ہے۔ آپ کی تجویز "جامع عظیم آباد" کا خیال مسلسل دماغ پر مسلط رہا، کاش! کسی جامع مسجد کے قائم کرنے میں کامیابی ہوجائے، آپ اگر ہمت سے کام لیں تو بات زیادہ دشوار نہیں ہے۔ لان کے پاس جو ایک چھوٹی سی مسجد مسلمانوں کی ہے مغرب کی نماز کئی دفعہ اس مسجد میں پڑھنے کا موقع ملا۔ اسی کے سامنے عیسائیوں کا ایک کلیسا بھی سڑک کے دوسری جانب قائم ہے۔ اس کی بلندی اس کی صفائی ،اس کا شاداب وسرسبز باغ اور زمین کی وسعت اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا یہ جھونپڑا، دیر تک باعثِ تحسر بنا رہا۔ خیال آتا تھا کتنے دن کی بات ہے اسی سرزمین کے ہم بادشاہ تھے۔ "نَتَبَوَّأُ مِنَ الْأَرْضِ مِنْ حَيْثُ نَشَاءُ" کا مقام اسی علاقہ میں حاصل تھا اور آج جنہوں نے زمین کے ایک بڑے قطعہ پر قبضہ کرکے "صلیب خانہ" بنایا ہے ان کی

حیثیت وہی تھی جو آج ہماری ہے۔خالق کے پوجنے والوں کی، خالق کی زمین پر یہ بے بسی اور مخلوق پرستوں کا یہ زور بہ ظاہر ایک غیر منطقی سی بات نظر آتی تھی، لیکن دل نے کہا کہ خالق پرستی کے مدعی، کاش خالق پرست ہوتے، تو یہ صورت ہی کیوں پیش آتی۔

آپ کیا اب کی گرمیوں میں تشریف لائیں گے، آم کی فصل گیلانی میں تو اچھی ہے، میرے باغ میں دسہری کا ایک دو سالہ درخت تھا، پھلوں سے اس کو لدا ہوا پایا، اسی پر قیاس کر کے کہتا ہوں کہ آپ کا باغ جو زیادہ تر دسہری کے درختوں سے عبارت ہے وہ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ[3] کا سماں پیش کر رہا ہوگا اور کیا عرض کروں، بظاہر بدامنی میں کچھ خفت نظر آتی ہے اگرچہ حال میں بھی ڈکیتی کا ایک واقعہ موضع دیوکلی[4] کے ایک بگھے میں پیش آیا ہے، ایک کوری کسان کے مکان پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور نقد و زیور لوٹ کر لے گئے، بعض لوگ زخمی بھی ہوئے۔

فقط نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

---

1 قوسین کی عبارت ماخوذ از ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۶۳ء

2 قرآنی آیت ہے نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (الزمر۷۴) ترجمہ: کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔

3 جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔

4 موضع دیوکلی ضلع پٹنہ میں استھاواں سے چار میل بجانب جنوب واقع ہے۔

(۲۵)

دوشنبہ۔۱۴ رمئی ۱۹۴۵ء۔یکم جمادی الاخری ۱۳۶۴ھ۔گیلانی

سیّدی و سیّد المسلمین ـ متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

نوازش نامہ سے سرفرازی ہوئی۔دیر تک طبیعت آپ کی خانگی پریشانیوں کی خبر سے متاثر رہی۔بارے خدا کا شکر ہے کہ بچی کی طبیعت رو بہ اصلاح ہے۔دنیا اسی کا نام ہے ،بھروسا اس پر ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہاں کا سب کچھ ہے خود اسی کی اطلاع یہ ہے کہ تمام

رحم کرنے والوں سے قطعاً وہ سب سے زیادہ مہربان اور رحیم ہے۔ پھر اپنے بال بچوں پر بھی دل میں جو رحم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے قطعاً حق تعالیٰ کی رحمت اس سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ خود بخاری کی مشہور روایت ہے کہ رحمت الٰہی کا صرف ایک فیصدی حصہ ساری دنیا میں تقسیم ہوا ہے۔ بڑی مسرت اسی سے ہوئی ہے کہ جس کے قبضۂ اقتدار میں میری دنیا اور میری آخرت ہے وہ ایسا رحیم ایسا مہربان ہے۔ ممکن ہے کہ میرے ناقص معلومات مجھ میں اس قطعی اور یقینی حقیقت کے متعلق کچھ شکوک ابھارتے ہوں۔ لیکن ناقص معلومات کے نتائج پر بھروسہ کرنا یہ تو خود عقل ہی کے مسلمات کے خلاف ہے اور معلومات کا ہمارے ناقص ہونا اجلی البدیہیات میں سے ہے۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اپنے تمام اہلِ بیت کے ساتھ امن و عافیت کے ساتھ رکھے۔ اس وقت سرزمینِ ہند میں آپ کا وجود صحیح اسلام و ایمان کا ایک مرکزی ستون ہے، خداوندا! ہمارے اس ستون کو دیر تک ہم میں قائم رکھ۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔

بھوپال کے معاملات میں آپ کے اقدام کا انتظار رہے گا۔ علی گڑھ سے جو خبریں مختلف ذرائع سے مجھ تک بالواسطہ پہنچ رہی تھیں، وطن آنے کے بعد براہِ راست خطاب کی ابتدا بھی ہو گئی ہے۔ ایک خط ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا آیا تھا۔ میں نے چند اصولی باتیں اس سلسلہ میں ان سے دریافت کی ہیں، پیش آنے والے واقعات سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کرتا رہوں گا اور وہی کروں گا جس کا آپ حضرات مشورہ دیں گے، زندگی کے لمحات بہت کم باقی ہیں بڑا افسوس ہوتا ہے کہ کچھ کیے دھرے بغیر مر رہا ہوں۔

اس کا مجھے خود افسوس ہے کہ نہ لکھنؤ ہی کی حاضری کا موقعہ مل سکا اور اعظم گڑھ تو میرے لیے ہمیشہ سے اعظم گڑھ ہی بنا رہا ہے۔ جس گڑھ تک میری چڑھائی میری کوتاہ قسمت میں شاید نہیں، بہر حال رسمی ملاقاتوں سے کیا ہوتا ہے "ایمانی خلت" کا رشتہ جن قلوب میں قائم کیا ہے اجسام کی ملاقات سے اگر وہ محروم بھی ہوں تو یہ محرومی نہیں ہے۔ اس خبر سے ذرا تکلیف ہوئی کہ اب کی گرمیوں میں دسنہ کو اپنی رونق افروزی سے محروم رکھا جائے گا۔ خیال تھا کہ پرانی آرزو بہار کے کتب خانوں کی سیر آپ کی معیت میں شاید پوری ہوتی

لیکن بلا کی گرمی ہے اس قسم کی سیروں کے لیے سرما ہی کا موسم کچھ مناسب ہوتا ہے لیکن اس وقت نہ مجھے فرصت ہوتی ہے اور نہ آپ فرصت حاصل کرتے ہیں۔ سُن کر بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ خضر چک[2] اور شکرانواں[3] کا کتب خانہ دونوں تباہی کے قریب آلگا ہے، نالائق وارثوں کا عجیب حال ہے، نہ خود ان کتابوں کی خدمت کرتے ہیں اور جہاں ان کی خدمت ہوسکتی ہے وہاں منتقل بھی نہیں کرتے۔

آپ نے اپنے گرامی نامہ میں میری تعلیمی تجویز کے متعلق مختصر مضمون کا مطالبہ فرمایا ہے۔ ارشاد کی تعمیل میں اسی وقت بیٹھ گیا اور مرتب کر کے بھیج رہا ہوں۔ واللہ اعلم اپنے مافی الضمیر کو صحیح طور پر اس میں پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں ہوا ہوں۔ اشاعت کے لائق ہو تو کوئی ایسی صورت پیدا کیجیے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو مطالعہ کا موقع ملے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس قسم کی تجویزوں کو عملی قالب تک پہنچانا صرف مقالہ نگاروں سے ناممکن ہے۔ اس کے لیے تو میدان میں اترنے کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مرد میدانِ غیب سے حق تعالیٰ فراہم فرمائیں، حیدرآباد سے تو میں مایوس ہوں اور حیدرآباد کی سرزمین اس قابل بھی نہیں ہے کہ اصلاحی قدم وہاں اٹھایا جائے۔

مولوی مسعود عالم صاحب[4] کی کتاب جس پر آپ کا مقدمہ ہے اگر دارالمصنفین میں ملتی ہو تو ایک نسخہ اس کا گیلانی کے پتہ سے بھجوادیجیے، آپ کا مقدمہ میں نے نہیں پڑھا ہے، سخت اشتیاق ہے۔

آم کی پکائی کا آغاز ابھی نہیں ہوا ہے، لیکن قَرِیْبَ الزَّھُو ہے[5] دسہری کا ایک مختصر کمسن سا درخت میرے نئے باغ میں کہیں سے آ گیا تھا اس نے تو وہ سماں قائم کیا ہے کہ تماشا گاہ بن گیا ہے۔ اس کو تو دیکھ کر میاں مکارم سے کہہ رہا ہوں کہ دسہری کا ایک مستقل باغ ہی لگادو۔ مکارم کا بیان ہے کہ آپ نے بھی اپنی دسہری سے قلم لینے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ پیدائش ۱۸۷۷ء وفات ۱۹۴۸ء

۲ شمالی مونگیر کا ایک گاؤں
۳ ضلع پٹنہ کی مشرقی سرحد پر واقع گاؤں
۴ مولانا مسعود عالم ندوی سابق مدیر الضیاء پیدائش: ۱۱ر فروری ۱۹۱۱ء۔ وفات: ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء بمقام کراچی
۵ پٹنے کے قریب

(۲۶)

۶ر ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ (۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء) شنبہ

سیّدی و سیّد المسلمین ۔ اطال اللہ بقائکم متعنا اللہ بطول بقائکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ملفوف گرامی نامہ ملا کئی دن پہلے ہی مل چکا تھا۔ جواب بھی اس کا لکھ چکا تھا کہ کارڈ بھی ملا پہلے خط کو منسوخ کرنا پڑا۔ اس خبر سے گونہ اطمینان ہوا کہ بالفعل کوئی ظاہری تکلیف باقی نہیں رہی ہے لیکن (۴۸) اڑتالیس گھنٹے کھڑے کھڑے گذار دینا میرے لیے تو اس کا تخیل بھی تکلیف کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ جس کسی نے سنا اسے قدرۃً تکلیف پہنچی۔ کیا عرض کروں ہم جیسے گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کے لیے یہ امراض ومصائب سب کفارے کی حیثیت رکھتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جن سزاؤں کو جہنم میں بھگتنے والا تھا شاید ارحم الراحمین کی رحمتِ شاملہ نے ان ہی کو دنیاوی مصائب وآلام کی شکل میں بدل دیا ہے لیکن آپ حضرات کے متعلق کیا سوچوں، ہاں! اس کو کمالِ وفاداری کے اظہار کی ایک شکل کہہ سکتے ہیں۔ الحمد للہ کہ قلب جب اسی مقام پر ہے جہاں پر اسے رہنا چاہیے تو ڈاکٹروں کے یہ کہنے سے کیا ہوتا ہے کہ وہ گھٹ گیا ہے یا بڑھ گیا، حضرت سلطان جیؒ نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ کسی برہمن پر راجہ یا بادشاہ کا عتاب ہوا، سب کچھ ضبط کرلیا گیا جو اس کے پاس تھا کسی نے پوچھا کہ کیسی گذری ہے؟ بولا "خوب می گذرد" پوچھنے والے نے کہا کہ سب کچھ تو ضبط ہوگیا یہ خوب کیسے گذرتی ہوگی، بولا "زنار من با من است" بس ایمان ساتھ رہ جائے اور ان شاء اللہ وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ الحمد للہ کہ اہلِ ایمان نے آپ کے ایمان کی توثیق کی ہے، اس سے زیادہ اب اور کیا چاہیے۔ ایک لطیفہ مجھے اپنا بھی یاد آیا کہ زخموں سے چور پہلی دفعہ جب پٹنہ ہسپتال میں داخل ہوا تھا اس وقت آپ نے نہیں دیکھا تھا، دوسرے حملہ میں آپ سے پٹنہ میں ملاقات ہوئی تھی اس وقت جسم کے ہر حصے اور ہر عضو میں اندرونی زخم پیدا

ہو گئے تھے۔ ان کی ٹپک اور کرب و بے چینی جو ہوئی تھی کیا عرض کروں، بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ تقریباً دو ماہ میرے اس ہسپتال میں جو گزرے تمام آرزوئیں دل سے نکل گئیں تھیں، اور باقی کوئی آرزو اگر اس دنیا کے متعلق رہ گئی تھی تو صرف یہ کہ دو ہی سیکنڈ کے لیے سہی، لیکن مجھے کوئی بٹھا دیتا، پیٹھ پر بھی جو سوتا تھا تو دو زخموں پر سوتا تھا۔ دونوں شق میں ایک ایک زخم تھا اندرونی کئی کئی دن کے بعد آپریشن کر کے ان کا پورا مواد خارج کیا جاتا تھا۔ خیر قصہ یہ ہے کہ اسی وارڈ میں جس میں میں تھا ایک صاحب مریض بن کر آئے غالباً ان کو سل یا دق کی بیماری تھی، مجھ نیم مردہ کے پلنگ کے پاس کبھی کبھی آ کر بیٹھ جاتے لیکن ہمیشہ مغموم اور متفکر سر جھکائے رہتے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ مولانا آپ کی بیماری تو ایسی ہے جس سے ان شاء اللہ شفا کی توقع بھی ہے اور مجھے تو ایسی بیماری نے پکڑا ہے کہ جان ہی لے کے ٹلے گی۔ اس پر فقیر نے ان سے ایک بات کہی تھی۔ میں نے عرض کیا! کہ بھائی! یہ تو صحیح ہے کہ مرنے کا خطرہ آپ کے سامنے ہے لیکن یہ خطرہ کب پیش آئے گا اس کی مدت تو مقرر نہیں ہے، اور اگر اسی کو آپ خطرہ قرار دیے ہوئے ہیں تو میرے نزدیک ہر وہ شخص جس میں زندگی اور حیات کی بیماری پیدا ہو گئی ہے اس کو مرنا پڑے گا اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے اس مرض میں تو ہر وہ شخص مبتلا ہے جسے لوگ حی اور زندہ کہتے ہیں۔ کی تھی تو میں نے شاعری، لیکن اس مریض کو دیکھا کہ اچانک اس کا چہرہ بشاش ہو گیا اور کہنے لگا یہ تو آپ نے ایسی بات کہی کہ ان شاء اللہ مجھے یہ فکر تو کبھی ستا نہیں سکتی۔ بعد کو جب ملنے آئے تو یہی کہتے کہ ''زندگی خود ایک بیماری ہے جسے لگ گئی اسے مرنا ہی پڑے گا'' واہ مولوی صاحب! آپ نے خوب بات فرمائی'' واقعہ یہ ہے کہ اب جب میں سوچتا ہوں، تو بات اتنی غلط میں نے نہیں کہی تھی۔

آپ کے دوسرے والا نامہ میں یاس کے آثار بہت محسوس ہوئے لیکن اسی کے ساتھ یہ عجیب بات آپ نے ارقام فرمائی کہ اب تم لوگ اسے سنبھالو! گویا جن لوگوں سے آپ کا خطاب ہے کچھ زیادہ وقفہ ان کی روانگی میں ہے۔ پچاس سے متجاوز ہو جانے کے بعد زندگی کا انسانی حق میرے نزدیک ختم ہو جاتا ہے۔ انسانیت کے کامل ترین نمونہ نے یہی نمونہ ہمارے لیے چھوڑا ہے، باقی اس کے بعد کیا ہوگا جب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی دنیا چلتی

رہی اور دنیا کیا دین کا کام بھی چلتا ہی رہا تو اب اس کے بعد کوئی ہو، ہم ہوں یا آپ، کسی پر بھی ظاہر ہے کہ دین و دنیا کا کوئی کام موقوف نہیں رہ سکتا۔ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک بڑے مومن کا دامن آپ کو آخر وقت میں مل گیا اور مجھے تو سب سے زیادہ مسرت اس کی ہے کہ آپ کا رابطہ بالشیخ بحمد اللہ غیر معمولی طور پر محکم و استوار ہے۔ حق تعالیٰ کے آپ محبوب ہیں آپ ان لوگوں میں ہیں جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" اللہ میاں ہی نے آپ کو پہلے چاہا ہے اسی لیے تو زندگی کے ہر ہر قدم پر آپ کے سامنے آپ کے چاہنے والے نے اسی چیز کو پیش کیا جسے زندگی کے اس مرحلہ پر پیش ہونا چاہیے تھا۔

معاف فرمایئے گا! خدا جانے کیا کیا لکھ گیا، آپ کے آخری خط کے پڑھنے سے دل بہت متاثر ہوا۔ اسی تاثیر نے بے ساختہ قلم کو رواں کر دیا، اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ مولوی شبیر احمد صاحب بھی بیمار ہیں مجھے تو توقع نہیں کہ دکن آسکیں گے کاش نہ آئیں تو ان کے لیے اچھا ہے، زندگی کے آخری دنوں میں عزت و آبرو کے ساتھ چلا جانا ہی زیادہ مناسب ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

(ہاں، ایک چیز جسے لکھنے والا تھا وہی بھول گیا۔ گیلانی کا ایک ہم سرحد گاؤں اسلامی ہرگانواں ہے۔ شیوخ کی بستی ہے۔ اسی بستی کے ایک ممتاز کھاتے پیتے خاندان کے ایک نوجوان مولوی عبدالحنان ایم اے جو آج کل کھڑک پور میں ہیڈ ماسٹر ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ شبلی کالج اعظم گڑھ میں تاریخ کے استاد کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔ درخواست انھوں نے بھی دی ہے۔ آدمی محنتی اور جفاکش اور زیادہ ٹیپ ٹاپ کے نہیں ہیں۔ اگر آپ کی رائے کو بھی تقرر میں کچھ دخل ہو تو دوسرے امیدواروں کے ساتھ ان کا بھی خیال رکھیے گا۔ مولانا مسعود علی صاحب کو دل لکھنے پر آمادہ نہ ہوا۔)[2]

---

[1] حضرت نظام الدین اولیاء۔ پیدائش: ۶۳۳ھ، بدایوں۔ وفات:

[2] قوسین کی عبارت ماخوذ از ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۶۳ء

(۴۷)

۱۲ردسمبر ۱۹۴۵ء۔ ۳رشوال ۱۳۶۴ھ۔ سہ شنبہ حیدر آباد دکن

سیّدی و سیّد المسلمین۔ متعنا اللّٰہ بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

ایک مدت سے خاکسار بھی جناب سے روپوش ہے اور ظاہر ہے کہ درویش بے نوا کے تفقدِ حال کا خیال صاحبانِ کرامت کو سلامتی کے شکرانے میں کیوں ہونے لگا۔ بہر حال مولانا عبدالباری صاحب کے خطوط سے آپ کی خیر وعافیت کا حال معلوم ہوتا رہا۔ میری روپوشی کی وجہ یہ تھی کہ مولانا ظفر احمد صاحب[1] کا مضمون 'معارف' میں جب شائع ہوا، اس وقت فقیر گیلانی میں تھا۔ خیال تو گزرا کہ گیلانی ہی سے جواب لکھ کر بھیج دوں لیکن بعض کتابیں جن کی ضرورت اس مسئلہ کے متعلق تھی وہ گیلانی میں میرے پاس نہ تھیں اس لیے خیال ملتوی کر دیا۔ حیدر آباد پہنچ کر حیدر آبادی جھنجھٹوں میں الجھنا پڑا۔ چاہتا تھا کہ لکھنے کی فرصت نکالوں، لیکن میسر نہ ہوتی تھی اسی خیال سے کہ خط مضمون کے ساتھ لکھوں گا، مہینے گزرتے رہے۔ ادھر رمضان میں کچھ فرصت میسر آئی۔ لیکن رمضان کا دن روزوں کے خمار میں گزرتا ہے۔ رات کو رمضان کے لیلی مشاغل کے بعد کچھ فرصت جو ملی تو تھوڑا تھوڑا کر کے لکھنا شروع کیا، لکھ کر میرے ایک دوست جو آج کل اضلاع پر ہیں، اُن کی خدمت میں مسودہ کو مبیضہ کرنے کے لیے بھیج دیا، انھوں نے کافی تاخیر کے بعد مبیضہ ارسال کیا، آج جا کر اس کا مرحلہ طے ہوا اور خدمتِ والا میں حسبِ وعدہ اپنے حقیر معلومات جو اس باب میں ہیں انھیں پیش کر رہا ہوں۔ پہلے تو آپ ہی دیکھ جائیے پھر مضمون آپ کے نزدیک قابلِ اشاعت نظر آئے تو ''معارف'' میں شائع فرما دیجیے۔ اپنی حد تک اس مسئلہ میں اپنے ضمیر کو میں بالکل مطمئن پاتا ہوں، مجھے مولانا ظفر احمد صاحب پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ کے مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا کا مطالعہ بہت سرسری طور پر فرمایا ہے۔ ان کے اعتراضات اب میں کیا عرض کروں طالب العلمانہ نوعیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ حیرت ہے کہ ''خلافیات'' پر لکھنے لکھانے کا ان کو کافی موقع ملا ہے لیکن اس مسئلہ میں خدا ہی جانتا ہے کہ اتنی بے توجہی سے انھوں نے کیوں کام لیا۔ بہر حال میں شدت سے آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا گو اسی کے ساتھ یہ بھی جانتا ہوں کہ پڑھنے کے لیے مشکل ہی سے

آپ کو موقع مل سکے گا، خصوصاً مضمون میں باوجود اختصار کے ارادے کے کافی طوالت ہوگئی۔ دو نمبروں سے کم میں مشکل ہی سے گنجائش پیدا ہوسکے گی لیکن وقت ضرور نکالیے مختلف جلسات میں ختم کیجیے لیکن ضرور پڑھیے۔

اور حالات کیا لکھوں، اس کا علم تو ہو ہی چکا ہوگا کہ مولانا عبدالباری صاحب کی چوبیس سالہ رفاقت آخر اس فقیر کے ساتھ ختم ہوگئی، حالانکہ ان کے آنے کے بعد بڑی توقع قائم ہوگئی تھی کہ کچھ دن اس رفاقت کی مدت اور بڑھ جائے گی، لیکن حریفوں نے عین وقت پر کچھ ایسی چالیں چلیں کہ مولانا کو جائزہ دے ہی دینا پڑا۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں تھا ، افسوس صرف اس کا ہے کہ ان کے حسن خدمات کا صلہ خدمات کی نوعیت کے مطابق نہ ملا۔ کل دوسو اکیس روپے کچھ آنے حالی سکہ سے ابھی وظیفہ منظور ہوا ہے، تین سو کی تکمیل ہوجائے، اس کے لیے کئی سال سے کوشش کا سلسلہ جاری ہے لیکن فیصلہ اس کا ہونے بھی نہ پایا کہ مولانا کی ملازمت کی مدت ہی ختم ہوگئی تاہم ابھی امید منقطع نہیں ہوئی ہے، خدا کرے طے ہوجائے۔ میرا تو خیال ہے کہ دارالمصنفین کا کچھ کام اگر مولانا کے سپرد فرمادیجیے تو ان کے خواطر وسوانح کی بقا کی بھی شکل نکل آئے گی۔ دارالمصنفین کے خدمات میں ایک قیمتی سلسلہ کا اضافہ بھی ہوجائے گا اور ہوسکتا ہے کہ کچھ معاشی سہولت بھی مولانا کو خصوصاً گرانی کے اس زمانے میں اس ذریعے سے میسر آجائے۔ آخر اب تو وہ فارغ ہیں، ہر سال ایک ہی کتاب اگر لکھ دیا کریں تو بہت کچھ کام ہوجائے گا، تصنیف نہ کریں تو ترجمہ ہی کا کام ان سے لیجیے، کچھ ندوہ کو بھی مستفید ہونے کا موقع ان سے حاصل ہوجائے تو یہ بھی ایک مفید مصرف ان کے علم کا ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ سرمایہ جمع کر کے اعلیٰ عربی مخطوطات کی اشاعت کا سامان کسی پریس سے کیا جائے۔ آپ بھی اگر اس میں شرکت فرمائیں تو فقیر بھی شریک ہونے کی ممکن ہے ہمت کرے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ اچانک اعلیٰ حضرت کی توجہ مدرسۂ نظامیہ کی اصلاح کی طرف مبذول ہوئی ہے۔ جیسا کہ ان کا 'قاعدہ' ہے جدھر رخ پھر گیا، پھر گیا، مسلسل فرامین ''صبح دکن'' میں نکل رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک فرمان یہ بھی نکلا ہے کہ مولوی شبیر احمد صاحب کو بلا کر مدرسۂ نظامیہ ان کے سپرد کیا جائے۔ ادھر اُدھر سے یہ خبر ملی کہ غالباً آپ کی تلاش بھی

اسی سلسلہ میں ہوئی تھی، لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کچھ آپ کے پاس بھی خطوط وغیرہ پہنچے تھے۔ مولوی شبیر احمد صاحب کو تو مسلسل تار اور خطوط سے ڈھانک لیا گیا تھا۔ سنا ہے کہ حیدر آباد آنے پر مولانا نے اپنی رضامندی ظاہر بھی فرمادی ہے لیکن میرے نزدیک مولانا کے حق میں یہ کچھ اچھا نہ ہوا۔ حیدر آباد اہلِ کمال کا مدفن ہے اب تک جتنی بلندی ان کو حاصل ہے حیدر آباد پہنچنے کے بعد یہ قطعاً باقی نہ رہے گی لیکن مَاقَدَرُ اللّٰہَ فَسَوفَ یَکُونُ، فَاللّٰھُمَّ نَعُوذُ بِکَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ۔

فرمائیے بھوپال کے متعلق آپ نے کیا کیا؟ حکومت حمیدیہ کا رویہ اب کس نقطہ پر ہے؟

علی گڑھ سے اب ایک خط میرے پاس گرمیوں کی تعطیل میں آیا تھا۔ میں نے اس کا جواب اسی وقت دے دیا تھا اور آپ میرٹھ میں تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ آپ کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے ارقام فرمایا تھا کہ پروفیسری سے کم کی جگہ نہ قبول کرنا۔ اسی ارشاد پر اب تک قائم ہوں مگر اب نوکری سے جی گھبراتا ہے اور حیدر آباد سے تو بہت زیادہ گھبرایا گیا ہوں۔ ایسا جی چاہتا کہ آج ہی مدتِ ملازمت ختم ہوجاتی تو مولانا عبدالباری کے ساتھ:

رخصت اے اہلِ دکن سُوئے وطن جاتا ہوں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں

کہتا ہوا گیلانی کے گوشے میں جا کر چھپ جاتا لیکن ماشاء اللہ سارا معاملہ اٹکا ہوا ہے اب دمِ واپسیں کا خیال سر پر مسلط زیادہ رہتا ہے۔

وقتِ طلوع دیکھا، وقتِ غروب دیکھا
اب وقتِ آخری ہے، دنیا کو خوب دیکھا

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مولانا ظفر احمد تھانوی، مرتب 'اعلاء السنن' پیدائش: ۵/اکتوبر ۱۸۹۲ء۔ وفات: ۸/دسمبر ۱۹۷۴ء
[2] میر عثمان علی خان، نظامِ دکن۔

(۴۸)

۱۵/رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ (مطابق ۱۳/اگست ۱۹۴۶ء)

جوار الجامعۃ العثمانیہ، حیدر آباد دکن

سیّدی و سیّد المسلمین   متعنا اللّٰہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضۂ نیاز بھیجنے کی حد تک تو خاکسار نے بھیج دیا تھا، لیکن پہنچ جائے گا، اس کی امید ہڑتالوں کی وجہ سے نہیں تھی، اور جواب پا کر تو قدیم لفافوں کے الفاظ "بعونہ تعالیٰ" زبان پر جاری ہوئے۔ مکتوب گرامی پڑھنے کے ساتھ دل سے آواز آئی، آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا"۔ ایوبیت کے لیے جو عہد مناسب تھا اس میں ایوبیت اور سلیمان کو بہر حال سلیمانیت کی کیفیتوں سے بھی لذت اندوز ہونا تھا، سو اب اس سے لطف اندوزی فرمائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متناقض آرزو شہادت فی سبیل اللہ والموت فی بلد رسول اللہ باوجود متناقض ہونے کے پوری کی گئی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ جوانی سے زیادہ سہولت بڑھاپے میں عطا کی جائے، دل آدمی کا بھی چاہتا ہے لیکن بڑھاپے میں نوکری سے نکال دیا جاتا ہے، آدھی آمدنی اس کی چھین لی جاتی ہے مگر کرنے والا کرنے پر جو آتا ہے تو یہ بھی دکھاتا ہے کہ بڑھاپے میں دونی بلکہ چوگنی آمدنی کر دی گئی[1]۔ سچ تو یہ ہے کہ حیدر آباد میں وہ سہولتیں اور اس آؤ بھگت کی توقع نہیں ہوسکتی تھی، جن کی امید ہے کہ بھوپال میں آپ کو تجربات ہو رہے ہوں گے۔ بھوپال آپ کو بڑا نہیں بنائے گا بلکہ بھوپال نے آپ سے بڑائی حاصل کی ہے۔ نتیجہ دونوں باتوں کا ایک کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر مولوی شبیر احمد صاحب نے دعوتِ عثمانی کو مدرسۂ نظامیہ کی نظامت کے متعلق قبول کر لیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ مستحق حمد حمیدی[2] دعوت تھی یا عثمانی؟[3] اور سچ تو یہ ہے کہ جس اقتدار کو بھوپال میں اس وقت آپ کے لیے حق تعالیٰ نے مہیا فرمایا ہے، مجھے تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑا انقلابی نتیجہ کم از کم مسلمانوں کی تعلیمی زندگی میں ظاہر ہوگا۔ ان شاء اللہ کمیٹیوں کا اسیر بنا کر آپ کو وہاں نہیں رکھا جائے گا۔ اگر میرا حسنِ ظن صحیح ہے تو پھر آپ ذمہ دار ہوں گے، اگر اس ارتداد کی تحریک کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ جسے کانگریسی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں تعلیم کے نام سے مسلمانوں میں جاری کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ایک ندوہ نہیں تین تین ندوے آپ کے سپرد کیے گئے ہیں۔ چاہیے تو "جامعہ اسلامیہ حمیدیہ" کے قالب میں اس کو ڈھال کر دوسرے علاقے کے مسلمانوں کے لیے اس کو نمونہ بنائیے۔ دینی علوم کو محفوظ رکھتے ہوئے، چھوٹے ہوئے

کارتوسوں کی جگہ تازہ بھرے ہوئے کارتوس (یعنی علوم جدید، جن کا مذہب سے تعلق ہے، مثلاً فلسفہ نفسیات، معاشیات، مغربی زبانیں، انگلش، فرنچ اور ہندوستان کی مقامی ضرورت کے لحاظ سے بھاشا اور سنسکرت) کا جوڑ اسلامی علوم کے ساتھ قائم کیجیے۔ ہونا تو یہی چاہیے اور شاید کبھی یہ ہو کر رہے گا، لیکن اس خیبر کا فاتح کون ہو گا؟ علیؓ کے گھرانے سے کسی کو اٹھنا چاہیے۔

بہر حال آپ نے دعوت دے ہی دی ہے۔ بھوپال کی زیارت کی سعادت بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی ہے، ایک دو سفر حیدر آباد کا ابھی باقی ہے، ان شاء اللہ اسی سلسلہ میں حاضری کا موقع میسر آیا تو شفاہاً بھی ان ہی باتوں کو عرض کروں گا جنھیں بجز آپ کے نہ کسی سے کہہ سکتا ہوں اور نہ کوئی سن سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُردو غریب کو بچا لینے کی واحد شکل اب یہی ہے کہ ہر قسم کی تعلیم میں مسلمانوں کے لیے بنام دینیات اسلامی عربی کو لازم کر دیا جائے، اس کے سوا کوئی دوسری صورت اب اس غریب کے بچنے کی نظر نہیں آتی۔ مولوی عبدالحق ہندوؤں کو تو اردو کیا پڑھائیں گے، بنگال، سندھ، گجرات کے مسلمانوں کو بھی یہ سمجھانا آسان نہیں ہے کہ اردو پڑھنا کسی وجہ سے بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ لیکن عربی کا معاملہ اور ہے۔ اس کے لزوم کا مطالبہ ہر مسلمان سے کیا جا سکتا ہے خواہ کہیں کا ہو، ہندوستان بالمعنی الاعم میں عربی کی تعلیم کا آسان ذریعہ بھی ہو گا کہ اردو اور فارسی سے آشنا بنانے کے بعد عربی میں لوگوں کو لگایا جائے۔ حیدر آباد میں تو کچھ نہ ہو سکا۔ کمیٹیوں نے سب کام خراب کیا۔ خیال تو کیجیے کہ اس کمیٹی کی لعنت کا کہ مولانا عبدالحئی مرحوم کی کتاب نُزْهَةُ الْخَوَاطِر وغیرہ آج چار سال سے کمیٹی کے چکر میں ہے، بہ مشکل چار سال کی جدوجہد کے بعد پہلی جلد کی طباعت کی اجازت عطا ہوئی ہے۔ علی میاںؒ بے چارے نے ایک مختصر لیکن جامع تعارفی مقدمہ اس کے شروع میں لکھا تھا۔ ارباب کمیٹی کی نگاہوں میں وہ نہ جچا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ بیچارے بمبئی سے جاتے ہوئے آئے تھے، تشریف لے گئے۔

رویت ہلال کا ثبوت بالریڈیو کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ شہادت کا لفظ اس موقع پر گو استعمال کرنے والے استعمال کرتے ہیں لیکن یقبل قول الواحد العدل فی احد عشر موضعا فی تقویم السلف فی الحرج والتعدیل والتراجم وفی جودة

المسلم فيه وردائته وفي الاخبار، بالفلس بعد مزيل مدة وفي رسول القاضي الى المزكي وفي اثبات العيب وفي رؤية رمضان عند الاعتدال الخ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ عام خبروں پر جن ذرائع سے اعتماد کیا جاتا ہے وہی حال رویت ہلال رمضان کا عندالاعتدال ہے۔ اس وقت اسی قدر بس کرتا ہوں، باقی پھر کبھی۔

خاکسار، مناظر احسن گیلانی

مولانا رضوان صاحب کو سلام فرما دیجیے جو کچھ ان کے متعلق آپ نے ارقام فرمایا ہے، خاکسار پہلے ہی ان باتوں کو لکھ چکا ہے، فنعم الوفاق۔

---

۱ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے منتقل ہو کر قاضی ریاست بھوپال کے عہدے پر

۲ نواب حمید اللہ خان والئ ریاست بھوپال کی جانب اشارہ ہے

۳ میر عثمان علی خان، نظام حیدر آباد دکن

۴ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جن کے نام مولانا گیلانی کے خطوط اسی کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۹)

۱۷ر دسمبر ۱۹۴۶ء

حیدر آباد دکن

سیدی افرغ اللہ علینا وعلیکم صبراً جمیلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ جو کچھ گزر چکا وہ گزر ہی چکا، لیکن اب آئندہ کیا ہوگا۔ جانے والے تو ان شاء اللہ جنت الفردوس میں پہنچ گئے لیکن جو رہ گئے ہیں ان کے لیے بہار "مہادنار" بنا دیا گیا ہے۔[۱] اور فقیر تو خصوصی طور پر ایسے وقت میں ان حالات سے دوچار ہوا ہے کہ دماغ معطل سا ہوا جاتا ہے۔ جہاں پیدا کیا گیا تھا، یہی خیال تھا کہ وہیں سے اٹھایا بھی جاؤں، اس لیے حیدر آباد سے دل کو کبھی نہیں لگایا، لیکن جب آزادی کے دن قریب آئے تو آشیانے پر بجلی گر پڑی۔ بار بار جی چاہتا تھا کہ آپ کو خط لکھوں، حیدر آباد کی حالت یہ ہے کہ بہار میں جو کچھ ہو چکا یہاں کا آسمان خدانہ کرے ان ہی کی دھمکیاں دے رہا ہے، فَاَيْنَ الْمَفَرُّ۔

کل لیک صاحب آپ کی ریاست[2] سے آئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہاں کی حکومت مہاجرین کے لیے کچھ نظم کرنا چاہتی ہے۔ بعض کو کچھ آسانیاں بہم پہنچائی بھی گئی ہیں۔ آپ کا اب کیا ارادہ ہے؟ النَّصحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ، ہوسکے تو کسی نیک مشورے سے سرفراز فرمائیے۔

یہ عجیب اتفاق کی بات تھی کہ خلافِ معمول گرمیوں کی تعطیل کے بعد جب گیلانی سے چلنے لگا تو گھر کے لوگوں کو زور دے کر حیدر آباد چلنے پر مجبور کیا۔ ان کو حیدر آباد سے کبھی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی اس لیے میں نے کبھی زیادہ زور یہاں آنے پر نہیں دیا تھا، لیکن اس دفعہ کچھ اندرونی تقاضا ہی یہ ہوا کہ ساتھ لیتا چلوں، میرا لڑکا پٹنہ سے اچانک فساد کے پھوٹ پڑنے سے ایک ہفتہ پہلے حیدر آباد پہنچ گیا تھا، گویا ذاتی حد تک حق تعالیٰ نے میرے خاندان کو میرے پاس پہنچا دیا تھا۔ لیکن بیچارا مکارم پھنس گیا۔ خدا کا فضل ہے کہ گیلانی پر حملہ نہیں ہوا۔ اس وقت اپنے بال بچوں کے ساتھ وہ استھانواں منتقل ہو گیا ہے۔ گیلانی میں کوئی نہیں ہے، میں حیران ہوں کہ اب کیا کروں۔ پڑھنے کا حرج چونکہ ہو رہا تھا اس لیے محی الدین میرا بچہ پٹنہ چلا گیا۔ خطوط اس کے آتے رہتے ہیں، مایوسیوں سے لبریز رہتے ہیں۔ کوئی تجویز آپ کے دماغ میں ہو تو اس سے مطلع فرمائیے گا۔

عین وقت پر میری کشتی منجدھار میں پھنس گئی ہے۔ سارا کیا کرایا معلوم ہوتا ہے صفر ہو گیا۔ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ، کیا سوچتا رہا اور کیا ہوا۔

محتاج دعا و توجہ خاص

مناظر احسن گیلانی

---

[1] بہار کے مسلم کش فسادات کی جانب اشارہ ہے۔

[2] ریاست بھوپال، جہاں مولانا سیّد سلیمان ندوی اس زمانے قاضی ریاست اور عربی مدارس کے نگران کی حیثیت سے مقیم تھے۔

(۳۰)

۲۹؍ دسمبر ۱۹۴۶ء

حیدر آباد دکن، جوار الجامعۃ العثمانیہ

"حول المسجد الاقصیٰ"

سیّدی اطال اللّٰہ بقائکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

بڑے وقت میں آپ کے نامۂ سکینت سے دل کو سکون میسر آیا۔ ہر طرف سے ایسی ناگوار نامناسب خبریں مسلسل آرہی تھیں کہ قریب قریب بہار سے میں نے اپنے دل کو گویا یوں سمجھیے کہ توڑ ہی لیا تھا۔ ایک وجہ تو اس کی اپنی زندگی کی آخری منزل پہلے ہی سے تھے، اب کہاں بہار اور کہاں دکن، جہاں کا سفر درپیش ہے وہ سامنے جھانک رہا ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ مل گیا لیکن پہلی دفعہ آپ کے نوازش نامے نے دل کی کچھ ڈھارس بندھائی۔ اسی کے دوسرے دن ایک خط بھی میاں مکارم[1] کا استھانواں سے ملا جس میں قریب قریب اسی خیال کا اعادہ انھوں نے بھی کیا ہے دیکھیے حالات آئندہ کن صورتوں کو سامنے لگاتے ہیں۔

سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّـــامُ مَـا کُـنْـتَ جَـاهِلًا

وَیَـاْتِـیْ بِکَ الْاَخْبَـارُ مَـالَـمْ تُـزَوِّد

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بعا اوقات اس جاہلی شعر کو استعمال فرماتے اور کہتے کہ بڑی سچی بات کہہ گیا ہے۔ میاں ہاشم[2] کے معاملہ میں دوڑ دھوپ کر رہا ہوں قطعی طور پر میرے پاس آنا جانا بند کر دیا ہے لیکن بیچارا مکلف نہیں ہے۔ خدا کرے ان بیوی بچوں کے نام وظیفہ کا اجرا جلد عمل میں آئے۔ ماجد میاں[3] کے متعلق ہوش صاحب نے صدر اعظم سے جو تحریک کی تھی اس کا نتیجہ نکل آیا، توقع تو دونے اضافے کی تھی لیکن فرمان پچھتر روپے کے اضافے کا ہوا ہے۔ میں تو اس کو بھی غنیمت خیال کرتا ہوں، بے چارے مولوی عبدالباری[4] نے ساری زندگی خراب کر کے دکن سے قریب قریب بس اسی مقدار میں نفع اٹھایا، ان کی امداد کلدار کی شکل میں دوسو کی ہوگی گویا سوا دوسو سے زائد ہی سمجھیے۔ دیکھیے خوش ہوتے ہیں یا کیا، کل ہی اطلاع بھیجی ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب[5] کے طویل مقالہ کا تصیر جواب نظر سے گزرا ہوگا۔ آپ کا طبی مقالہ بڑا پُر مغز و معلومات بخش ہے۔ جَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنْ خَیْرِ الْجَزَاء۔ اس سے فائدہ ہوا خصوصاً بہار کی تاریخ کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ حسب ارشاد دوسری جلد[6] جس کا ایک ۔: ، ند نسخہ پڑا ہوا تھا، بھیج رہا ہوں۔ آپ کو اتنی فرصت اس قسم کے خرافات کے پڑھنے کی کہاں مل سکے گی لیکن خواب آوری کے لیے سرہانے رکھ لیجیے، تھوڑا

تھوڑا کر کے دیکھ جائیے، تو میرا دل خوش ہوگا۔ ایک غرض بھی آپ سے کل ہی متعلق ہو گئی۔ اوکھدی[1] میں میاں مکارم کی بڑی لڑکی کی شادی آپ کے منجھلے ساڑھو مولوی نثار صاحب کے لڑکے سے ہوئی ہے۔ افتخار احمد نام ہے۔ میرے ساتھ بہ تلاش روزگار دکن بھی آئے تھے، ملازم ہو گئے تھے مگر جیسی ملازمت چاہتے تھے ویسی نہ ملی، آخر چھوڑ کر بہار ہی چلے گئے اور وہاں کدوکاوش کے بعد ایک معقول صورت نکل آئی ہے۔ ڈیڑھ دو سال سے اسی جگہ پر ہیں۔ کاٹیج انڈسٹری کے انسپکٹر ہیں، ملا جلا کر غالباً دو سو روپے مل جاتے ہوں گے، کل ان کا خط آیا ہے کہ کچھ لوگ جیسا کہ قاعدہ ہے ریشہ دوانیوں میں لگ گئے ہیں۔ مجھ سے خواہش کی ہے کہ ڈاکٹر محمود صاحب (وزیر بہار) کے نام ایک سفارشی خط منگوا کر بھیج دوں۔ وہ میرے ہی نہیں آپ کے بھی عزیز ہیں، ان کی خالہ بنت ڈاکٹر صدیق مرحوم سے آخر آپ کی شادی ہوئی تھی، اس لحاظ سے گویا سترہ بیٹا آپ کے ہوئے، ممکن ہے اور رشتے بھی ہوں بہر حال اس وقت تو اس خاکسار کی التجا کا لحاظ فرماتے ہوئے چند کلمۂ خیر لکھ دیجیے۔ چاہے اس کو براہِ راست ان کے نام پٹنہ بھیج دیجیے، پتہ ان کا یہ ہے: گلزار باغ، ایم کوٹھی، افتخار احمد انسپکٹر کاٹیج انڈسٹری۔ اور یہ مناسب نہ ہو تو میرے پاس روانہ فرما دیجیے، میں افتخار میاں کو بھیج دوں گا لیکن اس میں طولِ عمل وطولِ وقت دونوں ہے، معلوم نہیں ان کی ضرورت کیسی ہے۔ ایک بڑ دردناک سانحہ یہ ہے کہ میرا بھانجا مولوی عبدالعزیز خان بہادر کا لڑکا جو میاں نجم الہدیٰ کا داماد بھی ہے اور سب ڈپٹی تھا، دانا پور میں تھا۔ اسی ہنگامے میں فوج کے ساتھ بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ جو مظالم ہوئے تھے[5] ان کو دیکھ کر اس کا قلب الٹ گیا۔ واقعی مجنون ہو گیا۔ کل خبر آئی ہے کہ کوٹھے سے اپنے آپ کو گرا دیا جس سے وہ زندہ بچ گیا۔ تعجب ہے، جنون کے ساتھ اب چوٹ کی نئی آفت ہے، اس کے لیے دعا کیجیے۔

مناظر احسن گیلانی

---

1. مولانا گیلانی کے چھوٹے بھائی
2. سابق ناظم دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن
3. مولانا عبدالماجد دریابادی
4. مولانا عبدالباری ندوی

۵ مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی
۶ غالباً 'اسفار اربعہ' کی دوسری جلد کا ذکر ہے جس کا ترجمہ مولانا گیلانی نے کیا تھا
۷ صوبہ بہار کا ایک گاؤں
۸ بہار کے مسلم کش فسادات کی جانب اشارہ ہے

(۳۱)

۳۱/ جنوری ۱۹۴۷ء۔ ۸/ ربیع الاول ۶۶ھ۔ پنجشنبہ

سیّدی و سیّدی المسلمین، رزقنا اللہ وایاکم العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہار کے حالات سنتے سنتے کلیجہ پک گیا:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ"۔ (ھُمْ اُلُوْفٌ)[۱] کے الفاظ نے ہمیشہ اس تفسیر کے سمجھنے سے رکاوٹ پیدا کی جو عموماً کتابوں میں ملتی ہے اور تقریباً ایک سال سے یہی خیال سامنے آرہا تھا جسے اب لکھ رہا ہوں "فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا" کاش مرنے پر یہ لوگ آمادہ ہو جاتے تو "فَاَحْيَاهُمْ" کا وعدہ ان کے سامنے آتا لیکن وہ زندگی کو موت کے گڑھوں میں تلاش کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں پر رحم کرے، بہار کا حال تھا بھی زمانے سے اس کا مستحق جسے اب اپنے سامنے وہ پا رہے ہیں۔

مگر اب یہ "گیلانی" کی دُم کا کیا کروں، بہ ظاہر لنڈھے ہو کر جینے کا وقت باقی نہیں رہا شاید کہیں ادھر ادھر مرنا پڑے گا، دکن میں؟ لیکن دکن میں کب تک۔ ہو سکے تو کوئی مشورہ دیجیے ورنہ کم از کم دعا کیجیے، اچانک زندگی کی ایک ایسی منزل پر پہنچ گیا ہوں کہ ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آرہی ہے۔

سنا آپ کو بعض لوگ بہاول پور سے دعوت دے رہے ہیں، بغداد جدید[۲] میں اس گیلانی کے فقیر کو بسنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ سنا ہے کہ کوئی جامعہ عباسیہ وہاں ہے آپ کے معلومات وہاں کے متعلق کیا ہیں۔

مجلّہ کا نام "دانش" مجھے بھی پسند ہے اس سے بہتر لفظ اب تک دماغ میں نہیں آیا۔

دیوانوں کے لیے دانش میں کیا گنجائش ہے، 'معارف' والے مضمون "ربو" پر چاروں طرف سے حملے ہورہے ہیں میرے ایک قدیم رفیق فی الاستاذیت کے صاحبزادے ترجمان القرآن کے میدان میں اترے ہیں، خیر وہ تو ابھی نو آموز ہیں اور غالباً فقیہ النفس نہیں معلوم ہوتے لیکن تعجب مجھے مولانا ظفر احمد صاحب پر ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ اب کچھ نہ لکھوں اور زیادہ لوگوں نے ستایا تو تحکیم پر آمادہ ہوجاؤں گا۔ آپ کو اور مولوی شفیع دیوبندی[3] کو "حکم" بنانا قبول کرتا ہوں آپ منظور فرمائیں گے میں آپ کے رجحانات سے واقف ہوں لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی اعتماد ہے کہ "اِعۡدِلُوۡا" پر قیام کی آپ جیسے حضرات سے توقع کی جاسکتی ہے۔

فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

کئی روز ہوئی "الخائن" سے ملاقات ہوئی تھی۔ بڑی دھمکیاں "حیاتِ شبلی" کے متعلق دے رہے تھے کہ مواد تیار ہے۔ کہتے ہیں جو ہری بم ہے "ہورشما" اعظم گڑھ کا پتہ بھی نہ رہے گا۔

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

---

1 ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکلے اور ہزاروں میں تھے۔

2 بہاولپور کا وہ حصہ جہاں ریاست کے امراء و اعلیٰ حکام رہتے تھے، یہیں 'جامعہ عباسیہ' قائم کی گئی تھی۔

3 مولانا مفتی محمد شفیعؒ بانی دار العلوم کراچی۔ پیدائش: جنوری ۱۸۹۶ء دیوبند۔ وفات: ۵؍اکتوبر ۱۹۷۶ء

(۳۲)

۱۶؍فروری ۱۹۴۷ء۔ ۲۴؍ربیع الاول ۱۳۶۶ھ حیدرآباد دکن، شنبہ

سیدی...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس قدر جلد نقد جواب کی توقع نہ تھی، جَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیۡرَ الۡجَزَا، بہار کے مسلمانوں کے سامنے کوئی دینی یا دنیوی نصب العین ادھر چند دنوں سے باقی نہ رہا تھا قریب قریب بے مقصد زندگی گذار رہے تھے، زیادہ سے زیادہ توالد و تناسل بقائے نوعی کے لیے اور اجلِ مسمّٰی تک پہنچنے اور بقاء شخصی کے لیے جن معدّات اور اسباب کی ضرورت ہوسکتی ہے،

یہی ایک حیوانی مشغلہ ان کے سامنے رہ گیا تھا۔ وہ آج شاکی ہیں، کہ غیروں نے ان کی مسجدوں کو ویران کیا، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ اس سے پہلے برسوں سے وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی مسجدوں کو ویران کر چکے تھے۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ ۔ وَاِنْ صَامَ وَاِنْ صَلّٰی[1] ۔(الحدیث)

لیکن ان میں امانت کے ساتھ ساتھ وان صام وصلی کا ذوق بھی ختم ہو چکا تھا۔ ان بہاریوں میں سچ پوچھیے تو ایک خود میں بھی ہوں، دیکھیے دین کا افلاس دنیا میں بھی افلاس کے کس نقطہ انجماد تک ہم لوگوں کو پہنچاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ.

میرا ارادہ اب ملازمت کے جھنجھٹوں میں مبتلا ہونے کا نہ تھا لیکن موجودہ حالات ایسے ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، بہاول پور کے خیال کو آپ کے خط کے بعد میں نے اٹھا دیا، اب جو آپ حضرات کا حکم ہوگا۔ اس وقت تو میں بے در اور بے گھر ہو رہا ہوں۔ گیلانی کو وہاں کے مسلمان باشندوں نے قطعی طور پر چھوڑ دیا ہے، بعض خبریں ادھر ایسی آرہی ہیں، کہ دیسنہ کے بزرگوں کے پائے استقامت میں تزلزل ''لَا فِعْلَ اللّٰہ'' پیدا ہو گیا۔ خداوند تعالیٰ ہم لوگوں کی دستگیری فرمائے۔

مسلم یونیورسٹی سے بعض سلسلہ جنبانیاں ہوئی ہیں، معاملہ آپ ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ المتوسل بذیلکم فی الدنیا والاخرۃ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ترجمہ: جس کے پاس امانت نہیں اسکے پاس ایمان نہیں اگر چہ وہ روزے رکھتا ہو اور نمازیں پڑھتا ہو۔

(۳۳)

۱۸ر فروری ۱۹۴۷ء

حیدر آباد دکن

حول المسجد الاقصیٰ، جوار الجامعہ

سیدی الکریم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل بدحواسی میں کارڈ لکھتے ہوئے ایک ضروری مضمون کا ذکر ہی رہ گیا، اس کی تلافی اس عریضہ سے کر رہا ہوں یعنی مولانا عبید صاحب کے متعلق آپ نے جو سفارش فرمائی تھی

اس کا جواب بہر حال مجھے دینا چاہیے تھا اور وہ یہی ہے کہ اس سال تو سارا قصہ ختم ہو چکا ہے، اب تو کل ایک ماہ امتحان میں باقی ہے، کاش! مولانا دسمبر وغیرہ میں آپ کو یاد دلاتے تو یہ کوئی چنداں دشوار امر نہ تھا۔ اب آئندہ سال ہی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ شاید میں وعدہ بھی کر لیتا لیکن جہاں تک موجودہ حالات کا اقتضا ہے، اس وقت کے آنے سے پہلے جامعہ مجھے چھوڑ دے گی اور میں اس کو چھوڑ دوں گا۔ میری مدتِ ملازمت ستمبر ہی میں ختم ہو رہی ہے، امتحانات کا نظم نومبر میں ہوتا ہے، میری طرف سے بھی عذر ان کی خدمت میں پیش فرما دیجیے۔

اسی سلسلہ میں آپ کو بھی مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ اچانک حیدر آباد کے حالات بدل گئے ہیں۔ اب مسلمانوں کا حیدر آباد کم از کم اس وقت تو وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ برادرم تقی الدین صاحب اور صدرِ اعظم موجود میں کشمکش اندرونی طور پر تو شاید شروع ہی سے جاری تھی لیکن ظہور اس کا آخر جنوری میں ہوا۔ ایک اسکیم مجلسِ مقننہ کی بنا کر وہ لے گئے تھے جس پر صدرِ اعظم بہادر نے فرمایا کہ تم بڑی بڑی اسکیمیں صرف بنایا کرتے ہو اور کام کرنے کا مطلق سلیقہ تم میں نہیں ہے۔ اس پر تقی کو کچھ ناگواری ہوئی، جواباً کہا کہ کام تو خاکسار ضرور کرتا ہے مگر وہ الجھتے ہی رہے۔ اور آخر میں کہا کہ ''آپ گھر بیٹھ جایئے'' جس کے معنی یہی تھے کہ استعفیٰ داخل کیجیے۔ بیچارے کیا کرتے استعفیٰ داخل کر دیا، اس کے بعد درمیانی لوگ تگ ودو میں مصروف ہوئے اور پہلے قصہ کچھ ختم سا ہو گیا لیکن بعد کو مخالف پارٹی نے صدرِ اعظم صاحب کو ابھارا اور ایک طویل مسودہ معافی نامہ کا لکھ کر تقی صاحب کے پاس صدرِ اعظم صاحب نے بھیجا کہ اس پر دستخط کر کے واپس کرو، انھوں نے اس سے انکار کیا، تب جائزے دے دینے پر ان کو مجبور کیا گیا۔ اس وقت اخبار 'پیام' کے ایڈیٹر جناب قاضی عبدالغفار صاحب پیش پیش ہیں، پندرہ سو روپیہ کی ایک جگہ اطلاعات عامہ کی نظامت پر ان کی بحالی بھی ہو گئی ہے اور تقی صاحب کی جگہ مقننہ میں ان ہی کو سرکاری طور پر نامزد کر دیا گیا ہے۔ تقی صاحب ہوائی جہاز پر بیٹھ کر مالیر روانہ ہوئے جہاں مسلمانوں کے مہابت جنگ اس وقت مقیم ہیں۔

مسلمانانِ حیدر آباد اور حکومت سے کشمکش روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ خدا ہی

جانتا ہے کہ کس وقت کیا صورت پیش آ جائے۔ دونوں طرف ضد پر اصرار ہے۔ ان امور کا تذکرہ میں نے اس لیے بھی کیا کہ مسلم یونیورسٹی کے متعلق آپ کا جو خیال ہے کہ حیدرآباد میں مجھے توسیع مل جائے گی، جہاں تک میرا خیال ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس کا امکان تو ہے کہ میں کچھ کوشش و پیروی کروں تو سال دو سال کے لیے اور حیدرآباد میں ٹک جاؤں لیکن یہ قطعی طور پر طے کیے ہوئے ہوں کہ اس معاملہ میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔ خود میرا دل حیدرآباد سے اچاٹ سا ہو گیا ہے۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور میں بہ ظاہر ان سیاسی شاطرانہ عیاریوں اور زد و برد میں کسی قسم کا کوئی حصہ بھی نہیں لے سکتا۔ مجھ میں اس کا قطعاً کوئی سلیقہ نہیں ہے۔ تقی صاحب کے متعلق تو معلوم ہوا ہے کہ حیدرآبا کی پبلک ان کو حکومت کے مقابلہ میں اپنا قائد بنانا چاہتی ہے، بھلا ان جھنجھٹوں سے مجھ عافیت طلب انسان کو کیا سروکار؟ نیز سال ڈیڑھ سال کے بعد جو صورت پیش آنے والی ہے، اسی کو ابھی کیوں اپنے سامنے نہ آنے دوں۔

غرض یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ بہ نسبت گیلانی یا اسی قسم کے زاویۂ خمول کے کچھ کام میں کر سکتا ہوں تو پھر وہیں مجھے بھیج دیجیے، یا پھر آپ ہی بتایئے کہ قبر میں اترنے سے پہلے آخر چند سانس جو باقی ہیں ان کو کیسے گزاروں۔ آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں دینی خدمات کا شعور دماغ میں جب سے پیدا ہوا ہے ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا رہا ہے کہ ہندوستان کی غیر اقوام تک اسلام کو آگے بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے۔ میرا خیال ہے کہ موجود مسلمانوں کو زندہ کرنے کی کوشش کچھ لاحاصل سی کوشش ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ سے اگر آ جائے تو ممکن ہے کہ اس کی حرارت سے ان پرانے تھکے ہوئے، اکھائے ہوئے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو۔ مگر براہ راست ان کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مُردوں کو جگانے اور جھنجھوڑنے کے ہم معنی سمجھ رہا ہوں، جب حکیم الامت کی اتنی سال کی حکومت میں یہ سوئے رہے اور کچھ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان میں کون آیا اور کون ان کو چھوڑ کر چلا گیا، تو اب دوسروں سے یہ متاثر ہوں، میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔ یہ خیال تازہ دم فوج کے لانے کا دماغ سے اب بھی نہیں نکلتا لیکن عمل کی کوئی صورت بھی سمجھ

میں نہیں آتی۔ بہار ہی میں ممکن تھا کہ مہیا ہو جاتے لیکن اس کا ماحول قطعاً بدل گیا اب تو اسلام سے یہ صوبہ بہت دور ہو گیا۔ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علی گڑھ میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے نوجوان جمع ہوتے رہتے ہیں شاید وہاں کوئی جماعت ایسی مل جائے جو اس راہ میں آگے بڑھنے پر آمادہ ہو۔ حیدر آباد میں تو قطعاً اس کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ قدرتاً یوں ہی سست، کاہل، عیش پسند ہیں اور اس وقت تو یہ بھی بہارِ ثانی بنتا چلا جا رہا ہے۔

عرض ضروری: آپ کا وقت قیمتی ہے، جانتا ہوں کہ اس قسم کے خرافات میں آپ کو مبتلا کرنا بڑے کام سے ہٹا کر چھوٹے کام میں الجھانا ہے۔ جواب اس عریضہ کا آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ دل کی ایک بات لکھ دی، اس کے لحاظ سے میرے لا حاصل وجود کا کوئی مطلب پیدا ہو سکتا ہو تو اس کا بس خیال کیجیے، اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں ہے۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

میں نے کارڈ میں بھی شاید مطلع کیا تھا کہ مسلم یونیورسٹی سے ایک استفساری مراسلہ میرے پاس آیا تھا، اب معلوم ہوا کہ وہ آپ کی تحریک کا نتیجہ تھا[2]، بہ ظاہر آپ کے لکھنے کے بعد مجھ سے پوچھا گیا۔ جواب میں صرف اس سے مطلع کر دیا ہے کہ ستمبر میں میری مدت ملازمت ختم ہو رہی ہے۔

---

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ

[2] مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد الماجد دریابادی کی خواہش تھی کہ عثمانیہ یونیورسٹی سے پنشن لینے کے بعد مولانا گیلانی کا تقرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہو جائے۔ اشارہ اسی جانب ہے۔

(۳۴)

۲۳ / رجب ۱۳۶۶ھ۔ (۱۳ جون ۱۹۴۷ء) جمعہ، حیدر آباد دکن

سیدی، دمتم بالھناء والعافیۃ ...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نیاز نامہ کے جواب میں شفقت نامہ باعث ابتہاج وتشکر ہوا۔ حالات اتنے پیش آگئے ہیں کہ بجائے کچھ کہنے کے خاموشی ہی اولیٰ ہے، قومی بھی اور ذاتی بھی، برادری کے

سوالات بھی، بس: وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ۔ الخیر فیما وقع وان شاء اللّٰہ سیکون الخیر فیما سیقع فان اللّٰہ عندظن عبدہ بہ.

شاید اس کا خیال آپ کو نہ رہا کہ موسم گرما کی تعطیل میں جامعہ بند ہے ورنہ مولانا فضل کو سلام اوران سے اس استفسار نہ فرماتے۔ آج کل مفتی صاحب کے پاس علی گڑھ میں ہیں۔ آپ کو زبانی امتحان کے لیے تشریف لانے کی زحمت شاید ڈاکٹریٹ کے مقالے کے سلسلہ میں دی گئی ہو۔ کالج کے بند ہونے کی وجہ سے کوئی خاص خبر اس سلسلہ میں نہیں دے سکتا، ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں جامعہ کا افتتاح ہوگا۔ پونے تین مہینے گرمی کی اس تعطیل کے غالباً پوری ملازمت میں پہلی دفعہ حیدرآباد ہی میں گذارنے پر مجبور ہوا۔ گیلانی میں ابھی کوئی واپس نہیں ہوا ہے گھر کے لوگ ساتھ تھے، پڑا رہا اب کچھ خبریں ایسی آرہی ہیں کہ بتدریج لوگ رجوع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں، میاں مکارم اپنے اہل وعیال کے ساتھ استھانواں میں ہیں، دیکھیے اس مختون پاکستان کے بعد بھی شورش فرو ہوئی ہے یا نہیں۔

میری ملازمت کی مدت ستمبر کے مہینے میں پوری ہورہی ہے۔ اس وقت تک کچھ نہیں معلوم کہ اربابِ اقتدار کا کیا ارادہ ہے امیر جامعہ جدید ولی محمد صاحب یورپ گئے ہیں، آنے کے بعد کچھ فیصلہ ہوگا بہاول پور سے وزیر تعلیم کا تار آیا تھا کہ چند ہی دن کے لیے ایک دفعہ بہاول پور آکر دیکھ جاؤ۔ معذرت لکھ کر بھیج دی ہے۔

''اسلامی معاشیات''[۲] میری کتاب شائع ہوگئی عنقریب حاضر ہوگی نصف حصہ اس کا غیر مطبوع تھا۔

ہاں صاحب! اس وقت دراصل اس عریضہ کو اس خاص خبر کی وجہ سے لکھ رہا تھا جس سے آپ نے مطلع فرمایا ہے، یعنی اہل وعیال کے ساتھ سفرِ حج۔ عجب اتفاق ہے میرے گھر کا بھی ہفتہ عشرہ سے اصرار ہورہا ہے کہ تم تو فرض سے سبکدوش ہوگئے میں رہ گئی، مجھے لے چلو، لیکن اس سال میری ملازمت کے فیصلہ کا زمانہ وہی ہے جب روانگی کی تیاری میں مسافر کو مشغول ہونا چاہیے، فی کس اس سال خرچ کا تخمینہ اوسطاً کیا ہے، یعنی جہاز کے عرشہ اور فرسٹ کلاس دونوں کا ہوسکے تو مطلع فرمائیے۔

محترم! قانون مانع نہ ہوتا تو آپ کے قافلے میں گھر کو شریک کردیتا۔ بے چارے

ہاشم[1] کا حال کیا عرض کروں، دیکھ کر دل کانپ جاتا ہے۔ وہ کوچہ غم میں اور ہوش والوں کے لیے مصیبت بنے ہوئے ہیں، ممکن حد تک خبر گیری جو کچھ کر سکتا ہوں کر رہا ہوں لیکن خود مجھ پر کافی بار ہے۔

فقط والسلام
مناظر احسن گیلانی

1۔ ڈاکٹر ولی محمد سابق پروفیسر طبیعات لکھنؤ یونیورسٹی و وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی
2۔ مولانا گیلانی کی تصنیف جس میں خالص اسلامی نقطہ نظر سے معاشیات کے مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔
3۔ سابق ناظم دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۳۵)

۵؍جنوری ۱۹۴۸ء
حیدرآباد دکن
جواری الجامعہ العثمانیہ
حول المسجد القصر

سیّدی الامام دمتم بالھناء والعافیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا فضل صاحب سے ابھی معلوم ہوا کہ بھوپال اترے تھے اور آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ خاکسار نے واقعی ادھر مراسلت کا سلسلہ ترک کر دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی خاص بات لکھنے کی پیش بھی نہیں آئی تھی۔ حیدرآباد میں میرے ساتھ جو معاملہ کیا گیا اس سے مطلع کر چکا تھا، بڑی حسرت اور عبرت کی بات یہ ہوئی کہ بجنسہٖ وہی معاملہ جو میرے ساتھ کیا گیا ڈاکٹر عبدالحق مرحوم (عربی) کے ساتھ بھی کیا گیا تھا۔ یعنی وظیفہ دے کر باز ماموری لیکن چار مہینے سے ان جھگڑوں کی وجہ سے نہ ان کو تنخواہ مل سکی تھی اور نہ مجھے اب تک ملی ہے، وہ بے چارے تنخواہ وصول کیے بغیر دوسرے عالم کی طرف اچانک روانہ ہو گئے، وہی قلب کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان کے مرنے کا مجھ پر بہت اثر ہوا، بلکہ خود میرا مرض گویا پھر عود کر آیا۔ اب بحمد اللہ اچھا ہوں، لکھنے کے واقعات جو ہو سکتے تھے وہ اخباروں سے معلوم ہی ہوتے ہوں گے، ان کے سوا اس وقت اور کوئی مسئلہ نہ میرے دماغ میں ہے اور نہ کسی

دوسرے حیدر آبادی کے۔ دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے؟ یہی سوال سب کے سامنے ہے۔

آج بذریعہ ڈاک ایک مختصر سا مضمون بھی بھیج رہا ہوں، میری کتاب "تدوینِ حدیث" کا ایک حصہ ہے۔ ایک حصہ تو پہلے شائع ہو چکا ہے اور دوسری قسط ریسرچ جرنل میں بھی شائع ہوئی ہے۔ آپ کے پاس دو وجہ سے بھیج رہا ہوں، ایک تو یہی کہ ملاحظہ فرمائیے، اور نامناسب نہ ہو تو "معارف" میں اسے شائع کرا دیجیے، کیونکہ ریسرچ جرنل ایک سالانہ پرچہ ہے جو چھاپ کر بینت دیا جاتا ہے نہ اس کو کوئی پڑھتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ میں تو محض اس غرض سے دے دیتا ہوں کہ ٹائپ ہو کر ایک نقل تو تیار ہو جائے گی۔ ایک کاپی اس کی مولانا ریاست علی کے نام بھی آج بھیج رہا ہوں۔ مولوی فضل صاحب نے شاہ معین الدین ندوی صاحب کے نام بھی بھیج دیا ہے، لیکن وہ تو "معارف" کے نائب مدیر ہیں اصل مدیر کا حکم ضروری ہے۔ پہلے بھی "معارف" ہی کی وجہ سے وہ مضمون شائع ہوا۔

فقط نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

اور کیا لکھوں۔ ماضی، حال، مستقبل قطعاً ایک دوسرے کے تابع نہیں رہے ہیں، دماغ کسی نتیجہ تک پہنچنے کی ہمت نہیں کرتا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے بس اس کا اطمینان ہے کہ جو کچھ ہو گا باذن اللہ ہو گا۔ اور اللہ ہی کے لفظ میں حکمت و رحمت سب ہی چیزوں کی ضمانت پوشیدہ ہے۔

میاں مکارم آخر پریشان ہو کر استھانواں سے گیلانی مراجعت کر گئے ہیں۔ اس وقت تک تو بیچارا امن و عافیت سے ہے، آئندہ کون جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ کوئی صاحبِ کشف بزرگ بھی نہیں ملتے، یہ طبقہ بھی قریب قریب معدوم ہو گیا۔ ہم لوگوں نے دماغ سے اتنا کام لیا کہ دل بالکل مردہ ہو کر رہ گیا۔ اس عمر میں اگر دوسری راہ پر رہتا تو کیا کچھ حاصل نہ کر لیتا، لیکن آہ! کہ

روزگارم بشد بہ نادانی

(۳۶)

۹ر فروری ۱۹۴۸ء۔ ۲۷ر ربیع الاول ۱۳۶۷ھ۔ حیدر آباد دکن۔

سیدالمحترم، متعنا اللہ بطول حیاتکم، ...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے تعجب تھا کہ جواب میں خلافِ دستور تاخیر کیوں ہوئی، لیکن اب معلوم ہوا کہ بہار کو سعادت اندوزی کا موقع دیا گیا تھا۔ گو یہ دنیا بہر حال چھوٹنے والی ہے، لیکن اب اس حدیث کی قیمت سمجھ میں آئی ہے، جس میں "اغرورقت عیناہ"[1] کے الفاظ ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ان جذبات کا ظہار کیا گیا ہے جو ترکِ مکہ کے بعد اس کے ذکر سے آپ ﷺ متلاطم ہونے لگتے تھے، مرز و بوم کے ساتھ الفا اور اس کی طرف حنین کی عقلی توجیہ ممکن ہے نہ ہو سکے جیسے اولاد کے ساتھ غیر معمولی عطوفت بھی غیر موجہ ہے، مگر واقعہ کا کیسے انکار کیا جائے۔ اب تو پروگرام بنانے سے دل الجھتا ہے۔ یہ کوئی دنیا ہے، جس سے ہم گذر رہے ہیں، پہلے ہی منطقی تعلق یہاں کے حوادث و واقعات میں کیا تھا، اور اب تو لِلّٰـهِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ کے ارادۂ قاہرہ کے سوا ہر سبب اپنی سی حیثیت کو کھو چکا ہے۔ بڑی بے رحمی کا ارتکاب ہندوستان کے اس بوڑھے پیر مرد[2] کے ساتھ کیا گیا۔ مارنے والے کا کوئی قصور اس بیچارے نے نہیں کیا تھا، میری سمجھ میں تو صرف اس آیت کی تفسیر آئی، کہ "قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ"[3] اب مامن کسے سمجھا جائے۔ کسی علاقہ کو فتح کر کے دار السلطنت میں اس کے بیٹھ کر بھی گولی کا نشانہ جب آدمی بن سکتا ہے تو پھر این المعاد واین المفر.

میاں ہاشم سلمہٗ کا حال کیا لکھوں۔ مجھ میں اور ان میں یاجوج ماجوج کی دیوار کا سا معاملہ ہو رہا ہے۔ رات بھر کی ساری محنت صبح کو وہ ضائع کر دیتے ہیں، میں وظیفہ کی کوشش کرتا ہوں اور ان کو اپنے ہوش وحواس کی صحت کا چونکہ کامل یقین ہے اس لیے عود کی جدوجہد میں گھومتے ہیں۔ کل پرسوں سے آکر مجھے یہ خوشخبری سنا رہے ہیں کہ نواب مہدی یار جنگ بہادر نے ان کے تقرر کا باضابطہ حکم دے دیا ہے خدا کرے صحیح ہو، کئی دفعہ باور کرایا، مگر تحقیق نے غلط ثابت کیا۔ ان کے بال بچوں کا حال سن کر کلیجہ کانپ گیا۔ "اَللّٰهُمَّ نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ"[4] حالات دیکھیے کیا ہوتے ہیں، میاں مکارم مجھے بلا رہے ہیں، فقط۔

مولانا رضوان[5] صاحب کو سلام فرما دیجیے، مولوی فضل صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کے گھر کی طبیعت تشویشناک حدود تک پہنچی ہوئی ہے، معلوم نہیں اب کیا حال ہے، مولانا

فضل کو سلام پہنچا دیا تھا جواب فرماتے ہیں۔

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

۱۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

۲۔ مراد گاندھی جی۔

۳۔ ترجمہ: آپ کہہ دیجیے تمھیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو۔

۴۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس افلاس سے جو خوشحالی کے بعد آئے۔

۵۔ سابق قاضی ریاست بھوپال۔

(۴۷)

۲۳ر جون ۱۹۴۸ء

حیدر آباد دکن

جواری الجامعۃ العثمانیہ

سیدی الامام العلّامہ دمتم بالھناء والعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی حالت میں یہ عریضہ خدمت والا میں 'معارف' مئی ۴۸ء کے وفیات کے دیکھنے کے بعد بحالت اضطرار لکھ رہا ہوں ورنہ لکھنے کی تو بے شمار چیزیں سامنے آ گئی تھیں، مگر کیا لکھوں؟ کس لیے لکھوں؟ یہ سوچ کر دل بیٹھ جاتا تھا۔ وفیاتِ ثلاثہ کو پڑھ کر "ندویتِ صحیحہ قراح" کا عجیب و غریب نتیجہ نظر کے سامنے آیا ایک ہی قلم سے ایک ہی اشاعت میں، ایک اہلحدیث[1] اور ایک طائفہ قبریہ[2] اور ایک برزخی دین[3] رکھنے والے تین تین مختلف العقائد والجہات اہل علم کے متعلق ہر قسم کی جانبداری سے پاک رہتے ہوئے ہر ایک کے علم اور خدمات کا اعتراف اس ندویت کا عجیب و غریب نمونہ ہے جس کے لیے ندوہ قائم ہوا تھا۔ لیکن شاید یہی پہلا نمونہ ہے اور یہی آخر بھی۔ ماجد میاں[4] نے کبھی لکھا تھا کہ سیّد صاحب کے وفیات کو دیکھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ سب سے ناگوار حقیقت کاش گوارا بن جاتی اور وفیات سلیمانیہ[5] کے کسی گوشہ میں جگہ ملتی (او کما قال)۔ مولانا امرتسری اور مولانا بداؤنی مرحومین سے تو خاکسار بھی ذاتی نیاز رکھتا

تھا لیکن دانا پوری صاحب سے شخصی واقفیت نہ تھی۔ معتبر ذریعہ سے غالباً کان میں یہ بات پڑی ہے کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حلقۂ درس میں بیٹھنے کی سعادت ان کو حاصل ہوئی تھی۔ بس اصل مقصود تو اس عریضہ سے اپنے اس وقتی تاثر کا اظہار تھا۔

آپ کے ارادۂ عدم شرکت سے مطلع ہونے کے بعد خاکسار نے بھی قطعی فیصلہ کراچی[7] نہ جانے کا کر لیا تھا لیکن مولانا عثمانی کی طرف سے تار و خطوط کے تسلسل نے فسخ عزم کو انسب خیال کیا، ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوئے دل نے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو ساتھ لے کر حیدر آباد سے اڑے، اب تک برروی زمین کا سفر تجربہ ہوا تھا، ابکی علی وجہ البحر اور اس سے بھی زیادہ مہیب منظر ''کچھ ران''[8] کے اوپر اڑان کے وقت سامنے آیا۔ نیچے میلوں دلدلی زمین تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوئی بھی اس میں اگر گرے تو تحت الثریٰ ہی میں جا کر دم لے، پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے میں کراچی کے مطار پر اتار دیا گیا۔ سولہ دن قیام رہا، باہر سے ان دو دکنی فقیروں کے سوا صرف مفتی شفیع صاحب[9] تشریف لا سکے، اور وہ بھی شاید ہجرت ہی کے ارادہ سے آئے تھے۔ اہل و عیال کو ساتھ لائے تھے، مکان بھی تلاش کر رہے تھے، مغربی یوپی کے خوفناک حال نے دیوبند سے ان کے دل کو اچاٹ کر دیا تھا۔ اختتام مجلس سے تین چار دن پہلے مولوی احتشام الحسن صاحب بھی آ گئے تھے۔ آپ کا نہ ہونا دراصل واسطۃ العقد کا فقدان تھا تاہم جب ٹوٹے پھوٹے کچھ لوگ پہنچ ہی گئے تھے تو کام کا آغاز کر دیا گیا۔ مقامی طور پر صرف حضرت تھانوی کے بھانجے شاب صالح مولانا احتشام الحق[10] مجلس میں شریک تھے۔ ایک صاحب ظفر انصاری[11] ایم اے ایل ایل بی مجلس کے ناظم تھے۔ سنا ہے کہ دلی مسلم لیگ کے کوئی سرگرم کارکن تھے، ابتداءً خاکسار کی طرف سے مجلس میں تین سوالات پیش کیے گئے تھے (۱) اسلامی حکومت کے قیام کی غایت (۲) اس مقصد کے حصول کے ذرائع (۳) اسلامی قانون کا سرچشمہ کیا ہوگا؟ قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے یہ عرض کیا گیا تھا کہ سیاسی کشمکش کی غایت ہمیں بتائی گئی ہے کہ فتنہ کا ازالہ ہو جائے، قلمرو کے ہر فرد کا وجود دوسرے فرد کے لیے باعث آزمائش قلق و تپش و خطرہ باقی نہ رہے۔ تفسیروں کے حوالہ سے ''فتنہ'' کی یہ شرح پیش کی گئی چونکہ اس مقصد میں صحیح کامیابی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہر فرد کی آئینی زندگی پر

پولیس اور فوج کی نگرانی کے سوا اس اللہ کی نگرانی نہ قائم ہو جائے جس کے متعلق جبلۃً یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ہر جگہ ہر ایک پر ظاہراً و باطناً نگران ہے اس لیے ازالہ فتنہ کے لیے ضروری ہوگا کہ الدین (آئینِ زندگی) کو اللہ کے لیے بنانے کی ممکنہ کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے اور اسی سے یہ ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ الدین یا آئین کا مطالبہ بھی اللہ کے لیے خالص کر دیا جائے کہ اسی کے بعد اس کی نگرانی کا احساس بیدار ہو سکتا ہے۔ پس اصل مقصد قیامِ حکومت کا یہ ہوا کہ خدا کی بات سب سے اونچی ہو جائے اور قلوب پر کلمۃ اللہ سے زیادہ اثر کسی کا باقی نہ رہے۔ وہی سب سے برتر اور علیا ہونے کی حیثیت حاصل کر لے وھذا ھی غایۃ قیام الحکومۃ الاسلامیۃ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اقتداری قوت کا حصول اور اس کی تنظیم ضروری ہے لیکن اقتدار کی شکل ہماری حکومت میں ایسی نہ ہوگی جس پر مسئولیت کی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو۔ از غلام تا بہ امام مسئولیت کی یہ ذمہ داری عام ہوگی، کس کے آگے؟ اس کو حدیث میں عام رکھا گیا ہے۔ پس ہم بھی عام ہی رہنے دیں یعنی باشندگانِ ملک کے آگے۔ آئندہ نسلوں کے آگے اور سب سے زیادہ اس خالق کے آگے جس کی ہر چیز نسلِ انسانی کو بصیغۂ ہبہ نہیں بلکہ بہ امانت ملی ہے، اسی لیے ہماری حکومت کا نام حکومت نہیں "خلافت" ہے اور اسی سے اسلامی قانون کے سر چشمہ کا سوال حل ہو جاتا ہے جس نے عرض کیا تھا کہ ساری دنیا کے قوانین و آئین کی بنیاد بالآخر چند موروثی و رواجی مسلمات پر منتہی ہوتی ہے لیکن یہ موروثی اور رواجی مسلمات مشکوک ہو چکے ہیں اور اسی شک کے ازالہ کے لیے ان موروثی و رواجی مسلمات کا آخری اعادۃ الکتاب کی شکل میں کیا گیا ہے جس کی عملی تشریح "السنۃ" سے کی گئی ہے۔ پس یہی "الکتاب والسنۃ" جو بنی آدم کے موروثی مسلمات کا غیر مشکوک ذخیرہ ہے ہمارے قانون کا سر چشمہ ہوگا۔ پس مسئولیت اور مسئولیت کے ساتھ "الشوریٰ" حصولِ مقصد کے بنیادی و اساسی ذرائع ہوں گے۔ ان امور کے بعد خاکسار نے پیش کیا کہ عصری تقاضوں کا اقتضا ہے کہ "ازالہ فتنہ" کی بعض شکلوں کو زیادہ نمایاں کیا جائے مثلاً اغاثۃ اللھفان قلمرو کے جس باشندے کی آمدنی اس کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کافی نہ ہو ان کی بنیادی ضرورتوں کی حکومت کفالت کرے گی۔ اشتراکیت میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ انفرادی صلاحیتوں کے ابھارنے کے محرکات ہی کو

ساکن کر دیا جاتا ہے۔ ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ ہر شخص کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق اکتساب کا آزاد موقع فراہم کیا جائے گا۔ اغاثة الـلـهفان کے ساتھ ایـفـاء العقود ہماری حکومت کا سب سے بڑا امتیازی نشان ہو گا۔

لاحول ولا قوة الا باللہ میں مضمون لکھنے بیٹھ گیا۔ حکمت بلقمان آموختن، کہنا یہ چاہتا تھا کہ اسی قسم کی باتوں سے ابتدا ہوئی پھر حمید اللہ صاحب سے کہا گیا کہ عصری قالب میں "اسلامی دستور" کو وہ پہلے لکھیں اور دو تین دن تک جو باتیں ہوئیں ان کو اپنی اپنی جگہ کھپائیں۔ پھر مجلس میں وہی دستور پیش ہوا، بحث ومباحثہ کے بعد آخری شکل میں اس کو قلم بند کر کے مجلس کے حوالہ کر کے ہم لوگ چلے آئے۔ مفتی شفیع صاحب کی عنان گیری سے کافی مدد ملی۔ باقی حکومت کیا کرے گی؟ اس کا اندازہ اسی سے کیجیے کہ آج تک مولانا عثمانی کے لیے کسی مکان تک کا حکومت نے بندوبست نہیں کیا۔ ہم لوگ ٹھٹھہ بھی تھوڑی دیر کے لیے گئے تھے، شاہ جہاں کی بہت بڑی مسجد[12] کس مپرسی کی حالت میں وہاں دیکھی اور کیا لکھوں۔

(گیلانی)

---

1. مولانا ثناء اللہ امرتسری۔
2. مولانا عبد الماجد بدایونی۔
3. مولانا ابوالبرکات داناپوری جن کی سیرت نبوی ﷺ پر کتاب 'اصح السیر' معروف ہے۔
4. مولانا عبد الماجد دریابادی۔
5. اشارہ ہے وفیات کے عنوان سے رسالہ 'معارف' اعظم گڑھ میں شائع شدہ مولانا سید سلیمان ندوی مضامین کی طرف جن کا مجموعہ 'یادِ رفتگاں' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
6. بغرض شرکت مجلس تعلیمات اسلامیہ۔
7. مولانا شبیر احمد عثمانی۔
8. اشارہ ہے علاقہ رن کچھ کی جانب۔
9. مولانا مفتی محمد شفیع، بانی دار العلوم کراچی۔
10. مولانا احتشام الحق تھانوی، معروف عالم دین۔ پیدائش: ۱۹۱۵ء بمقام اٹاوہ، وفات: ۱۱راپریل ۱۹۸۰ء۔
11. مولانا ظفر احمد انصاری، ماہر قانون اور تحریک پاکستان کے کارکن۔ پیدائش: ۱۹۰۸ء الہ آباد، وفات: ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۱ء اسلام آباد۔
12. شاہجہانی مسجد ٹھٹھہ جس زمانے میں مولانا گیلانی پاکستان آئے، اس وقت کسمپرسی کی حالت میں تھی۔ بعد میں

الحمدللہ تعمیر نو کے بعد اصل شکل میں بحال کردی گئی۔

(۳۸)

۱۱؍نومبر ۱۹۴۸ء۔ ۸؍محرم ۱۳۶۸ھ جمعہ

سیّدی! ادام اللہ مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولوی محمد علی صاحب اور میاں ہاشم کے خطوط میں تفقد حال فقیر کا جو فرمایا گیا دل متاثر ہوا، زندہ ہوں اور ''لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' کے ساتھ ہوں۔ جب بھیک (شفاعت) بھی باذنہ کے بغیر ناممکن ہے تو اس جیتے جاگتے ہمہ بیداری و ہمہ حکمت وعلم کے ملک میں کسی دوسرے کا ارادہ کس راہ سے گھس سکتا ہے۔ ''بِيَدِهِ الْمُلْكُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ'' امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ مولوی فضل تو گئے ہیں، کیا راہ میں آپ کے پاس بھی ٹھہرے۔

مولوی عبدالباری مسلسل پوچھ رہے ہیں، اب کیا ارادہ ہے؟ میں لکھتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ ابھی لکھا کہ ترکِ ارادہ بھی تو ارادے کے وجود کو ثابت کرتا ہے، پھر حمار میں مجھے شریک کیوں کرتے ہیں کچھ نہ سوچنا بھی عقل ہی کا اقتضا ہو جاتا ہے، تو نعمت عقل کے کفران کا الزام آپ دیتے ہیں۔

محکمات بینات ''وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ''[1] کے بعد آپ ہی بتایئے کہ مولوی عبدالباری صاحب کو میں کیسے بتاؤں کہ کل کیا کروں گا اور کہاں جا کر مرنے کا ارادہ ہے۔ فقط

مولانا رضوان صاحب کو سلام فرمادیجئے۔

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

---

[1] ترجمہ: اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور نہ کوئی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔

(۳۹)

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۸ء۔ حیدر آباد دکن

سیّدی و سیّد المسلمین دمتم فی عصمة اللّٰہ و بین عینیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں شقہ حقیرہ کے ارسال کے بعد جواب کا کچھ دن انتظار رہا۔ مگر اخباروں سے معلوم ہوا کہ اردو پروری کے سلسلے میں آج کل گشت فرمائی ہو رہی ہے اس لیے انتظار کو ختم کر دیا۔ غیر مترقبہ نعمت کی شکل میں، اسی لیے کل کا گرامی نامہ نشاط افزا ہوا، پڑھ کر جو اثر ہو سکتا تھا ہوا، لیکن آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ ارقام فرمایا اس میں میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ خبر دارالمصنفین کی مالی حالت کی زبونی کی خبر ہے۔ اب تک اس خیال میں تھا کہ دارالمصنفین دینی خدمت کا ایک ایسا ادارہ ہے جو بحمد اللہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے، تجارتی کتابوں کی وجہ سے عقل کو زیادہ دشواری بھی اس اطمینان کے پیدا کرانے میں پیش نہ آتی تھی لیکن آپ نے اس اطمینان پر بھی پتھر رسید ہی کر دیا۔ تلملا اٹھا، میرا حال تو یہ ہے کہ بجز دائرۃ المعارف کے بس یہی سمجھتا تھا کہ کوئی خاص امتیازی کام نہیں ہو رہا ہے، مکان بنتے تھے، موٹروں پر لوگ ناچتے پھرتے تھے، ناشتہ اور ڈنر عشائیہ ظہرانوں کا زور تھا، بس گاؤ آمد و خر رفت کے سوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نیا واقعہ نہیں پیش آیا۔ تکلیف اگر تھی تو اسی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی اشاعت کا ایک ادارہ قائم تھا، دیکھیے اس پر کیا گزرتی ہے۔ اگرچہ میاں ہاشم کے جنون کے بعد اس کا معاملہ بھی درہم برہم ہوتا چلا جا رہا تھا، اس سے اندازہ فرمائیے کہ اس انقلاب سے پہلے ہی جناب ڈاکٹر ولی محمد نے خاکسار کا اور ڈاکٹر حمید اللہ کا نام دائرۃ المعارف کی انتظامی و علمی کمیٹی سے خارج فرما دیا تھا۔ ان ہی "ولی محمد" صاحب نے شعبۂ دینیات کے رعایتی وظائف ختم فرما دیے تھے۔ پی ایچ ڈی کا درجہ شعبۂ دینیات سے نکال دیا تھا، ان کی سب سے زیادہ عنایت اس مرحوم شعبہ پر مبذول تھی اور ان سے پہلے بھی بجز مرحوم قاضی محمد حسین کے ہمیشہ غیظ و غضب کا نشانہ اعالی سے ادانی تک کا، پس وہی تاریخی مصرعہ دہرایا جائے گا

ع بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

آپ سے زیادہ قرآنی آیت اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً کا رازداں کون ہو سکتا ہے۔ اسی دشت کی سیاحی میں ساری عمر گزری۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ زہیر القلابی کے حوالے سے

یہ فقرہ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ رایت غلبۃ فارس علی الروم ثم رایت غلبۃ روم علی فارس ثم رایت غلبۃ المسلمین فارسا و الروم و کل ذالک فی مدۃ خمس عشرہ سنۃ ، کل یوم ھو فی شان، یرفع و یخفض ۔

باقی آپ نے یہ عجیب سفارش فرمائی ۔ تاریخ اسلامی کی تدریس کیا اس فقیر کے بس کی بات ہے البتہ دوسرے صاحب[1] سے متعلق آپ کی سفارش اس حیثیت سے بھی درست ہے کہ اس وقت اسلامی تاریخ کے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بہت اچھے استاد ہونے کی صلاحیت وہ رکھتے ہیں ۔ علاوہ اپنے گھر کے انگریزی، فرانسیسی، قدرے جرمن وایطالی (لاطینی) زبانوں سے بھی وہ مستفید ہو سکتے ہیں ۔ نقطۂ نظر بھی ان کا واقعات کی توجیہ میں محض مقلدانہ نہیں ہے ۔ کام اگر ان سے لیا جائے گا تو وقت کے غیر معمولی استاد ثابت ہوں گے ۔ اس وقت ضرورت بھی ہے کہ ان کو کام پر لگا دیا جائے ورنہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں آپ اپنی ممکنہ کوشش اور اثر سے کام لیجیے ۔ آج کل وہ یہاں نہیں ہیں ۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۔ سنا ہے امریکہ میں ہیں ۔

بہرحال، فقیر کی حد تک تو جناب والا کی یہ سفارش اور کچھ نہ ہو تو ایک سفر کی حیثیت رکھتی ہے ۔ میں نے تو آپ کے گرامی نامہ کو اسی لیے محفوظ کر لیا ہے کہ امام المورخین فی عصر کی طرف سے یہ سرفرازی ہے ۔ یوں بھی، امراض کے ہجوم، پیرانہ سالی، تشتت بالی نے کیا اس کا موقعہ باقی چھوڑا ہے کہ کسی نئے تدریسی مضمون کے لیے اپنے آپ کو تیار کروں ۔ مولانا ظفر احمد تھانوی نے اپنے ایک گرامی نامہ میں ضدِ قبلہ میں ایک جگہ دعوت دی تھی ۔ مگر فیصلہ کی قوت قطعاً سلب ہو چکی ۔ سلب تو پہلے ہی سے تھی لیکن غلط فہمی میں تھا کہ جو فیصلہ ہونا تھا وہ ہوتا نہیں بلکہ کیا جاتا ہے ۔ بحمد اللہ اس غلط فہمی کا واقعات نے ازالہ کر دیا ۔ میرا لڑکا محی الدین سلمہ بھی یہاں تحصیل ہی کے جوار میں ہے ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کوئی ملازمت اس کو مل گئی ہے، لیکن تفصیلات کا علم نہیں ہے ۔ بہت کم خط و کتابت کرتا ہے ۔ اس کے اہل و عیال بھی مولوی معین وکیل کے اہل و عیال کے ساتھ حمایت پور ضلع پٹنہ میں ہیں ۔ ایم اے میں اس سال کامیاب ہوا ہے ۔ سنا ہے کہ یونیورسٹی میں پانچواں یا چھٹا نمبر ہے، واللہ اعلم

بالصواب۔ میری مدّتِ ملازمت مارچ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بہر حال کہیں جانا ہی پڑے گا، اگر راستہ اس عرصے میں عالمِ آخرت کا پیش نہ آگیا۔ مولوی عبدالباری صاحب کا خط آیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کا حکم محکم فقیر اور جناب والا کے لیے یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو ارضِ قدس میں اپنے آپ کو لے جا کر ڈال دیں۔ لیکن کام کیا ہوگا۔ کام کی ضرورت کہاں زیادہ ہے۔ ارض الحسنة و العشرة میں تصادم وتحاسد کا شدید اندیشہ ہے اور غول یا غال کے بین کی آب و ہوا سقیم ہے، تاہم نہ معلوم کیوں اس بن کی طرف دل کھنچتا ہے۔ شاید کچھ بن پڑے، بالفعل تو میاں مکارم گیلانی ہی بلا رہے ہیں۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] غالباً ڈاکٹر محمد حمید اللہ

(۴۰)

ار مارچ ۱۹۴۹ء

سیّدی و سیّد المسلمین القائم اللّٰہ وحیاکم بالصحة والعافیه

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ برادرم مولوی غلام محمد سلمہ اللہ تعالیٰ تشریف لے جا رہے ہیں خیال آیا کہ ان ہی کے ہاتھ یہ عریضہ ارسال کروں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ لکھوں کیا؟ حیرت اور بہت حیرت کے عالم میں ہوں۔ میری ملازمت کا یہ آخری مہینہ ہے اس وقت تک دل مطمئن تو نہ تھا لیکن ایک جگہ پڑا ہوا تھا۔ اب کہاں جاؤں۔ بھوپال کی جو خبریں اخباروں سے ملتی ہیں، ان سے بجز اس کے کہ پریشانیوں کا اضافہ ہو اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کا ارادہ کیا ہے۔ سرِ دست اس کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ گیلانی چلا جاؤں۔ لیکن وہاں جا کر بھی سانس لینے کا موقعہ ملتا ہے یا نہیں اور یہ بھی اپنا خیال ہے۔ مگر عالم کی باگ جس کے ہاتھ میں ہے اس کی مشیت کیا ہے کچھ نہیں معلوم؟

آپ نے ارقام فرمایا تھا کہ لاہور سے طلبی آئی تھی، خاکسار نے عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر مہجور کے۔ لیے سفارش فرمایئے۔ مگر پھر پتہ نہ چلا کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ ان کی طرف ضرور توجہ فرمایئے۔ علی گڑھ سے میری طلبی بذریعہ ڈاکٹر ناظر یار جنگ ہوئی تھی پھر اس کا کچھ بھی

پتہ نہ چلا۔ کاش! کوئی صحیح مشورہ آپ دیتے۔ اور کیا عرض کروں۔ اگر ممکن ہو تو اپنی خیریت اور آئندہ ارادوں سے مطلع فرمائیے۔

نیاز مند محتاج دعا

مناظر احسن گیلانی

مولوی ظہور الحق پھلواری کی کتاب 'تسویلات الفلاسفہ' غالباً میں نے آپ کے پاس بھیجی تھی۔ مولوی صاحب نے ڈھاکہ سے کتاب طلب کی تھی۔

(۴۱)

۱۴ر اپریل ۱۹۴۹ء

حیدر آباد دکن

سیّدی الامام العلامة بقیة السلف الصالح ادام اللہ ظلالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جس کا آج سے تیس سال پہلے انتظار شروع ہوا تھا، درمیان میں سبکدوش یا گلوخلاصی کی کوشش بھی کی گئی تھی، لیکن مصلحت الٰہی نے اس وقت کی کوشش کو کامیاب ہونے نہ دیا تھا۔ ۱۳ر مارچ ۱۹۴۹ء بعد ظہر جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کی صدارت کا جائزہ دے دیا اور ان شاء اللہ دو تین دن میں پھر اس گاؤں کی طرف واپسی کا ارادہ ہے جس سے تقریباً نصف صدی پہلے روانہ ہوا تھا۔ جہاں جہاں کا آب ودانہ تھا وہاں رہنا پڑا۔ مولوی فضل صاحب تو موسمِ گرما کی تعطیل منانے کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ معلوم نہیں آپ کے ہاں اترے یا ادھر ہی ادھر نکل گئے۔

ادھر فقیر نے اس کا پتہ چلانا چاہا کہ ماجد میاں[1] کا وظیفہ جب جاری ہے تو آپ کا وظیفہ کیوں رک گیا۔ لیکن کیا عرض کروں کہ "ثریا تا بہ ثریا" بالکل نیا عالم ہو گیا ہے۔ "وبقیت فیھم کالحمال الاجرب" کوئی قابل اعتبار ذریعہ ایسا باقی نہ رہا جس سے وجہ پوچھی جائے۔ بہ مشکل ایک صاحب نے اطلاع دی ہے کہ آپ کے وظیفہ کی مسدودی محض لفظی مغالطہ کا نتیجہ ہے، یعنی وقتی طور پر بیرونی ادارہ جات[ف] کی ماہواری روک دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض ایسے اشخاص کا جن کا کسی ادارے سے تعلق ہے ان کو بھی اس فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ شاید وہ مولوی قطب الدین عبدالولی فرنگی محلی کا ذکر کرتے تھے کہ فرنگی

محل کے مدرسۂ نظامیہ کے تعلق کی بنیاد پر ان کے شخصی وظیفہ کو بھی مسدود کر دیا گیا تھا لیکن انھوں نے درخواست پیش کی، امید کہ جاری ہو جائے گا۔

ان صاحب کا خیال ہے کہ دار المصنفین اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا جو تعلق ہے غالباً اس تعلق کا یہ کرشمہ ہے۔ کہتے ہیں کہ مولانا بھی اس سلسلے میں ملٹری گورنر کے نام کوئی درخواست اگر بھیج دیں گے تو مغالطہ کا ازالہ ہو جائے گا۔ مگر میری سمجھ میں نہ آیا کہ آپ سے یہ کیسے عرض کروں، چاہیے تو یہی تھا کہ ہم جیسے نیاز منداس مرحلہ میں کام آجاتے لیکن کروں کیا

خَلت الدّیار فلا کریم یرتجی　　منه النوال و لا ملیح بعشق

تاہم اس سلسلے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو ازالہ وہم کے لحاظ سے غالباً مناسب نہ ہو۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن سلمہ معاشیات کے لیکچرار جامعہ[1] میں ہیں، ان کو کہہ دیا ہے کہ اس سلسلے میں جو تگ ودو تم سے ممکن ہو کیجیو، اور چلتے ہوئے ڈاکٹر رضی الدین[2] صاحب کو بھی کہہ دوں گا، آپ سے وہ خاص عقیدت رکھتے تھے مگر وہ بے چارہ خود بے بال وپر ہو چکا ہے۔

معلوم نہیں بھوپال کا کیا حال ہے اور مآل کیا ہونے والا ہے؟ ممکن ہو تو اس طریقہ کا جواب گیلانی کے پتے سے اگر خیال آجائے تو دیجیے۔ ان شاء اللہ وہاں پہنچ کر میں خود لکھوں گا۔ اس وقت تو صرف حیدر آباد چھوڑنے کی اطلاع آپ کو دے رہا ہوں۔ علی گڑھ سے نامہ و پیام کا سلسلہ پہلے جاری ہوا تھا، مگر ادھر بند ہے۔ آپ نے ارقام فرمایا تھا کہ علی گڑھ پہنچ کر لوگوں سے مل لوں لیکن دل اس قسم کے امور میں ملنے ملانے پر آمادہ نہیں اور سچی بات یہ ہے کہ نہ عمر ہی ملازمت کی رہ گئی ہے اور نہ بحمد اللہ کچھ ایسی تنگی ہے۔ اس قسم کے کسی مقام کی طرف تھوڑا بہت میلان اگر باقی ہے تو صرف مشغلہ اور دل بستگی کے لیے۔ بہر حال حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

(ف ۱) مطلب یہ ہے کہ اشخاص کے نام جو وظائف و مناصب وغیرہ جاری تھے ان کو موجودہ

حکومت نے بند نہیں کیا ہے البتہ ممالک محروسہ سے باہر جن ادارہ جات کو امداد ملتی تھی، سردست مسدود کر دیا گیا ہے۔ آپ کا وظیفہ شخصی و ذاتی ہے جیسے دوسروں کے نام جاری ہے، آپ کے نام بھی نہ جاری ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ماجد میاں کو وظیفہ ماہ بماہ پہنچ رہا ہے حد یہ ہے کہ آج ہی بینک میں معلوم ہوا کہ حکیم یعسوب ندوی کو تیس روپے کلدار جو سالہا سال سے بدامداد ملتے تھے وہ بھی جاری ہے۔ (حاشیہ از مولانا گیلانی)

---

[1] مولانا عبدالماجد دریابادی

[2] جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

[3] ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، نامور سائنسدان و ماہر تعلیم۔ پیدائش: ۲ر جنوری ۱۹۰۸ء حیدر آباد دکن، وفات: ۲ر جنوری ۱۹۹۸ء اسلام آباد

(۴۲)

۳ر مئی ۱۹۴۹ء

سیّدی و سیّد المسلمین، مخدوم و محترم متعنا اللہ بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی ابھی آپ کا گرامی نامہ موجب عزت افزائی ہوا۔ بے چارے ڈاکٹر ظفیر صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سے افسوس ہوا۔ علاوہ برادری کے تعلقات کے فقیر کے خاص ملنے والوں میں تھے۔ غفر اللہ لہٗ۔ آپ کے گرامی نامہ سے بھی اور ماجد میاں[1] کے خطوط سے بھی علی گڑھ کا حال معلوم ہوا۔ میں بالکل حیران ہوں، آپ کے اور ماجد میاں صاحب کے اس طرزِ عمل کے سمجھنے سے معذور ہوں کہ علی گڑھ کے لیے آپ دونوں حضرات فقیر کے لیے کوشش کیوں فرما رہے ہیں، میں تو پریشان تھا کہ علی گڑھ سے واقعی طلبی ہوئی تو اس طلبی کا مقابلہ کیسے کر سکوں گا۔ ڈاکٹر صاحب[2] سے گونہ تعلقات تھے لیکن اس شخص کو تو میں اپنا محسن خیال کرتا ہوں، جس نے ڈاکٹر صاحب کے دل سے میرا خیال نکال دیا۔ اگرچہ اس کا افسوس ضرور ہوا کہ کسی غلط بات کو اس نے منسوب کیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ "معاملات میں گڑبڑ کرتے ہیں" خدا جانے اس کا کیا مطلب ہے؟ ماجد میاں نے لکھا کہ ان ہی حیدر آبادی صاحب نے ان کو باور کرایا کہ میں سیاسی آدمی ہوں، اس کا بھی کوئی منتج حال سمجھ میں نہ آیا۔ اگر آپ یا ماجد میاں سے ہو سکے تو ڈاکٹر صاحب کے دل

سے اس غلط خیال کا ازالہ فرما دیجیے۔ باقی علی گڑھ سے جان بچی، اس سے تو بہت خوش ہوں۔ میری صحت ہی اس قابل نہیں ہے کہ ملازمت کی ذمہ داریوں کو قبول کروں اور بحمد اللہ بہ ظاہر معاشی حیثیت سے بھی کوئی ضرورت ملازمت کی معلوم نہیں ہوتی۔ اور علی گڑھ کے متعلق جب یہ خیال ہے تو آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ لاہور جیسے بھڑ کے چھتے میں اپنی پیرانہ سالی کے ان دنوں میں ہاتھ دینے کی جرأت کہاں تک کر سکتا ہوں۔ بس آپ حضرات کی سب سے بڑی دستگیری یہ ہوگی کہ عفاف وقناعت کے جذبات کو قوی کرنے میں میری مدد فرمایئے، یہی آپ کو لکھ رہا ہوں اور ماجد میاں سے بھی اس کی استدعا کر چکا ہوں۔

اپریل ۱۹۴۹ء کو رقیت کی زنجیر پاؤں سے نکلی[۳]۔ ستائیس اٹھائیس سال کی اس طویل مدت میں راحت وسکون کے ان پہلوؤں کو تقریباً بھول چکا تھا جو آزادی کے دنوں میں میسر آئی ہے۔ بحمد اللہ کہ جیسے جیسے دن گزر رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ تھا جو بتدریج سینے سے ٹل رہا ہے۔ قلب کا مسلسل یہی حال رہا تو شاید ملازمت کے لفظ سے مجھ پر لرزہ طاری ہونے لگے گا۔

افسوس کہ زندگی اب ختم ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں نے آزادی کے ان دنوں کو ایامِ شباب میں گزارا، اور میرے سامنے یہ عید افسوس ہے کہ سرِ شام آئی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر ذاکر صاحب کے دل سے ممکن ہو تو اس خیال کا ازالہ فرما دیجیے ورنہ چھوڑ دیجیے، تاکہ مجھے اس ذریعے سے وہ بھول جائیں۔ اب تو جی یہی چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، جاننے والوں کے حافظہ سے حق تعالیٰ اس فقیر کو نکال لیں۔ بحمد اللہ کہ گیلانی اہل وعیال کے ساتھ بخیر و عافیت پہنچ گیا۔ تقریباً بیس دن اس گاؤں میں گزار چکا ہوں۔ بہ ظاہر امن وامان بھی معلوم ہوتا ہے اور "لَـهُ الْـمُلْكُ" کے بعد دوسرے کے ملک میں کسی غیر کے اقتدار وتصرف کا خیال ہی کیوں کیا جائے۔ مَـا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ[۴] نص قطعی محکم ہے۔

............[۵] کا حال آپ نے جو لکھا ہے سن کر افسوس بھی ہوا اور عبرت بھی، خدا جانے اس دنیا کی زندگی اگر ان تغیرات کا شکار نہ ہوتی تو قلوب کی چسپیدگی کا اس کے ساتھ کیا حال ہوتا۔ اس خبر سے کہ میں عتق کی نعمت سے سرفراز ہوا، شروانی صاحب کا گرامی نامہ آیا تھا۔

خط میں ان کے تو وہی آن بان اور وہی شروانی شان موجود تھی، جواب دے دیا تھا۔ یہاں سے بھی لکھنے کا ارادہ ہے۔ ڈھاکہ کی خبر مولوی فضل نے خدا جانے کہاں سے اڑائی، الامــوال و الاولاد کے ساتھ بحمداللہ دل کے تعلق کی یہ نوعیت نہیں ہے۔ میرا خیال تو یہی ہے، خدا کرے غلط ہو کہ علی گڑھ کے واقعات میں ہمارے خاص کرم فرماؤں کا بھی ہاتھ ہے۔ انھم فی وادٍ ونحن فی وَاد.

رانچی جب تشریف فرمائی ہو تو دسنہ سے بھی گزرتے جائیے، اگر اس کا ارادہ ہو تو ضرور مطلع فرما دیجیے گا۔ اس کی ہمت کیسے کروں کہ گیلانی کو اپنی رونق افروزی سے منور فرمانے کا موقع دیجیے۔ لیکن دسنہ تک پہنچ کر قدم بوسی کی سعادت ان شاء اللہ یہ فقیر حاصل کرے گا۔

آموں کی بہار بحمداللہ گیلانی کی ایسی نہیں ہے کہ اس پر بہار کو اطلاق نہ کیا جائے، لیکن پکائی کے لیے موسم میں جن آثار کی ضرورت ہے وہ نہیں پائے جارہے ہیں۔ بڑی تیز پرواہوا چل رہی ہے، ضرورت پچھوا کی تھی۔ لیکن جس کا ملک ہے اس کے نزدیک پرواہی کی ضرورت ہوگی، ہم دخل دینے والے کون؟

برادرم مکارم سلمہٗ، سلام عرض کرتے ہیں۔ اور گیلانی تشریف لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ کاش ایسا ہوتا۔

آپ کی ماہوار کی اجرا کا حال ماجد میاں کے خط سے معلوم ہو چکا تھا، میں نے عرض کیا تھا کہ صرف کسی غلط فہمی کے تحت اس کی مسدودی ہوئی ہے ورنہ شخصی وظائف عموماً جاری ہیں۔

نیازمند
مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولانا عبدالماجد دریابادی۔
۲ ڈاکٹر ذاکر حسین خان جو اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے۔
۳ سبکدوشی از جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔
۴ ترجمہ: کوئی سی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمھاری جانوں میں مگر یہ کہ (سب) ایک کتاب میں

(لکھی ہے) قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔

ﮯ نام غیر موجود۔

بنام

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۱)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے العزیز النسیب الکریم مولانا سیدابی الحسن علی الندوی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پنسل سے خط لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے عدم مبالاۃ پر استدلال کیا جائے، بلکہ تجربہ سے سہولت اس میں معلوم ہوئی، مقصود اظہار مافی الضمیر ہے اور وہ حاصل ہو جاتا ہے۔

آپ کا تحفۂ کریمہ گرامی نامہ کے ساتھ مجھے گیلانی میں ملا۔ ایک ایسی خدمت جس کا صرف ابھی ارادہ کیا گیا ہے، پیشگی شکریہ، آپ کی شرافتِ نفسی کی دلیل ہے۔ آپ کے والد مرحوم نے جو کام کیا ہے مسلمانانِ ہند کی پوری تاریخ شش صد سالہ اس کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔[2] خدا کرے کہ جو ارادہ کیا گیا ہے وہ پورا ہو۔ مولانا عبدالباری صاحب سے تفصیلات کا علم ہوا ہوگا، ان شاء اللہ واپسی کے بعد حیدرآباد میں اس معاملہ کو راہ پر لگانے کی ممکنہ کوشش کی جائے گی۔ "نزہۃ الخواطر" کا جو حصہ "دررِ کامنہ" کے ساتھ دائرہ سے شائع ہوا ہے، اپنی ایک کتاب "تعلیم وتربیت" میں اس سے مجھے بڑی مدد ملی اور سچ پوچھیے تو اس کے بعد حقیقی قدر و قیمت مولانا کی کاوش وجستجو کی مجھ پر واضح ہوئی۔ صرف علمی ہی نہیں بلکہ اس کتاب کی اشاعت کو مسلمانانِ ہند کا ایک دینی فرض خیال کرتا ہوں۔ اغلاط کا ایک انبار ہے۔ اس ڈھیر کا اٹھانا، گزشتہ نسلوں کی صحیح شکل وصورت سے پچھلوں کو روشناس کرانا، اس زمانہ میں ایک مذہبی فریضہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحبِ الفرقان[3] کی تحریک سے بحمد اللہ حضرت مجددؒ، شاہ ولی اللہؒ دو بزرگوں کے متعلق اچھا کام انجام پاچکا ہے۔ ان برادر نے سید شہید قدس اللہ سرہٗ کا حق ادا فرما دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا شہیدؒ کے متعلق جو کام "الفرقان" پورا نہ کر سکا تھا، اس کی تکمیل آپ کی کتاب سے ہو گئی۔[4] مگر یہ تو گنتی کے

چند نام ہیں۔ آپ کے والدِ مرحوم کی کتاب جب شائع ہوگی تب لوگوں کے سامنے علم کا وہ ذخیرہ آئے گا جس سے چاہنے والے اگر چاہیں گے تو ان شاء اللہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے ہر ہر گوشہ کے متعلق بہت کچھ کام لے سکتے ہیں۔ مولانا نے قصداً وضمناً اس کتاب میں سب کچھ بھر دیا ہے۔ مجھے خود بھی صحیح طور پر اس کا اندازہ نہیں ہے کیوں کہ ان کی پوری کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے، صرف سرسری زیارت آپ کے بھائی صاحب کے ذریعہ سے لکھنؤ میں نصیب ہوئی تھی۔ البتہ ''نزہۃ الخواطر'' کے حصۂ مطبوعہ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ مولانا مرحوم کی زندگی میں بھی متعدد بار اس کتاب کی خصوصیتوں کا ذکر خود ان کی زبانِ مبارک سے سننے کا اتفاق ہوا تھا بلکہ یاد پڑتا ہے کہ بہار کے چند علماء کے متعلق مولانا مرحوم نے خاکسار سے چاہا تھا کہ تحقیق کر کے ان کے کچھ حالات لکھ کر بھیجوں، مگر یاد نہیں پڑتا کہ امتثال کی توفیق میسر بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ علی الخصوص خاکسار کے جدّ امجد مولانا محمد احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن سے مولانا مرحوم واقف اور اچھی طرح واقف تھے لیکن چاہتے تھے کہ ان کے تفصیلی حالات لکھ کر میں ان کی خدمت میں بھیجوں۔ یہ ایک زمانے کی بات ہے، کچھ یاد نہیں آتا کہ میں نے دادا مرحوم کے متعلق ان کو کچھ لکھ کر بھیجا تھا یا نہیں۔ آپ کے اس خط سے اور خط کی اس خبر کہ آپ مسودہ کی نظر ثانی فرما رہے ہیں، یہ خیال آیا کہ اگر اس وقت اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہا تو کیوں نہ قبلِ اشاعت کتاب کے آپ کے پاس ان کی فرمائش کو پھر لکھ کر بھیج دوں۔ اگر مناسب خیال فرمایا جائے تو کتاب میں بشرطیکہ پہلے سے دادا مرحوم کا تذکرہ اس میں موجود نہ ہو، آپ ترجمہ کر کے منسلک فرما دیجیے۔ بحمد اللہ عربی انشاء میں پسر کی مہارت بھی پدر سے کم نہیں ہے، بجائے اس کے اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی میں اسے قلمبند کروں، یہ مناسب معلوم ہوا کہ اردو میں لکھ کر آپ کو بھیج دوں اور آپ ترجمہ کر کے اس تذکرہ کو بقدر ضرورت کتاب میں داخل فرما دیجیے۔ اپنی کتاب ''تعلیم وتربیت'' میں بھی میں نے دادا مرحوم کی تعلیمی خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ غالباً آپ کو شاید یاد آ جائے، چند سال ہوئے ''جدید کلام قدیم زبان میں'' کے عنوان سے میرا ایک مقالہ ''معارف'' میں طبع ہوا تھا، پھر جدِّ امجد کی ایک غیر مطبوع کتاب کا خلاصہ تھا، اور اس سلسلہ میں ان کے کچھ حالات بھی آ گئے تھے۔ بہر حال دل کے اس خطرہ [5] کو قلم بند کر دیتا

ہوں اب آپ جیسا مناسب خیال کیجیے، میں ان کے سرسری حالات لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔

فقط

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی غفراللہ

اس مسئلہ میں آپ کے تحفۂ سامیہ سنیہ کا تذکرہ ہی بھول گیا۔ آپ کے مختارات [۱] اگر چہ ایک انتخابی کام کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن آپ نے جس نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر یہ کام انجام دیا ہے وہ آپ کی روشن ضمیری اور اسلامی ضروریات کے صحیح احساس کا آئینہ بردار ہے۔ اس وقت تک ادبی انتخابات میں عموماً ان ہی چیزوں کو داخل کیا جاتا تھا جن کا تعلق ادب سے ہے لیکن قرآنیات، خطبات نبویہ وصدیقیہ وفاروقیہ علویہ کی طرف جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آپ نے پہلی دفعہ توجہ فرمائی ہے۔ یہ ہمارے ان چند دوستوں کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ عربی ادب کی ضرورت اسلامی علوم کے علماء کو صرف اس حد تک ہے کہ قرآن وحدیث آثار حدیث سمجھ میں آجائے۔ امراؤالقیس کے قصائد، قس کے خطبات اگر سمجھ میں نہ آئیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر چہ ایک حد تک میں بھی اس خیال کا حامی ہوں لیکن آپ نے جن خطبات کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے، ان کو دیکھنے کے بعد خیال آیا کہ ان خطبات کا سمجھنا کیا ذہن کی ضرورت نہیں ہے؟ بہرحال آپ نے بڑا اچھا اور ضروری کام انجام دیا ہے۔ خدا کرے عربی مدارس کے ارباب بست وکشاد اپنے نصاب میں اس کو شریک کر کے (منشورات عربیہ) کے فقدان کی شکایت کا ازالہ کریں۔ جامعہ کے نصاب میں بھی ان شاء اللہ اس کے داخل کرانے کی کوشش صدر صاحب شعبۂ عربی سے کروں گا ۔اور حالات اپنے کیا عرض کروں، جی تو بہت کچھ کرنے کو چاہتا ہے لیکن اپنے گلے میں ملازمت کی رسی میں نے ایسی ڈال لی کہ اب نہ اس کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ چھوڑے بغیر کوئی کام کر سکتا ہوں۔ ابتدائی زندگی سے مجھ پر ہندوؤں میں دعوت وتبلیغ کا سودا سوار ہے، بہت کچھ تیاریاں اس کی کرتا رہا لیکن عمل کے میدان میں اس لیے نہیں اترتا ہوں کہ چھیڑ دینے کے بعد اسے سنبھالے گا کون؟ دوسری چیز ''وحدت تعلیم'' کا مسئلہ ہے میں اس کا شدت سے مخالف ہوں کہ مسلمانوں کو مختلف النوعیت والآثار دو نظاموں (مغربی ومشرقی) کے تحت تعلیم

دلا کر علم کے دو مستقل نمائندوں کو مسلمانوں میں پیدا کیا جائے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کے علمی طبقات کے فتنے خواہ وہ سیاسی ہوں یا معاشی یا اعتقادی، سب کی بنیاد تعلیمی نظام کی یہی "ثنویت" ہے۔ میں نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر "تعلیم و تربیت" نامی کتاب لکھی ہے جو شاید پانسو صفحات میں ختم ہوئی ہے۔ مطبع برہان نے اس کتاب کو مانگا تھا، مولانا فضل صاحب کے ذریعے سے بھیج دیا ہے، لیکن ایک مہینہ ہوا کچھ اس کا پتہ نہیں ہے کہ کیا ہوا؟ اس کتاب میں "نزہۃ الخواطر" سے میں نے کافی نفع اٹھایا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب سے الگ ہو کر اس آواز کو ملک میں بلند کیا جائے۔ انگریزی یونیورسٹیوں میں ترمیم ممکن نہ ہو تو عربی مدارس کے نظام کو بدل دیا جائے۔ میرا راسخ خیال ہے کہ علومِ دینیہ اربعہ (قرآن و حدیث، فقہ، عقائد و تصوف) کے سوا سارے علوم آلیہ جو ہمارے مدارس میں عربی ادب کے سوا پڑھائے جاتے ہیں، ان کو قطعاً خارج کر دیا جائے اور ان کی جگہ علومِ جدیدہ، معاشیات، عمرانیات، نفسیات وغیرہ کو انگریزی زبان کے ساتھ اس وقت تک داخل کیا جائے، جب تک انگریزی حکومت کا بھوت ہم پر سوار ہے۔ گویا انگریزی یونیورسٹیاں اگر ہم سے مشابہ ہونے کے لیے تیار نہ ہوں تو اپنے عربی مدارس کی پیداواروں کو ہم ایسا بنا دیں کہ علمی حیثیت سے ان میں اور جامعاتی پیداواروں میں کوئی فرق بجز اس کے باقی نہ رہے کہ ہمارے طلبہ اسلام کے علومِ دینیہ کے بھی قائم ہوں گے اور وہ اس سے جاہل۔

تیسری چیز جو میرے لیے سوہانِ روح بنی رہتی ہے وہ مسلمانوں کے عام طبقات کا مشرکانہ طور و طریقہ ہے۔ اس کی قبر نوازیوں، مزار پرستیوں کو دیکھ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء کا ایک طبقہ ان کی پشت پناہی کے لیے کھڑا ہو گیا ہے اور سارا قصور ان ہی علمائے سوء کا ہے ورنہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے عام مسلمان اب بھی سر جھکانے کے لیے تیار ہیں لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ ادھر سے اصلاحی پیغام دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے ہم مولویوں میں سے کچھ مولوی اس اصلاح کا نام افساد رکھتے ہوئے جو کچھ عوام کر رہے ہیں ہر ایک تائید میں قرآن و حدیث پیش کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ نبوت نہ ان کے پاس ہے نہ ہمارے پاس، اللہ و رسولؐ کا نام ہم بھی لیتے ہیں، تو وہ بھی اسی نام کو پیش کرتے ہیں، آپ کو حیرت ہوگی کہ "لَا تَتَّخِذُوا قَبرِی ......" کا مطلب ایک مولوی نے میرے سامنے یہ

بیان کیا کہ میری قبر کو بت کی طرح نہ سمجھنا کہ نہ اس سے نفع ہوتا ہے نہ ضرر، بلکہ میری قبر نافع بھی ہے اور ضار بھی۔ صوفی جماعت علی شاہ نے حیدر آباد میں "اِنَّمَا اَنَا بَشَر" کا ترجمہ بھرے مجمع میں کیا کہ "قطعاً نہیں ہوں میں بشر"۔ "انما" کی "مَا" کو اس شخص نے مَا نافیہ قرار دیا اور کہا کہ "اَ بَشَرٌ یَّھدینا" تو کفار کا قول رسولؐ کے متعلق تھا۔

چوبیس گھنٹے اس ادھیڑ بن میں گزرتے ہیں کہ شرک کی اس کیفیت کا ازالہ کس راہ سے ممکن ہے۔ کچھ ازالہ ہوا بھی ہے تو الحاد کی راہ سے۔ خدا ہی کا جہاں انکار ہو وہاں اگر خدا والوں کی عبادت سے بھی انکار کیا جائے تو یہ ہمارے لیے کچھ خوشگوار بات نہیں ہوسکتی۔ خدا پرستی کے ساتھ مخلوق پرستی کا ازالہ اصل مقصود تو یہ ہے ورنہ "لا الٰہ" کی نفی میں اللہ کے الٰہ ہونے کی ہی نفی جس زمانہ میں کی جاتی ہو، اگر شرک کے بازار میں اس وقت کچھ اضمحلال محسوس ہوتا ہے تو موحدوں کا یہ کارنامہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ میرا تو خیال ہے کہ غیر مسلم مشرکوں کے شرک پر جب تک اقدامی حملہ ہماری طرف سے نہیں کیا جائے گا، مسلمانوں کے شرکیات کا ازالہ نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کو اپنے شرکیات کا جواب دینا پڑے گا، جب غیروں کے شرک پر ان سے حملہ کرا دیا جائے، شرک کے حماۃ جو علماء ہیں، ان کو شرمندہ کرنے کی بھی یہی صورت ہے۔ ہندوؤں میں دعوتِ اسلام کا ایک بڑا اور ضمنی فائدہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔

آپ کے اخلاص، جوشِ عمل کے قصے مولانا عبدالباری صاحب سے سنتا رہتا ہوں، کچھ ان ہی باتوں کا نتیجہ ہے کہ بلا وجہ آپ کے سامنے خواہ مخواہ اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گیا۔ معاف کیجیے گا کہ بلا وجہ آپ کا وقت میں نے ضائع کیا کیوں کہ جب میں خود کچھ نہیں کر رہا ہوں، تو ان خیالی ہذیانوں سے کیا نفع۔ اب دیکھ رہا ہوں کہ عمر کی کشتی بھی کنارے لگی جارہی ہے۔ جب جوانی کے دنوں میں کچھ نہ ہوسکا تو بڑھاپے میں کیا خاک کچھ ہوگا، ایک ہلکا سا خیال یہ ہے کہ ملازمت کی زنجیر ان شاء اللہ سال دو سال میں اگر ٹوٹی، کہ وظیفہ کا وقت قریب ہے، عزرائیل نے کچھ فرصت دی تو ہاتھ پاؤں مارنے کی کچھ کوشش کروں گا ورنہ

گریہ میریم عذر ما بہ پذیر　　ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

آپ جیسے نوجوانوں کی ہمت پر رشک آتا ہے کہ شباب کا آغاز ہے، دنیا میں قدم

ر کھنے کے ساتھ، آپ نے دنیا کو ٹھوکر ماری۔ فَبَارَکَ اللّٰہُ فِیْ مَسَاعِیْکُم۔

---

۱ تاریخ درج نہیں۔ داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خط یکم نومبر ۱۹۴۵ء سے کچھ ہی قبل لکھا گیا۔

۲ مولانا حکیم سیّد عبدالحی حسنی کی معروف عربی کتاب نزھة الخواطر و بهجة المسامع والنواظر یا مختصراً نزھة الخواطر کی جانب اشارہ ہے جو پہلی مرتبہ دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سے مولانا گیلانی کی کوششوں سے شائع ہوئی۔

۳ ماہنامہ 'الفرقان' جو مولانا محمد منظور نعمانی کے زیر ادارت لکھنو سے شائع ہوتا تھا

۴ اشارہ غالباً مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب 'سیرتِ سیّد احمد شہید' کی جانب ہے

۵ خطرہ عربی زبان میں اندیشہ یا وسوسہ کو کہتے ہیں

۶ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی عربی کتاب مختارات من ادب العرب کی جانب اشارہ ہے۔

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ رمئی ۱۹۳۹ء

حبی الکریم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلسل خبریں مل رہی ہیں کہ حضرت سیّد بریلوی قدس سرہ العزیز کی سیرت[۱] آپ کے قلم سے شائع ہو کر سارے ہندوستان میں تقسیم ہو رہی ہے لیکن خاندانِ احمدیہ کا ایک دیہاتی عقیدت کیش اس وقت تک اس کے مطالعہ سے محروم ہے۔ مجھے غلط فہمی تھی کہ اس کتاب کے قدردانوں میں اس فقیر کا نام بھی آپ کے پیش نظر ہوگا لیکن الزام خود اپنے کو دیتا ہوں۔ نیاز صادق ہوتا، تو اس کا اثر آپ پر بھی مرتب ہوتا۔ بہرحال شدت کے ساتھ اس کتاب کے دیکھنے کا متمنی ہوں۔ اس "حبان" کی خریداری جتنے "جماد" میں ویلو کی جاتی ہو، وہی کیجیے اور میری بے چینی کا ازالہ فرمایئے۔ اپنے اخ کبیر حضرت سیدی الدکتور الحکیم عبدالعلی صاحب مدظلہ العالی سے سلام فرما دیجیے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی
ڈاک خانہ بربگھا، ضلع مونگیر

۱۔ سیرت سیّد احمد شہیدؒ از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۱ء

برادر عزیز محترم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی آپ کا لفافہ ملا، ''مدینہ''[۱] والا وہ مضمون اور میرے پاس اس کا مسودہ۔ آپ کو شاید میرے جنوں کا حال معلوم نہیں۔ اجمل نامی پروفیسر کے نام سے ''مدینہ'' میں مضامین کا ایک سلسلہ شائع ہونا شروع ہوا، غصہ آرہا تھا، دبا نہ سکا، رات کو قلم لیا، پراگندہ خیالات سمٹے، لکھ کر بھیج دیا۔ مسودہ تیار ہی کب کیا تھا، وہی مسودہ وہ مبیضہ تھا، طبع ہونے کے بعد ایک کاپی آئی تھی، یاروں نے اسے بھی ختم کر دیا۔ سنہ تو یاد نہیں ہے لیکن جس سنہ میں شائع ہوا، مارچ کا مہینہ غالباً ۷ر مارچ تھا۔ ہو سکے تو جناب مجید حسن[۲] سے مانگیے۔ شیر محمد صاحب کے پاس ہو گا؟ اس کا کیسے یقین کروں، کیا آج کل اس سلسلہ میں کوئی کام ہو رہا ہے۔ کاش! قرآن کے ساتھ دوسری آسمانی کتابوں کی تاریخی حالت بھی تحقیق کے ساتھ لکھ دی جاتی تو ''لَا رَیْبَ فِیْہِ'' کی تفسیر ہو جاتی۔

آپ سے دل میں کن توقعات کو وابستہ کیے ہوئے ہوں، آپ کیا جانیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اب اپنے مرنے کا افسوس نہیں ہے۔ بحمد اللہ امت محمدیہ میں آپ جیسے نوجوان اٹھ چکے ہیں۔ زَادَکُم اللّٰہ اخلاصًا و صدقًا۔

میرا ارادہ تو آپ کے ساتھ کچھ اس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے جس کا تجربہ آپ کو ہوا، لیکن افسوس اختیارات کی محدودیت مانع آرہی ہے۔ موقعہ کا منتظر ہوں۔

مناظر احسن گیلانی

---

[۱] سہ روزہ اخبار 'مدینہ' بجنور

[۲] مولوی مجید حسن، مالک مدینہ پریس بجنور

(۴)

یکم نومبر ۱۹۴۵ء

[۱] کی شکایت پیدا ہوئی، اس لیے پیدا ہوئی کہ اس زمانے کی ثقافتی تہذیب میں اس کو

پسند نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ منافقوں کی تہذیب کی نبض شناسی کی حد تک شاید مولانا نعمانی کے مقابلہ میں فقیر کچھ پڑھ کر دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ خلافِ واقعہ غالباً نہیں قرار دیا جاسکتا۔ میرا تو مقصود ہی اس سے ع حدی را تیز تر می خواں چو ذوقِ نغمہ کم یابی، تھا۔ یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو، لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلم ہو، لیکن حق کا قدم جب درمیان میں رہے گا تو پھر کسی کا کچھ لحاظ نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ کوئی ہو۔ "وَلَو ان فَاطِمة بِنت مُحمّد (اعاذ اللّٰہ تعالیٰ) لَسَرقت لَقَطعت يَدَهـا" ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔ مولانا نعمانی اور میرا فیصلہ اب یہاں نہیں وہیں ہوگا۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ اب بجائے "آج" کے "کل" ہی پر اس معاملہ کو محول کروں، لیکن مولانا نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ان کی جو باتیں اس وقت میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہو رہی ہیں، تین چار مہینے بعد واضح ہو جائے گا کہ مولانا نعمانی ہی حق پر تھے اور فقیر باطل پر۔ اس انتظار میں "چار" مہینے کے قریب میں نے گزارے، لیکن اب تک اپنا بطلان مجھ پر واضح نہیں ہوا، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مرنے سے پہلے العیاذ باللہ میں بھی اس کا قائل ہو جاؤں گا کہ ابو حنیفہؒ کی فقہ عجمیوں کے قانون سے متاثر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سرزمینِ عرب کے ایک خاص تاریخی دور کی اصلاح تک محدود ہے، قرآنی قوانین کی حیثیت صرف مثالی باتوں کی ہے، بخاری و مسلم انجیل و تورات جیسی محرّف کتابوں کے ہم وزن ہیں، العیاذ باللہ کیا میں اپنی خودی کے اعتماد کو خدا اعتمادی سمجھنے لگوں گا۔ قبل اس کے کہ میرے اندر، خدانخواستہ اس قسم کے خیالات کی صداقت واضح ہو، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس دنیا سے اٹھالے اور سچ تو یہ ہے کہ ایسے پختہ کار اربابِ دین جیسے مولانا نعمانی ہیں، ان بزرگوں کے اندر "سندھیانے" کے ساتھ رواداری مسامحت خود ایک ایسا واقعہ ہے کہ جینے سے جی کچھ گھبرایا گھبرایا سا معلوم ہوتا ہے۔[۲]

بہر حال ایک اچھا موقعہ ہے بحمد اللہ کہ آپ دین اور علم دونوں چیزوں میں متوازن فیصلہ کے مالک ہیں، میں اپنا اور مولانا نعمانی کا مقدمہ آپ ہی کے سپرد کرتا ہوں اور جو فیصلہ آپ فرمائیں گے، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے تیار ہوں۔

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

حضرت مولانا الیاس تغمدہ بغفرانہ کے متعلق آپ کی کتاب "الفرقان" کا نمبر بن کر جو شائع ہوئی ہے اس کے متعلق تبریک و تحسین کی توفیق مجھے نہیں ہوئی، حالانکہ ایک ہی نشست میں اول سے آخر تک پڑھ گیا تھا لیکن آپ نے میری مجنونانہ یادداشت کی توصیف فرما کر دو دو شکریے مجھ پر واجب کر دیے۔ پہلا شکریہ تو اپنی طرف سے مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، رہا دوسرا شکریہ وہ رسمی ہے، یہ میرے نزدیک بجز اس "اسکیم" کے پیش کرنے کے لیے میں نے ایک طول طویل تمہید اختیار کی۔ کوئی دوسری چیز چنداں قابل توجہ نہیں، تاہم اگر آپ کو کچھ چیزیں نظر آئی ہوں تو میں انتظار کروں گا کہ اپنے خیالات کو مختصر الفاظ ہی میں قلمبند فرما کر مجھے بھیج دیجیے، یا کسی رسالہ میں، 'برہان' یا 'الفرقان' میں شائع کرا دیجیے۔ سیّد صاحب نے 'معارف' میں لکھنے کو تو لکھا لیکن میرے مقصد کو صحیح طور پر وہ بھی اپنی گرفت میں نہ لا سکے۔ بعد کو انھوں نے اس کا اعتراف فرمایا اور 'معارف' میں میری تعلیمی تجویز کا اجمالی خاکہ خود ہی مجھ سے لکھوا کر شائع فرمانے کا حکم دیا۔ مگر مناسب ہوگا کہ دوسری جلد اس کتاب کی جو چھپ چکی ہے، امروز فردا میں شائع ہو جائے گی اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ دراصل وہ ایک بسیط کتاب تھی، ادارۂ ندوۃ المصنفین نے خواہ مخواہ اس "لا یتجزیٰ" کو متجزا کر دیا۔ بہت سی جوہری باتیں اس حصے میں ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ آپ کے والدِ مرحوم کی چیزوں سے یوں تو مجھے بچپن ہی سے خاص دلچسپی رہی ہے لیکن "نزھۃ الخواطر" کی قدر و قیمت مجھ پر اپنی اس کتاب کے لکھنے کے وقت جتنی ظاہر ہوئی، اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ اللہ کے اس مخلص بندے نے کمال کر دیا ہے، سمندروں کو کھنگال گئے لیکن پتہ بھی چلنے نہیں دیا۔ خدا کرے کہ ان کی محنت سے استفادہ کا موقعہ دنیا کو مل جائے، ایک انقلابی کام ہے جسے وہ کر کے چلے گئے۔ اب یہ ہم لوگوں کی توفیق کی بات ہے کہ اس سے خود مستفید ہوں اور دوسروں کے مستفید ہونے کے مواقع پیدا کریں۔

میرا خیال تھا کہ جہاں اپنے والد مرحوم کی کتابوں کے دوسرے خدمات کے لیے آپ اپنے آپ کو آمادہ فرما رہے ہیں اگر ایک تکملہ کا بھی ارادہ فرمالیں تو مناسب تھا، یعنی

ہندوستان کے جن ممتاز علماء کے حالات اس کتاب میں نہیں آسکے ہیں، ان کو لکھ کر بطور ذیل کے اس کے ساتھ شریک فرمادیں، ''تذکرۃ الحفاظ'' ''ابن خلکان'' اور بھی دوسری طبقاتی کتابوں کے ساتھ سلف میں میں ذیول کے اضافہ کا عام دستور تھا۔

میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا، خصوصاً ''اِذَا حَکَمْتَ بَیْنَ النَّاسِ فَاحْکُمْ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِهٖ'' لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ''[4]

خاکسار خیر سگال

مناظر احسن گیلانی

---

[1] خط کی ابتدائی سطور موجود نہیں۔

[2] ان سطور میں مولانا عبید اللہ سندھی کے خیالات کی جانب اشارہ ہے جن کا رد مولانا گیلانی نے کیا تھا۔

[3] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب 'مولانا محمد الیاس' اور ان کی دینی دعوت'۔

[4] ترجمہ: سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں۔ ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقے کی ترغیب دے یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی۔

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نومبر ۱۹۴۵ء

حیدر آباد دکن

جوار الجامعۃ العثمانیہ

اے الشاب الباء الراشد...... الصالح السید مولانا ابی الحسن علی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج اچانک آپ کے شفقت نامہ کو پاکر میں متردد ہو گیا ہوں۔ آپ کا خط تقریباً آج سے پچیس چھبیس دن پہلے ملا تھا۔ میں نے اس وقت ممکنہ کارروائی اس کے متعلق شروع کر دی اور نتیجہ یہ برآمد ہوا تھا کہ دو رائیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئی تھیں، ایک تو یہ کہ آمد و رفت کے مصارف آپ کو دیے جائیں گے باقی قیام کا مسئلہ تو وہ قابل بحث ہی کیسا تھا، خاکسار کا غریب خانہ جناب والا کا گھر ہے، خود مجھے آپ کی ایمانی و علمی صحبت سے استفادے کا موقعہ میسر آتا کہ ع بزرگی بعلم ست نہ بسال، اور دوسری صورت

یہ تھی کہ آپ لکھنؤ ہی سے کتاب لے کے متعلقہ خدمات کو انجام دے کر بھیجا کیجیے اور وہ حیدر آباد میں طبع ہوتی جائے۔ میں نے تیسرے یا چوتھے دن ہی ان باتوں کو لکھ کر مولانا عبدالباری صاحب کو خط لکھا تھا اور اس خط میں یہ مضمون بھی تھا اور یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ آپ کے خط کے بعد پھر اس مضمون کا خط مولانا نے بھی لکھا تھا۔ میں نے ان ہی کو جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ اور علی میاں صاحب تک اس پیغام کی پیغامبری کیجیے۔ اسی بنیاد پر میں سمجھے بیٹھا تھا کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو ترجیح دے کر مطلع فرمائیں گے لیکن آج آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کو کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ میں نے آپ کو جواب بلا سمجھے نہیں دیا تھا لیکن مولانا عبدالباری صاحب کے خط میں میں نے خیال کر لیا تھا وہی آپ کے لیے کافی ہوگا۔ واللہ اعلم کیا صورت پیش آئی، مولانا کا اس کے بعد خط بھی نہیں آیا ہے اس سے بھی گونہ تشویش میں ہوں۔ سبیش خیر باد۔ آپ بالکل مطمئن رہیں جب تک آپ کی اجازت و امضاء ہر جلد حاصل نہ کر لی جائے گی، کتاب پریس میں نہیں دی جائے گی، ان شاء اللہ ''پسر تمام کند'' کی صورت پیش رہے گی۔ اب پھر رائے قائم کر کے آپ جواب دیجیے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت پسند ہے۔ اگر حیدر آباد کا خیال ہو اور خدا کرے خیال آجائے، تو آپ کی خدمت میں خرچ بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ سر دست ناظم صاحب دارالترجمہ نے دو سو روپے دینے کا ارادہ کیا ہے البتہ اتنی بات اس کے ساتھ عرض کر دینا ضروری ہے کہ دسمبر، جنوری غالباً تعطیل کی وجہ سے خاکسار حیدر آباد میں نہ رہ سکے گا اور آپ کو حیدر آباد جب آنا چاہیے، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں میرے سامنے اور ان ہی دنوں میں آنا اور رہنا چاہیے، جب میں یہاں رہوں۔

مسئلہ اُخریٰ

ہاں! جناب حسنِ اتفاق سے اس وقت آپ میرے ایک ''مدعی علیہ'' کے پاس مقیم ہیں۔ مولانا نعمانی صاحب[۲] نے اس خاکسار سے مخلصانہ روابط اپنی کرم فرمائیوں کی بنیاد پر بڑھائے تھے۔ بنیاد ان روابط کی صرف ''الدّین'' پر قائم تھی اور بحمد اللہ وہ اب بھی قائم ہی ہے لیکن ''الدّین'' کے سلسلہ میں ایک ایسے شخص کی طرف سے وکالت کرنے اور خاکسار کو مستوجب لعن وطعن ٹھہرانے پر مولانا تیار ہو گئے، جس کی نیت کا علم ظاہر ہے کہ علّام الغیوب

کے سوا اور کس کو ہو سکتا ہے لیکن بہ ظاہر جس کا عمل ''اسلام'' کی بنیادوں کو متزلزل کر رہا تھا، جس نے مسلمانوں کی فقہ، مسلمانوں کی حدیث اور حد یہ ہے کہ مسلمانوں کے قرآن تک کو مشتبہ کرنے کی کوششوں میں اپنی ساری دماغی طاقت خرچ کر دی۔ ایک طرف تو اس تماشے کو ''حماۃ دین'' خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے لیکن ایک نیم دینی ادارے کے خرچ کو توفیق تکلم کی ہوئی، تو بجائے نصرت وتائید کے اس کو جھڑکا گیا، اس حال نے آخر میری حمیت میں جنبش پیدا کی، لیکن حیران ہو کر رہ گیا کہ اس قسم کے ''خالص ایمان'' والے حضرات مولانا نعمانی ہیں جو مودودی صاحب تک کے اسلام کو برداشت نہ کر سکے وہ مجھ پر بپھر بیٹھے اور زجر وتوبیخ، لعنت وملامت کا کوئی دقیقہ اس میں اٹھا نہ رکھا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت شبلی کے اس بھول کی حقیقت (مجھ) پر ظاہر ہوئی جس کی حسین بن میفور نے کہا جاتا ہے کہ شکایت کی تھی ''عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ'' تک کہنے کی اجازت جس دین کی اساسی کتاب میں دی گئی ہے، اس دین کے ماننے والوں کو میرے لب ولہجہ..........[3]

☆ مولانا نعمانی سے میرا اسلام فرما دیجئے۔ میرا دماغ ان سے ایک حد تک ضرور جدا ہوا ہے لیکن ان کے دماغ کی جدائی کے بعد باقی دل بھی ان ہی کے ساتھ ہے اور اس لیے ہی کہ غالباً ان کا دل بھی ابھی مجھ سے جدا نہیں ہوا ہے۔

☆ آپ نے میرا شکریہ خوب ادا کیا ہے، یہ میری سعادت ہوگی کہ اگر کسی حیثیت سے اس سلسلہ میں کسی کی خدمت مجھ سے بن رہے۔ فلاح دارین کا ذریعہ تصور کرتا ہوں۔ (حواشی بقلم مولانا گیلانی)

1 نزھۃ الخواطر۔

2 مولانا محمد منظور نعمانی سابق مدیر 'الفرقان' لکھنؤ۔

3 یہ خط یہیں تک دستیاب ہو سکا۔

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲؍دسمبر ۱۹۴۵ء

حیدرآباد دکن

برادر محترم مولانا سیّد علی ابوالحسن صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ کافی انتظار کے بعد مجھے مل گیا تھا

لیکن میں بھی جواب تاخیر سے دے رہا ہوں، وجہ اس کی یہ تھی کہ ناظم صاحب دارالترجمہ مدراس تشریف لے گئے تھے، گفتگو کا تعلق ان ہی سے تھا۔ اب میں نے ان سے مل کر بحمد اللہ سارے معاملات طے کر لیے ہیں۔ ہم دونوں کے باہمی مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ آپ کو یہاں بلا کر رکھنے اور کام کرانے میں بلا وجہ کی دردسری میں آپ کو مبتلا کرنا ہے۔ جب اس کتاب[1] کے متعلق تمام تکمیلی امور کے اضافے کا سامان آپ لکھنؤ ہی میں کر چکے ہیں تو آپ کام وہیں بیٹھ کر کیجیے، کتاب آپ کے پاس واپس بھیجی جا رہی ہے۔ میں نے یہ بھی طے کر لیا ہے کہ طباعت کے لیے جو مبیضہ تیار کرایا جائے گا، تبییض وغیرہ کے مصارف آپ کو ایصال کیے جائیں گے، ناظم صاحب کا مراسلہ سرکاری طور پر ڈاکٹر صاحب کے نام ان شاء اللہ کل تک روانہ ہو جائے گا۔ آپ اب کام کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ حیدر آباد آنے میں یہ بات کہ کام جلد جلد نکلتا جائے گا جیسا کہ مولانا عبدالباری نے فرمایا ہے ایک پہلو فائدے کا ہے لیکن آپ ہر قسم کے کاروبار سے الگ ہو کر محض اس ایک کام کے لیے حیدر آباد میں جو قیام کریں گے، جہاں تک میرا خیال ہے، بہت سے دوسرے نقصانات کا باعث ہی ہو سکتا ہے۔ ان شاء اللہ خاکسار جب تک حیدر آباد میں موجود ہے، یہاں کے معاملات کو خود سلجھاتا رہے گا۔ آپ کے قیام کی صورت میں بھی کام تو مجھ ہی کو کرنا پڑے گا پھر بلا وجہ آپ کو کیوں تکلیف دی جائے۔ آپ کے ساتھ لکھنؤ میں اور بہت سے کام متعلق ہیں، بس اس وقت تو صرف اس کام کو کر دیجیے کہ "نزہۃ الخواطر" کی جلد اوّل جہاں تک جلد ممکن ہو، طباعت کے قابل ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے مضمون واحد کے مضمون کو غیر موجود میری تعطیل کا زمانہ بھی قریب ہے، سرما میں ادھر کئی سال سے صرف بیس دن کی تعطیل چونکہ ہوتی تھی، اس لیے گھر نہیں جاتا تھا لیکن اس سال اتفاقاً کچھ دن اور مل گئے تو ارادہ تو ہے، دیکھیے خدا پورا کرے۔ حیدر آباد سے بہاریوں کا ایک قافلہ روانہ ہو رہا ہے میں بھی اس قافلہ میں شریک ہوں، ارادہ کر لیا ہے، ان لوگوں کو سمجھا رہا ہوں کہ لکھنؤ ہو کر چلیں لیکن وہ راضی نہیں ہیں۔ دیکھیے اگر وہ لکھنؤ کے راستے سے چلنے پر راضی ہوئے تو خاکسار بھی ان کے ساتھ ہوگا ورنہ ان کی رفاقت میں شاید لکھنؤ کو چھوڑنا پڑے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

آپ نے خاکسار کے تعلیمی مشوروں کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں میں نے ان کو غور سے پڑھا، بڑی تفصیل طلب باتیں ہیں، جن کا فیصلہ کسی شفاہی ملاقات ہی میں ہوسکتا ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ار مارچ ۱۹۵۲ء

اے الاخ الصالح السعید مولانا السید علی ابی الحسن سلمکم اللہ تعالیٰ وایدکم بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بچپن میں سنا ہوا ایک شعر بازاری جس کا اب ایک مصرعہ ہی یادرہا ہے آپ کے علمی ہدایا کے طومارِ عظیم کو دیکھ کر وہی مصرعہ دماغ میں تازہ ہوگیا، شاعر نے کسی سے کہا تھا یا خود میرے دماغ نے بنالیا

میں نے اک تنکا اتارا تو نے چھپر رکھ دیا

اگر میں یہ جانتا تو شاید اس کتابچہ کے بھیجنے کی جسارت بھی مجھ میں پیدا نہ ہوتی۔ الکرم فی العرب۔ جب ہاشمی اور فاطمی خون میں ہیولیٰ مجسم ہوا ہو تو غالباً اس کے مظاہر بھی ہو سکتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں۔ چھپر کا جواب تنکے کے مقابلہ میں ملا ہے تو چھپر کے جواب مین کیا پیش کروں۔ ''اشک آلود'' پرنم آنکھوں کے ساتھ دعائے اضطرار ''فقرِ تام''، احتیاج مطلق کا صرف بھی ایک سرمایہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے بلند و پاکیزہ عزائم کے ساتھ ''امتِ مرحومہ'' کے ایقاظ واحیاء کے لیے آپ کی قوت میں قوت کا اضافہ فرمائے۔ شکستہ دلوں کی آپ آج امید ہیں۔ مَتَعنا اللّٰہ وَالْمُسْلِمِیْن بِطُول بقایا۔ مرسلہ کتابوں کا مطالعہ غیر معمولی ذوق وشوق سے شروع کر دیا گیا ہے لیکن اب تک جو کچھ پڑھ سکا ہوں اگر خاک بھرنے کی دھمکی سامنے نہ ہوتی تو منہ پر آ کر یہ بات واپس ہو جاتی ہے کہ ''سیف اللہ'' کی کاٹ کا مقابلہ عربی کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نہیں کر سکتے۔

یاد آتا ہے، آپ ہی کے خطابات یا مراسلات میں نظر سے یہ بات گزری تھی، شام

کے ایک ناقد مبصر نے کہا تھا کہ ہندی علماء کی کتابوں میں نور نظر آتا ہے۔ کیا عرض کروں اس ہندی نور سے، مصر وشام اوراق اب میری کم نگاہی سمجھیے، کچھ خالی نظر آتے ہیں۔ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ "مہبط وحی" میں پہنچ کر آپ کے شرح صدر کی کیفیت میں کچھ غیر عادی اضافہ ہوا ہے۔ حراء والے مضمون میں جس جوہری نقالیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، زمانہ کا ایک مجمل ومبہم خیال خود میرے لیے مفصل بن گیا ہے۔ اس وقت صرف رسید کتابوں کی پیش کر رہا ہوں، مفصل نیاز نامہ ان شاء اللہ عن قریب حاضر ہوگا۔ "تعمیر" کے چند صفحات ایک خاص مسئلہ کے لیے چاہتا ہوں کہ کچھ دن کے واسطے عطا فرما دیے جائیں، مولانا قدوائی صاحب کیا اجازت اور گنجائش پیدا کر سکتے ہیں؟

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

اپنے نوازش نامہ میں مخدوم ومحترم ڈاکٹر صاحب[1] کا حال آپ نے نہیں لکھا، حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت اس کی تھی، میرا سلام عرض کر دیجیے۔

[1] ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی برادر بزرگ مولانا ابوالحسن علی ندوی وسابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴ رجنوری ۱۹۵۳ء

سلالة السادات الكرام البررة خير اللحقة بالمدة ايّدكم الله بروحٍ منه

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محبت واخلاص جس کے حرف حرف نقطہ نقطہ سے چھلک رہا ہے آپ کے اس رقیمہ وداد کو پڑھ پڑھ کر مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ جزاکم اللہ عنا خير الجزاء کا وقت ماخوش کر دی۔

اخباروں میں مزید اس اضافہ کی خبر پڑھ کر کہ آپ نے دمشق یونیورسٹی کی خدمت کو قبول فرماتے ہوئے لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا پیش کر کے سلف کے اسوۂ نیک کو حرص وطمع کے اس عہد میں تازہ وزندہ فرمایا۔ غیر معمولی مسرت ہوئی۔ آخر کچھ لوگ تو ہم میں

ایسے ہوں جو دین کی خدمت صرف دین کے لیے کر رہے ہیں مگر ارباب ہم کے سوا اتنے بلند راستہ کو اختیار کرنا آسان نہیں ہے۔ ہم جیسے حریصوں کے لیے جس کا تصور بھی دشوار ہے، آپ کے لیے وہی آسان کیا گیا ہے ''فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى '' کی یہی عملی تفسیر ہیں، لِلْحَرْبِ رِجَال وَلِلْقَصْرِ رِجَال۔ ''نزهة الخواطر'' کی طباعت کا سلسلہ جاری ہے اور پانچواں حصہ تک زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے پاس آچکا ہے۔ کیا پوچھتے ہیں کہ اس خبر سے نشاط کی کیفیت کا۔ افسوس ہے کہ دائرۃ المعارف والے دینی ضرورتوں میں اب بھی خاکسار کی طرف رجوع کرتے ہیں مگر اس قسم کی خبروں سے بے خبر بھی رکھتے ہیں۔ بہرحال مقصد کتاب کی اشاعت وطباعت ہے، یہ کام تو ہو رہا ہے اور ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب اسباب ناموافق تھے۔ میں حیدرآباد لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

سیرت سیّد احمد شہید (حیّاہ اللّٰہ حیوتہ الطیبہ) کے اس تازہ نسخہ کو بھیجیے گا جو لاہور میں چھپ رہا ہے ممکن ہے کہ ''اجلِ مسمّٰی'' اس وقت تک فرصت دے، اس نسخہ کے انتظار کی لذت بھی کافی لذیذ ہے۔ آخری فقرہ اس لیے قلم سے نکل گیا کہ ادھر دو ڈھائی مہینہ کے افاقہ کے بعد پرسوں پھر دورۂ وجع القلب کا پڑ گیا تھا لیکن زیادہ تیز حملہ نہ تھا، کم از کم اتنی قوت باقی رہ گئی ہے کہ یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ آہستہ آہستہ قلم اٹھانا شروع کیا تھا۔ ''الفرقان'' کی بزم سے اٹھ جانے یا اٹھا دیے جانے کا کافی احساس دل میں پاتا ہوں مگر مجبور ہوں معذور ہوں ایک مختصر سا مقالہ ''الفرقان'' کے لیے لکھ بھی رہا تھا کہ تکمیل سے پہلے گر گیا تھا، ان شاء اللہ پہلی فرصت میں اپنا ارادہ تو یہی ہے کہ اس ناقص مضمون کو پورا کر کے دفتر میں بھیج دوں۔ ہمارے مولانا نعمانی تو ''زندہ منبع'' میں غرق ہو گئے ہیں۔ اللّٰھم ایدہ وانصرہ نصرا ...... اگر ہوں تو سلام عرض کر دیجیے گا۔ ''البلاغ'' والے مضمون کو پسند فرمایا گیا، کوئی خاص چیز تو نہ تھی میری آرزو البتہ پوری ہو گئی، اگر عربی لباس میں وہ آ گیا، ندوہ کی محنت بالآخر بارآور ہو کر رہی۔ ان شاء اللہ بہت سے مسائل ''البعث الاسلامی'' کے ذریعہ آئندہ حل ہوں گے۔ عربی مدارس میں جہاں تک ممکن ہو اس کا ایک نسخہ پہنچنا چاہیے۔ آپ حضرات کا کام ان شاء اللہ نہیں رُکے گا۔ خدا جانے ''سوانح قاسمی'' کی دوسری جلد نظر سے گزری یا نہیں۔ اشاعت ونشر بلکہ طباعت ہر معاملہ میں ''ملامت'' کے اثرات غالب ہیں۔

بعض فاحش غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کرنل السکاٹ تھیا سولوجکل سوسائٹی کا بانی مبانی اس کا ذکر اس کتاب میں جہاں کہیں درج ہوا ہے بجائے السکاٹ بالملام کے اسکاٹ چھپتا رہا۔ مصحح صاحب کی توجہ نہ ہوئی۔ ایک جگہ تو صفحات کی ترتیب ہی الٹ پلٹ گئی۔ شدت نشاط میں اس کا خیال بھی ہمارے دوستوں کو نہ ہوا۔ نہ معلوم مولانا نعمانی میں طباعی سلیقہ کہاں سے پیدا ہوا اور کیسا سلیقہ کہ اب تو یہ سلیقہ ان کا موروثی سلیقہ بن گیا۔ عتیق میاں سلمہٗ خوب کام کر رہے ہیں۔

فقط خاکسار

مناظر احسن گیلانی

اس فقیر کے خطوط کا جواب آپ جیسے بزرگوں کے لیے ضروری نہیں۔ آپ کے مشاغل کا مجھے اندازہ ہے، ہاں! کوئی ضروری جواب طلب بات ہو تو خود یا کسی سے لکھوا دیا کیجیے میں تو بے کار پڑا ہوا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ سے سلام فرما دیں۔

عزیز محترم مدیر ''البعث الاسلامی''، سیّد محمد میاں کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳ر فروری ۱۹۵۳ء

سلالۃ السادات الکرام البررۃ خیر اللحقۃ بالمدۃ ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی ناسازی مزاج کی خبر مولانا عبدالباری صاحب کے گرامی نامہ سے اسی زمانہ میں ملی جب خود یہ ہیچ کارہ تنفس کا مدتوں کے بعد پھر شکار ہوا تھا۔ مولانا نے اس کے ساتھ آپ کی صحت یابی کا مژدہ بھی سنایا تھا۔ میں خیال ہی میں رہا کہ طبیعت ذرا سنبھل لے تو خدمت والا میں مزاج پرسی کا عریضہ لکھوں مگر سچی بات ہے کہ فضائل واکرام میں آپ لوگوں سے سبقت کی کوشش کا شاید کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کل ہی والا نامہ ملا ہے، اس مشت استخواں از کار رفتہ کے ساتھ قلب مبارک کے جس تعلق کا پتہ آپ کے حروف سے چل رہا ہے، جسے پڑھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ اپنی حقیقت سے آگاہ ہوں، لیکن آپ کے اور آپ کے اخ کبیر مخدومی ومحترمی ڈاکٹر صاحب قبلہ کی غیر معمولی نوازشوں

کی توجیہ بجز آپ حضرات کی خاندانی سعادتوں کے اور کس چیز سے کروں۔ بہر حال کچھ دن تو واقعی کافی پریشان رہا۔ ایک ہفتہ سے زیادہ چلنے پھرنے سے معذور رہا لیکن بہ تدریج مقامی علاج و معالجہ اور حالت کی بہتری کو حق سبحانہ' و تعالیٰ نے شفا کا ذریعہ بنا دیا۔ اب کہہ سکتا ہوں کہ ضعف و نقاہت کے سوا اصل مرض کی شدت ٹوٹ چکی ہے، خدانخواستہ یہ صورت اگر پیش نہ آتی تو مسجد کے سوا ملاً، اور کہاں دوڑتا۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بھی اپنے معمولی حال کی طرف واپس ہو چکا ہوگا۔ مولانا نے لکھا تھا کہ ''تخمہ'' کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، بعض دفعہ تو بڑی خطرناک شکل تخمہ اختیار کر لیتا ہے۔ بہر حال ''لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا''۔

آپ نے "نزهة الخواطر" کی آئندہ جلدوں کی طباعت کے حال سے آگاہ نہ کیا۔ میرے لیے تو حیدر آباد لکھنؤ سے زیادہ اجنبی ہو چکا ہے۔ بعض دوستوں سے پوچھتا بھی ہوں تو جواب ہی نہیں دیتے مگر آپ کو تو حالات سے باخبر رکھا جاتا ہوگا۔ آخر کتنے حصے شائع ہو گئے اور کہاں سے مل سکتے ہیں۔ حال میں خاکسار نے اسلامی دواوین کے ایک دبے دبائے مسئلہ کو ''معارف'' میں ابھارنا چاہا ہے، معلوم نہیں زمینداری و جاگیرداری والا یہ مقالہ آپ کی نظروں سے گزرا یا نہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ اب باقی کیا رہا کہ جس پر رقیبوں کا ڈر کریں۔

جو کچھ لکھا گیا، جی تو چاہتا تھا کہ اس کا خلاصہ اگر عربی زبان میں آ جاتا تو مصر میں بھی یہی مسئلہ آج کل چھڑا ہوا ہے شاید لوگوں کو مسئلہ کی تنقیح و تحقیق کی طرف توجہ ہوتی۔ خود اپنے اندر تعریب کی ہمت نہیں پاتا لیکن آپ کے بارے میں سنا ہے کہ کافی تعداد معربین و مہندین کی پیدا ہو چکی ہے۔ ممکن ہے تو کسی سے خلاصہ اس مضمون کا، معرب کرا کے کسی معتبر اخبار یا رسالہ میں بھجوا دیجیے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی خدمت میں ان کے اس قدیم مریض ممنون کرم کا سلام و نیاز پہنچا دیجیے اور عرض کر دیجیے کہ ''جویائے تندرستی'' حاضری کا آرزو مند ہے، اسے مریض بنا کر کیوں بلایا جائے۔

فقط

مناظر احسن

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰؍فروری ۱۹۵۴ء

سلالۃ السادات الکرام البررۃ نخبۃ الاقران والاتراب

مولانا السید ابی الحسن علی صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس سے پیشتر آپ کے سرفراز نامہ کے جواب میں خاکسار ایک عریضہ خدمتِ والا میں روانہ کر چکا ہے۔ اس کے بعد "تعمیر" کا تازہ شمارہ ملا جس میں آپ کی نئی کتاب ممالکِ اسلامیہ کے تاثرات کے متعلق ذکر تھا کہ کتاب پریس سے باہر آچکی ہے، دل تڑپ کر رہ گیا، اس میں شک نہیں کہ ہم جیسے فرسودہ لوگ آپ جیسے نوجوانوں کی امنگوں اور حوصلوں میں عملی حصہ لینے کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکے ہیں لیکن بھائی!

ہاتھوں میں جو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

آپ کو اس کا اندازہ نہ ہوگا کہ آپ کے قلمی افادات کے ایک ایک حرف سے میرا دلِ مرحوم کتنا اثر پذیر ہوتا ہے۔ آپ کی ایک سطر میں مجھے جو کچھ مل جاتا ہے وہ اس طومار میں نہ میسر آیا، جسے آپ نے ہدیۂ مصر سے واپسی کے بعد ارسال فرمایا تھا، شدت کے ساتھ اس کتاب کا منتظر ہوں۔ اس کے ساتھ آپ سے ایک مشورہ بھی لینا ہے۔ بچوں کو عربی کی ابتدائی تعلیم کی راہ تو مسدود ہو چکی یعنی میزان ومنشعب والی۔ مگر اس کے بعد خوابوں کی وہ بھرمار ہوئی ہے کہ تعبیر ہی دشوار ہو گئی۔ آپ کی نظر میں بچوں کو ابتدائی عربی سکھانے کے لیے جو سنجیدگی کے ساتھ آئندہ قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ کی تعلیم کا مقدمہ بن سکے، اس زمانہ میں کون سی کتاب مفید ہوگی۔ کیا "تعمیر" کے قرآنی درس کی ابتداء کے لیے جو کتابیں مرتب ہوئی ہیں وہ اس کام کے لیے مفید ہو سکتی ہیں یا۔ نامی صاحب نے جو سلسلہ لکھا ہے، اس کو منگوایا جائے، نامی صاحب والی کتابوں میں تو وہی "رہ دور دراز" کے قصے نظر آئے۔

بہر حال اپنی کتاب کے ساتھ "تعمیر" والوں کی ابتدائی دو تین ریڈروں کو بھی میرے نام ویلو کر دینے کی فرمائش کر دیجیے۔ شدت کے ساتھ آپ کی اس کتاب کا انتظار کرتا رہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں فقیر کا سلام فرما دیجیے۔ عرض کر دیجیے کہ یا معقل تو ان کی دعا ہی کافی ہوگی۔ مولانا عبدالسلام قدوائی صاحب سے سلام عرض ہے۔ فقط

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

---

[1] اشارہ ہے مولانا عبدالسلام قدوائی کی کتب، قرآن مجید کی پہلی کتاب، قرآن مجید کی دوسری کتاب اور قرآن مجید کی تیسری کتاب کی جانب۔ ان میں سے ابتدائی دو کتب کے جدید ایڈیشن ڈاکٹر رضوان علی ندوی اور محمد راشد شیخ کی کوششوں سے مجلس نشریات اسلام کراچی سے شایع ہو چکے ہیں۔

[2] اشارہ ہے مولانا محفوظ الرحمٰن نامی کی کتب 'مفتاح القرآن' کی جانب جو کئی حصوں میں شایع ہوئیں

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ر فروری ۱۹۵۳ء

نخبۃ الاتراب والاقران مولانا السید علی الندوی ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کتنے ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی کتاب مشرق وسطیٰ والی اپنے ہاتھ میں لی، لینے کے ساتھ پڑھ گیا، لیکن آپ نے پیاس بھڑکا دی۔ پیاسا بنا کر چھوڑ دیا، کاش! آپ کا روزنامچہ شائع ہو جاتا، تاہم جو کچھ بھی اس میں آ گیا، غنیمت ہے۔ فلسطین کے اس پیر مرد کی بات دل کو بہت بھائی کہ سمندر کی مچھلیوں الخ۔ اپنا خیال بھی یہی ہے اس لیے اس دور کو "کہن دور" سمجھے ہوئے ہوں، تا آنکہ تلامیذ الشیطان کا دور ختم ہو۔ آپ نے اس سفر میں زیادہ ندوی الطبع حضرات سے ملاقات کی، دیو بندی الفطرت بہ مشکل دو ایک سے زیادہ نہ ملے۔ میری آرزو یہ تھی کہ حضرت شہید کے کچھ نمونوں کی تلاش کرنے میں بھی آپ کامیاب ہوئے ہوں گے مگر شاید پیداوار کا سلسلہ اس راہ میں غالباً بند ہو چکا ہے۔ اس وقت صرف رسید آپ کے تحفہ سنیہ علمیہ کی اس کارڈ کے ذریعے بھیج رہا ہوں۔ کل "الفرقان" کا وہ نمبر بھی مل گیا، جس میں تجدید و اصلاح کے سلسلہ میں آپ کا پر مغز مضمون

بحمد اللہ کہ اس فقیر کے دل کا ترجمان ثابت ہوا۔ آپ کی نظر سے معلوم نہیں "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" فقیر کی کتاب گزری ہے یا نہیں، مولانا نعمانی کا بہت دنوں سے پتہ نہ تھا مجھے اندیشہ ان کی ناراضگی کا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ منہمک تھے، میرا اسلام اگر ملاقات ہو عرض کر دیجیے گا، ان شاء اللہ ان کے مقالہ کی کوئی شکل عنقریب پیش ہوگی۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

ڈاکٹر صاحب سے فقیر کا سلام فرما دیجیے۔

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ر نومبر ۱۹۵۳ء

گیلانی (بہار)

رفیع القدر اخونا العزیز مولانا السید علی ابوالحسن سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ چند دن ہوئے کہ غیر مترقبہ نعمت کی صورت میں آپ کی مولفہ قرآنی ریڈروں کا پارسل موجب امتنان ہوا۔ فکر ہی میں تھا کہ شکریہ ورسید خدمت والا میں پیش کروں کہ

ستبدی لک الایام ما کنتُ جاھلا

وتاتی بلک الاخبار مالم تزور

کے واقعات لکھنؤ میں شروع ہوئے۔ شکر ہے کہ اب حالات جیسا کہ "الاخبار" سے معلوم ہو رہا ہے روبہ سکون ہیں۔ اس ایک ہی چارۂ کار کے سوا جو بے بسوں کا آخری سہارا ہے، اپنے بس کی بات ہی کیا تھی۔ آج دنیا جس آسمان کے نیچے اور جس زمین کے اوپر گزر رہی ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں کس وقت کس کے ساتھ کیا صورت حال پیش آتی ہے، بھروسہ جو کچھ بھی ہے وہ فقط اس پر ہے کہ "لَمْ یَتَّخِذُوْا وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ..." کے نسخہ کا دروازہ بند ہے۔ جس کا ملک ہے، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ کے ساتھ ہم وقفہ وقفہ کے ساتھ اس کا اقرار کرتے رہتے ہیں کہ اس میں نقص وعیب نہیں ہے تو اس کے نظم میں

نقص وکوتاہی کا احتمال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ یہ ساری مصیبتوں کا سرچشمہ بس وہی ہے جس کی طرف سیّد الاستغفار میں اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ میں اشارہ کیا گیا ہے، تان اس "مَاصَنَعْتَ" پر بہر حال آ کر ٹوٹتی ہے، آپ کی دونوں ریڈر میں جو مصر میں طبع ہوئی ہیں[1]، طباعت نے ان کی آنکھوں کو روشن کر دیا، لوح کتاب پر کلکتہ کے ماسٹر صاحب کا نام ہے، یہ کون صاحب ہیں؟ پٹنہ میں منعمی صاحب موجودہ حکومت کے ایک رکن وزارت میں ہیں ایک خاندانی بزرگ کی ایک کتاب کو وہ ٹائپ میں چھپوانا چاہتے ہیں، اگر موقعہ ہو تو کلکتہ کے ان ماسٹر صاحب کے مفصل پتہ سے خود آگاہ فرمائیے، یا اپنے کسی متوسل تلمیذ کو فرما دیجیے، ایک کارڈ میں لکھ کر بھیج دیں۔

اپنے اخ اکبر، فقیر کے محسن کریم عالی جناب ڈاکٹر صاحب کے ایک کارڈ سے معلوم ہوا کہ اپ ٹو ڈیٹ کوئی خانقاہ لکھنؤ میں قائم ہوئی ہے اور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مولانا عبدالقادر صاحب آج کل لکھنؤ تشریف فرما ہیں۔ صحت کچھ بھی اجازت دیتی تو یہ دونوں خبریں لکھنؤ تک گھسیٹنے کے لیے کافی تھیں۔ زمین سخت ہے آسمان دور ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] قصص النبیین۔

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸؍دسمبر ۱۹۵۳ء

سلیل الکرام البررہ، برادر عزیز مخدوم مولانا سیّد ابوالحسن علی صاحب

وفقکم اللہ کما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں! نوازش نامہ کے جواب ہی کی فکر میں تھا کہ اچانک اس دینی وعلمی حادثہ کی خبر نے دل ودماغ میں ہلچل ڈال دی[1]۔ مرحوم نور اللہ ضریحہ کے ساتھ دل کے تعلق کی صحیح کیفیت کا علم اب ہوا ہے۔ کافی مدت گزر چکی ہے لیکن شاید ہی کوئی گھنٹہ بیدار تک ہی کا اب گزرتا ہو جس میں ان کا خیال سامنے نہ آجاتا ہو، اور خیال کیا

کہنے کو کہہ سکتا ہوں کہ ان کا (خیال) نہیں بلکہ شاید وہی سامنے آجاتے ہیں۔ اس واقعہ کی توجیہ اب سمجھ میں آئی۔ آخری حج سے واپس ہونے کے بعد، اپنے ایک مکتوب میں سیّد صاحب مرحوم نے ارقام فرمایا تھا کہ "میں مطاف کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اچانک میری نظر پڑی کہ تُو طواف کر رہا ہے۔ خیال آیا کہ وہ آتا تو مجھ سے ضرور ملتا، کیا یہ ماجرا کیا ہے، میں خود ملنے کے لیے تیری طرف لپکا، لیکن دیکھا کہ تم غائب ہو گئے۔" پوچھا تھا کہ آخر صوفیوں میں جو مشہور ہے کہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں، کیا اس کے ظہور کی یہ شکل تھی، ان کا شاید یہی آخری گرامی نامہ تھا۔ جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ محبت کے یہ سارے کرشمے ہیں، ورنہ کہاں یہ سیاہ رُو اور کہاں کعبہ کی نماز و طواف۔ پہلے تو ان کے اس رقیہ وداد کو محفوظ کر دیا لیکن خیال گزرا کہ بعد کو کسی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے اور خواہ مخواہ کے وہم میں مبتلا ہو۔ دل کا فیصلہ بھی ہوا کہ اس کو ضائع کر دیا جائے۔ جب تک وہ زندہ رہے اس راز کو دل ہی میں دبائے رہا۔ آج پہلی دفعہ آپ کے سامنے صرف اس لیے اس واقعہ کا اظہار کر رہا ہوں کہ اپنے حال سے سیّد صاحب مرحوم کے حال کی توجیہ سمجھ میں آئی ہے۔ ان ہی کے قلبِ انوار کا یہ عکس ہے کہ غائب ہونے کے بعد حضوری کا شرف حاصل ہو رہا ہے، جو کچھ مجھ پر گزر رہی ہے، سمجھتا ہوں کہ کچھ اس قسم کا حال ان پر بھی گزرا تھا لیکن "اَلْفَضْلُ للمتقدم" اور اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی محبت غالب تھی کہ میرے مرنے سے پیشتر اس حال کا تجربہ ان کو ہوا، میرے اندر جو کچھ پوشیدہ تھا اس کا بروز ان کی وفات کے بعد ہوا، غفر اللہ لہ وارحمہٗ۔ اب اس کے سوا دل کی تسلی کے لیے چارہ کار ہی کیا ہے، کہنے والے نے کہا تھا

جمال ذی الارض کانوا فی حیاتھم
بعد الممات جمال الکتب و السیر

وفات کی خبر بھی عجیب طرح سے ملی۔ گوشہ خمول[؟] سے نکلنے کا سلسلہ قطعی طور پر منقطع ہے لیکن جب رات کو ان کا وقتِ موعود ان کے سر پر پہنچا، اس کی صبح کو استھانواں جو دسنہ کے قریب ایک گاؤں ہے، میلاد کی مجلس تھی، وہاں کے لوگوں کے شدید اصرار سے اس مجلسِ مبارک کی شرکت کے لیے حاضر ہوا۔ راستہ ہی میں تھا کہ ایک صاحب دسنہ کے ملے اور ہوش و حواس پر بجلی اس خبر کو سنا کر گرائی، بولے کہ رات ریڈیو سے دسنہ میں یہ خبر کراچی سے

سنی گئی ہے، وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر استھانواں جانا نہ ہوتا تو علی الصباح غالباً ان کے دفن ہونے سے پیشتر اس سانحۂ فاجعہ سے آگاہ ہونے کی کوئی شکل میرے لیے نہ تھی۔ اس وقت جنوں میں ایک مرثیہ بھی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں خود بخود دل میں تموّج پذیر ہوا، کچھ اشعار تو اس کے اس وقت کی مجلس میں سنائے گئے، [3] بعد کو اخباروں میں بھیج دیا۔

بہر حال آپ نے ایک ایسی مجلس [4] میں شرکت کی دعوت دی ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں پاتا اور گنجائش آپ نے باقی ہی کب چھوڑی ہے، اس کے سوا اور کیا عرض کروں کہ صحت کے جس حال میں اس وقت ہوں، اگر یہی حال باقی رہا کوئی خاص غیر معمولی بے ترتیبی اس میں پیدا نہ ہوئی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی توفیق کے بھروسہ پر یہ ارادہ کر چکا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، اس بابرکت مجلس میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کروں گا، آپ خود یا کسی صاحب کو بھیجنے کی ہرگز ہرگز تکلیف گوارہ نہ فرمائیں، فقیر خود حاضر ہو جائے گا اور ایک آدمی کو اپنے ساتھ رکھ لے گا۔ ہاں! اگر ممکن ہو تو اس سے مطلع فرمائیے کہ آخر یہ جلسۂ عام پبلک کی طرف سے ہو رہا ہے یا ذاتی طور پر آپ نے اس بار کو اپنے سر پر اٹھایا ہے۔

آپ نے اپنے نوازش نامہ میں اس فقیر کے متعلق جن غیر استحقاقی الفاظ کا استعمال فرمایا ہے، ان کو پڑھ کر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ واقعہ یہ ہے ان کی زندگی میں بھی اس کا اعتراف کرتا رہا اور اب تو مجسم اعتراف ہوں کہ ان کے فضائل و کمالات سے دُور کی بھی نسبت میرے ہفواتی مزورات کو نہ تھی۔ قلم کے دائرے میں ان کی قلم کاریاں صدیوں تک ان شاء اللہ کام آئیں گی۔ دنیا ان کی قدر و قیمت کا اب اندازہ کرے گی۔ بہر حال آپ جیسے سعید قلوب کے حسنِ ظن کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ۔

اس فقیر کے متعلق جو عنوان مقرر کیا گیا ہے مناسب ہے۔ کہہ نہیں سکتا کہ اب کچھ لکھا بھی جائے گا یا نہیں، اپنے مرثیہ میں ایک شعر یہ بھی لکھا تھا کہ

اپنی تحریروں میں خود میری نظر تجھ پر رہی

رائے کا تیری رہا دل کو ہمیشہ انتظار

یہ عجیب بات ہے کہ اس نفسیاتی کیفیت کا انکشاف اب مجھ پر ہوا۔ قلم ہاتھ میں لیتا ہوں خیال آتا ہے کہ سیّد صاحب مرحوم ہی کی نظر سے جب یہ بات نہ گزرے گی تو لکھنے کا فائدہ ہی کیا۔ وہ کہیں، کس حال میں ہوں، گوشۂ خاطر عموماً ان ہی کی طرف رہتا تھا۔ ان کی پاک اور آزاد روح کو خطاب کر کے دعوت دی ہے کہ آپ آیئے اپنے دارالمصنفین کی بہاروں کا تماشا کیجیے، اسی سلسلہ میں ایک شعر یہ بھی:

راہ میں آئے گا لکھنؤ اور دریاباد بھی
ہیں جہاں تھامے کلیجے تیرے کچھ یارانِ غار

آخری شعر یہ تھا:

اور ہو دسنہؔ جو آنا تو رہے اس کا خیال
ایک گیلانی میں بھی ہے آرزوؤں کا مزار

اپنے برادرِ اکبر محسنی و محترمی ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں فقیر کا سلام عرض کر دیجیے۔ مولانا عبدالباری اور مولانا نعمانی صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ آخر اس ''کہفی'' کو کہف سے گھسیٹنے کی ایک صورت نکل ہی آئی۔

فقط والسلام
مناظر احسن گیلانی

---

۱ وفات مولانا سید سلیمان ندویؒ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کی جانب اشارہ ہے۔

۲ یعنی گیلانی۔

۳ مولانا سید سلیمان ندوی کے انتقال کی خبر سن کر مولانا گیلانی نے 'نوحۂ سلیمان یا عقیدت کے چند آنسو' کے عنوان سے ایک متاثر کن نظم کہی۔ یہ نظم ماہنامہ ریاض کراچی 'سلیمان نمبر' بابت مارچ ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ نظم مکمل شکل میں یہاں درج ہے:

اے سلیماں آہ پیغمبر کا وہ سیرت نگار
جس پہ نازاں ہند تھا اور فخر کرتا تھا بہار
آج محفل علم کی افسوس سونی ہو گئی
دین و دانش کے چمن کی لٹ گئی گویا بہار
اب کرے گا کون ہم میں دین کے اسرار کو
کاوش و تحقیق کی مینا گری سے آشکار
خدمتِ بے مزد کرتا کون ہے اسلام کی
کس پہ ہوگا مفت کے اس عشق کا سودا سوار
ذوق علمی کی تری عربی زباں ممنون ہے
ندوے کی تعلیم کا مانا گیا تو شاہ کار

گو پڑھا ندوے میں تھا لیکن علی گڑھ دیو بند
تیرے علم و فضل کا کرتے تھے دونوں اعتبار

خندہ زن یورپ تھا قرآنی قصص پر جہل سے
تیرے خامے نے بتایا اس کا تاریخی وقار

ہند اور تاریخ اسلامی کے اسرار و رموز
سو رہو تم بھی جہاں سویا تمھارا راز دار

چاک پردوں کو کرے گا کون استشراق کے
ان کی چالوں پر کرے گا خود انھیں کو شرمسار

حوصلہ افزائیاں تیری خدا بخشے تجھے
کتنے ناکارے بنے،ان کی بدولت اہل کار

اپنی تحریروں میں خود میری نظر تجھ پر رہی
رائے کا تیری رہا دل کو ہمیشہ انتظار

آج ہیں مبہوت تیری راہ کے سارے رفیق
گم وہی ہے ان میں جو تھا سب سے بہتر شہسوار

کھوئے کھوئے آج ہیں جوش بھی اور ہوش بھی
حضرت امجد بھی چپ ہیں اور جگر بھی دل فگار

خُلق تیرا حلم تیرا ،تیرا شرمیلا مزاج
یاد میں ان کی رہیں گی اپنی آنکھیں اشک بار

فتنہ ہائے نو بہ نو سے ہو گیا آزاد تو
بے قراری میں بھی اک چیز ہے وجہ قرار

جن کے تو قابل نہ تھا ان سے ملی تجھ کو نجات
وہ بھی ہلکے ہو گئے جن کے دلوں کا تھا تو بار

اہل دنیا اب نہ آئیں گے ستانے کے لیے
ایک ہی مسئلہ کو پوچھیں گے نہ تجھ سے بار بار

اب یہاں چاہیں گے نہ تجھ سے صحافت کے سفیر
وقت کو ضائع کرے گی اب نہ پبلک کی پکار

کام کیا ہے اب خدا والوں کا ایسے عہد میں
خود نمائی ،خود فروشی کی ہو جب دنیا شکار

پیری و بیماری میں اللہ رے چستی تری
جست اک ایسی لگائی ہو گیا دنیا سے پار

بس گئے ہوں جس کے دل میں رحمۃ للعالمیں
گود میں اس کو نہ کیوں لے رحمتِ پروردگار

دل بھی کہتا ہے کہ تو مرحوم ہے مغفور ہے
مصطفیٰ تیرے شفیع اور رب ترا آمرزگار

ہے یہی کافی کہ تجھ کو تھانوی دربار سے
جانشینی اور خلافت کا تھا حاصل افتخار

گرچہ تو تنہا گیا ہے پر دلاتا ہوں یقیں
آرہے ہیں آگے پیچھے تیرے سب احباب و یار

حق کی مرضی تھی وگرنہ آرزو اپنی یہ تھی
ہوتا اعظم گڑھ میں یا دسنہ ہی میں تیرا مزار

ہے جسد مدفون تو کیا،روح تو آزاد ہے
اپنے تصنیفی ادارے کی تماشا کر بہار

قافلہ سالار اب بھی غمزدہ مسعود ہے
بعد تیرے پشت پر اٹھائے تیرا بار

رو رہے ہیں منہ چھپائے مولوی عبدالسلام
دل بھی اور آنکھیں بھی ان کی آج ہیں خونابہ بار

شاہ مولانا معین الدین احمد کو بھی دیکھ
چاک ہے جن کا گریباں اور دامن تار تار

اور عزیزِ خاص تیرا وہ صباح الدین غریب
تیرے ہی در پر پڑا ہے خستہ اور زار و نزار

راہ میں آئے گا لکھنو اور دریاباد بھی
ہیں جہاں تھامے کلیجے تیرے کچھ یارانِ غار

ہو کبھی دسنہ جو آنا تو رہے اس کا خیال
ایک گیلانی میں بھی ہے آرزوؤں کا مزار

۴ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں جلسہ کا ذکر ہے۔

۵ مولانا سید سلیمان ندوی کی جائے پیدائش اور آبائی وطن۔

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷/دسمبر ۱۹۵۳ء

گیلانی (بہار)

نخبۃ الاتراب والاقران مولانا السید علی الندوی ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نوازش نامہ کے جواب میں فقیر نے اسی وقت خدمت گرامی میں اپنا عریضہ پیش کر دیا تھا، جواب کا انتظار تھا لیکن کافی وقت گزر جانے کے بعد مختلف وسوسے دل میں پیدا ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرہ اس کا ہے کہ خدانخواستہ اب تک یہ جوابی معروضہ کہیں ایسا تو نہ ہوا کہ نہ پہنچا۔ میں نے رجسٹرڈ کرنا غیر ضروری خیال کیا تھا۔ اسی خطرے کے زیر اثر یہ کارڈ بھیج رہا ہوں۔ فقیر نے اپنے اس معروضہ میں امتثال امر کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا تھا، صرف ایک بات دریافت طلب تھی کہ مجلس ذکر کا انعقاد کسی اجتماعی کوشش کے تحت ہو رہا ہے یا ذاتی طور پر آپ نے اس بار کو اٹھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔ غرض یہی تھی کہ ذاتی معاملہ ہے تو مجھے بھی اجازت مرحمت فرمائیے کہ بار کشی میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کروں۔ اس کا انتظار اب بھی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ مضمون جس پر مقالہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے سرسری طور پر اس وقت اس کے طول وعرض کا اندازہ نہ ہو سکا اور عمومیت ہی کی شکل میں اس کو فقیر نے قبول کر لیا تھا لیکن عملاً محسوس ہوا کہ اتنے طویل موضوع کے دائرے کو کچھ اپنے لیے مختصر کر لوں، یعنی سیّد صاحب مرحوم نے جلد ششم میں "اخلاق نبوی ﷺ" کی ترتیب و تدوین میں جو مجتہدانہ کام انجام دیا ہے خاکسار کے مقالہ کو اسی کی حد تک محدود کر دیا جائے، دوسری جلدوں پر مناسب ہوگا کہ متفرق حضرات کے ذمہ ایک ایک جلد سپرد کر دی جائے۔ اس طریقہ سے سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنت وکاوش کی قدر وقیمت کا لوگوں کو صحیح اندازہ ہو سکے گا، ورنہ بات بہت مجمل اور مختصر ہو کر رہ جائے گی۔ فقیر نے تو اسی نقطہ نظر کے تحت کام شروع کر دیا ہے اور ان شاء اللہ میرے مقالہ کا تعلق صرف اسی جلد تک محدود ہوگا۔

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ر دسمبر ۱۹۵۳ء

گیلانی

نخبۃ الاقران والاتراب مولانا السید علی ابوالحسن صاحب سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج ۲۱ر دسمبر کا آپ کا تار منی آرڈر بھی اور دو خطوط ایک لفافہ ایک کارڈ سب ساتھ ملے، حیرت ہوئی کہ میرا پہلا لفافہ آپ کو نہ ملا، حالانکہ انگریزی میں پتہ بہت ہی واضح لفظوں میں اس لیے لکھ دیا تھا۔ اب کیا جانتا تھا کہ رجسٹرڈ ہوئے بغیر موجودہ انتظام میں خطوط کا اپنے محلِ مقصود تک پہنچنا غیر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ آپ کے جواب کی تاخیر کی وجہ سے دوسرا کارڈ میں نے احتیاطاً لکھا تھا۔ شکر ہے کہ وہی کارآمد ثابت ہوا۔ آپ کی اطلاع کے مطابق ''مجلسِ تذکار سلیمان'' کی تاریخ ۲۶ و ۲۷ر دسمبر طے پائی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۶ر دسمبر کی صبح کو فقیر لکھنؤ حاضر ہو جائے گا۔ صحیح طور پر ٹرین اور وقت کی تعیین دشوار ہے۔ متعدد گاڑیاں جاتی ہیں، کسی نہ کسی میں جگہ ان شاء اللہ مل جائے گی۔ یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اسٹیشن تک زحمت کرنے کی یا کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ رفیق سفر کوئی نہ کوئی ہوں گے۔ خیال تو یہی ہے کہ اپنے منجھلے بھائی میاں مکارم ہی کو سفر پر آمادہ کروں لیکن ان کے مقامی مشاغل ایسے ہیں کہ شاید وقت پر تیار نہ ہوسکیں اس لیے وہ ساتھ نہ دے سکے تو کسی اور کو ساتھ رکھوں گا۔ ان کی وجہ سے مجھے آرام اس لیے ہوتا ہے کہ میری ضرورتوں سے وہ زیادہ واقف ہیں، تار دینے کی ضرورت مجھے نہ ہوگی۔ ابھی وقت کافی ہے اس کارڈ کو تار خیال فرما لیجئے، والباقی ان شاء اللہ عند التلاقی۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ اور مولانا عبد الباری صاحب کو سلام فرما دیجیے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

(۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ر ستمبر ۱۹۵۴ء

زبدة الخيار البررة الطاهرين عزیز محترم مولانا السید ابی الحسن علی صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی ابھی آپ کا نوازش نامہ کیا آیا کہ دیر تک بکائی کیفیت میں الٹ پلٹ ہوتا رہا۔ اللہ اللہ آپ کے قلب مبارک میں خواہ بشکل وسوسہ ہی سہی یہ خیال کیسے اور کیوں آیا کہ

"اس مخلص نیاز مند کے دل میں آپ کی طرف سے کسی قسم کا تغیر پیدا ہو گیا"

اللہ اللہ جن کی محبت واخلاص کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، ان کی طرف سے تغیر پیدا ہونے کی شکل ہی کیا ہے، وانشد کم اللہ۔

حقہ مہر بداں مہر ونشاں ست کہ بود

اپنی علالت کے ایام میں جب یہ محسوس ہوتا تھا کہ شاید اپنی یہ آخری علالت ہے تو منجملہ دوسرے خیالات کے ایک خیال آتا تھا جیسے شیخ شناوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لوگوں نے منسوب کیا ہے، یعنی وفات کے وقت زبان مبارک پر جاری تھا

اهيم بليلى ما حييت وان مت

او كلّ بليلى من يهيم بها بعدى

پہلے مصرعہ کا مصداق تو کسی حقیقت سے اپنے آپ کو قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، لیکن دوسرے مصرعہ میں جس آرزو کا اظہار کیا گیا ہے یہ آرزو اپنے سامنے بھی آئی اور لگا اسی کے ساتھ آپ کا وجود متمثل ہو کر سامنے کھڑا ہو جاتا۔ گو بیماری کے ان طویل دنوں میں کچھ دن بے ہوشی، نیم بے ہوشی میں بھی گزرے لیکن با ایں ہمہ آپ کی نقل وحرکت کی خبریں کسی نہ کسی ذریعہ سے ملتی رہتی تھیں۔ رشک ضرور آتا تھا جب کوہ مری میں مولانا عبدالقادر مدظلہ العالی کی مجلس ذکر میں شرکت کا موقعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے مہیا فرمایا گیا، بڑے مبارک دن تھے جو آپ کے گزرے۔ مولانا نعمانی صاحب کے عنایت نامہ سے ہی معلوم ہوا کہ پٹنہ کا ارادہ آپ لوگوں نے کیا تھا لیکن یہ اچھا ہوا۔ بھلا آپ کا بیمار تو ہسپتال میں پڑا ہوا تھا، کہاں آتے اور کہاں ٹھہرتے۔ آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت تھی اور شکر

ہے کہ دعائیں رائیگاں نہ ہوئیں۔ اب یہ فقیر پہلے کے اعتبار سے بہت اچھا ہے، اگرچہ پرہیز اور دوا کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اب تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بھی بتدریج عود کر آئی ہے، بس دعا کے سلسلے کو جاری رکھیے جو الخیر ہو وہ سامنے آئے، طبعی عمر پوری ہو چکی ہے اپنے اخ معظم و محترم محسن ڈاکٹر صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچایئے۔ معلوم نہیں ان کا مزاج آج کل کیسا ہے، بلڈ پریشر کی شکایت کا کیا حال ہے، لو بلڈ پریشر ڈاکٹروں نے میرے مرض کا نام بھی رکھا تھا۔ فقط

نیازمند
مناظر احسن گیلانی

برادر مکار احسن سلمہ خدمت گرامی میں بصد ادب و نیاز سلام عرض کرتے ہیں۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کے ۲۵۰ (دوسو پچاس) اوراق چھپ کر میرے پاس آچکے ہیں۔ شروع میں حضرت سیّد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بسیط تذکرہ ہے لیکن کتاب بہت غلط طبع ہوئی۔

محب مکرم مولانا نعمانی صاحب کو سلام فرما دیجیے۔ ان کے خط کا جواب ''الفرقان'' کے کسی مضمون کی شکل میں ان شاء اللہ تعالیٰ دیا جائے گا۔

---

[1] رونے کی کیفیت۔

[2] حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ مرشد مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰ر نومبر ۱۹۵۴ء
گیلانی (بہار)

سلالة الكرام البررة خير اللحقة بالمدة

اخ عزیز محترم مولانا ابوالحسن سیّد علی صاحب اید کم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا جانے وہ عریضہ آپ کو مل گیا تھا یا نہیں، جو آپ کے نوازش نامہ کے جواب میں فقیر نے لکھا تھا۔ چند دن ہوئے آپ کا ''ہدیۂ سنیہ'' یعنی

عربی سفرنامہ کئی دن ہوئے بموجب سرفرازی ہوا۔ چونکہ "الفرقان" میں اس سفرنامہ کی متعدد قسطیں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی تھیں، خیال گزرا کہ وہی مضامین عربی زبان میں ہوں گے، تاہم پڑھنا شروع کیا، اب خدا جانے میرے حافظہ کی کمزوری کا نتیجہ تھا یا کیا تھا کہ مجھے تو آپ کی اس کتاب کی ہر ہر سطر نئی معلوم ہوتی چلی گئی تھی۔ پڑھتا جاتا تھا اور استغراق اور انہماک بڑھتا جاتا تھا، شاید دو دن میں ختم ہوا۔ ختم کیا ہوا، ایسا معلوم ہوا کہ میں خود ختم ہو گیا۔ پرانے ناسور جو دل میں پڑے ہوئے تھے، تر و تازہ ہوتے چلے جاتے تھے۔ چند دن ایسے حال میں گزرے کہ گویا ایک قسم کا جنون مسلط ہو گیا۔ عرب، مصر، سوریہ، سوڈان کے مسلمانوں کا حال جب اس حد تک خراب ہو چکا ہے تو پھر اب غریب اسلام کہاں پناہ لے گا۔ مرحوم ڈاکٹر اقبال کا شعر بار بار زبان پر جاری تھا۔

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
اس عہد میں اب تیرا مسلمان کدھر جائے

زیادہ سے زیادہ امید کی کچھ کرنوں کا سراغ آپ کے بیان کے مطابق "الاخوان" میں ملتا تھا لیکن آپ ہی نے ان کے لیے جو "ہدایتی راستہ" متعین فرمادیا تھا، اس راہ پر وہ بھی تو نہ چلے۔ حال کے واقعات؎ سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی، گویا "مادہ برآمد" کے مصداق درحقیقت وہ بھی تھے بس تڑپ رہا ہوں، کراہ رہا ہوں، کیا ہو گا اور ورطہ سے دین کا سفینہ کیسے نکلے گا بھلا جب اپنے ہاتھوں سے مسجدوں میں مسلمان تصویریں لٹکانے لگے اور دنیا کے اسلام کے سب سے بڑے دینی مرکز کے علماء نے اطفاء الحیٰ کا ترجمہ عفت الدیار محلّھا و مقالھا کی روشنی میں کر کے اس پر اجماع منعقد فرمالیا ہے تو دین کو آپ ہم کہاں ڈھونڈیں۔ کیا عرض کروں، منہ لپیٹے آپ کی کتاب پڑھنے کے بعد پڑا ہوا ہوں۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا؎ معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر کوئی پڑھ رہا ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا؎ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے۔ عقیدۂ ولایت کے آثار آخر بڑھتے ہوئے کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ بھروسہ اس پر ہے کہ قرآن کے بعد نہ کوئی کتاب ہی نازل ہونے والی ہے اور نہ محمد رسول اللہ کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے۔ مسلمانوں کا حشر جو کچھ بھی ہو

لیکن ''الاسلام'' کو خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا سے کون دور کر سکتا ہے۔صرف رسید بھیج رہا ہوں خدا جانے کیا کیا لکھ گیا، شاید تفصیل پھر کبھی عرض کروں، کاش! کچھ بھی قوت واپس مل جائے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

مخدوم ومحترم ڈاکٹر صاحب کو سلام فرما دیجیے گا۔

نہ معلوم کیوں ہو آپ کی کتاب ''سیّد احمد شہید'' کے جدید ایڈیشن کے پڑھنے کا تقاضا کیوں ہو گیا ہے، پہلا ایڈیشن پڑھا تھا لیکن آئندہ ایڈیشنوں میں آپ نے کیا کیا اضافہ فرمایا ہے اس سے ناواقف ہوں۔

---

1 ترجمہ: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے۔

2 ترجمہ: سو شاید آپ ان کے (اعراض کرنے کے) پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے اگر یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائے۔

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷ ردسمبر ۱۹۵۵ء

حبی و محبی زادکم اللہ حباًو وُدّاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اگر یہ خیال فرما لیا گیا تھا کہ جو بیمار تھا، آج بیم وامید کی کشمکش سے نجات پا کر وہاں پہنچ گیا یا پہنچا دیا گیا، جہاں سے پہنچنے والوں نے یہ نعرہ بھی لگایا ہے کہ

تعالی اللہ ازیں بہتر چہ باشد
کہ از نیک وجود خوش رستم

''سیّد احمد شہید'' پر غلام رسول مہر کے تقریظی مضمون کو پڑھ کر خصوصاً مہر صاحب کے حسن انتخاب کی داد فارسی اشعار کے متعلق جو دی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اکثر شعروں نے اس کو بھی زندوں کی طرح تڑپا دیا جسے مردہ تصور فرما لیا گیا ہے۔بہرحال بیماری نے تو پیچھا

نہیں چھوڑا ہے لیکن کشمکش سے ابھی نجات بھی نہیں ملی ہے بلکہ ادھر کچھ مہینہ ڈیڑھ مہینہ سے کہہ سکتا ہوں کہ شکایات بے شمار کے بعض پہلوؤں میں گونہ تخفیف کی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ "البعث الاسلامی" للّٰہ کا دوسرا اشارہ بھی باصرہ نواز ہوا، بڑے حوصلہ اور بڑی ہمت کا کام ہے خدا کرے کہ ہمارے مدارس کے خوابیدہ بزرگوں کو جھنجھوڑنے میں یہ آواز کامیاب ہو۔ کتابت کا کمال ہے کہ لیتھو پر ٹائپ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ کاتب کی اعصابی قوت واقعی داد کی مستحق ہے کہ حرف کے ایک رنگ کو نباہتے چلے گئے ہیں۔ تقریباً نیم بے ہوشی کی سی حالت میں "البعث الاسلامی" کی رسید جو بھیجی گئی تھی وہ پہنچ گئی، اس کا علم بھی "البعث" ہی سے ہوا۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ عربی انشاء کی مشق سے تعلق کیوں نہ رکھا، کچھ تو خدمت دین کی اس راہ سے بھی بن آتی، مگر ظاہر ہے کہ دنیا میں دوبارہ واپس ہونے کا موقعہ ہم جیسوں کے لیے باقی نہیں رہا ہے صرف دعائے خیر ہی پر قناعت کرنی پڑے گی۔ اردو میں لکھنے کی صلاحیت جس کی کھوئی چلی جا رہی ہے اب عربی میں لکھنے کا بھلا کیا خیال کر سکتا ہے۔ امیدوار ہوں کہ آخری مقصد "مغفرت" کی دعاؤں سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ سوانح قاسمی کی دوسری جلد بھی چھپ کر دارالعلوم سے آ گئی ہے۔ خدا جانے آپ لوگوں تک پہنچی یا نہیں۔ مولانا طیّب صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ ایک نسخہ خاکسار کی طرف سے خدمتِ عالی میں ارسال فرمانے کا حکم دیا جائے۔ جلد اوّل کے متعلق خیال آتا ہے کہ چند اوراق کے پڑھنے کے بعد آپ نے کچھ ارقام فرمایا تھا مگر اس کے بعد آپ کا کوئی نوازش نامہ نہ آیا۔ یوں تو پڑھنے والوں کی کیا کمی ہے لیکن جن کے پڑھنے کے بعد اپنے عیب و ہنر کا انکشاف ہو سکتا ہے ان کی رائے کا ضرور انتظار رہتا ہے۔ تھانوی المذاق ندوی القلم بزرگ کا معتوب بنا ہوا ہوں کہ ان کی کتاب تازہ "تجدید معاشیات" کو اپنی کتاب "اسلامی معاشیات" کا شریفانہ جواب خاکسار نے خیال کر لیا، خاکسار نے بھی اور ان کے دوست صاحب صدق نے بھی، مقصد میں ہم دونوں متحد ہیں لیکن پانی مانگنے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ پن بھرن سے کہا جائے ماں! ذرا پانی پلا دے، لیکن ماں کی جگہ کچھ دوسرے الفاظ دالہ علی الاموںیت کا ذکر کیا جائے تو یقیناً اثر بدل جائے گا۔ حضرت تھانوی ہی سے یہ اظروفہ سنا کرتا تھا بہرحال حکم "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کا بھی ہے اور "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" کا بھی۔

مکلفین کے اختیار تمیزی کی یہ بات ہے کہ وقت کس کا ہے؟

ہمارے طبیب روحانی وجسمانی ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچا دیجیے۔ ان کی روحانی تعلیم جسمانی سے زیادہ موثر ثابت ہوئی۔

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

'الفرقان' کی خدمت سے محرومی کا دل پر کافی اثر ہے۔ موقعہ ہوا تو مولانا نعمانی کی شکایتوں کا ازالہ ان شاء اللہ کرسکوں گا۔

۱؎ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کا عربی ماہنامہ

۲؎ مولانا عبد الباری ندوی

۳؎ مولانا عبد الماجد دریابادی

(۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۹ر جنوری ۱۹۵۶ء

نخبة الاتراب والاماثل بلغكم الله الى ما......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نامۂ سکینت سے دل کو جو سکون ہوا اس کے جواب میں جزاك الله عنا کے سوا یہ فقیر بے نوا اور کیا عرض کرے۔ آپ جیسے ارباب صدق واخلاق کے قلوب میں ''الحبّ لله'' اپنی مغفرت اور حسن خاتمہ کرتا ہوں۔ وَاَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِی.

اخبار ''جمعیۃ'' اور اس کے بعد ''مدینہ'' میں بھی اس تاریخی امتیاز کی خبر پڑھی جو صدیوں کے بعد ہندوستان کو حاصل ہوئی، علامہ صفی الدین بداونی کے بعد شاید آپ دوسرے ہندی عالم ہیں جن کو شام میں پڑھانے اور اپنے علوم سے شامیوں کو فائدہ پہنچانے کا موقعہ ملا۔ بلکہ صفی الدین ہندی تو خود گئے تھے اور آپ کو تو وہاں کی حکومت اور جامعہ نے طلب کیا ہے۔ یہ امتیاز آپ کی شخصیت ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ سارے ہندی علماء کے لیے سرمایۂ افتخار ہے یالیت كثّر الله امثالكم فينا۔ ڈاکٹر صاحب اور آپ کے سارے خاندان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے جو خوشی مجھے ہو رہی ہے اس کا اظہار

لفظوں میں نہیں کرسکتا۔ خدا ہی جانتا ہے آپ نے بھی ایک دفعہ فرمایا تھا کہ آپ کے خانوادۂ عزوشرف کے ساتھ دل کے تعلق کی نوعیت وہی معلوم ہوتی ہے جو اپنے گھر کے لوگوں سے آدمی رکھتا ہے، معلوم نہیں کب تک روانگی ہوگی۔ آپ ابنِ تیمیہ اور ابن قیم کے گھر جارہے ہیں کتنے علمی تحائف سے علماء ہند کو سرفراز فرمائیں گے۔ علامہ شامی کے پاس فقہی کتابوں کا ذخیرہ ہندوستان سے پہنچا، میرے لیے یہ نیا علم ہے جو آپ ہی کے ذریعہ مجھ تک پہنچا ہے ۔آپ شامی کے وطن سے اس کا معاوضہ حاصل کیجیے۔ 'جمع الفوائد' کا نسخہ شام ہی کے ایک گاؤں لفرسوسہ میں مولانا عاشق الٰہی کو ملا، 'درّ منثور سیوطی' کی تلاش میں سرگرداں تھا، بالآخر دمشق ہی سے کسی صاحب کا مستعملہ نسخہ ہاتھ آیا۔ کہیں کہیں شامی عالم کے نوٹس بھی اس پر ہیں۔

''دعوت وعزیمت'' کی تاریخ کیا ملی ہے اپنی گم گشتہ چیز ہاتھ آ گئی ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی دفعہ اس کے مطالعہ سے استفادہ کرتا رہوں گا، پڑھ رہا ہوں اور جی سیر نہیں ہوتا۔ خدا ہی جانتا ہے میرے کتنے خوابوں کی تعبیر آپ کے ذریعہ پوری ہوگی۔ دمشق پہنچ کر درس و تدریس کا مشغلہ شاید ہی کوئی باور کرے لیکن اپنی نشأۃ علمیہ کے ابتدائی دور میں یہ آرزو خدا ہی جانتا ہے کتنے دنوں تک دل پر مسلط رہی کہ دمشق ہی کو وطن بنا کر شامیوں کے دامن میں اپنے مدفن کے لیے دو گز زمین حاصل کی جائے۔ مگر یہ آرزو عہدِ عثمانی ؓ کے دور تک زندہ رہی، یاجوجیت کے طوفان کے بعد جب اپنا کچھ نہ رہا تو اس رام کہانی نے بھی پیچھا چھوڑا۔ آپ کی کتاب ''دعوت وعزیمت'' کو اپنے تصنیفی لائحۂ عمل کا ایک جزو بنائے ہوئے تھا مگر یہ کیا معلوم تھا مجھ سے زیادہ بہتر شخصیت کا انتخاب اس کام کے لیے قدرت کر چکی ہے۔ سیدنا الجیلانی اور علامہ ابن جوزی دونوں کے ذکر کی توفیق ان کے حقوق کے ساتھ ہر ہوسناک کے بس کی بات نہیں۔ حق تعالیٰ سے داعی ہوں کہ اس سلسلہ کی تکمیل آپ کے مبارک ہاتھوں سے کرادے۔ خاکی قالب کے ساتھ تعلق باقی نہ رہا تو برزخی ہیکل میں ان حصوں کے مطالعہ کا شوق باقی رہے گا۔ شیخ الاسلام والی جلد بڑی دلچسپ ہوگی۔ تاتاریوں کے متعلق آپ کو بھی کچھ زیادہ نہ مل سکا۔ آرنلڈ کی پالکی بھی دھری کی دھری رہ گئی۔ 'تلفیق الاخیار' تاتاری عالم کا بڑا غیر معمولی کارنامہ ہے۔ روس ہی کے اسلامی شہر میں کتاب چھپی ہے آپ کی نظر سے کیا نہیں گزری۔

مولانا شبلی مرحوم کے پاس تو اس کا ایک نسخہ تھا لیکن اسلام تاتاریوں میں کیسے پھیلا اس سوال کا جواب اس میں بھی تشنہ ہی ہے پھر بھی کچھ مواد مزید مل جاتا ہے۔ 'روضہ الصفاء' میں بھی کچھ چیزیں ملتی ہیں۔

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

سیرت سیّد احمد شہید جدید ایڈیشن کے بعض اوراق اس پارسل میں ملے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدید ایڈیشن نظر سے نہیں گزرا، کاش! اس کے مطالعہ کی مسرت حاصل ہوتی۔

ا مولانا ابوالحسن علی ندوی کی معروف کتاب 'تاریخ دعوت وعزیمت'۔
۲ یعنی جب تک شام سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا۔

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶ر فروری ۱۹۵۶ء
گیلانی (بہار)
P.O. Barrigha
Dist: Monger

اے الصدیق الخیر العلامہ ابی الحسن علی ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ادھر ڈاکٹر صاحب قبلہ کی خیر و عافیت کے لیے دل میں بڑا اضطراب محسوس کر رہا ہوں۔ خود یا کسی سے اگر فرصت نہ ہو، دو کلمہ خیریت سے ان کے مطلع فرمائیں۔ فقیر کا سلام عرض کر دیجیے، اللہ ان کا سایہ صحت و عافیت کے ساتھ ہم بے کسوں پر تادیر قائم رکھے۔

آپ کی تعمیل ارشاد میں مولانا حیدر علی صاحب والا رسالہ زمانہ ہوا بھجوا دیا تھا، واللہ اعلم پہنچا بھی یا نہیں۔ نزھۃ الخواطر کی مطبوعہ جلدیں آپ کے پاس آئی ہیں کیا؟ مجھے تو صرف پہلی جلد مل سکی، اب حیدر آباد میں نہیں ہوں، قانون بھی وہاں کا الٹ پلٹ گیا، یہ آخری بقیہ مطبوعہ جلدوں کے حصول کی کیا شکل ہوگی، کہاں سے منگواؤں۔ ''حرار'' کے عنوان سے آپ کا

سحرِ حلال "تعمیر"[1] میں نظر سے گزرا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کے قلم کو، آپ کے اخلاص و صداقت، سلاستِ فہم کو نظر بد سے بچائے۔ تحریک تو جوش و خروش سے جاری ہے لیکن کاش! اس کے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے مسلمان بچوں کے لیے اسلامی اقامت خانے کی تحریک کو بھی شریک فرمالیا جاتا۔ مولویوں کے لیے بھی روزگار کی سبیل نکل آتی اور اسلامی ماحول میں مسلمان بچوں کی تربیت کی تو یہ واحد شکل ہے، دونوں تحریکوں میں مزاحمت نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسری کی موید ہی ہوں گی، تعلیم اور تربیت ہی تسلسل و دوام کا ذریعہ ہے اور کیا عرض کروں۔ بس زندہ ہوں اور

زندہ ہوں مگر زیست کی لذّت نہیں پائی
ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں

مولانا عبدالسلام قدوائی سے خاکسار کا سلام فرمادیجیے

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

[1] ہفت روزہ "تعمیر" لکھنؤ جو مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی شائع کرتے تھے۔

(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ رمئی ۱۹۵۶ء
گیلانی (بہار)

معالۃ الکرام البررۃ خیر اللحقۃ بالمسرۃ نجعۃ الاتراب رجاء قلوب الاحتسباب
ایدکم اللہ بروح منہ وینصرکم نصراً عزیزا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کس نے، کہاں، کن حالات میں اس زار و نزار بیمار دور افتادہ دہقانی کو یاد فرمایا، سوچتا ہوں۔ اور گو کھڑا ہونا ہی میرے لیے آسان نہیں ہے مگر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ سجدۂ شکر یا دولانے کے قدموں پر ادا کر کے رقص کروں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ الیرموک کی موجوں نے کن دبے دبائے تاریخی محفوظات اور ان سے پیدا ہونے والے جذبات میں طوفانی ہل چل برپا کر دیا ہوگا، جب اپنے آپ کو اس حال میں پارہا ہوں

کہ مکتوبہ شکل میں صرف الیرموک کے لفظ پر نظر پڑتے ہی تخیل کو، آپ کے مشاہدے سے جو تھوڑا بہت سہارا ملا، تو گھنٹوں یرموک اور جو کچھ اس کے ساحل پر گزرا، اسی میں غرق ہو گیا۔ ''الواقوصۃ'' کی وادی میں پہاڑوں کے کھڈ میں ٹپک ٹپک کر کافر گر رہے ہیں اور ان کی بڑی تعداد یرموک برد ہو رہی ہے۔ ہم آگے بڑھ رہے تھے، دنیا پیچھے ہٹتی جاتی تھی، پھر بازی پلٹی ہوا جو کچھ ہوا، یہی کیا غنیمت نہیں ہے کہ الیرموک کے کنارے مسلمانوں کا پھریرا لہرا رہا ہے۔ فندق الیرموک[1] شہر سے چاہیے تو یہی کہ کافی فاصلہ پر ہو، گو اس عہد میں مسافت و فاصلہ کا سوال باقی نہیں رہا ہے، یا آبادی دمشق کی پھیل کر الیرموک تک پہنچ گئی ہے۔

بہر حال آپ نے بڑا احسان کیا ہے جس سرزمین پاک، برکتوں[2] سے بھری ہوئی کا تصور سالہا سال تک پالتا رہا ہوں، کی چشم دید جھلک آپ کے موئے خامہ کے ذریعے اس کو ردہ گاؤں میں پہنچ گئی ''فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ''

بڑی مسرت اس بات سے بھی ہوئی کہ مسلمانوں کی نئی پود کے آپ پہلے آدمی ہیں جن کے قلم سے میری آنکھوں نے وہی لکھا ہوا پایا جس کا برسوں سے انتظار کرتا رہا۔ ہوسکتا ہے کہ یہی نقطہ نظر دوسرے اربابِ فکر و بصیرت کا بھی ہو لیکن جن جچے تلے الفاظ میں اپنے احساسات کا اس سلسلہ میں آپ نے اظہار فرمایا ہے خاکسار تو نکتہ چینوں سے اتنی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ قالب و قلب میں اختلاف کی یہ صورت جب پیش آجاتی ہے تو قلب ہی پر زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے خیال میں تو قالب و قلب یا ظاہر و باطن کے اختلاف کی یہ شکل اسلامی تاریخ میں نئی نہیں ہے۔ آغاز تو عہد صحابہ ہی میں معلوم ہوتا ہے کہ ہو چکا تھا، عمامہ پر ''پر عقاب'' لگا کر مدینہ میں داخل ہونے کا واقعہ کیا آج کا ہے؟ اور ''پر عقاب'' ہی کیا؟ خز کے استعمال کی کثرت کے ساتھ ساتھ خود مدینۂ منورہ کے باشندوں میں تابعین و تبع تابعین ہی کے عہد سے جو تبدیلیاں لباس میں، وضع میں، قطع میں، رہنے سہنے کے طریقوں میں مسلسل ہوتی رہیں، تاریخ ان کی شہادتوں سے معمور ہے، لیکن قلب اگر درست ہے تو قالب کی ان تبدیلیوں کو اکابر برداشت کرتے ہی چلے آرہے ہیں۔ اخوان شام[2] کے دینی جوش و خروش، اخلاص و صداقت اَلنُّصْحُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کی جن قلبی خصوصیتوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس کو جانتے ہوئے صرف قالب کے مطالبات، ان کی کوتاہیاں اپنا

خیال تو یہی ہے کہ درگزر کے قابل نہ بھی ہوں لیکن قولِ لیّن کا مستحق ان کو ضرور بنا دیتا ہے۔ ہمارے علماء اگر فظاظت و غلظت ہی سے اس مسئلہ میں کام لینا ضروری قرار دیں گے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کا نص محکم لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ کی شکل ان کے سامنے نہ آئے۔

"لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" چند سطروں کا لکھنا بھی جس کے لیے دشوار تھا، جوشِ انشاط ونشاط میں خدا جانے اس نے کیا کچھ لکھ مارا۔ میری یاوہ طرازیوں کو معاف فرمائیں گے۔ علالت طویلہ کی اس کیفیت نے جو مہینوں ہی نہیں برسوں سے اپنے احاطہ میں کیے ہوئے ہیں، نہ دماغ ہی کو قابو میں رکھا ہے اور نہ دل کو۔

واقعی آپ کا وجودِ مسعود اس وقت کم از کم میرے لیے تو سراسر رشک و غبطہ بنا ہوا ہے۔ جبالِ شام کے ان مناظر کا ایک طرف (خیال) ہے جن کی تفصیل کرد علی صاحب کے خطوط الشام میں پڑھ چکا ہوں اور دھیان ان اسلامی تعمیرات کی طرف منتقل ہوتا ہے جنھیں عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگوں نے اس لیے باقی رکھا کہ وہ "غیظ القلوب الکفار" نظر آتے ہیں۔ سب سے زیادہ تڑپ دل میں ان کتابوں کی پیدا ہو رہی ہے جن سے شام کے کتب خانے (بھرے) پڑے ہوں گے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ و ابن قیم، علامہ ذہبی، السبکی کے وطن میں جو کچھ مل رہا ہو، اسے ملنا ہی چاہیے۔ "یوم المحاضرۃ" کے بعد تو ہفتہ بھر آپ کا ان ہی چیزوں کی سیر و تماشے میں بسر ہوتا ہوگا۔

معلوم نہیں "دول الاسلام" ذہبی کا مکمل نسخہ اور "مہاۃ الزمان" ابن الجوزی السبط کی طباعت کا انتظام کیا گیا ہے یا نہیں۔ جی چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے کم از کم دونوں کتابوں کے مطالعہ کا موقع مل جاتا، ابن عساکر کی "تاریخ دمشق"، خدا جانے مکمل ہو کر بازار میں آ گئی یا نہیں۔ میرے پاس تو صرف ابن بدران کی تلخیص کی ساتویں جلد تک ہے۔ کیسی عجیب بات ہے دو مختلف وادیوں کے شیخ یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور الشیخ الاکبر ابن عربی دونوں کے لیے دمشق کے آغوش میں جگہ نکل آئی۔ اس زمانہ میں شیخ الاسلام کے عقیدت مندوں کی تو کافی جماعت ہو گئی، کیا بیچارے الشیخ الاکبر کی اکبریت کو باقی رکھنے کے لیے بھی کوئی کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذۂ راشدین کی کوئی غیر مطبوعہ نادر کتاب آپ کی پسند کی کیا ملی؟ ان بزرگوں کے لیے تو یورپ کے عصری مذاق کی رو سے چاہیے تھا

کہ الگ الگ سوسائٹیاں شام میں بن جاتیں جو ان کی اصل کتابوں کو بھی شائع کرتیں اور ان کے علمی ونظری اختراعات وتخلیقات پر کام کرتیں۔ برادر اس قسم کے وساوس واوہام میں اپنے بسترِ علالت پر دو ڈھائی سال سے کروٹیں بدل رہا ہوں۔ آپ نے ''الجامعۃ السوریۃ'' کے ساتھ مرحوم ''الجامعۃ العثمانیۃ'' کا ذکر چھیڑ دیا، نہ پوچھیے کہ دل پر کیسی بجلی کوندگئی۔ اف دائرۃ المعارف غریب کی جو درگت اس زمانے میں بن رہی ہے خون کے آنسو اہلِ علم ونظر سے رُلا رہی ہے، باضابطہ رکن اس وقت تک اس ادارے کا ہوں لیکن دفتر سے کوئی چیز میرے پاس نہیں آتی۔ باہر سے خبریں دینے والے بلاتے ہیں تو آ جائے تو بہت سے خرخشوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ لکھ دیتا ہوں کہ دوسرے عالَم کے کوچ کی تیاریوں میں جو مصروف ہے اس کے متعلق صرف آخری خبر کا انتظار کیجیے۔ معلوم نہیں کہ ''نزہۃ الخواطر'' کی جلدیں آئندہ طبع ہوئیں یعنی تیسری جلد کے بعد پھر کچھ خبر نہ ملی۔ کاش آپ واپس لوٹ کر دائرۃ المعارف کے نازک مسئلہ کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول فرماتے۔ سارے ہندوستان میں آپ ہی کی تنہا ذات ہم جاننے والوں کی مراد ورجا قلب ہے۔ بزرگان واخوان شام کی خدمت میں سلام پیشکش ہے۔ علامہ بہجۃ البیطار آج کل کہاں ہیں، کس شغل میں مصروف ہیں۔ کرد علی صاحب[4] کی کتابوں سے کافی مستفید ہوا ہوں۔ ان کی مجلس علمی تو یقیناً زندگی کے اس دور میں زیادہ زندہ ہوگئی ہوگی۔ ''مصنف عبدالرزاق'' پر ہمارے ایک صاحب ڈاکٹر یوسف الدین کام کر رہے ہیں، یاس ونامرادی کے اس عرصہ میں بھی اس کتاب کی اشاعت سے دلچسپی لینے والے حضرات افریقہ میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پچیس ہزار روپے خاکسار کی تحریک پر منظور فرمایا ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] یہ محض ہوٹل کا نام تھا ورنہ اصل یرموک جہاں دریائے یرموک اور میدانِ جنگ ہے مشرقِ اردن میں ہے۔

[2] سرزمین شام۔

[3] اخوان المسلمون۔

[4] علامہ ڈاکٹر کرد علی بانی المجمع العلمی العربی دمشق۔

بنام

مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے خطوط بنام مولانا عبدالماجد دریابادی، مکمل صورت میں اب دستیاب نہیں۔ان خطوط کے اقتباسات وقتاً فوقتاً مولانا دریابادی اپنے ہفت روزہ اخبار 'صدق' اور 'صدق جدید' میں شایع کرتے رہے۔جناب عبدالعلیم صاحب قدوائی، برادر زادہ مولانا دریابادی کی عنایت سے ہمیں خطوط کے یہ تمام اقتباسات دستیاب ہو سکے جو یہاں پیش ہیں۔ان اقتباسات کی سرخیاں مولانا دریابادی کے قلم سے ہیں۔ (مرتّب)

(۱)

ایک عیادت نامہ

''مخدوم ومحترم، السلام علیکم۔ابھی ابھی فاجعہ کا علم آپ کے کارڈ سے ہوا۔بخاری میں آیا ہے کہ من یعمل سوءً یجزبہ کی آیت جس وقت نازل ہوئی اور اس وحی کی حسّی ذکاوت صحابہؓ میں جس درجہ کی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے طبقہ میں کھلبلی مچ گئی اور وہ وفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت میں عرض رسا ہوئے ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے کسی نہ کسی قسم کا سوء (بدی) صادر نہ ہوئی ہو۔پھر جب سب کے لیے مجازاۃ ہے تو معافاۃ کا قانون کہاں گیا؟ صاحب وحی ﷺ کے لبوں پر تبسم تھا فرمایا جس کا خلاصہ یہی ہے کہ ما من مومن اصابہ بھم اوغم الا کفرت بہ خطایاہ۔کسی چیز کے گم ہو جانے کا جو غم پیدا ہوتا ہے اس کو بھی مجازاۃ ہی کے ذیل میں شمار کرلیا جاتا ہے۔شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اس حدیث سے تحویل کا قانون پیدا فرمایا۔جُرم کی اصل سزا نارِ جہنم ہے لیکن توبہ واستغفار سے، میدان حشر کے مصائب سے، برزخ کے شدائد کی شکل میں یہ سزا بدل دی جاتی ہے تا آنکہ بسا اوقات توبہ استغفار ہی کا زور کبھی اس اثر کو پیدا کرتا ہے کہ

آخرت کی زندگی کی بیداری کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا کی حالت خواب کی ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت وکرم سے اس بیداری کی سزا کو خواب کی سزا سے بدل دیتے ہیں۔ آنکھیں جب اس نیند سے کھلیں گی اس وقت جاگنے والا جاگتے ہی کہے گا الحمد للہ الّذی اذھب عنّا الحزن فی رویائی ولم یبق فی الیقظہ ٹھیک اس دنیا میں بھی الحاح وتضرع کے بعد مستحق جیل کو سزائے تازیانہ، سزائے تازیانہ کو چند لپڑ تھپڑ اور لپڑ تھپڑ کو چند سخت الفاظ، تو ہینی برتاؤ کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے۔ الحاصل مجازاۃ کا قانون بھی محفوظ رہ جاتا ہے اور عفو ومغفرت کے آثار کا بھی ظہور ہوتا رہتا ہے۔ جب تک یہ زندگی باقی ہے فاسد مواد کا اخراج توبہ استغفار کے مسہلات سے ہوتا رہے گا۔ اسی کے ساتھ ہی لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ میں صیغہ استمرار کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک جینا ہے اس ابتلاء کے چکر میں یہ زندگی گھومتی رہے گی لیکن جس کی رحمت غضب پر سابق ہے قدرتی طور پر ابتلاء کا تعلق زندگی کے بِشَیْءٍ سے ہوتا ہے۔ تین سو ساٹھ دنوں میں ہمارے احساسات اور ارادے جتنی راحت حاصل کرتے ہیں کیا ابتدائی حوادث کی حیثیت ان کے مقابلہ میں بشیء کی نہیں ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد آپ کی صحت کے لیے الرحمٰن الرحیم سے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی التجا کرتا ہوں۔ چند سال ہوئے شاید جس زمانہ میں آپ کے یہاں بچی کی تقریب تھی یوں ہی آپ کا نیازمند گر گیا تھا اور داہنے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ دیسی علاج سے بیس دن میں جڑ گئی۔ حق تعالیٰ سے امید ہے ہفتہ دو ہفتہ میں آرام ہو جائے گا۔ اِنَّ مَصَائبی تَفرط المُسْلِمِيْنَ فِیْ مَصَائبھم (سکاء) جحش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ هَلْ اَنْتَ اَصْبَحَ کے حوادث کے بعد سر باختوں کو کیوں تسلی نہ ہو۔

(ہفت روزہ صدق لکھنو، مورخہ ۱۵ر جولائی ۱۹۳۲ء)

(۲)

تقریر عید الاضحیٰ

”عید الاضحیٰ والے مضمون کا بڑا انتظار تھا۔ ماشاء اللہ حقائق کو سیدھے سادے جملوں کو کتنے دلنشین پہلوؤں سے دلوں میں اتارا گیا ہے۔ جزاکم اللہ۔ آپ نے سالگرہ والا نظریہ

خوب نکالا۔ سکندر آباد کی جامع مسجد کے خطبوں میں جو گزشتہ مہینوں میں ہوئے تھے ان میں بار بار یہی الفاظ زبان پر آتے تھے کہ ہمارے ہاں کُل دو عیدیں ہیں اور دونوں عیدوں کی حقیقت صرف اسلام کی سالگرہ ہے۔ اسلام کی ابتدا تو اس وقت ہوئی جب فَلَمَّا اَسْلَمَا کے ذریعہ دونوں باپ بیٹوں نے اسلام قبول کیا۔ اپنے کو حق کے سپرد کیا اور اس کی تکمیلی شکل کا ظہور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن کے وقت ہوا۔ ایک قدیم اسلام کی اور دوسری جدید اسلام کی سالگرہ ہے۔ اس توارد پر دل بڑا خوش ہوا۔ تسمیہ ازالہ ابتدائیہ کے باہمی تعلق کو آپ نے خوب نبھایا اور حضرتِ اکبر کے شعر نے تو سارے مضمون کو برقا دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہید کو تلوار کی اذیت اس سے زائد نہ ہوگی کہ جتنی مچھر اور کھٹمل کے کاٹنے کی اذیت۔ حالانکہ گردن تو بہرحال کٹتی ہے۔ قرآن مجید میں تسمیہ کے مسئلہ کو جن مختلف پیرایوں میں نفیاً و اثباتاً دہرا دہرا کر بیان کیا گیا ہے فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ،[1] وَمَا لَكُمْ اَنْ لَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،[2] وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،[3] مشکل ہی سے کوئی قرآنی مسئلہ بجز توحید کے اس کی ہمسری کر سکتا ہے۔ اور یہ تو ایک جگہ ہے دوسرے مقامات میں مختلف پیرایوں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بھی آپ کے مضمون میں بعض عجیب نکات ہیں۔ خدا کرے اسی طرح ریڈیو جسے شیطان نے اپنے لیے استعمال کرنا چاہا تھا وہ اس کی گردن کا پھندا بن جائے"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنو مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۰ء)

---

[1] ترجمہ: سو اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے۔
[2] ترجمہ: اور تمھارے لیے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے۔
[3] ترجمہ: اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

(۳)

حکمت و موعظت

"آج کل گیلانی کے ویرانہ میں پڑا ہوا ہوں۔ عمر کا اڑتالیسواں سال گزر رہا ہے گویا پچاس اچانک سامنے آگیا اور جس لیے یہ گزر رہا کچھ نہیں معلوم کہ حساب سے کیا ہو۔ اب قبر کا دہانہ زیادہ پیش نظر رہتا ہے۔ دل میں ایک پرانا جذبہ سیاحت کا تھا لیکن تھوڑی سی

سیاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہر جگہ وہی آسمان وہی زمین وہی پانی وہی آدمی۔ اس کے وہی لوازم ساتھ ہیں جو مجھے اپنے گاؤں میں سب سے پہلے نظر آئے تھے۔ بہت کم معلومات کا اضافہ اس سیاحت کی راہ سے ہوا۔ اب البتہ ایک اور سفر درپیش ہے اور اس میں توقع ہے کہ اس بے نمکی سے دوچار نہ ہونا پڑے گا کہ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کے متعلق فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی لیے ان پر ہنسی آتی ہے ان کی عقل پر ہنسی آتی ہے جن کا مطالبہ ہے کہ آئندہ وہی ہو یا ہونا چاہیے جو اس وقت ہے یا ہو رہا ہے۔ چونکہ مذہب اس کو موجودہ انتظام سے مختلف قرار دیتا ہے اس لیے IMPOSSIBLE غیر ممکن کا فتویٰ لگا کر اس بندر کی طرح آنکھ بند کر لیتے ہیں جس نے سانپ کے وجود کا انکار آنکھ میچ کر کیا تھا۔ اس تخیل سے بڑا ذوق آتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد جو کچھ آ رہا ہے وہ پیش نظر قوانین سے بالکل مختلف ہو گا۔ کیسی عجیب باتیں ہوں گی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ آئندہ کی زندگی جب جنت کے مقام تک ترقی کر جائے گی تو آدمی اس سے تحویل نہ چاہے گا جس کی وجہ قرآن میں یہ ہے کہ رب کے کلمات لامحدود ہیں۔ برائی سے تو آدمی تھک جاتا ہے لیکن لذت کی تو بنیاد ہی جدت پر ہے"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنو، مورخہ ۲۰ رمئی ۱۹۴۰ء)

(۴)

علماء اور ان کے مخلصین

"دیوبند ہی میں نہیں طبقۂ علماء کا حال ہر جگہ قابلِ رحم عہد تک پہنچ چکا ہے۔ اپنی بات کو خود انھوں نے اپنے ہاتھوں ضائع کیا۔ اب اگر مذہبی بیباکوں کے گروہ کی طرف سے کوئی اقدام خدانخواستہ پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کس قوت کا دباؤ ڈال کر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے۔ جمعیت العلماء اسلام کلکتہ نے ایک محاذ مولویوں کے لیے قائم کر دیا ہے مگر عوام ہاتھوں سے نکل چکے اب ان پر قابو پانا آسان نہیں۔ افسوس کہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی۔ تاہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا محافظ وہی ہے جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علماء

ہمارے ہاں کسی نسل کا نام نہیں۔ مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ تعلیم یافتوں کی تعلیم میں دین کا عنصر شریک کر کے علماء کی قیادت کی باگ اب قدرت تعلیم یافتوں کے سپرد کر دے گی۔ آئندہ میدان ان شاء اللہ محمد علیوں[1] اور اقبالیوں[2] کے ہاتھ میں رہے گا۔"

(ہفت روزہ صدق لکھنو مورخہ ۹ رجنوری ۱۹۴۱ء)

---

[1] مولانا محمد علی جوہر کی طرف اشارہ ہے۔

[2] علامہ محمد اقبال کی طرف اشارہ ہے۔

(۵)

تحقیقات میں غلو

"وہ بہت ہونہار نوجوان ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کا رُخ تحقیقاتی ہے حالانکہ تحقیق جب حال کی نہیں ہو سکتی تو تیرہ سو سال قبل کی کیا ہوگی۔ قطعیات کی بھولے بسرے جزئیات سے تنقید اسی زمانہ کی خصوصیت ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود سے انکار کر دیا ہے بلکہ شیکسپیئر ناٹک والے کے متعلق بھی تحقیقاتیوں کا ایک طبقہ شبہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ غریب مرزا (کرزن گزٹ) دہلی والے شاید حیرت نام تھا، بچپن میں سنتے تھے کہ انھوں نے واقعہ دشت کربلا کا انکار کیا ہے لیکن اس وقت غریب تنہا ہی، مر بھی گئے۔ اب تو کرزن گزٹوں کی پوری جماعت ابل پڑی ہے۔ مرحوم کی شاعریات کے مطالعہ کا موقع مجھے تو ملا نہیں، نام کچھ لکھ ہی گئے ہوں گے۔ یہی دلیل کیا کم ہوگی کہ "عقل جائز نہیں قرار دیتی کہ تازہ دم مسلمانوں نے پیغمبر کے حقیقی نواسہ کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا ہو!" اس قسم کے محققین سے تو اس سوشلسٹ افسانہ نگار کی ذہنیت زیادہ سلیم اور سلجھی ہوئی ہے جس کا کوئی قول حال ہی میں آپ نے "صدق" میں نقل فرمایا ہے"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنو، مورخہ ۷ ر ستمبر ۱۹۴۲ء)

(۶)

ایک عبارت کی توضیح

"یہ ضروری کارڈ مولانا......[1] کے ایک خط کے بعد لکھ رہا ہوں۔ میرے خط کی جو عبارت آپ نے "صدق" میں شائع فرمائی ہے اس کی ایک صریح غلطی کی طرف انھوں نے توجہ دلائی ہے۔ میرے الفاظ سے مغالطہ ہوسکتا ہے۔ امامؒ کی طرف جو قول منسوب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کے قول یا فعل میں اگر ۹۹ پہلو کفر کے پیدا ہوتے ہیں لیکن کسی تاویل سے ایک پہلو بھی ایسا نکلتا ہے جو اسے اسلام سے خارج نہ کرتا ہو تو ترجیح اسلام والے پہلو ہی کو دی جائے گی۔ عام علماء میں جو تعبیر مشہور ہے خاکسار نے اس مشہور تعبیر کے الفاظ لکھ دیے اس کا بھی یہی مطلب ہے ورنہ ظاہر کہ جو بات بظاہر متبادر ہوتی ہے اس کی بنیاد پر شاید شیطان بھی کفر سے بچ جائے۔ ایک نہ ایک وجہ اسلام کی تو اکفر الکافرین میں بھی نکل ہی آئے گی مثلاً یہی کہ وہ خدا کو مانتا ہو یا خدا کو نہ بھی مانتا ہو لیکن لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا ہو۔ آخر نیکی بھی تو وجہ اسلام ہی کی ہے۔ غرض مولانا...... کا خیال جدھر گیا اگرچہ اس پہلو کا بطلان بدیہی ہے تاہم تعبیر کے جو الفاظ ہیں ان سے مغالطہ ضرور پیدا ہوسکتا ہے۔ ایسی تعبیروں کو اختیار ہی کیوں کیا جائے"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنو، مورخہ ۱۲/اپریل ۱۹۴۳ء)

---

[1] نام غیر موجود۔

(۷)

فرسودہ روشن خیالیاں

"صدق" کی تازہ اشاعت میں آپ نے زمانہ بدل گیا دنیا بدل گئی والے مغالطہ کی خوب خبر لی۔ یہ عہد وکٹوریہ کے پرانے ضابطے ہیں جب بیچارہ مسٹر امیر علی[1] وغیرہ لکھا کرتے تھے کہ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ جو مجموعہ احکام بدوی زندگی کی ضرورتوں کے لیے قائم ہوا تھا وہ قیامت تک دنیا کے لیے کافی ہوگا، پیمبر اسلام ﷺ پر ظلم کرتے ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں: بھلا نویں صدی کے فقہاء وبیسویں صدی کی ضرورتوں کو بیچارے کیا سمجھ سکتے تھے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ پہلے فقرہ کا دوسرے سے ربط کیا ہے۔ جب انسان، جمادات، حیوانات، نباتات ایک خاص اور مقررہ قانون کے پابند ہیں اور انھیں تکوینی

قوانین کو پیش نظر رہ کر تشریعی قانون بنائے گئے ہیں تو جب تکوینی قانون نہیں بدل سکتے تو تشریعی کیسے بدل سکتے ہیں۔ مسٹر امیر علی کی عام مرعوبیت یورپ سے بالکل مسلّم ہے۔ ان کو کون جا کر سنائے کہ جن کے ارتقاء کے نظاروں نے آپ کو ششدر بنا رکھا تھا وہ اب تنزل کی کھائیوں میں خود بھی گر گر کر مر رہے ہیں اور اپنے ساتھ ساری دنیا کو بھی لے ڈوبے ہیں۔ یہ تسلیم ہے کہ دنیا ترقی کر رہی ہے مگر ان ترقیوں سے مذہب کے کسی مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ بڑی سے بڑی ایجاد و اکتشاف کا مذہب کے بڑے نہیں چھوٹے چھوٹے مسئلہ پر کیا اثر پڑتا ہے بلکہ جھوٹے مذاہب کے اوہام و خرافات پر بھی ان ایجادات و اختراعات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انتہا ہے کہ ان مرعوب مصنفین کی باتیں آج حجت ہو کر عرب ملکوں میں پیش کی جا رہی ہیں جنھوں نے اس راہ میں ہمارے بہت بعد قدم رکھا ہے۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۴۳ء)

ا جسٹس امیر علی مصنف History of the saraceans

بوسیدہ جدتیں

"مجھے حیرت ہے کہ یورپ جب کسی غلط بات کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے تو دنیا اسے مان لیتی ہے اور برسوں تک مانتی چلی جاتی ہے۔ مگر جب یورپ میں کسی اچھے خیال کی اشاعت زور شور سے ہوتی ہے تو غلطیوں کے ماننے والے ان سچی باتوں کے سننے سے بہرے کیوں بن جاتے ہیں۔ ویلز نے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ یورپ کا علمی ارتقاء اور عروج ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔ مگر لوگ اسی دقیانوسی مغالطہ کو پیٹتے چلے جاتے ہیں"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۳ء)

(۹)

تنقید تنقید کی غرض سے

"حکیم الامت [۱] کے متعلق ان شاء اللہ آپ کا قلم لکھے گا۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ

ایسی چیز لکھوا دیں گے جو دوسروں کے لیے قابلِ نمونہ و پیروی ہو۔ اللہ میاں پیمبروں کو بجائے ملائکہ کے بشر بنا کر اسی لیے بھیجتے ہیں کہ بشر کو دیکھ کر بشر اپنی راہ درست کر سکے۔ مگر لوگوں کو کیا کہیے ان کا وہی پرانا جاہلی مغالطہ کیا ہماری رہنمائی یہ بشر کریں گے؟ پھر وہ خدا کا بیٹا، خدا کا اوتار بلکہ پیمبروں کو نعوذ باللہ خدا بنانے پر تیار ہو جاتے ہیں اور آدمی کی صفات رکھنے والے آدمی کی اقتدا کو توہین خیال کرتے ہیں اور اپنی رہنمائی کے لیے فوق البشر چاہتے ہیں۔ بہر حال آپ لکھیے اور حق کو ظاہر کیجیے مگر اس زمانہ کے رواج یعنی تقریظ کے بجائے ڈھونڈھ کر زبردستی عیب نکالنا جس کو میں بٹ ماری کہتا ہوں، سے بچنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی فطری سلامت روی پر بھروسہ ہے''۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۳ء)

ل مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۰)

مولانا گیلانی کے تاثرات

۱۔ آپ نے فریبِ جنگ کے عنوان سے جیکسن کا مقولہ نقل کر کے اَلْحَربُ خُدْعَةٌ والی حدیث یاد دلائی ہے۔ میرا ذہن بھی معاً اسی حدیث کی طرف چلا گیا تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو یہ کُلیہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتے تو وَرّیٰ لغیرہ یعنی توریہ دوسرے مقام کا فرماتے۔ کجامی نمائی کجامی زنی اس توریہ کا ٹھیک ترجمہ ہے اور جیکسن بھی دراصل اسی کو کہنا چاہتا ہے۔ امن و سلامتی کا پیمبر ﷺ جب جنگ کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت جنگ کے اسرارِ سربستہ بھی اس پر اسی طرح واضح ہوتے ہیں جیسے امن کے رموز و غوامض۔

۲۔ ''آج کی مساوات'' والے عنوان کے ذیل میں حضرت عمرؓ کا واقعہ یاد آیا کہ اندر کھانا کھا رہے تھے کہ کوئی گورنر حاضر ہوا۔ حکم ہوا اندر بلا لو۔ اس وقت جو کی روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ نوش فرما رہے تھے۔ والی نے کہا آپ گیہوں کیوں نہیں کھاتے۔ فرمایا گیہوں کہاں ہوتا ہے۔ اس نے کہا: مصر، شام، عراق میں۔ آپ نے فرمایا کیا اتنا گیہوں ہوتا ہے

کہ ہر مسلمان کو اس کی روٹی مل سکے۔ امیر کو اس کا کھانے کا حق اسی وقت ہے جب کوئی ایسا نہ باقی ہو جسے گیہوں کی روٹی نہ ملی ہو۔ ہندوستان کے ایک لیڈر[1] نے بھی ایک زمانہ میں اعلان کیا کہ جب تک ایک ہندوستانی بھی لنگوٹی باندھنے پر مجبور ہے وہ بھی اپنی لنگوٹی نہیں اتارے گا۔

۳۔ آہ ''مجذوب''[2] لکھنؤ میں اپنی بیماری کے زمانہ میں زیارت کی سعادت ملی تھی۔ عیادت کے لیے خود تشریف لائے اور اپنی نظمیں سناتے رہے۔ ایک شعر کا اثر یاد آتا ہے جس نے دیر تک تڑپایا تھا

گرچہ ہے محبت بیکراں کشتیِ دل اس میں ڈالی جائیگی

ان کے چہرے پر اشرفی تجلّی جھانکتی تھی۔ مولانا عیسیٰ پہلے چلے گئے اب مجذوب کی باری آئی۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ، مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۴ء)

[1] گاندھی جی

[2] خواجہ عزیز الحسن غوری جو مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ تھے۔ شاعری میں مجذوب تخلص رکھتے تھے۔ وفات: ۱۷ر اگست ۱۹۴۴ء

(۱۱)

ایک خواب پر مزید روشنی

''گیلانی سے ابھی ابھی واپس پہنچا ہوں۔ ''صدق'' کے کئی پرچے جو وہاں نہیں دیکھے تھے یہاں دیکھنے کو مل گئے۔ سنوسی الطریقہ صاحبِ دل کے خواب کو دیکھ کر خیال آیا کہ جناح صاحب کے قائل ہونے کی خبر ان صاحب کو ایک مجہول الاسم والصّفات راوی کے ذریعہ سے ملی ہے۔ اس قسم کی روایت جب بہ حالت بیداری مجہول روایت سمجھی جاتی ہے تو خواب کی ایسی مجہول روایت مجہولیت کے جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ أُمْنِيَّتِهٖ نص محکم ہے۔ اس کے بعد درمیانی وسائط کے القاء میں جو شکوک وہ بھی بحالت خواب پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے محل غور و تامل ہے اور اصلی بات تو

وہی ہے کہ اسلام میں رویا سرے سے حجت ہی نہیں"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۶ء)

(۱۲)

پاکستان قرآنی روشنی میں

صدق کے ایک نمبر میں آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ کے ذیل میں جو تفسیری ارشادات ہوئے، طاعون سے فرار و عدم فرار، طاعون زدہ علاقوں میں دخول و عدم دخول کے متعلق جتنی واضح، شستہ اور موجبہ تقریر فرمائی گئی ہے اس کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ بندہ کا تعلق اس فرقہ سے ہے جو قرآنی آیات کے متعلق اعتبار و اشارہ سے بھی کام لینے کا عادی ہے۔ اس آیت کے پڑھنے کے ساتھ ذہن کا انتقال ہمیشہ ادھر ہوتا رہا کہ اگر پاکستان قائم ہو جائے اور اقلیت والے غیر پاکستانی مسلمان ھُمْ اُلُوْفٌ ہزار ہا ہزار بلکہ لاکھوں لاکھ کی تعداد میں پاکستان کی طرف بھاگنا شروع کر دیں تو اس وقت مسلم اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں کو مُوْتُوْا ہو جانے پر آمادہ ہو جاؤ کا حکم دیا جائے۔ یہ توقع اسی آیت کی بنیاد پر قائم ہے کہ مر جانے پر جوں ہی وہ آمادہ ہو جائیں گے حق تعالیٰ ان کو ان ہی کے دیار اور اوطان میں زندگی بخشے گا۔ ثُمَّ اَحْیَاھُمْ کا تماشہ ان کے سامنے پیش ہو گا۔ قدرت کا یہ قانون یقیناً اس کا فضلِ عظیم ہے لیکن اس قانون سے نفع اٹھانے والے کم ہیں۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ، مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۴۶ء)

(۱۳)

شرک توحید کی راہ پر

"آج کل کے ان تمام غل غپاڑہ میں اپنی نظر اگر کسی بات پر پہنچ کر رک جاتی ہے تو وہ

توحید کے مقابلہ میں شرک کی شکست فاش کا وہ اعتراف ہے جو ہر چوبیس گھنٹہ میں مشرکین کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد شاید ہی کوئی اپڈیشن امام المشرکین کی طرف سے ہوتا ہو جس میں اپنے ماننے والوں کے مسلکِ شرک کی تردید کرتے ہوئے اور اسے نہ ماننے والوں کی توحید کی توثیق نہ کی جاتی ہو۔ مسلمانوں کو پاکستان ملے یا نہ ملے لیکن جس علاقہ کو پاکستان بنانے کا ارادہ مسلمان کر رہے ہیں کیسی عجیب بات ہے کہ وہ خود پاکستان بننے کی راہ پر چڑھا چلا جا تا رہا ہے۔ جو ہمارے مخالف سمجھے جاتے ہیں ان سے ہمارا اساسی اختلاف توحید و شرک کے سوا کیا ہے؟ کیا اس کی طرف سے شرک کی مسلسل تردید اور توحید کی توثیق جس نے پاکستان کی امید میرے دل میں قائم کر دی ہے کیا وہ اس امید سے بھی کمزور ہے جس کی پرورش عام مسلمانوں کے قلوب میں کی گئی ہے۔ اب بات ہی کیا رہ گئی ہے۔ دوسری منزل یہ رہ جاتی ہے کہ خالق کو معبود بنانے والے اپنے معبود کی مرضی کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور خالق کی مرضی کو مخلوقات کی مرضی سے صحیح معیار پر الگ کیا جائے۔ اس سوال کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سامنے اللہ کی اس کتاب کے ساتھ کھڑے نظر آئیں گے جس کی مثال روئے زمین پر نہیں مل سکتی"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۸ر جون ۱۹۴۷ء)

(۱۴)

ایک تعزیت نامہ کا جواب:

الحب فی اللہ والصدیق الصدوق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایمان کی برکات کا کیا ٹھکانا ہے۔ اخوّت فی اللہ کیسی بلند ولطیف اخوّت ہے۔ اس نے آپ کو اس دور افتادہ نیاز مند پر تڑپایا۔ آپ کے سامنے واقعات کی تجلی نہایت صاف اور روشن طریقہ پر ہوئی جو کچھ ہوا آپ نے اسی کو دیکھا فَجَزَاكَ اللّٰهُ عنّا خَيرَ الْجَزَاء۔ اس کائنات میں احساسی قوتوں کے لیے کتنی پریشانی ہے جس کی موج کے ہر دام میں بقول غالب مرحوم حلقہ صد کام نہنگ ہوں، جو اصل سے ٹوٹا ہوا اس پر "اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظلمات" کی کیفیت طاری نہ ہو تو

اور کیا ہو۔ لیکن جب اسی ظُلُمَات فَوْقَهَا ظُلُمَات میں نُور اللہ کی کوئی کرن مل جاتی ہے تو وہ جگمگا اٹھتا ہے۔ سر السرائر، سِر، اندیشہ خیال، حواس سب کے سب بقعہ نور بن کر چمک اٹھتے ہیں۔ کائنات کے ہر ذرہ سے انس پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ان ذرّوں کی باہمی آویزش کے نتائج بھی اپنے اندر اسی خنکی کو رکھتے ہیں جو اس کی اصل میں ہے۔ اس سے کون مایوس ہو سکتا ہے جس کی رحمت غضب پر سابق ہو چکی ہے، جس کے ہر غضب میں رحم کی شان ہے۔ جب اس کی رحمت ہر شے میں سمائی ہوئی ہے تو کیا غضب میں نہیں ہے۔ غضب بھی ہے لیکن اپنی رگوں ریشوں میں رحمت کی نمی اور تری جذب کیے ہوئے ہے۔ یہی حقیقت ہے کہ ہر حادثہ میں ہمیں تسلی و مسرت کا پہلو نظر آتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی تسلی کے لیے ذہن میں کچھ حیلے تراش لیے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ واقعات ہمارے ذہن پر دباؤ ڈالتے ہیں اور جس حد تک ہمارا ذہن واقعہ شناس ہوتا جاتا ہے اوہام و وساوس کے گرد و غبار سے جس حد تک نجات ملتی جاتی ہے اسی حد تک ہم واقعہ کا وزن محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے الحمدللہ جو تھا اس کو پایا ہے فَهَنِيئًا لَكُمْ ثُمَّ هَنِيئًا لَكُمْ مَرِيض الْقُلُوبِ وَالْاَرْوَاح۔ گروہ کے اعمال و اقوال میں کیا ہے۔ وہ اپنے کو فلسفی کہتے ہیں، مفکریت کے مدعی ہیں حالانکہ فطری فہم و ذکاء سے ان کی دماغی کیفیت ہٹ جاتی ہے۔ وہمی اور ظنّی بخارات کی تیرگی میں ان کو کچھ محسوس نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ اَمْرَاضِ الْقُلُوبِ۔ یہی قلبی روگ ہے، جس کی تعبیر دعائے نبویؐ میں واحلل سخيمة صدری سے کی گئی۔ اللہ اکبر یہ سخیمہ صدر کیا بلا ہے؟ اللہ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ میں کیا کہوں مجھے کیا دکھایا گیا۔ مجھ سے ایک خوبصورت سرسبز شاخ پھوٹی۔ وہ ایک ایسی سمت بڑھ رہی تھی جدھر آفتاب کی حدّت بھی پوری قوت کے ساتھ اثر انداز تھی اور آندھیوں کی شورش کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ مینہ اور اولوں کا نشانہ بھی اسی پر تھا۔ الغرض ہر قسم کے مصائب و آفات میں گھری ہوئی تھی۔ میں خطرہ میں تھا کہ دیکھیے کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک۔ کہ یکا یک ایک نورانی خنک ریز مشک بیز ابر ظاہر ہوا اور اس نے اپنا سایہ اس شاخ پر ڈال دیا، اپنے اندر چھپا لیا۔۔ اب اس کو نہ دھوپ کا خطرہ ہے نہ اولوں کا ڈر نہ آندھیوں کا خوف۔ وہ شاخ بڑھ رہی ہے، بڑھتی

جا رہی ہے جس سے پھوٹی ہے اس کو بھی کسی نہ کسی دن اسی سحاب نور، اسی کمرۂ رحمت و رأفت کے ظل عافیت میں ان شاء اللہ تعالیٰ کھینچ لے گی۔ میں نے یوں ہی دیکھا اور آپ سے اس کی تصدیق ہوئی۔ ہم اور آپ کون ہیں جو ہر چیز دیکھنے والے تھے جن کے سامنے شہادت وغیب، محسوس وغیر محسوس، مرئی وغیر مرئی سب ایک تھے صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے اسی طرح دیکھا۔ وَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحِ الْمُؤْمِنُونَ۔ الحمد للہ کہ اس ناچیز کے گھر میں توفیق یافتہ ہیں۔ ان کی بصیرت کی آنکھیں روشن ہیں وہ ہم سے زیادہ ثابت الارادہ والعزم ہیں۔ آپ کے گرامی نامہ سے ان کو اپنے احساسات کی توثیق ہی میں مدد ملی اور تعزیت سے غالباً تواصی بالصّبر والحق ہی مقصود ہے۔ ہم سفروں کی باہمی تصدیق وتوثیق کا نام تعزیت ہے۔ اللہ آپ کو جزائے نیک عطا کرے۔ آپ نے اپنے جن واقعات کا ذکر کیا ہے اور ان کے مختلف احساسات واثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ آپ کے انقطاب کا نتیجہ ہے۔ آپ نے جو دوسرے حادثہ میں پایا وہ پہلے میں بھی تھا لیکن افسوس کہ حجاب نے اس لذت سے نا آشنا رکھا۔ جس وقت مجنوں مجنوں نہیں قیس تھا لیلیٰ کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہی جادو تھا جس کو مجنوں ہونے کے بعد اس نے پایا۔ آپ مل گئے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ کا تعزیت نامہ رسمی نہیں واقعی تھا اس لیے جواب میں واقعات کے اظہار پر مجبور اہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کے اہل بیت کو اپنی امن وحفاظت میں تا ابد رکھے۔ رحمة اللّٰه وبركاته عليكم اهل البيت انّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ آپ سے مجھ سے روز ملاقات بھی ہوتی ہے اور گفتگو بھی۔ جس وقت آپ قرآن پاک تلاوت فرماتے ہیں اور جس وقت اس ناچیز کو اس کا موقع ملتا ہے بس ہماری آپ کی گفتگو کا یہی وقت ہے۔ میں جو کچھ پڑھتا ہوں آپ مجھ سے وہی کہتے ہیں۔ اپنے گھر میں میرا اسلام فرما دیجیے۔ آپ نے لکھا وہ بچی کی وفات کے وقت تلاوت کر رہی تھیں الحمد للہ یہ نیاز مند بھی مرحومہ کی نزع کے وقت کسی کے سامنے سجدہ میں پڑا ہوا تھا۔

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا   میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

والسلام

مناظر احسن گیلانی

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ، ۲۹ر جولائی ۱۹۴۷ء)

لے ترجمہ: یاوہ (اعمال) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا ہو پھر اس (موج) کے اوپر (ایک اور) موج ہو پھر اس کے اوپر بادل ہو۔
ٹے ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے سو اللہ نے بڑھادی ان کی بیماری۔

(۱۵)

تحریکِ خارجیت پر مزید روشنی

"آپ کا مقالہ تحریک خارجیت پر غور سے پڑھ رہا ہوں۔ جی تو میرا بھی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کچھ لکھوں۔ خیر اچھا ہوا اللہ تعالیٰ نے اظہارِ حق کے لیے اس مسئلہ میں آپ کا انتخاب فرمایا۔ ماشاءاللہ چیزیں سلامتی کی راہ پر سامنے آتی چلی جارہی ہیں۔ آپ نے ہمت کر کے بات چھیڑ دی۔ اب دوسروں کو بھی ان شاء اللہ جرأت ہوگی۔ آج اتفاق سے تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہ صاحب کی پڑھ رہا تھا، عجب چیز ملی۔ یہ عریضہ تفہیم اوّل کے صفحہ ۱۱۸ کی طرف آپ کی توجہ دلانے کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب نے بالکل صحیح ارقام فرمایا کہ اللہ کے سوا آدمی کو بھی رائے کے قائم کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس کی تائید حدیثوں سے بھی ہوتی ہے"۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ۔ ۳۱ راکتوبر ۱۹۴۷ء)

(۱۶)

حزنِ یعقوبؑ پر مزید روشنی:

بہ ظاہر تو مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے گم ہو جانے کی خبر ہے کہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے یعقوب علیہ السلام جو نہ فرشتے تھے اور نہ خدا اور نہ وہ سب کچھ جس کا انتساب پیمبروں کی طرف مختلف زبانوں میں کیا گیا ہے مثلاً پیغمبر خدا کے بیٹے تھے یا پیغمبر کی شکل میں خدا ہی نے جنم لیا تھا۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کے الفاظ سے جس عقیدہ کو غلطیوں سے سورۂ اخلاص میں پاک اور خالص کیا گیا ہے۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ بجائے انسانوں کے زمین پر اگر فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو فرشتوں ہی کو رسول اور پیغامبر بنا کر

بھیجا جاتا۔ لیکن خوش اعتقاد انسان اس اعلان کے بعد بھی یہی چاہتا ہے کہ پیغمبر آدمی نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ حضرت یعقوبؑ فرزند کے فراق سے بیکل ہوئے، لوگوں کے لیے اس میں گرانی اس بے بنیاد اور غیر شعوری خوش اعتقادی ہی پر مبنی ہے۔ انسانوں کے لیے انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنے کی جو مصلحت ہے اس مصلحت ہی کو ختم کر دینا چاہیے تھا۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنی اس بیکلی پر جیسا کہ چاہیے تھا حق تعالیٰ سے دعا و التجا میں مشغول ہونے کے بعد دعا کے قبول ہونے کے آثار جب سامنے نہیں آرہے تھے اس وقت اندازہ کرنا چاہیے کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر صرف اپنے مالک کے بھروسہ پر جی رہا ہو یعنی دین کا رشتہ صرف اسی سے اس کا قائم ہو۔ دن پر دن، مہینوں پر مہینے، سالوں پر سال گزرتے جاتے تھے لیکن یوسفؑ گم گشتہ کی کوئی خبر کسی طرف سے نہیں آرہی ہے۔ اپنے مالک سے تعلق پیدا کرنے کے بعد ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سارے سہاروں کو چھوڑ کر ایک ہی سہارے پر جینے والے بندے کی حالت اس وقت کیا ہوتی ہے یا کیا ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں حزن پیدا ہو، اور زبان پر تو لا نہیں سکتا لیکن دل کی ان ہلچلوں کو کیسے روک سکتا ہے جن کا پیدا ہونا ان حالات میں قدرتی سی بات ہے۔ اس کیفیت کا نام کَظْم ہے کہ بول کر دل کی بھڑاس نکالنے کی بھی اجازت نہیں اور جن سے کہا جا رہا ہے، پتہ نہیں چلتا کہ ان کی مرضی کیا ہے۔ اندر کے ان حالات سے باہر متاثر ہونا محلِ تعجب نہیں ہو سکتا۔ اگر پھر بھی اعصاب حضرت یعقوبؑ کے حزن و مکظومیت کی ان اضطراری کیفیتوں سے متاثر ہوئے اور سیاہی کی جگہ حلقۂ چشم پر سفیدی غالب آ گئی تو طبی نقطہ نظر سے بھی چاہیے تھا کہ یہی ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ رونے دھونے کی وجہ سے آنکھوں کے سفید ہو جانے کی شہرت جو حضرت یعقوبؑ کے متعلق ہو گئی ہے، اولاً تو اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور جس حزن اور بث (بیکلی) میں وہ مبتلا تھے اس کو صرف یوسف علیہ السلام کی گمشدگی سے پیدا ہونے والے غم میں منحصر کر دینا اس کی بھی کوئی وجہ وجیہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ ہاں منجملہ دوسرے اسباب کے ایک سبب یوسفؑ کا فراق بھی تھا"۔

(ہفت روزہ صدقِ جدید لکھنؤ، مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۱ء)

معارفِ قرآنی

"ابھی کچھ دیر پہلے سورۂ ہود پڑھ رہا تھا۔ اس میں جب یہ آیت زیر تلاوت آئی یعنی اِهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ [1] تو گو خیال تو کئی دفعہ پہلے بھی گزرا تھا لیکن آج سنبھل کر غور کرنے لگا۔ بہ ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "امم" کا ایک طبقہ تو وہ ہے جو نوح کے ساتھ تھا ان کو سلام و برکات کی بشارت سنائی گئی، لیکن یہ أُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ [2] مقابلہ کی رو سے چاہیے کہ حضرت نوحؑ کشتی والوں کے سوا ہوں، اگرچہ حسب دستور اربابِ تفسیر دبے پاؤں گزر گئے ہیں لیکن سوچنے کی بات ہے میرے دل میں تو کچھ اس قسم کی بات آتی ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی میں جو لوگ تھے زمین پر اترنے کے بعد ممکن ہے کہ علاوہ حضرت نوحؑ کے ان کی بھی اولاد چلی ہو لیکن جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِينَ [3] سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں صرف نوحؑ کی اولاد ہی کشتی سے اترنے والوں کی دنیا میں باقی رہ گئی یعنی اس بقاء کا تعلق صرف کشتی والوں کی حد تک محدود رکھا جائے، مگر وہ طبقہ امم کا جو کشتی والوں کے سوا تھا کیا یہ قائن کی اولاد تھی جس کی نسل میں حسب تصریح تورات توبلقائن تھا اور اسی کی نسل سے باڑھ دار ہتھیار بنانے والے اور آلات سرود و نغمہ کے موجدین پیدا ہوئے۔ ان کی خصوصیت قرآن پھر بتاتا ہے کہ ابھی تو نہیں مگر آئندہ زمانے میں تمتع کا موقعہ ان کو بھی دیا جائے گا۔ پھر عذابِ الیم ان کو پکڑ لے گا۔ کیا یورپ کی قابیلی یا بالفاظ دیگر یاجوجی ماجوجی نسلوں کی طرف اشارہ ہے؟ یہ عجیب بات ہے کہ اس کے بعد فرمایا گیا کہ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا [4] یہ ظاہر خیال کرتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا قصہ بائبل میں جس طرح مذکور ہے اس سے عرب یہود و نصاریٰ کی صحبت کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک ضرور واقف تھے بلکہ طوفان نوح کا چرچا تو دنیا کی اکثر قوموں میں پایا جاتا ہے حتیٰ کہ ہندوچین اور گمنام جزائر والوں کے یاں بھی کسی نہ کسی شکل میں اس طوفان کی یاد باقی ہے۔ عرب کا ناواقف رہنا محل تعجب سے تھا اسی بنیاد پر میں نے تورات کے قصے کو اٹھا کر پڑھا۔ اس میں نہ تو نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا قصہ ہے جو اس زمانے کے اکتشاف شناوری میں پناہ ڈھونڈھ رہا تھا اور نہ طبقاتی تقسیم یا کاسٹ سسٹم کا

ذکر ہے جو قومِ نوح کے تمدن کی اصل خصوصیت تھی۔ ہندوستان وغیرہ میں اب تک اس کی یادگار باقی ہے۔ خیال یہی گزرتا ہے کہ تلک کا مشار الیہ قصے کے ان اجزاء کو کیوں نہ قرار دیا جائے یعنی قصے کو جس شکل میں اوپر بیان کیا گیا ہے مجموعی حیثیت سے نہ تم ہی اس سے واقف تھے نہ تمھاری قوم، آپ کی چونکہ بائبل کے شروح و تفاسیر پر نظر ہے اس لیے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ابنِ نوح کا ذکر کیا ان میں ملتا ہے۔ اسی طرح اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّأْیِ یعنی شودروں کے ساتھ قومِ نوح کا جو یہ برتاؤ تھا اس کا بھی تذکرہ ان لوگوں نے کیا ہے یا نہیں۔ بائبل میں قصہ نوح کو حالانکہ متعدد بار پڑھتا رہا ہوں لیکن بعض لوگ دیوتاؤں کی اولاد ہوتے ہیں۔ یونانی و ہندی دیو مالاؤں کا ذکر بائبل میں بھی پایا جاتا ہے اس پر تنبیہ آج ہوئی۔ سورماؤں کی پیدائش کی صورت بھی بتائی گئی ہے کہ ماں تو ان کی انسانی نسل سے ہوئی ہے لیکن باپ خدا کے بیٹے تھے۔ بہ ظاہر "ملائکہ" ہی اس سے مراد ہیں۔ مسئلہ اوتار سے بھی اس کا کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے بہرحال حضرت مسیح انسانی باپ سے نہیں پیدا ہوئے۔ یہ ان کی خصوصیت نہ تھی بلکہ سورماؤں کا طبقہ تورات کی رو سے انسانی باپ کی اولاد نہیں ہے۔ ابھی ابھی بڑھاپے میں ان امور کی طرف ذہن منتقل ہوا ہے آپ ضرور ان کے متعلق کچھ ارقام فرماویں۔

(ہفت روزہ صدقِ جدید لکھنو، مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۵۱ء)

---

۱ ترجمہ: (اے نوحؑ) اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو تمھارے ساتھ ہیں۔ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انھیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری طرف سے دردناک عذاب ہوگا۔

۲ ترجمہ: اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انھیں چند روزہ عیش دیں گے۔

۳ ترجمہ: اور ہم نے باقی انھیں کی نسل کو رہنے دیا۔

۴ ترجمہ: یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعے آپ تک پہنچایا۔ اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

(۱۸)

"یوں تو قرآن ہی میں دشمنوں سے صرف بے خوف ہونے ہی کی تدبیر نہیں، بلکہ بجائے دشمن کے اسے دوست تک بنالینے کا مجرب نسخہ موجود ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

ترجمہ: برائی کو روک اس طریقہ سے جو زیادہ بھلا ہو، پس اچانک تو پائے گا کہ وہ جس کے اور تیرے درمیان دشمنی تھی وہ گویا ایک گرمجوش دوست بنا ہوا ہے۔

یہ مدافعت بالحسنٰی کا طریقہ انسانی فطرت کا قانون ہے۔ فطرتِ انسانی کے بنانے والے نے جب اس کا راز فاش کر دیا ہے تو بے ایمانوں کے سوا اور کون ہوگا جو اس کے کارگر ہونے میں شک کر سکتا ہے مگر آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ

وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ

ترجمہ: اس اصول کو اپنے اندر نہیں اتارتے بلکہ وہی جو صبر کریں اور نہیں اتارتے مگر وہی جو بڑے حصہ والے ہیں۔

اس وقت اس سلسلہ میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے اس ذاتی تجربہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر انھوں نے فتوحات مکیہ جلد ۴ ص ۷۰۰ پر فرمایا ہے۔ یہ ارقام فرماتے ہوئے کہ تم لوگوں سے بے خوف اور نڈر ہو کر اگر زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اس کی کارگر تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے سے نڈر اور بے خوف بنا دو۔ جب دوسرے تم سے اپنے کو امن میں پائیں گے تو یقین کرو کہ تم بھی ہر چیز سے محفوظ و مامون ہو جاؤ گے۔ آگے چل کر شیخ نے اپنا ذاتی تجربہ لکھا ہے جسے خلاصۃً پیش کرتا ہوں:

فرماتے ہیں کہ اپنی ابتدائی زندگی میں ایک بار اپنے والدِ مرحوم کے ہمراہ اندلس کے فلاں فلاں مقام سے گزر رہا تھا کہ راستے میں جنگلی گدھے چرتے ہوئے نظر آئے۔ میں شکار کا نہایت درجہ شوقین تھا لیکن اس وقت ارادہ کر لیا کہ ان گدھوں کو بالکل نہ چھیڑوں گا۔ میرا گھوڑا حسبِ عادت ہنہنایا اور شکار پر لپکنا چاہا مگر میں نے باگ کھینچ لی۔ میرے ہاتھ میں نیزہ تھا اور گدھوں کے اتنا قریب ہو کر گزر رہا تھا کہ اس کی نوک کبھی کبھی ان کے جسم سے مس کر جاتی۔ اس پر بھی گدھے بہ اطمینان چرتے رہے، بھڑکنا اور بھاگنا الگ رہا کسی نے سر تک اٹھا کر نہ دیکھا لیکن اس کے ذرا ہی دیر بعد ہمارے نوکر چاکر جو پیچھے چھوٹ گئے تھے، وہاں پہنچے اور گدھے انھیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت اپنے دورِ جاہلیت میں تو میں اس راز کو کچھ نہ سمجھا لیکن اب جبکہ اللہ کی راہ میں قدم رکھنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے، یہ راز یوں سمجھ میں آتا ہے کہ امن و بے خوفی کا جو خیال میرے دل میں پیدا ہوا تھا وہ

مجھ سے منتقل ہو کر ان گدھوں کے اندر پھیل گیا۔

آج دنیا پر ڈر اور خوف مسلّط ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دوسرے ڈرا رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس ڈر اور خوف کو خود اپنے لیے پیدا کر لیا ہے۔ آپ دوسروں کو اپنے سے بے خوف کر دیجیے، ان جذبات و احساسات کو نکال ڈالیے جن کی وجہ سے دوسروں کے قلوب میں آپ کا ڈر پیدا ہو رہا ہے۔ یقین مانیے کہ آپ بھی ان سے نڈر ہو جائیں گے۔

(ہفت روزہ صدقِ جدید لکھنؤ، مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۵۱ء)

(۱۹)

ایک تعزیت نامہ

مخدوم ومحترم افرغ اللّٰہ علیکم وعلی اھل بیتکم صبراً جمیلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔ آپ کے غم والم کا شریک یہ بدنصیب نیازمند دو چار روز کے لیے مونگیر ایک خانگی ضرورت سے گیا ہوا تھا، واپسی پر آپ کا "غم نامہ" ملا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مراسلت و موانست کی اس طویل مدّت میں کرب و بے چینی، غم و الم کے تاثرات سے لبریز کوئی ایسا گرامی نامہ آپ کا کبھی ملا ہو۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حادثۂ فاجعہ کی نوعیت آپ کے لیے بھی اور آپ کے گھر بھر کے لیے حد سے زیادہ سخت اور بہت زیادہ سخت ہے۔ حیران ہوں کہ ایسے وقت میں آپ لوگوں کو کیا سمجھاؤں۔ آپ کے خط نے خود میرے دماغی نظام کو درہم برہم کر دیا۔ خیال آپ کے بھائی صاحب بے چارے کا ہوتا ہے۔ ان سے پہلی ملاقات کا شرف گزشتہ سفر کے موقعہ پر حاصل ہوا تھا۔ ان کا مطمئن چہرہ گھر کے اطمینان کا مطلع واقع بنا ہوا تھا۔ آپ نے مرحومہ کے وجود کی جس مرکزیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے میں وہاں موجود نہیں ہوں لیکن یہیں بیٹھے بیٹھے سوچ رہا ہوں کہ انتشار اور ابتری کی بھیانک صورتیں ہر ایک کو کیسا ڈرا رہی ہوں گی۔ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ بچوں کا اضطراب صرف وقتی اضطراب نہیں بلکہ "روشنی" کے بعد اچانک "تاریکی" میں اپنے آپ کو پا کر لوگ تڑپ رہے ہوں گے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ان تڑپنے والوں کو بہرحال

ساکن ہونا پڑے گا لیکن اس وقت تو ان کو تھام لینا آسان نہیں ہے۔ یہ حادثہ ہی ایسا ہے کہ فکر ونظر کی قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں، دماغ معطل ہو جاتا ہے پھر دلوں کو کیسے سنبھالا جائے۔ بس اسی پر بھروسہ ہے کہ زمانہ نے یہی ہمیشہ ثابت کیا ہے کہ مرنے ہی کے لیے جو پیدا کیے جاتے ہیں ان کو مرنا ہی پڑا اور "حیّ لا یموت" اس زندہ عالم کو جلاتا ہی رہا۔ کسی گھر یا خاندان یا ملک اور علاقہ کی نہیں بلکہ العالمین کے لیے رحمت بن کر جو یہاں آیا تھا یا لایا گیا تھا، اس وقت بھی فان اللہ حیّ لا یموت کی یافت ہی نے گئی ہوئی عقلوں کو واپس کر دیا تھا تو امید ہے کہ اسی رحمۃ للعالمین کے صدقہ میں ان کی امت کا جو گھرانا اپنے ''مرکز'' سے جدائی کی مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا ہے اس کو صبر وسکون کی نعمت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ خاکسار بس اسی کی دعا بھی کرتا ہے اور وقت کے اس قانون کا انتظار بھی کرتا ہے۔ سرِ دست کچھ سمجھانے بجھانے سے بات جہاں تک میں جانتا ہوں سمجھ میں نہ آئے گی ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی دنیا جب چلتی رہی، چل ہی رہی ہے تو بقول اس سادہ لوح مومن بدو کے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر کہا تھا ''محمدؐ کے بعد جس کا جی چاہے اب مر جائے'' ان بعد رسول اللہ فمن شاء فلیمت"

اس نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے سوچنے کی بات یہ نہیں ہوتی کہ جو زندہ ہیں وہ کیا کریں گے۔ بقول شخصے، اِس زندگی کا خاتمہ تو بہر حال موت پر ہی ہو گا لیکن اُس زندگی کا سوچنا چاہیے جس میں آدمی موت کو ڈھونڈھے گا، اور وہ صرف ڈھونڈھتا رہے گا۔ موت ذبح ہو چکی ہوگی، اب وہ کہاں ملے گی، شاعر کی غرض اپنے اس شعر سے شاید یہی ہے کہ

اپنی زندگی میں موت تو ہے
ہائے وہ زیست جس میں موت نہ آئے

آپ نے مرحومہ کا جو حال لکھا ہے اس حال سے ان کے استقبال کا جو اندازہ ہوتا ہے کہنے کی بات تو نہیں ہے لیکن اس میں کیا حرج ہے اگر کسی مومنہ کے اچھے حال کو نہ چھپایا جائے۔ گھر یا خاندان کے مختلف عناصر کو مہینے دو مہینے نہیں زندگی کی آخری سانس تک ہم آہنگی کے رشتے میں جوڑے رکھنا، چاہیے تو اخلاقی زندگی کی کرامت سے اسے تعبیر کر سکتے

ہیں۔ جن حالات سے دنیا گزر رہی ہے، ذلت و رسوائی، بے امنی، بے آئینی، قحط و گرانی قطعاً غیر منفصل مستقبل، آج جو اپنے گھر میں ہے کل اسے کہاں جانا پڑے گا۔ تذبذب اور شک کے اس آخری نقطہ تک پہنچ جانے کے بعد چاہیے تو یہی تھا کہ زندگی کی گوارائی ختم ہو جاتی، لیکن یہ بھی قدرت ہی کا قانون ہے ٹوٹے ہوئے جہاز کا کوئی ٹوٹا پھوٹا تختہ ہی سمندر کے تھپیڑوں کے اندر مل جاتا ہے تو اسی کے ساتھ زندگی کا یہ عاشق انسان چمٹ جاتا ہے اور اس وقت بڑے سے بڑے محلوں سے زیادہ آسائش کی مسرت اس میں محسوس کرتا ہے۔ اس عام قانون کا اقتضا ہے کہ ہم اپنے ہی لیے نہیں اپنے اعزہ اقربا بال بچوں سب ہی کے لیے اسی تلخ اور کانٹوں سے بھری ہوئی زندگی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ جن کو اس مصیبت سے خلاصی بخشی جاتی ہے ان کے لیے تو وہ خلاصی ہوتی ہے لیکن مرنے والوں کی یہی نعمت کم از کم ہمارے لیے تو مصیبت بن جاتی ہے۔ یہ ہماری فطرت کا زور ہے اور اس زور کو ہم کمزور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ شاید ارحم الراحمین چاہتا ہے کہ ان ہی مصائب کی راہ سے ہماری غلطیوں کی تلافی کفارے کی شکل میں ہوتی رہے۔ اگر موجودہ تلخ زندگی سے گلوخلاصی کی یہ نعمت جیسے خلاصی پانے والوں کے لیے نعمت ہوتی ہے ہمیں بھی نعمت ہی کی شکل میں محسوس ہو، تو مصیبت کے بعد صبر کرنے والوں کو جن بشارتوں سے سرفراز فرمایا گیا ہے یعنی صلوات و رحمت کے ساتھ راہ یافتوں کی سڑک پر ان کو چڑھا دیا جاتا ہے اور بغیر حساب اجر کے فوائد اس راہ پر چلنے والوں کو نصوصِ قطعیہ کی رو سے پہنچتے رہتے ہیں۔ ان سے مستفید ہونے کی صورت ہی کیا باقی ہے، بقول اکبر مرحوم اگر مرحوم قالب کی موت قلب کی زندگی کا سبب ہی بن جائے تو موت کی یہ قیمت کیا کم ہے۔ فرمایا ہے:

فکرِ منزل کم ہو گئی ان کا گزرنا دیکھ کر
زندہ دل ہو گیا میں اوروں کا مَرنا دیکھ کر

عہد حاضر کی بے بصیرتی نے موت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے یعنی باوقت اور بے وقت۔ سمجھا جاتا ہے کہ موت کی یہ دو مستقل شکلیں ہیں۔ بے وقت موت کو کہتے ہیں کہ زیادہ جاں گداز اور روح فرسا ہوتی ہے لیکن قطع نظر قرآنی تکذیب کے، بقول اکبر

غنچہ مُرجھا کے گِرا شاخ سے، افسوس نہ کر

کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

آخر جس وقت و ساعت پر کسی کی سانس بند ہوتی ہے، اس کے بعد آنے والی سانسوں اور گھڑیوں پریشانیاں ہی پریشانیوں میں اضافے کے سوا عام طور پر کس بات کا تجربہ، تجربہ کرنے والے کررہے ہیں؟ بلکہ چھوٹی زندگی میں بڑے کام جب کسی سے بن آتے ہیں تو بڑی زندگیوں سے یہ چھوٹی زندگی ہی قابلِ رشک بن جاتی ہے۔ اکبر مرحوم کا ایک اور شعر جب یاد پڑجاتا ہے تو دیر تک اس کی لذّت میں گم ہوجاتا ہوں، کتنا دردانگیز شعر ہے:

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب میں یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کیا عرض کروں، ایمان کے ساتھ جو مرتے ہیں، کہنے والے خواہ کچھ ہی کہیں لیکن قرآنی آیت لَا یَصۡلٰهَآ اِلَّا الۡاَشۡقَی الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی کے بعد یہ کیسے کہوں کہ جو نہ تکذیب ہی کے جرم کا مرتکب ہے اور نہ تولّی کی معصیت کا دھبہ اس کے دامن پر ہے، اس کو میں جہنم میں پارہا ہوں۔ جہنم ہو یا دوزخ سب کو قرآن ہی کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں پھر نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ کی عبارت کیسے کروں۔ حضرت مجددؒ اپنے مکتوب ۳۲۸ جلد ا میں کبائر تک کے مرتکبین کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

"اهل کبائر که گناه ایشاں یه مغفرت بناء اند به توبه را شفاعت یا مجرد عفو و احسان و نیز آن کبائر را باآلام و محن دنیوی باشد و سکرات موت بکفر نه ساخته"۔

پھر آگے فرماتے ہیں: "امید است که درعذاب آنها جمعے را بعذاب قبر کفایت کنند و جمعے دیگر را باوجود محنتهائے قبر یا اهوال قیامت و شدائد آن روز اکتفا فرمائند و از گناهاں باقی نگذرند، محتاج عذاب نار گردند۔"

اپنے حسنِ ظن یا ایمانی ضعف کا نتیجہ ہے کے اسلامی گھرانوں کی عفیفہ خاتونوں کے متعلق کبائر کے تصور ہی میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ قبر پرستی وغیرہ کی بدعات سے جو خاندان پاک ہیں ان کے متعلق کیسے سوچا جائے کہ کبائر میں مبتلا ہونے کے امکانات ہی

ان کے لیے کیا ہیں؟

کچھ بھی ہو آپ کے خاندان کی مصیبت کی اذیت میں کمی کے لیے وقت کا انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ بار بار آپ کے بھائی صاحب کا خیال آتا ہے۔ ان کی تسلی کے لیے اپنے پاس نہ خیال نہ الفاظ پاتا ہوں۔ بس اس فقیر کا ان سے سلام عرض کر دیجیے اور یہ فرما دیجیے کہ بجز دعا کے یہ بے بس سراپا فقر و احتیاج کر ہی کیا سکتا ہے۔ سالہا سال کی رفاقت اور آرام و سہولت کی عادت سے ان کو اچانک محروم ہونا پڑا ہے، تلافی کی کیا شکل ہے۔ بس حق تعالیٰ ان کے یقین ہی یقین کا اضافہ فرمائے۔ دنیا میں مصائب کی تسہیل کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی دعاؤں میں یہی فرماتے تھے: من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا ۔ میری اخت العرفات سے بھی سلام عرض فرما دیجیے گا۔ دو کنبوں میں یہ تعلق شاید تاریخ کا بے نظیر واقعہ ہے، اللہ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ بچوں کو بھی دعا فرما دیجیے، سب کے لیے دعا کرتا ہوں۔

(ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ مورخہ ۱۶ ر نومبر ۱۹۵۱ء)

ا مولانا دریابادی کے برادر بزرگ کی اہلیہ محترمہ کی وفات

(۲۰)

صحیح تنبیہ

''فقیر کے ساتھ جس حسنِ ظن کا اظہار کیا گیا ہے خدا کرے وہ میرے لیے فال نیک ہی کم از کم بن جائے۔ چاہیے تو یہی کہ رجال کو حق سے پہچانا جائے لیکن لوگوں نے پیمبروں پر قیاس کر کے رجال سے حق کو پہچاننا شروع کیا ہے۔ میرے حلقۂ احباب کے بعض بزرگوں میں تو یہ رنگ اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ شیخ اور نبی میں کم از کم عملاً ان کے نزدیک کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ قرآن مجید میں ایک طرف اگر ان لوگوں کو ڈانٹا گیا ہے جو کسی چیز کے غلط ہونے کی دلیل صرف اس بات کو قرار دیتے ہیں کہ وہ ''اوّلین'' کے اساطیر ہی سے ہے گویا

زمانا جو ہم سے مقدم ہیں ان کی ہر بات غلط ہے اور اس لیے غلط ہے کہ وہ ہم سے پہلے دنیا میں آئے لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرا طبقہ ان کا تھا اور اب بھی ہے جو کسی بات کی صحت کے لیے اسی کو کافی قرار دیے ہوئے ہے کہ گزشتہ نسلوں کا وہی طریقۂ عمل تھا گویا ہر وہ شخص جو ہم سے پہلے دنیا میں آیا اس کا پہلے پیدا ہو جانا اس کو اس امر کا مستحق بنا دیتا ہے کہ جو بات بھی اس کے منہ سے نکلے وہ صحیح ہے۔ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَ نَا الْاَوَّلِيْنَ والوں کو اسی لیے میں ''آبائیہ'' کہتا ہوں اور جن لوگوں کے نزدیک تغلیط کے لیے کسی چیز کا اساطیرِ اولین میں سے ہونا ہی کافی ہے یعنی پہلے زمانہ کی ہر بات ''افلک قدیم'' ہے۔ روشن خیالوں کے اس گروہ کا نام میں نے ''افلکیہ'' رکھا ہے۔ میں نہ آبائیہ ہوں نہ افلکیہ۔ حق ہونے کے لیے آخر یہ کیا دلیل ہے کہ یہ ان کا قول ہے جو پہلے یا بعد میں آئے۔ چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کا مسلک صحیح کر دے۔

(ہفت روزہ صدق لکھنؤ مورخہ ۷رمئی ۱۹۵۴ء)

بنام

حکیم سیّد محمود احمد برکاتی[1]

(۱)

۲۰ رجب ۱۳۶۱ھ (مطابق ۳ راگست ۱۹۴۱ء) حیدرآباد دکن

قبلہ معظمہ جناب والدہ صاحبہ[2]، دام اللہ ظلہا

السلام علیک وعلیٰ من لدیک

آپ کے گھر کا پروردہ نم خوار غلام، مناظر احسن گیلانی شرم وندامت کے ساتھ درِ دولت پر حاضر ہے۔ بالکل خلافِ اُمید آپ کا والا نامہ برخوردار محمود میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اجمیر سے ملا۔ پرانا نقشہ زندگی کا آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا، یاد آ گیا وہ سارا قصہ حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ[3] ان کی مہربانیاں اور ہمارے بھائی جن کو حقیقی بھائی سے بھی زیادہ چاہتا تھا، سب کا خیال آیا دیر تک روتا رہا۔ حضرت کو میں یاد ہوں لیکن میری نالائقی کہ حاضری کی سعادت حاصل نہ کرسکا آپ سے کیا عرض کروں، بھائی مرحوم کی وفات کے بعد ٹونک کا کوئی نام بھی لیتا ہے تو کلیجہ دہل جاتا ہے۔ میں سچ عرض کر رہا ہوں کہ ٹونک کی طرف قدم اسی لیے نہیں اٹھتا کہ جب وہ نہیں ہیں تو کس سے ملنے جاؤں اور یوں بھی سرکاری نوکری کا طوق گلے میں ہے۔ تعطیل میں گھر چلا جاتا ہوں کیوں کہ بال بچے سب گیلانی ہی میں ہیں ۔تاہم آپ کا سایہ سر پر ہے خدا اس کو قائم رکھے۔ بچوں کے لیے آپ کا دم غنیمت ہے مولانا چشتی صاحب[4] سے خیریت وحالات معلوم ہوتے رہتے ہیں وہ اچھے ہیں اور جہاں نوکر تھے وہیں نوکر ہیں، آرام سے ہیں۔ میں نے ان کو آپ کا پیغام پہنچادیا ہے انھوں نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ خود خط لکھوں گا۔

باقی آپ نے جس معاملہ کے متعلق لکھا ہے وہ بڑا پُر پیچ معاملہ ہے۔ کئی سال سے اس کی کارروائی چل رہی ہے۔ اجمیر ہی کے ایک صاحب عبدالباری معنی جو مولوی معین الدین صاحب مرحوم کے شاگرد ہیں اور ایک مشہور خادم درگاہ شریف کے صاحبزادے ہیں ا

ن کے والد کا حیدر آباد میں بہت اثر ہے خود حضور نظام بادشاہ تک ان کی پہنچ ہے وہی اپنے بیٹے کے لیے اس جگہ کی کوشش کر رہے تھے لیکن جس وزیر کے ہاتھ میں اس جگہ کی نوکری ہے ان کا خیال ہے کہ اجمیر شریف کے کسی آدمی کو اس جگہ پر نوکر نہ رکھا جائے اس لیے عبدالباری کا نام انھوں نے کاٹ دیا اور حکم دیا ہے کہ حیدر آباد کے کسی آدمی کا نام پیش کیا جائے حالانکہ عبدالباری کے لیے بہت کوشش کی گئی لیکن صدر المہام نے بھی کہہ دیا کہ اجمیر کے آدمی ہیں ان کا تقرر اس جگہ پر نہیں کیا جاسکتا۔

ایسی صورت میں آپ ہی خیال فرمائیں کہ فاطمہ سلمہا کے دولھا جو اجمیر خاص کے رہنے والے ہیں ان کو وہ کیسے رکھ سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے جب ارقام فرمایا ہے تو میرے بس میں جو کچھ ہے کوشش کرتا ہوں اگرچہ اُمید بہت کم ہے۔

وہ بڑے ضدی اور اپنی رائے پر اڑنے والے آدمی ہیں۔ مولانا چشتی صاحب سے بھی مشورہ کیا انکا بھی یہی خیال ہے کہ صدر المہام نے یہ ایسی قید لگادی ہے کہ کامیابی مشکل ہے تاہم جو کچھ انجام ہوگا اس سے آئندہ خبر دوں گا بلکہ شاید کوئی موقع ملا تو خود ٹونک حاضر ہونے کی دسمبر تک کوشش کروں گا۔

اس کی بڑی خوشی ہے کہ بچوں کی تعلیم ہو رہی ہے مولانا شریف[5] صاحب کو اجمیر لانے کی ایک غرض میری یہ بھی تھی کہ شاید مولوی صاحب کے ذریعہ سے ان بچوں میں سے کسی کی تو اعلیٰ تعلیم ہو جائے۔ محمود میاں سلمہٗ الحمدللہ اب تو اوپر کی کتابیں پڑھ رہے ہیں، خدا ان کو اپنے دادا اور والد کا قائم مقام بنائے اور جس طرح سارے ہندوستان میں ان کے والد کی روشنی پھیلی ان سے بھی دنیا روشن ہو۔

معلوم نہیں کتابوں کا کیا حال ہے سنا ہے کہ بند بند خراب ہو رہی ہیں۔ ایسا تو نہ چاہیے تھا آخر محمود میاں سلمہٗ کو ان کتابوں کی ضرورت عنقریب پڑنے والی ہے۔

محمود میاں کی والدہ کی خدمت میں سلام عرض ہے بچوں کو دعا۔ فقط

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

۱؎ یہ خطوط ہمیں حکیم سیّد محمود احمد برکاتی صاحب کی عنایت سے حاصل ہوئے۔ قبل ازیں یہ خطوط سہ ماہی نبصائر کراچی کے دو شماروں بابت جنوری و اپریل ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکے ہیں۔
۲؎ یہ خط حکیم محمود احمد برکاتی کی دادی صاحبہ کے نام ہے
۳؎ حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی۔ وفات: ستمبر ۱۹۲۸ء
۴؎ مولانا عبد الرحمٰن چشتی تلمیذ حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی
۵؎ علامہ محمد شریف مبارکپوری تلمیذ حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی

(۲)

۲ر شوال ۱۳۶۲ھ (۲ر اکتوبر ۱۹۴۳ء) جوار الجامعۃ العثمانیہ بروز شنبہ

عزیز القلوب، قرۃ عیون العلماء سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میری جسمانی والدہ کا مدت ہوئی انتقال ہو چکا ہے لیکن آپ کا جو غم نامہ ملا ہے اس سے یہ معلوم کر کے کہ اپنی روحانی ماں جس کے آغوشِ تربیت و شفقت میں برسوں زندگی گزاری تھی حق تعالیٰ نے ان کے سایہ کو بھی ہم لوگوں کے سر سے اٹھا لیا۔ اس خبر کا جو دل پر اثر ہو سکتا ہے اس کا صحیح اندازہ آں عزیز کو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ آپ کے گھر میں جب ہم پل رہے تھے اس وقت اس دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ یہ دنیا جس میں ماں کو، باپ کو، اعزہ کو، اقربا کو، احباب کو، دوستوں کو، اساتذہ اور مشائخ کو سب کو چھوڑنا پڑتا ہے، آدمی تنہا ہی آتا ہے اور تنہا ہی جاتا ہے۔ اُف! سارے خیالات دبے دبائے برسوں کے زندہ ہو گئے۔ دیر تک ان خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا جن میں ہم نے بھی کبھی زندگی گزاری تھی۔ برسوں آپ کے والدِ مرحوم اور اس فقیر نے ایک ہی دسترخوان پر حقیقی بھائیوں کی طرح کھانا کھایا تھا اور مرحومہ محترمہ تغمد اللہ بغفرانہ نے ہم دونوں کے متعلق کبھی فرق نہیں فرمایا۔ جو وہ کھاتے تھے وہی ہم غریب الوطن طالب علم کو بھی کھلایا جاتا تھا اگرچہ سچ یہ ہے کہ آپ کے گھر میں میرا قیام آٹھ دس سال تک جو رہا وہ طالب علم کی حیثیت سے نہ تھا۔ میں اپنے گھر سے الگ ہو کر آیا تھا لیکن اس گھر سے زیادہ آرام دہ گھر میں پہنچا دیا گیا۔ ماں باپ سے الگ کیا گیا تھا لیکن ان سے زیادہ مہربان مشفق ماں اور باپ کی گود میں ڈال دیا گیا

تھا۔ پھر زندگی کا وہ لذیذ دور واپس نہ ہوا۔ میں چودہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے سیکڑوں میل دور بہار سے راجپوتانہ پہلی دفعہ آیا تھا۔ اب خیال آتا ہے کہ کامل ڈھائی سال تک جو اس نوعمری میں مجھے اپنے گھر کا خیال نہ آیا تھا کہ پہلی دفعہ اپنے وطن ٹونک سے ڈھائی سال بعد ہی واپس ہوا تھا اس کے اسباب کیا تھے! میری ماں بھی ٹونک میں موجود ملیں میرے باپ بھی اور میرے بھائی بھی۔ آہ! کہ ایک ایک سے جدا ہو گیا۔ آخری شمع آپ کی دادی صاحبہ تھیں۔ مجھ بد بخت کو اس کی توفیق نہ ہو سکی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو سکوں لیکن دوسروں کو کیسے سمجھاؤں میرے دل کا حال علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ ٹونک اور محمد میاں مرحوم[1] کے بغیر میرے لیے ایک ناقابلِ برداشت خیال بن گیا۔ میں اس آبادی میں کیسے قدم رکھوں گا جہاں یہ سُنا جائے گا کہ میرے بھائی مرحوم سے ملاقات نہ ہوگی اس مکان کو کیسے دیکھوں گیا جس میں ہم اور وہ خدا ہی جانتا ہے کہ زندگی کے کن کن حالات سے گذرے تھے۔ زنجیر بن کر یہی خیال ہمیشہ سامنے آجاتا تھا۔ آخر جس کا خطرہ تھا وہ پیش آہی گیا، وہ روانہ بھی ہو گئیں اور میری آرزو دل کی دل ہی میں رہی۔ ٹونک کے لیے اب میں اجنبی ہو گیا اور ٹونک میرے لیے اجنبی ہو گیا، نہ اب وہاں ہمارا کوئی جاننے والا رہا اور جنھیں میں جانتا تھا ان میں کوئی باقی نہ رہا۔ کیا زمانہ ہے اور زمانہ اسی کا نام ہے میں آپ کو کیا لکھوں آپ لوگوں کے لیے بھی تو آخر سہارا ان ہی کا وجود باوجود تھا۔

لیکن "صلاح لاباء فلاح لابناء" اگر ایک صحیح تجربی مقدمہ ہے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ لوگوں کی دستگیری فرمائے گا۔ اور وہی حضرت الاستاد قدس اللہ سرہٗ کے اہل بیت پر ان کے بعد خلیفہ ہے۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے میرا بہت بہت سلام پہنچا دیجیے۔ اب سارا بار ان ہی پر آ گیا۔ ان کی بھی کیا قسمت ہے لیکن جس صبر و شکر سے انھوں نے کام لیا ہے حق تعالیٰ اس کے اجر سے محروم نہ فرمائیں گے۔ آپ کا اور آپ کے بھائیوں کا فاطمہ سلمہا کا وجود ان کے لیے سرمایۂ تسلی و عافیت ہے۔ آپ نے اپنے حالات سے مطلع نہیں فرمایا۔ اب کیا پڑھ رہے ہیں۔ مولانا شریف نے لکھا تھا کہ اب انتہائی کتابیں پڑھ رہے ہیں اُمید کہ کتابیں ختم ہو چکی ہوں گی پھر اس کے بعد اب کیا ارادہ ہے اس سلسلہ میں جس قسم کی امداد اس فقیر کے دائرۂ اختیار میں ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے دریغ نہ کرے گا۔ میں

آپ کو کیا لکھوں آپ میرے عزیز اور میں کیسے باور کراؤں کہ گو:

این قالب فرسودہ گراز کوے تو دوراست

القلبُ علی بابك لیلاً و نهاراً

علم کا ہر مسئلہ جب سمجھ میں آتا ہے تو ٹونک کی درسگاہ کی یاد تازہ ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔ آپ نہ صرف میرے استاد زادے مخدوم زادے ہیں بلکہ ایک ایسے بھائی کے صاحبزادے ہیں جن کے بعد میں نے رشتۂ اخوت وصداقت نہیں قائم کیا کہ دل پھر کسی سے اس دنیا میں نہیں ملا۔ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی میری طرف سے دعا فرمایئے۔ معلوم نہیں کتابوں کا حضرت حکیم صاحب قبلہ کی کیا حشر ہوا، مدرسہ کی کیا کیفیت ہے۔ کیا کیا پروگرام تھے جو آپ کے والدِ صاحب مرحوم کے ساتھ قبر میں دفن ہوگئے ماقدر اللّٰہ فسوف یکون.

بہرحال آئندہ آپ اپنے متعلق کیا ارادہ رکھتے ہیں اس سے ضرور مطلع فرمایئے گا آخر میں والدہ محترمہ غفر اللہ لہا کے لیے پھر دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ "اَللّٰھُمَّ بَرِّد مَضْجَعَهَا وَ نوِّر مَرْقَدَهَا".

اخونا المکرم بھائی چشتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ایک کارڈ پہلے مولانا فضل کے نام آیا تھا جس سے اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی تھی۔ مجھے اس وقت تعجب ہوا کہ بجائے میرے آپ نے مولانا فضل کو کیا خط لکھا اور یہ خبر کیا دی کہ بارے دوسرے دن آپ کا کارڈ اور عزیز سلمہ کا لفافہ ملا۔ ادھر دو تین دن سے کچھ بخار کی کیفیت میں مبتلا تھا، بارش کی یہاں وہ کثرت ہے کہ ایک سلسلہ جاری ہے بغیر کسی انقطاع کے برس رہی ہے: اس کا اثر آب وہوا پر بھی پڑ رہا ہے۔ الحمد للہ رمضان تو بخیر وخوبی ختم ہوگیا، میں آپ کو خط لکھنے ہی والا تھا لیکن اب الگ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مطلب یہ کہ مدرسۂ نظامیہ میں ایک جگہ موقع سے خالی ہوئی ہے۔ مولوی عبد القدیر صاحب[1] نے شدید تاکید کی ہے۔ اس جگہ کی دعوت دوں آپ کی ہمشیرہ کا بھی ایک خط بڑے درد وکرب سے بھرا ہوا آیا ہے۔ ان کو آپ کے جانے کا سخت صدمہ ہے۔ انھوں نے تو لکھا ہے کہ میں حیدرآباد تیرے پاس چلی آؤں گی یا ان کو ملا دیجیے جہاں تک میرا خیال ہے آپ کو آجانا

چاہیے۔حالات کا صحیح اندازہ مجھے نہیں ہے ٹونک میں والدہ صاحب کے بعد کیا صورتیں پیش آتی ہیں۔ان امور کا صحیح اندازہ آپ ہی کو ہوسکتا ہے، حالات کا جو اقتضا ہو وہی کرنا چاہیے، ہوسکے تو مجھے بھی مطلع فرمایئے۔آخران بچوں کا اب کیا ہوگا۔

مناظر احسن گیلانی

۱ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے مولانا گیلانی کو اپنی دادی صاحبہ کی وفات کی اطلاع دی تھی۔یہاں اسی جانب اشارہ ہے۔

۲ حکیم سید محمد احمد برکاتی فرزند حکیم سید برکات احمد، والد مکرم حکیم سید محمود احمد برکاتی

۳ مولانا عبدالقدیر بدایونی سابق مفتی اعظم حیدرآباد دکن

(۳)

۲۰/اکتوبر ۱۹۴۳ء

عزیز القدر سلالۃ الاسلاف الاشراف وقائم اللہ عن البلایا

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔آپ کا مفصل خط ٹونک کا لکھا ہوا کئی دن ہوئے ملا۔آپ کے طرز تحریر سلیقہ ادا، انشاء خط سلامت فہم، اصابت رائے، ہر چیز کا مظہر یہ مکتوب تھا۔بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے والد مرحوم اور جد امجد مرحوم کے بلند مراتب اور ان کی ذمہ داری کو پہچانا۔ان شاء اللہ تعالیٰ جب علم پدر کے سیکھنے کی آپ نے کوشش کی ہے تو حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ میراث پدر تک بھی آپ کو پہنچا ہی دے گا۔البتہ ایک چیز کی مجھے کمی محسوس ہوئی اور عدم العلم ہے مستلزم علم العدم کو نہیں ہے کیونکہ عدم الذکر مستلزم ذکر العدم کو نہیں۔میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کی خاندانی خصوصیتوں میں سب سے بڑی خصوصیت نسبۃ باللہ کو حاصل رہی ہے، آپ کے پردادا حکیم سیّد دایم علی خاں قدس اللہ سرہ جن کی زیارت وقدم بوسی کی سعادت اس فقیر کو بھی حاصل رہی ہے اپنے وقت کے عارفین باللہ میں شمار ہوتے تھے۔میں نے بھی ان کو جس حال میں پایا تھا وہ یہی حال تھا کہ ہر چیز سے ہٹ کر اپنے مالک کی یاد میں مستغرق تھے۔سو رکعات کی نفلیں ان کی تو سب ہی جانتے ہیں اس کے سوا وہ جو کچھ تھے دلوں کے پہچاننے کی بات ہے آنکھوں سے کون دیکھ سکتا تھا۔یہ سارا اعزاز واکرام جو آپ کے خانوادہ میں آیا اسی منیب الی اللہ ہستی کا طفیل تھا۔ایک کوردہ گاؤں سے

اُٹھ کر آنا اور بلند سے بلند مقامات تک ایک دور و دراز ریاست میں پہنچ جانا حق تعالٰی کی دستگیریوں کے سوا اور کس سے ممکن ہے خواہ جس کی دستگیری کی جائے اسے شعور ہو یا نہ ہو یہی حال آپ کے دادا مرحوم کا بھی تھا۔ ان کی صباحی دعاؤں کا سلسلہ جو صلوٰۃ صبح کے بعد تقریباً آدھ گھنٹے بالجہر جاری رہتا تھا اب تک کانوں میں اس کی لذت باقی ہے۔ پچھلی راتوں میں بیدار ہو کر ذکر کی آوازیں بغیاللہ اور اطراف کے مکان جس سے گونجتے رہتے تھے ان پُر کیف مناظر واثر کو کون بھول سکتا ہے۔ والد آپ کے اگر چہ نوعمری میں تشریف لے گئے، لیکن ہوش سنبھالنے کے ساتھ میرا ان کا ساتھ رہا، وہ مجھے جانتے تھے اور میں ان کو۔ اس خاندانی لگاؤ سے ان کا دل بھی خالی نہ ہوا تھا۔ بروز وظہور کا وقت آ رہا تھا، دبی ہوئی چنگاریاں چمک رہی تھیں کہ "اَجَلِ مُسمّٰی" آ گیا اور وہ چلے گئے مگر ایمان کی شمع اپنے ساتھ لے گئے۔ یہی مجھے آپ سے کہنا ہے کہ سب کچھ کیجیے اور آپ نے اپنے اخوان عزیز کے متعلق مستقبل کے جس لائحۂ عمل کو طے کیا ہے ماشاء اللہ ہر اعتبار سے بہتر اور مناسب ہے۔ یاد رکھیے۔

دام ہر موج میں، ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

جن پیچ در پیچ نازک گتھیوں میں فطرت کے قوانین بظاہر الجھے ہوئے ہیں اس کثرت میں بساطت کا رنگ پیدا ہی نہیں ہو سکتا، جب تک عقلی احساسات کو تہہ کر کے ایمانی معرفت کو زندہ نہ کیا جائے اور معرفت کی زندگی کا ضامن صرف علم کا وہ مجموعہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نسلِ آدم کو سونپا گیا ہے۔ علم کے تمام ذرائع جن نتائج کو عطا کرتے ہیں خواہ حسّی ہوں یا عقلی ہوں سب کو علم کے اس وثوقی اعتمادی ذریعہ کے مقابلہ میں بھسم کرنا پڑے گا جس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اچھی صحبتوں میں رہیے، ایمان داروں کو ڈھونڈیے، ایمان زندہ مؤمن ہی سے مل سکتا ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ آپ کو ایسی ہستی کے جوار میں رہنے کی سعادت حاصل ہے جس کا ماحول ایمانی ذرات اور برق پاروں سے بھرا ہوا ہے۔ من حیث لا یدری انسانی روح اس خوشبو کو سونگھتی رہتی ہے اور اس نمی کو چوستی رہتی ہے جو حضرت خواجہ قدس اللہ سرہٗ کے ماحول میں بہر حال بھری ہوئی ہے تاہم ضرورت ان سے بھی ملنے جلنے کی ہے جو اسی عالم میں موجود ہوں جس میں ہم لوگ اس

وقت ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ افراد کے ساتھ خاندانوں بلکہ اقوام تک کے ساتھ قدرت کا ایک خاص تعلق ہے۔ یہ مسلمان ہندوؤں یا فرنگیوں کو دیکھ کر دیکھ کر اپنی زندگی کا جولائحۂ عمل بناتے رہتے ہیں کیا یہ ان کوراس آئے گا؟ اس راہ میں یہ جتنا آگے بڑھے ہیں اسی قدر پیچھے ہٹے ہیں، تجربہ جس کا مصدق ہے، حالانکہ ان کو سمجھنا تھا کہ قدرت کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے وہ نہیں ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں یا نہ ماننے والوں سے ہے۔ یہی حال خاندانوں کا بھی ہے ہر شخص کے لیے ہر نسخہ مفید نہیں۔ جانوروں کی غذا کھا کر آدمی نہیں جی سکتا۔ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست۔ میں نے ایک غیر متعلق مسئلہ میں آپ کا وقت ضائع کیا لیکن دل نے نہ معلوم کیوں ضرورت محسوس کی، پھر جو لکھایا گیا تھا، لکھتا چلا گیا۔ غرض فقط اس قدر ہے کہ آپ کو پوری قوت سے "مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ "[1] کے نص قطعی محکم کے ساتھ غیض بالنواجز کا عمل کرنا چاہیے۔ تدبیر صرف پیچھے مڑ کر اس دیکھنے کا نام ہے کہ "فتح" کی صورت کس راہ سے آرہی ہے ورنہ یہاں ایک ہی مرض، ایک ہی ارادہ، ایک ہی فرمان، ایک ہی قانون ہے۔ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یہی مطلب ہے۔ الٰہ کے یہی معنی ہیں، تعدد وجلد کا کوئی قائل نہ تھا جس کی تردید کی جاتی البتہ تعدد فتح کے لوگ قائل تھے پس رحمتوں کا فاتح کوئی نہیں ہے، نظر اسی نقطہ پر جمی رہے اور ہاتھ وہ سب کچھ کرتا رہے جو سب کرتے ہیں۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

مولانا محمد شریف صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اور آپ اپنے اور اپنے بھائیوں کے پروگرام کو جس سے اچھا پروگرام عقلاً میرے نزدیک بھی ممکن نہیں مکمل کرنے کی کوشش بحول اللہ وقوۃ کرتے رہیے۔ خدا کرے مجھے توفیق ہو اور آپ اور آپ کے بھائیوں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کروں، تاہم ظہر الغیب کی دعائیں میری آپ کے ساتھ ہیں۔ "واللہ معکم اینما کنتم" بہر جائے کہ باشی باخدا باش:

اپنے چھوٹے بھائی[2] کو انگریزی میں اگر سرکار[3] نے لگا دیا تو زمانہ کا جو تقاضا ہے اس لحاظ سے یہ غلط نہیں ہے۔ کاش! مولوی اس کو سمجھتے کہ مغل سرکار کے عقلی وذہنی ادبی علوم فنون

کو جو یہ دینیات کے نام سے خواہ مخواہ پڑھا رہے ہیں صرف خیانت ہی نہیں بلکہ قوم پر ظلم کر رہے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ دینیات کی کل تین کتابیں ہیں جو درسِ نظامیہ میں پڑھائی جاتی تھیں یعنی قرآن کے لیے جلالین، حدیث کے لیے مشکوٰۃ اور فقہ کے لیے چند فنون مختصرہ کے ساتھ ایک ہی کتاب تھی جس کو دو کتابوں کے نام سے پڑھایا جاتا تھا یعنی 'شرح وقایہ' کے عبادات اور 'ہدایہ' کے معاملات۔ جاہلیت والی عربی نہیں بلکہ قرآنی عربی جو قریب قریب دنیا کے مسلمانوں کی مادری زبان ہے خواہ وہ عربی ہی ہو یا فارسی یا اردو یا ترکی کیونکہ قرآنی زبان کا پچانوے فیصدی ذخیرہ ان زبانوں میں گھل مل گیا ہے معمولی صرف ونحو کی شُد بُد سے ہم قرآنی عربی کو سمجھنے لگتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم عربی جانتے ہیں بلکہ اردو جاننے کا یہ نتیجہ ہے۔ پس ان تین کتابوں کو رکھ کر اگر کالج کی تعلیم یعنی انگریزی کے دربار کے علوم کو مغل دربار کے علوم کی جگہ رکھ دیں تو ثواب کا کام کریں گے۔ تعلیم کا نظام ایک ہو جائے گا مُلّا لیڈر اور لیڈر مُلّا ہو جائیں گے۔ میں نے اس موضوع پر ایک بڑی ضخیم کتاب 'تعلیم و تربیت'۵ لکھی ہے سات سو صفحات کی، برہان پریس میں چھپ رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بھیجوں گا۔ والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

۱ برکات منزل (ٹونک) کی عرفیت۔

۲ ترجمہ: اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔

۳ جناب مسعود احمد برکاتی، موجودہ ڈائریکٹر شعبہ مطبوعات ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی۔

۴ فرماں روائے ٹونک۔

۵ ''اس کتاب میں ہندوستان کے چھ سو سال کے تعلیمی تصورات پر تاریخی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ آپ کے دادا مرحوم کا بڑا بسیط تذکرہ اس کتاب میں ہو گیا ہے۔ میرے خط کا جواب اگر مناسب خیال کیجیے تو دیجیے کہ المکتوب نصف الملاقات (حاشیہ از مولانا گیلانیؒ)

(۴)

۲۰ رجولائی ۱۹۴۳ء

عزیز القدر، رفیع الدرجات سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دو دن ہوئے آپ کا لفافہ ملا۔ مسرت ہوئی کہ آپ ضروری درسی کتابوں کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے خاندان کے چشم و چراغ ثابت ہوں۔ باقی جس مسئلہ میں آں عزیز نے دریافت فرمایا ہے میں دو تین دن سے اسی کو سوچ رہا ہوں آپ نے بھوپال، دلی، لکھنؤ، حیدر آباد، پٹنہ، علیگڑھ کے طبیہ کالجوں کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ہر ایک میں دو باتیں بطور قدرِ مشترک کے پائی جاتی ہیں۔ ایک تو مدتِ تعلیم ہر ایک میں وہی تین اور پانچ سال کی ہے اور دوسری بات تجربہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان اداروں کے تعلیم یافتوں میں کوئی خاص علمی مناسبت جہاں تک میں نے دیکھا ہے پائی نہیں جاتی۔ کیوں ہے اس کا جواب کیا دوں، لیکن ہے کچھ قصہ اسی قسم کا۔ تاہم جس نے کچھ نے پڑھا ہوا سے ضرور پانچ چھ سال ان مدرسوں کے ماحول میں رہنا چاہیے، کچھ تو دماغ علمی اور فکر و نظر کا عادی ہو جائے خواہ وہ طبّی ہی کتابوں کے ذریعہ ہو۔ لیکن بحمد اللہ آپ اس کام کو پورا کر چکے، باحسن الوجوہ اس منزل سے گذر چکے تو ایسی صورت میں پھر ان مدرسوں میں داخل ہو کر تین یا پانچ کرنے کی کیا حاجت ہے، بلکہ مناسب یہی ہے کہ آپ سند کے لیے کسی نہ کسی جگہ امتحان دے دیجیے۔ جس میں سہولت ہو اور اس کے بعد تجربہ حاصل کرنے کے لیے حکیم نظام الدین صاحب[1] سے اس قرض کو وصول کیجیے جو آپ کے دادا کا ان پر ہے۔ لیکن اگر آپ کچھ مزید اور بھی چاہتے ہیں یعنی طبّی کتابوں کو درسی طور پر بھی پڑھنا چاہتے ہیں تو جہاں تک میں جانتا ہوں مولانا شریف بھی تو ان کتابوں کو پڑھے ہوئے ہیں اور ان کو پڑھائے ہوئے ہیں یا اور کسی طبّی عالم سے سال ڈیڑھ سال میں ان کتابوں کو نکال لیجیے۔ میں نے سنا ہے کہ لکھنؤ میں مدرسہ وہاجیہ نامی جو مدرسہ ہے اس میں ابھی وہ باقاعدگی نہیں گھسی ہے جس کے بعد آدمی کی زندگی کا ہر شعبہ بے قاعدہ ہو جاتا ہے آپ نے اس کے متعلق کچھ دریافت کیا ہے؟ سنا ہے کہ دلّی میں بھی بعض اطباء ابھی خانگی طور پر اپنے گھر ہی پر لوگوں کو پڑھاتے ہیں۔

باقی آپ نے حیدر آباد کے متعلق جو دریافت فرمایا ہے تو تعلیم یہاں کی وہی تین اور پانچ والی ہے۔ البتہ یہاں کے مدرسین میں سے دو صاحب حکیم کبیر الدّین صاحب (بہاری) اور فضل الرحمٰن صاحب (ٹونکی) یہ دونوں میرے ملنے والے ہیں۔ دونوں سے

وطنیت ہی کا تعلق ہے کبیر الدین صاحب سے وطنِ اوّل (بہار) کا اور فضل الرحمٰن صاحب سے وطنِ ثانی (ٹونک) کا۔ اس کی توقع دونوں سے ہے کہ وہ توجہ خاص آپ پر رکھیں گے لیکن توجہ خاص کا کیا مطلب ہے کچھ میری سمجھ سے یہ خارج ہے۔ دوسری بات یہاں یہ ہے کہ تعلیم گاہ کے ساتھ ایک طبی شفاخانہ بھی ہے جہاں باضابطہ ہسپتال کی طرح مریض رکھے جاتے ہیں۔ ان کو طلبہ کا تختۂ مشق بھی بنانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ بس یہ دو چیزیں تو یہاں ہیں۔ تیسری بات قیام وغیرہ میں بھی سہولت ہے۔ خاکسار کا غریب خانہ بھی حاضر ہے، جس کے کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمہ آوردہ تست۔ نیز حیدرآباد آپ کی ننہال بھی ہے۔

لیکن یہاں کی آب وہوا سے مجھے تو بھائی کبھی مناسبت پیدا نہ ہوئی نہ پہلے نہ اب تک۔ ٹونک میں غربت کی زندگی گذاری ہے اور اس کی یاد دل سے محو نہیں ہوتی اور حیدرآباد میں بحمد اللہ فراغت میسر آئی لیکن جوں ہی حیدرآباد سے باہر ہوتا ہوں حیدرآباد بھی دل سے باہر ہو جاتا ہے۔ آج کل کچھ خبریں یہ بھی اُڑ رہی ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے اسلامی شعبہ کے لیے وہاں کے اربابِ حل وعقد نے طے کیا ہے کہ حکومت حیدرآباد سے مجھے مانگ کر حاصل کیا جائے۔ لیکن اس کی کوئی باضابطہ خبر مجھے نہیں ملی ہے۔ اگر میں علیگڑھ چلا گیا تو وہاں کا طبیہ کالج بھی آپ کے لیے وہی نسبت حاصل کرلے گا جو اس وقت حیدرآباد کے طبیہ کالج کی ہے لیکن سارے قصے:

درازدورینم رہِ کالج زمانہ

میری کتاب ''نظامِ تعلیم وتربیت'' کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ دلی قرول باغ ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی ہے ان کو لکھتا ہوں کہ ایک جلد آپ کو بھیج دیں۔ ''الدین القیم'' بھی ایک کتاب تصوف وکلام سے مرکب کر کے جدید علم کلام کی شائع ہوئی ہے۔ 'الفرقان' بریلی کے دفتر سے شائع ہوئی ہے۔ ان کو بھی لکھتا ہوں اور ہمہ وجوہ خیریت ہے۔ مولوی چشتی صاحب کو مدرسۂ نظامیہ میں ایک جگہ مل گئی ہے۔ اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں میرا اسلام ونیاز پہنچا دیجیے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو دعا۔ فاطمہ سلمہا کہاں ہیں، ٹونک ہوں تو ان کو بھی دعا کہہ دیجیے۔

مناظر احسن گیلانی

۱۔ شفاء الملک حکیم نظام الدین اجمیری تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی۔
۲۔ حکیم سید محمود احمد برکاتی کے نانا علامہ سید مختار احمد اصلاً بہار کے تھے لیکن ان کے والد مولوی عبد اللہ دکن منتقل ہو گئے تھے، پھر یہ خاندان وہیں کا ہو گیا۔

(۵)

۲۴ر جنوری ۱۹۵۱ء

گیلانی (بہار) کہف الایمان

رفیع القدر، عزیز گرامی زبدۃ الکرام للبررہ متعنا اللہ و المسلمین بطول عمرہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بالکل غیر مترقبہ نعمت باردہ کی شکل میں آپ کا نامۂ محبت شامہ نور دیدۂ بصر وبصیرت ثابت ہوا۔ اللہ اللہ! آپ نے تقریباً تیس چالیس سال پہلے کی ان لطیف ولذیذ صحبتوں کے نقوش کو دل و دماغ میں اُبھار دیا جنھیں پیرانہ سالی کی خرافتوں نے بہت کچھ فرسودہ و بے آب بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ آپ لوگوں کو بھول جاتا:

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہاں خط وکتابت کا سلسلہ منقطع ضرور تھا۔ جنھیں خط لکھتا تھا، لکھ سکتا تھا، وہ ان حالات کو دیکھنے کے لیے جن سے ہم لوگ دوچار ہیں عالمِ کون وفساد سے تعلق توڑ کر روانہ ہو گئے، تاہم مجھے خوب یاد ہے اخباروں میں ٹونک کے کچھ خلفشار کا حال غالباً گذشتہ سال جس وقت پڑھا تھا دل آپ لوگوں کے لیے تڑپ اُٹھا۔ اسی وقت دریافت خیر وعافیت میں ایک عریضہ آستانۂ برکاتی کے پتہ سے ارسال کیا تھا جس کا جواب نہیں آیا اور دستور کے مطابق کہ خبر کا نہ ہونا اچھی خبر کی دلیل ہے، انگریزی کی ضرب المثل ہے اسی سے مطمئن ہو گیا تھا، شکر ہے کہ یہ ادنیٰ دلیل سہی مگر غلط ثابت نہ ہوئی۔ حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ اپنے اہلِ بیت کے ساتھ خوش وخرم ہوں گے۔ ہم لوگوں کی درس گاہ بلکہ خواب گاہ میں آپ کا دواخانہ ہے۔ چشمِ تصور کے سامنے تھوڑی دیر کے لیے اس کا نقشہ قائم ہوا دل کو تسلی ہوئی۔ آپ نے ڈھونڈ کر خاکسار کے اس نیاز نامہ[۱] کو خوب ہی نکالا۔ تھوڑی دیر کے لیے خط کو پڑھ کر بیٹے

ہوئے دنوں کو یاد کر کے اور مرحوم آپ کے والد، نور اللہ ضریحہ وطاب ثراہ کی ان کرم فرمائیوں کا خیال جس نے سخن گستری کی حدود کو اس حد تک وسیع کر دیا تھا، چشم پر آب ہو گیا۔ گو وہ عمر میں مجھ سے کم تھے اور اس لحاظ سے چھوٹے بھائی تھے لیکن اسی کے ساتھ میرے مخدوم زادے بھی تھے اور فقیر اُن کے گھر کا نمک پروردہ تھا لیکن ابتدا ہی سے برتاؤ کچھ ایسا فقیر کے ساتھ رکھا جس کا اندازہ اس خط اور اس کے الفاظ ومضامین سے ہو سکتا ہے۔ جب وہ سامنے آجاتے یا فقیر اُن کے سامنے ہو جاتا تو دراصل ہم لوگ ہوش وحواس کھو بیٹھتے تھے، محبت وعنایت کے یہ نمونے شاید خود غرضیوں کے اس عہد میں نہیں مل سکتے بلکہ نا قابلِ فہم ہو چکے ہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ دکن تشریف لائے تھے، مولوی عبدالسلام مرحوم ان کے خالو خسر جو دراصل خسریت کے فرائض انجام دیتے تھے ورنگل مرحوم میں جج تھے وہیں قیام کیا تھا۔ خاکسار بھی ورنگل ہی حاضر ہوا۔ پھر یہ مبالغہ نہیں ہے، خدا جانے دن کا کون سا حصہ تھا جس میں ہمکلامی شروع ہوئی، مغرب، عشاء کی نمازیں غالباً ہم لوگوں نے درمیان میں پڑھ لی تھیں شاید جوں توں کر کے کھانے کی بلا بھی سر سے ٹالی اور پھر جٹ گئے۔ خدا جانے وہ کیا باتیں تھیں کیا قصے تھے کہ اچانک ہم لوگوں کو محسوس ہوا کہ رات ختم ہو گئی اور صبح کی نماز کا وقت بھی خطرے میں آگیا ہے۔ تاہم اسی خط سے ان گفتگوؤں کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے جو ہم لوگوں کے درمیان ہوئی تھیں۔ حافظہ کچھ جاگ اُٹھا ذہن منتقل ہوا کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ ان ہی دنوں میں جب یہ عریضہ ان کی خدمت میں بطرزِ اعلان جنگ کے بھیجا گیا تھا، حیدرآباد میں ان سے اسی کا ذکر آیا تھا کہ پروانہ شمع کے تعلقات کو شاعروں نے عشق وحسن کی داستان بنا کر رکھی ہے، امام حجۃ الاسلام غزالی نے کمزوری حافظہ سے اس کی توجیہہ فرمائی ہے۔ مرحوم معتمد اللہ مغفرلہٗ نے بھی غزالی کی اس رائے کے ساتھ استحسان کا اظہار کیا تھا۔ اسی کے ساتھ شاید یہ نکتہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا کہ سورۂ کہف میں قصہ حضرت موسیٰ وخضر کی جو یہ خبر ہے یعنی "وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ" [1] اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ نسیان شیطانی تسلط کی پیداوار ہے اور قرآنی آیت:

"وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ" [2] سے معلوم

ہوتا ہے کہ ذکر الرحمٰن سے جو آدمی چوندھا بنتا ہے شیطان اسی پر مسلط ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نسیان و ذہول الرحمٰن کے ساتھ تعلقات کی ناہمواری اور غیر استواری سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ وہ خاکسار کی اس قسم کی باتوں کی قدر فرمایا کرتے تھے، ذرہ نوازی سے کام لیتے ہمت افزائی فرماتے تھے۔ آپ دیکھ رہے ہیں اس ہزل میں حد کی چھاپ نمایاں ہے اور جہل میں بھی علم کی شعاعیں چمک رہی ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری پر سارا فیضان حضرت الاستاد قدس اللہ سرہٗ کی صحبت اور ان کے باطنی تصرفات کا تھا۔ بات پر بات یاد آتی چلی جاتی ہے۔ مولوی بالسٹر صاحب؎ سے تو آپ واقف ہوں گے، ہم لوگ قطبی کی تصدیقات حضرت الاستاد سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک سنیئر ترین طالب علم دربھنگہ کے مولوی عبدالحمید دراز قد مرحوم تھے۔ حضرت الاستاد کی مجلس انس میں ایک دن ایسا ہوا کہ مولوی بالسٹر کے ساتھ جیسا کہ دستور تھا کہ حضرت الاستاد کچھ طبیت کی گفتگو فرما رہے تھے۔ اس موقعہ پر مولوی بالسٹر بھی اپنے خاص دماغی حال کی وجہ سے کچھ ایسی بات بولے جو حد وادب سے کچھ خارج تھی۔ حضرت جب مجلس سے اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم نے مولوی بالسٹر کو ڈانٹا کہ تم کو اس کا خیال بھی نہیں رہتا کہ کس کے سامنے کیسی گفتگو کرنی چاہیے۔ مولوی بالسٹر الجھ پڑے کہ تم کون ہوتے ہو، حکیم صاحب تو میری سن لیتے ہیں آپ خواہ مخواہ اس میں کیوں دخل دیتے ہیں۔ بات بڑھتی چلی گئی تو مولوی عبدالحمید اور ان کے درمیان ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی وہ عمر اور قوت کے لحاظ سے بھی سینئر تھے۔ غریب بالسٹر کو اسی کمرہ میں جس میں آپ کا دواخانہ ہے دے پٹکا اور اوپر سے گھونسے، مکّے سے ان کی خبر لینے لگے۔ بالسٹر نیچے پڑے پٹ رہے تھے مگر اس حال میں بھی جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سننے کی بات ہے "مشروطہ عامہ لاحل الوصف" ایک قسم قضیہ مشروطہ کی غالباً سعدیہ میں ان کی نظر سے گذری تھی کہ سمجھتے تھے کہ مشروطہ کی اس قسم سے میں ہی واقف ہوں، عبدالحمید صاحب نہیں جانتے۔ پس بار بار یہی کہے جاتے تھے کہ مشروطہ عامہ لاحل الوصف کی تعریف تو کرو۔ وہ مکّے لگا رہے ہیں اور وہ مسلسل وہی مشروطہ والی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اب اُن باتوں کو سوچتا ہوں اور اُن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت وہ کیا ڈھنگ تھا کہ جو تم پیزار میں بھی "علم" ہی طالب علم کے اندر سے اُبلتا تھا۔ بڑی طویل داستان چھڑ گئی آپ کے مرسلہ خط کو دیکھ کر اسی

قسم کی بھولی بسری باتیں اچانک دماغی سطح پر تیرنے لگیں۔ قلم چلنے لگا تو پھر رکنا مشکل ہے۔

بہرحال اس خط کو واپس کر رہا ہوں اس عنایت اور یاد آوری نے جن جذبات کو میرے اندر پیدا کیا انھیں الفاظ میں کیسے قید کروں۔ حق تعالیٰ آپ کی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرمائے، اپنے آباواجداد کی راہ پر ثابت قدم رکھے، آپ کے خط کا یہ فقرہ کہ "آباو اجداد کے مسلک پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے" اس نے بڑی خوش گوار آرزوؤں اور اُمیدوں سے دل کو بھر دیا۔ ارتقائیت کے اس عہدِ مخبوط میں کسی مسلک اور طریقِ زندگی کے غلط ہونے کی یہی کافی دلیل ہے کہ باپ دادوں کی وہ راہ ہے۔ آثارِ قیامت کے سلسلہ میں جبرئیلؑ کی مشہور حدیث کا یہ فقرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ "ان تلد الامة ربتھا" (لونڈی جنے گی اپنی آقائن کو) اس کا مفہوم میری سمجھ میں تو یہی آیا ہے کہ بنی نوع انسان کی کمزور ضعیف عورت ہے اور عورتوں میں بھی "امت" کا درجہ سب سے نیچے ہے۔ جب انسانیت کے اس اسفل ترین طبقہ کا حال یہ ہو جائے گا کہ جولڑکی لونڈی جنے گی وہی اس کی ربہ اور آقائن بن جانے کا دعویٰ کرے گی تو اسی منطق سے سمجھنا چاہیے کہ اوپر کے طبقات کا کیا حال ہوگا۔ گویا مسئلہ ارتقائیت سے جو ذہنیت منطقی طور پر پیدا ہونے والی تھی اسی کا ایک اشارہ نبوّت کے اس قول میں ملتا ہے واللہ اعلم بالصّواب۔

اس کا ذکر کر کے کہ خاکسار کی کتاب 'تعلیم و تربیت' آپ مطالعہ کر رہے ہیں مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ میرا جو کچھ بھی ہے، میرا کب ہے، سب آپ کا ہے آپ کے گھر کا ہے۔ خاکسار ایک دہقانی کی شکل میں آپ کے جدِ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کے نیچے لا کر ڈال دیا گیا تھا بُرا بھلا جو کچھ بنا ان ہی قدموں کی برکت کا نتیجہ ہے۔ چاہیے یہی تھا کہ اپنی ہر تصنیف کو سب سے پہلے اسی آستانے پر چڑھاتا جہاں سے یہ سب کچھ ملا ہے مگر آپ کو یہ کیسے باور کراؤں کہ خاکسار کے قلم سے اس وقت تک جو چیزیں بھی نکل چکی ہیں قصد واختیار کو ان میں بہت کم دخل تھا۔ عموماً بخت واتفاق سے کسی وقتی محرک اور تقاضے نے قلم سے ان کو نکلوا دیا۔ معلم الصبیانی کا پیشہ اختیار کیا مؤلف و مصنف بننے کا موقع ہی کیا تھا، پھر جو کچھ بھی لکھا یا اب بھی لکھتا ہوں، بجز لکھنے کے اور کسی قسم کا کوئی تعلق مجھ سے باقی نہیں رہتا نشر و اشاعت کے ادارے مجھ سے مانگ لیتے ہیں بغیر کسی معاوضہ کے دے دیا کرتا ہوں،

وہی آگے طباعت واشاعت کے مراحل طے کرتے ہیں۔ بڑا احسان کسی نے کیا تو چھپ جانے کے بعد چند نسخے ہدیۃً بھیج دیا کرتے ہیں۔ ان کا حشر بھی ہمیشہ یہی ہوا کہ گردوپیش میں احباب اور ملنے والے جو سامنے رہے زبردستی اچک کر لے گئے۔ ایسی چند کتابیں ہیں جن کا ایک ایک نسخہ بھی میرے پاس موجود نہیں ہے۔ آپ کے والدین حیات ہوتے تو شاید ان کی خدمت میں بھیجتا لیکن آپ لوگوں کے نہ مذاق ہی سے واقف تھا نیز عمریں آپ لوگوں کی ایسی نہ تھیں کہ اس قسم کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف توجہ ہو۔ یہ پہلی اطلاع مجھے ملی ہے کہ آپ ''صدق'' کا مطالعہ کرتے ہیں اور خاکسار کے مضامین ومقالات اور کتابوں کا ذکر آپ تک پہنچا ہے۔ بہرحال تعلیم وتربیت والی اس کتاب کے نسخے تو نادرالوجود ہو چکے ہیں، ناشر صاحب نے اطلاع دی ہے کہ دوسرے ایڈیشن کی تیاری کر رہے ہیں نظرثانی کے لیے کہا گیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں سب سے پہلے آپ کے پاس حاضر کردی جائے گی، باقی خاکسار کی کتابوں کی فہرست حافظہ کی مدد سے جو کچھ یاد آجائیں گی درج کر دیتا ہوں:

(۱)......النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ ایک مختصر سا رسالہ سیرت طیبہ ﷺ پر ہے۔ اہلِ نظر کا خیال ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ کے عام اور سادہ واقعات سے جس قسم کے اہم اور منطقی نتائج پیدا کیے گئے ہیں کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتے۔ اس کتاب کی زبان بھی خاص قسم کی ہے۔ پڑھنے والوں نے عموماً یہی لکھا کہ جیسے انجیل پڑھ رہا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ متعدد بار یہ کتاب چھپی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ آج کل سنا ہے کہ کراچی کے کسی ناشر نے بہت عمدہ شکل میں چھاپی ہے پہلے 'الفرقان' گوئن روڈ لکھنؤ سے ملتی تھی۔

(۲)......الدّین القیم:

جدید علم کا متن ہے جس میں کلام اور تصوف کے نظری حصہ کو فلسفۂ جدیدہ کے نظریات سے ملا کر ایک دلچسپ ''آمیزہ'' تیار کیا گیا ہے۔

(۳)......الغفاری:

حضرت ابوذر غفاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلچسپ سوانح عمری ہے۔ ڈھائی

تین سو صفحات ہیں۔ میری ابتدائی مشق کی کتاب ہے لیکن بہت مقبول ہوئی۔ اسلامی اشتراکیت اور مسئلہ مجذوبیت کی صحیح بنیادیں پہلی دفعہ اس کتاب میں واضح کی گئی ہیں۔ رئیس المجاذیب وابہالیل حضرت والا واقعات کی روشنی میں آپ کو ماننے پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔

(۴)......اسلامی معاشیات:

ضخیم کتاب ہے دو حصوں میں علم اکانومی کے مقابلہ میں ایک نیا فن گویا ایجاد کیا ہے۔ حیدر آباد میں طبع ہوئی ہے، سنا ہے کہ اب نہیں ملتی۔ دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہو رہی ہے۔

(۵)......امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی:

حال ہی میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ شاید چار پانچ سو صفحات کے قریب ہے۔ اس کتاب کو ایک خواب کی تعبیر خیال کرتا ہوں۔ مدرسۂ خلیلیہ کے متعلق خیال آتا ہے، حکیم صاحب قبلہ یا کسی نے خواب دیکھا تھا، خواب پورا یاد نہ رہا لیکن حاصل یہی تھا یا تعبیر اس کی یہ کی گئی تھی کہ حنفی مسلک کے فروغ کا ذریعہ مدرسۂ خلیلیہ ثابت ہوگا۔ یہ کتاب بعض اتفاقی واقعات کے زیر اثر جب خاکسار کے قلم سے نکلی تو بار بار اسی خواب کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کی سوانح عمری مولانا شبلی صاحب کے قلم نے تیار کی تھی لیکن ان کی زندگی کے جس پہلو کو اس کتاب کے سینکڑوں صفحات میں تاریخی شواہد کی روشنی میں نمایاں کیا گیا ہے اس کے متعلق شاید ایک صفحہ کا مواد بھی ان کی کتاب میں نہیں ہے۔ موجودہ عہد سیاست کا عہد ہے۔ بڑائی کا اعتراف اس شخص کے متعلق مشکل ہی سے اس زمانہ میں مخلوق کرتی ہے جس نے سیاسی خدمت انجام نہ دی ہو۔ بحمد اللہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ حقیر خدمت اس فقیر سے لی گئی۔

ع   شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

(۶)......یہی تعلیم و تربیت ہے:

الحمد للہ کہ اپنے اسلاف کرام اور اساتذۂ عظام کا گونہ حق اس کتاب کے ذریعہ ادا ہو گیا۔ اصل مقصود تو وحدت تعلیم کے نظریہ کا پیش کرنا تھا لیکن کیا معلوم تھا کہ زمانہ اتنا انقلابی کروٹ لینے والا ہے، اب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ ان کتابوں کے سوا چھوٹے بڑے رسائل مقالات و مضامین کو کہاں تک گنوا سکتا ہوں میری معرکۃ الآرا کتابوں

میں ''تدوینِ حدیث'' اور ''تدوینِ فقہ'' دو اور کتابیں بھی ہیں۔ لیکن اوّل الذکر کے متعلق اب تک صرف چار محاضرات (لکچر) شائع ہوئے ہیں جن کی ضخامت آٹھ نو سو صفحات سے کم نہ ہوگی۔

''تدوینِ فقہ'' کے صرف سو ڈیڑھ سو صفحات شائع ہوئے۔ اس وقت اس کا کام بند ہے تدوینِ حدیث کا چوتھا محاضرہ سال بھر سے مسلسل دلی کے رسالہ ''برہان'' میں شائع ہو رہا ہے۔ انکارِ حدیث کا جو فتنہ جاہلوں کی طرف سے اٹھایا گیا ہے اسی فتنہ کو دبانا ان لیکچروں سے مقصود ہے۔ بڑی کاوش اور محنت کرنی پڑی۔ افسوس ہوتا ہے کہ زیادہ تر اردو ہی میں لکھتا رہا، عربی میں صرف ایک رسالہ الشیخ الاکبر طریقہ چھپا ہے۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے۔ اور موقعہ نہ مل سکا۔ اردو کے موجودہ حشر کو دیکھ کر اب پچھتاتا ہوں کہ عربی ہی میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتا تو وہ زیادہ بہتر تھا۔ بعض لوگوں نے میری بعض کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا ہے خصوصاً ''الدّین القیم'' کا لیکن معلوم نہیں کہ چھپا یا نہیں۔ حیدر آباد ہی کے ایک عرب نے اجازت لے کر ترجمہ کیا تھا۔ آج کل سورۂ کہف کی تفسیر قسط وار سال بھر سے لکھنؤ کے رسالہ ''الفرقان'' میں شائع ہو رہی ہے۔ دجّالی فتنہ سے اس سورۃ کا تعلق ہے کہ جو باتیں لکھی جارہی ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ دجل و جاہلیت کے اس عہدِ تاریک میں ایمانی زندگی کی سلامتی کی تدبیریں اس سورۃ میں بتائی گئی ہیں، شاید ٹونک میں کسی کے پاس ''الفرقان'' آتا ہو۔ ''ادبِ قرآنی'' والا رسالہ حیدر آباد میں طبع ہوا تھا، اب تو شاید ملتا بھی نہیں، قرآنی عربی سکھانے کا آسان طریقہ اس میں درج کیا گیا تھا۔ معمولی رسالہ ہے سیکڑوں کی تعداد میں بانٹا لیکن کروڑ ہا کروڑ جہاں مسلمان رہتے ہوں وہاں ہزار دو ہزار نسخے اس قسم کی کتابوں کے لیے کیا کافی ہوسکتے ہیں۔ پس جو کچھ یاد آئیں وہ تو یہی ہیں۔ ہاں دارالترجمہ سرکار عالی نے دو ضخیم جلدوں میں 'اسفارِ اربعہ' کی جلد اوّل کا ترجمہ خاکسار سے کرا کے چھاپا ہے، مگر یہ ایک جبری کام تھا جو کیا گیا دل کا اس سے تعلق نہ تھا۔

آپ نے میرے مشاغل کے متعلق دریافت کیا ہے۔ حیدر آباد سے آکر دو سال سے ایک گاؤں میں بند ہوگیا ہوں۔ سارے ہندوستان میں گھومنے والا اور سال بھر میں کم از کم دو دفعہ دکن سے وطن، وطن سے دکن کی آمد و رفت جس کے لیے ضروری تھی اس عرصہ میں

اس نے ویل پر قدم ہی نہیں رکھا ہے۔ جن حالات سے گذرنا پڑا اس نے دل و دماغ کو اس حد تک افسردہ کر دیا کہ موت سے پہلے گویا موت آ گئی۔ بعض مقامات سے طلبی بھی ہوئی خصوصاً لاہور یونیورسٹی نے تیرہ سو تنخواہ کے ساتھ طلب کیا، لیکن لکھ دیا:

قوت ہی تعلق کی نہ رہی ہر طرح برا دل توڑ دیا
دنیا کو کروں گا ترک میں کیا دنیا ہی نے مجھ کو چھوڑ دیا

آپ کے والدِ مرحوم اور خاکسار دونوں عموماً کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ تارک الدنیا نہیں متروک الدنیا ہیں اب تو اپنا حال یہی ہے۔

تنہائی اور شب غم ہم اور دل ہمارا
اللہ سے دعائیں امید کا سہارا

پوچھنے والے پوچھتے ہیں عروس البلاد کے شہری کا دل ایک کوردہ گاؤں میں کیسے لگتا ہے ان کو لکھ دیتا ہوں۔

نگاہیں ہوں تو ویرانے میں بھی آبادیاں دیکھیں
اگر دل ہو تو ہر پہلو سے کر لے دل لگی پیدا

مضامین و مقالات جو عموماً رسائل و مجلات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ان کے سوا ایک کام دار العلوم کے مہتمم مولانا طیب صاحب نے خاکسار کے سپرد کیا ہے یعنی حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم کی سوانح حیات مرتب کردوں۔ جب بھی طبیعت نشاط کی حالت میں ہوتی ہے اس کام کو کر لیتا ہوں۔ آپ کے پردادا یعنی مولانا حکیم سید دایم علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا تھا گو بیعت ان کو حضرت حاجی امداد اللہ سے تھی لیکن ارشاد کا تعلق مولانا محمد قاسم سے رکھتے تھے۔ ایک خط بھی مولانا نانوتوی کا ان کے نام ملا ہے۔ یہ تو ایک صاجزادے کے حکم کی تعمیل کی شکل تھی اب آپ حضرت حکیم صاحب قبلہ کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں۔ گو خدا کا شکر ہے کہ 'معارف' والے مضمون کے سوا کتاب 'نظام تعلیم و تربیت' میں حضرت حکیم صاحب کا تذکرہ مختلف طریقوں سے کر کے دل کی بھڑاس نکال چکا ہوں اور سلف کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ذکر جو اس کتاب میں آ گیا ہے وہ مستقل سوانح عمری سے ان شاء اللہ زیادہ مؤثر ہوگا لیکن

'سیرتِ قاسمی' سے فرصت اگر میسر آئی اور "اجل مسمّٰی" کا وقت نہ آیا تو انشاء اللہ دوسرے صاحبزادے کے حکم کے امتثال کی سعادت حاصل کروں گا۔

آپ نے برکات و آل مختار کے نام سے غالباً اپنے بچوں کا ذکر کیا ہے۔ میری طرف سے ان بچوں کو پیار کیجیے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان بچوں کی عمر دراز کرے۔ آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کی آل اولاد کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ فاطمہ بی آپ کی آپا اجمیر میں رہتی ہے یا ٹونک میں۔ ان کے بچوں کا حال بھی لکھیے اور ٹونک ہی میں ہوں تو فقیر کی طرف سے دعا فرما دیجیے نیز اپنی والدۂ محترمہ سے بھی سلام و نیاز ان کے نیاز مند کا پہنچا دیجیے۔ حیدر آباد سے اب کیا تعلق باقی رہا ہوگا۔ حکیم ظہیر الدین صاحب؎ کیسے ہیں اور مدرسہ کا کیا حال ہے۔ حکیم صاحب کے تعلقات آپ لوگوں سے کیسے ہیں، ریاست سے کسی کا تعلق آپ کے خاندان کا باقی رہا یا وہی ہوا جو سب جگہ۔ باقی اس پیر فرتوت کو سفر راجپوتانہ کی دعوت جو آپ نے دی ہے اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ کاش! میرا ٹونک وہی ٹونک باقی رہ جاتا تو منجملہ مالی خولیاؤں کے ایک خیال کبھی کبھی یہ بھی آتا ہے کہ موظف ہونے کے بعد اسی کو 'معاد' بناؤں جو میری علمی زندگی کا مبداء تھا۔ مگر: آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

آہ! ؎

غم خانۂ جہاں میں وقعت ہے کیا ہماری
اک ناشنیدہ اُف ہوں اک آہِ بے اثر ہوں

کیا ممکن ہے کہ اپنے آبا و اجداد کے مرز بوم کی دید کی تمنا آپ میں پیدا ہو۔

برکات روڈ کیا آپ کے مکان کے مغربی سمت کی سڑک کا نام رکھا گیا ہے جو گاؤ قصابان ہوتی ہوئی ریڑی یاسہ کی طرف جاتی ہے اور منال گڈھی بھی اسی طرف تھی۔ سارا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے چپہ چپہ اس علاقہ کا میرے لیے تاریخ کی ایک منزل ہے۔ ؎

فقابنك من ذكرىٰ حبيب و منزل
سقط اللوىٰ بين الدخول فحومل

اسلامی جماعت کے متعلق کیا دریافت فرمایئے گا۔ اس جماعت کے بعض متوسلین نے خواہ مخواہ فقیر کو بدنام کر رکھا ہے حالانکہ مولانا ابو اللیث امیر ہند خاکسار کے شاگرد ہیں

قرآن پڑھنے کے لیے گیلانی آئے تھے اور مولوی ابوالاعلیٰ صاحب سے بھی خاکسار ذاتی نیازمندی کا تعلق رکھتا ہے۔ عام مسلمانوں کے متعلق تحقیری جذبات جن کا لازمی نتیجہ اپنی برتری کا شعور ہے، صرف یہ بڑھا نوجوانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرتا ہوں ورنہ مسلمانوں کو واقعی مسلمان بنانے کی تحریک سے کس بدبخت کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیا مؤمن ہونے کے بعد اس مسئلہ میں بھی دو رائیں ہو سکتی ہیں ۔ خاکسار کے جاننے والوں میں شاید اب کوئی رہ گیا ہو، لیکن امید ہے کہ صاحبزادے عبدالرحمٰن خان صاحب بصحت وعافیت ہوں گے، ممکن ہو تو سلام پہنچا دیجیے گا۔ چھوٹے خان، عبدالعزیز خاں، جن کے مکان میں فقیر رہا کرتا تھا ہیں یا گئے۔

بھائی چشتی! کیا پوچھتے ہو کہ کیا گذری۔

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
اب وقتِ آخری ہے دنیا کو خوب دیکھا

تعجب ہوتا ہے کہ ایسے انقلابی دور کے دیکھنے کے لیے اللہ میاں نے ہم ہی لوگوں کو پیدا کیا تھا پھر۔

جہانِ فانی کی حالتوں پر بہت توجہ عبث ہے اکبر
جو ہو چکا ہے وہ پھر نہ ہو گا جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

الملک للہ کا مطلب اب سمجھ میں آیا ہے۔ اکبر کا شعر تھا۔

ہم تو یہ جانتے ہیں خدائی خدا کی ہے

اقبال کی نظم چین وعرب والی جب بہت پھیلی تو اکبر مرحوم نے لکھا تھا۔

سن کر جنابِ اکبر اس شعر کو یہ بولے
سارا جہاں خدا کا وہم وگماں ہمارا

یہ سن کر افسوس ہوا کہ کہ ٹونک میں بھی پیرانہ سالی کے آثار آپ کو ستانے لگے۔ بس بھائی اب ہم لوگوں کا خیال وہی ہے جو متین اللہ خاں کے والد احسان اللہ خاں نے لکھا تھا۔

اب لگی اب لگی کنارے سے
کشتیِ عمر ہے روانی میں

والسلام
مناظر احسن گیلانی

---

۱ یہاں ذکر اس قدیم خط کا ہے جو مولانا گیلانی نے حکیم سید محمد احمد برکاتی کو لکھا تھا۔ یہ خط حکیم محمود احمد صاحب نے مولانا کو بھیجا تھا (آگے ملاحظہ فرمائیں خط نمبر ۷)۔
۲ مولانا فضل کریم بہاری جنھیں اپنے استاد مولانا برکات احمد ٹونکی کی جانب سے بالسٹر کا خطاب عطا ہوا تھا۔
۳ یہ کتاب 'سوانح قاسمی' کے نام سے شائع ہوئی۔
۴ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے مولانا گیلانی کو لکھا تھا کہ وہ اپنے استاد مکرم حکیم سید برکات احمد ٹونکی کی سوانح لکھیں۔
۵ شفاء الملک حکیم سید ظہیر احمد برکاتی

(۶)[۱]

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ میرا لفافہ جو آپ کے مفصل خط کے جواب میں ان ہی دنوں لکھا گیا تھا نہ ملا۔ ڈاک کا نظام آج کل ابتر ہو رہا ہے، ایسی شکایتیں عام ہیں اب تو یاد بھی نہیں رہا کہ اس میں کیا لکھا تھا بہر حال داعی ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو علم وعمل کی دولت سے سرفراز فرما کر اپنے اجداد کرام کا صحیح جانشین بنائے۔ آپ نے "تعلم وتربیت" میری کتاب کے متعلق ارقام فرمایا ہے۔ کیا عرض کروں ایک سال کے قریب ہوا دفتر ندوۃ المصنفین دہلی کے اس کو سپرد کر دیا تھا طباعت کا نظم ان لوگوں نے بھی شروع کر دیا تھا، ڈھائی تین سو صفحات کی کاپی بھی ہو چکی تھی لیکن ادھر چند مہینوں سے کچھ خبر نہیں کہ اب کام کس درجہ پر ہے۔ جنگی حالات نے ہر چیز میں خلل پیدا کر دیا ہے نہ کاغذ ہی ملتا ہے، نہ طباعت کے دوسرے اسباب۔ بہر حال دوسروں کے رحم وکرم پر ہوں جب چھاپ کر دیں اسی وقت ان شاء اللہ ضرور بھیج دوں گا۔ مولوی عبد الرحمٰن چشتی الدکنی کا پھر پتہ نہ چلا کہ اب کہاں ہیں، مدت سے ان کا کوئی خط بھی نہیں آیا ہے کیا ٹونک میں ان کے لیے کوئی صورت نکل آئی ہے؟ حضرت مولانا شریف صاحب کی خدمتِ والا میں میرا اسلام ضرور ضرور پہنچا دیجیے۔ مولانا کا نفس غنیمت ہے، دنیا ان باکمالوں سے خالی ہو رہی ہے۔

آدمیاں گم شدند ملکِ خدا خر گرفت

اپنے بھائیوں کو دعا کہہ دیجیے۔ عزیز محترم مولوی حکیم نصیر الدین صاحب[2] نے اجمیر شریف بلایا ہے اور کچھ ارادہ بھی ہے کہ اپریل کے مہینہ میں اسی طرف سے جاؤں۔ داغ کے اس شعر پر عمل کروں۔

اجمیر ہو کے جائیں گے اے داغؔ ہم بہار
اب کے سفر کا اپنے ارادہ ہی اور ہے

---

[1] تاریخ درج نہیں۔
[2] بانی نظامی دواخانہ کراچی۔

(۷)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم و مخدوم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہٗ

اب آپ کی غفلت، غفلت کی حدود سے نکل کر اہانت کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ آپ سے میں نے چلتے ہوئے عرض کیا تھا کہ مرجان کا کشتہ ضرور بھیجیے گا۔ آپ نے مجھے جس حال میں چھوڑا تھا وہی آپ کو معلوم تھا لیکن افسوس کہ اس کے بعد بھی باوجود متواتر خطوط بھیجنے کے آپ نے دوا نہ بھیجی، آپ نے یہ تک نہیں لکھا کہ حضرت حکیم صاحب قبلہ حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں یا نہیں۔ میں کیا عرض کروں کہ میں کس حال میں ہوں میرا نزلہ تھمنے کو نہیں آتا، دو مہینے کامل ہوئے زکام پر زکام نزلہ پر نزلہ ہے کہ جاری ہے۔ دماغ انتہائی درجہ میں کمزور ہو گیا ہے۔ آپ نے جب ایک معمولی سی چیز کشتۂ مرجان نہ بھیجا تو کوئی قیمتی دوا جو دماغ کے لیے مفید ہو کیا بھیج سکتے ہیں۔ میں آپ کو بذریعہ رجسٹری کے یہ آخری خط لکھتا ہوں، اگر اب کے بھی میرے خط کو نظر انداز کر دیا تو آپ سے میرے تعلقات کی یہ آخری کڑی ہوگی۔ افسوس! آپ کے پاس دوا موجود ہے، میں بیمار ہوں۔ محمد علی یا حکیم غلام رسول کو صرف ذرا سا اشارہ یہ کام کرا سکتا ہے، لیکن حافظہ کے اس بھد اپن کا کوئی علاج ہے کہ پتنگا کی طرح ہر بار آگ سے جلن محسوس ہوتی ہے اور پھر اپنے کو بھول کر اسی پر گرتا ہے۔ کسی انتہائی فسق نے قوّتِ حافظہ کو حد درجہ ماؤف کر دیا ہے۔ کوئی بات اس میں جمتی نہیں، میں مزاحاً نہیں لکھ رہا ہوں، تنگ آ کر لکھ رہا ہوں بجنگ آیا ہوں۔ جواب کی کیا توقع کروں

ایک اطلاعی خط ہے۔

والسلام
مناظر احسن گیلانی

ا؎ یہ خط حکیم سیّد محمد احمد برکاتی والدِ مکرم حکیم سیّد محمود احمد برکاتی کے نام ہے

(۸)

۱۲ فروری ۱۹۵۱ء بہار
ڈاک خانہ برگھا ضلع مونگیر

رفیع القدر، زبدۃ الکرام البررہ عزیز سلمہٗ، طولعمرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ و برکاتہٗ

آپ کا مبسوط اور مفصل خط کل ملا پڑھ کر فوری تاثر نے جس خیال کو دماغ کے سامنے کر دیا شاید اس کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کسی موقع پر فرمایا تھا کہ مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلمان باقی رہنا اسلام کی دوسری دلیلوں میں ایک دلیل ہے۔ آپ نے اپنے اس مکتوب میں اپنی فہم و بصیرت، مطالعہ، محنت اور سب سے زیادہ اصابتِ فکر، سلامتِ رائے کی جن شعاعوں کو جذب کیا ہے بغیر دیکھے ہوئے میں اس اقرار پر مجبور ہوں کہ آپ کے نوجوان دل و دماغ کا اگر یہی فیصلہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ مفید تحریک جماعت اسلامی کی تحریک ہے تو مجھ سے فرسودہ بڈھے کا ازکارِ رفتہ دماغ رکھنے والوں کو چاہیے کہ آپ کے اس فیصلہ کو اس تحریک کی افادیت کی ضمانت یقین کریں۔ اب ہم جیسے لوگوں سے فکر ہمہ گیر کی توقع بھی درست نہیں ہے۔ میں اپنی اس مسرت بے انداز کا اظہار کن الفاظ میں کروں جو اس بات کے تصور سے اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں کہ ایام طفولیت میں بھائی مرحوم کے پدری سائے سے آپ محروم ہوگئے، حضرت الاستاد قدس سرہٗ کی نگرانی اور تعلیم سے بھی استفادہ کا موقع آپ کو نہ مل سکا اور زمانہ بھی آپ کو ایسا ملا کہ آسمان اس زمانہ میں زمین اور زمین آسمان کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ ہر نظام ٹوٹ پھوٹ رہا تھا ان حالات میں حق تعالیٰ کی رافتِ سماویہ کے سوا کون تھا جس نے آپ کو سنبھالا اور اپنے آباواجداد کی میراث حاصل کرنے میں آپ کامیاب ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف مجھ جیسے ناکارہ آدمی کی چیزوں

سے اس عرصہ میں آپ اتنے قریب رہے ہیں کہ خود مجھے بھی اتنی نزدیکی اپنے کاموں کے ساتھ حاصل نہ تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی جن چیزوں کے پڑھنے سے آدمی، آدمی اور مسلمان، مسلمان بنتا ہے ان کا مطالعہ کافی غور وخوض محنت وتوجہ سے آپ نے کیا ہے اور علم کے مطابق عملی زندگی ڈھالنے کا ولولہ بھی آپ میں موج زن ہے۔ مبارک ہو آپ کو کہ اپنے خانوادۂ طیبہ کے آپ ایک شجر طیبہ ہیں، سپوت فرزند ہیں، اپنے بزرگوں کی چیزوں اور خدمات، کی قدر وقیمت کا آپ کو صحیح اندازہ ہے۔ آپ حضرت حکیم صاحب کی کسی کتاب کے کسی باب کا ترجمہ کر رہے ہیں اس خبر سے بھی خوشی ہوئی اور تصوف کی کتاب کا مطالعہ بھی جاری ہے بڑے مفید مشاغل میں مصروف ہیں۔ شاید میں نے پہلے مکتوب میں اپنی کتابوں کی فہرست درج کرتے ہوئے "اطلاقی تصوف" نامی کتاب کا بھی ذکر کیا تھا، مسلسل مقالات کی شکل میں حیدر آباد کے ایک ماہنامہ 'الحق' میں یہ کتاب شائع ہو رہی تھی تقریباً دوسو صفحات سے زائد شائع ہو چکے ہوں گے۔ اس کی نقل انہی دنوں "الفرقان" (لکھنؤ) میں بھی چھپی تھی لیکن کچھ حصہ اس کا میرے پاس بہ شکل مسودہ ہے کہ ان کے ایک ناشر نے مطبوعہ حصہ کو مانگا تھا "الحق" کے پرچوں سے اوراق نکال کر بھیج دیے ہیں۔ اب تک جواب نہیں آیا ہے، آپ کو تصوف کے مطالعہ میں ممکن ہے میرے ان ہفوات سے کچھ مدد ملے (دفتر ماہنامہ "الحق"، ڈیوڑھی شہ زور جنگ مغل پورہ حیدر آباد دکن) سے آپ ان پرچوں کو منگوا لیجیے، جن میں "اطلاقی تصوف" کے عنوان سے خاکسار کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ اس میں مسائلِ تصوف سے زیادہ تصوف کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں کے متعلق معلومات جمع کیے گئے ہیں اور "غیر اطلاقی تصوف" کے مقابلہ میں اطلاقی تصوف کا ایک نظام پیش کیا گیا ہے۔ دراصل حیدر آباد میں ایک بزرگ مچھلی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبِ خیال کو تصنیفی رنگ میں پیش کیا ہے۔ حضرت حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ آخر عمر میں ان سے بہت متاثر تھے جس کا ذکر ان کے حالات شائع شدہ در 'معارف' میں بھی خاکسار نے کیا ہے۔ وحدت الوجود کے متعلق آپ نے خاکسار کے رسالہ "الدین القیم" کو دیکھا ہے یا نہیں، اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن میں یہ کتاب آپ کو مل سکتی ہے اگر نہ ہو تو ضرور منگوا لیجیے۔ بحمد اللہ اس کتاب میں ٹونک کی معقولاتی تعلیم بہت کام آئی۔ مولانا شریف صدر دار العلوم اجمیر شریف

کو مسودہ اس کا جب حیدر آباد میں تھے دکھایا تو فرمایا تھا کہ ہر نظریہ اس کتاب میں جدید بھی ہے اور حد سے زیادہ قدیم بھی، سرِ مُو اسلاف کے مسلک سے تجاوز ہوئے بغیر صرف دلائل اور تعبیری جدّت سے کام لیا گیا ہے۔ اگر اس رسالہ کو نہیں دیکھا ہے تو ضرور دیکھیے۔ اس سے بھی خوشی ہوئی کہ حضرت حکیم صاحب کا خاندان الحمدللہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ حکیم ظہیر احمد سلمہٗ اور برادر محترم صوفی امیر احمد صاحب سلمہٗ کو سلام کہہ دیجیے، اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں مخلصانہ آداب پہنچایئے۔ بچوں کو پیار۔

آپ نے مولانا محمد قاسم اور اپنے جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں[1] ان سے اچھے نتائج تک میں پہنچا ہوں۔ آپ کے دادا کے نام جو خط ہے وہ مولانا کے مطبوعہ مکتوبات میں چھپا ہوا ہے مگر قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ ان ہی کے نام سے ہے۔ ممکن ہے کوئی اور سمی حکیم صاحب قبلہ کا ہو، مگر آپ دن دونوں خطوط کی نقلیں ضرور بھجوا دیجیے، میرا بہت سا کام ان سے نکلے گا۔

آمدم برسرِ مطلب: آپ نے خوب سمجھا کہ ''جماعت مودودی'' کا عنوان میرے قلم کا قائم کیا ہوا عنوان نہ تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس جماعت کے سربرآوردہ افراد کا کسی نہ کسی حد تک کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق خاکسار سے بھی ہے۔ خود مولانا مودودی سے ذاتی تعلقات قائم تھے اور اب تک قائم ہیں البتہ مراسلت بند ہے ورنہ پہلے مولانا بھی یاد فرما لیا کرتے تھے خاکسار بھی ان سے عرض کرتا تھا۔ مولوی یوسف صاحب صدیقی فرزند داروغہ یعقوب مرحوم میرے لیے تو اس وقت میاں یوسف ہیں، وہ بچے تھے، کچھ دن اُن کے گھر پر میرا قیام رہا ہے۔ غول کی مسجد کے سامنے ان کے مکان کا کمرہ میری فرودگاہ تھا، آخری منزل ٹونک میں میری وہی کمرہ تھا اچانک رات کو اسی کمرہ سے غائب ہوا۔ آہ! پھر اپنے محبوب ٹونک کو دیکھنے کی تمنا پھر کبھی پوری نہ ہوئی۔ زندگی کے بہترین ارتسامات اسی سرزمین میں منقوش ہوئے۔ خیر! آپ نے جو بات پوچھی ہے اس کا اجمالی جواب تو آغاز خط میں دے چکا ہوں مگر بایں ہمہ جب آپ نے پوچھا ہے تو جی چاہتا ہے کہ نجی طور پر کچھ تفصیلات اپنے احساسات کی بھی پیش کش کردوں۔

جماعت و امارات و بیعت سچ پوچھیے تو یہ سارے مسائل ذہنی ہیں، اصلی سوال نصب

العین کا ہے۔ آخر کس کام کو انجام دینا ہے۔ اقامتِ دن، تاسیسِ حکومت الٰہیہ، اصطلاحی الفاظ ہیں سیدھے سادھے الفاظ میں پوچھتا ہوں کرنا کیا چاہتے ہیں؟ مسلمانوں کو واقعی مسلمان بنانا اگر یہ مقصد ہے اور ایک فہرست اسی لیے ان لوگوں کی پیش کردی جاتی ہے جو مسلمانوں کی جماعت میں اسما شریک ہیں لیکن معناً اسلام سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہے ،انگریزی تعلیم نے مسلمانوں میں جدید وقدیم دو طبقے مسلمانوں کے پیدا کردیے ہیں ،جدید طبقے میں تو بے شک ایسے افراد ملتے ہیں جن کو العیاذ باللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی کیا خود حق تعالیٰ کے ہونے کا بھی شاید یقین نہیں ہے اور جدید صحافی دنیا سے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی نہ کسی مسلک، سیاسی مسلک اختیار کرنا اس طبقہ کی زندگی کے آرائشی لوازم میں ہے۔ ان میں کچھ لوگ ''اشتراکیت'' کے گیت الاپنے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور ان میں کاغذ فروشی کا پیشہ جن لوگوں نے نظماً ونثراً اختیار کرلیا ہے وہ اشتراکیت کے ائمہ کی حمد ونعت گا گا کر کچھ پیسے بھی وصول کرتے ہیں۔، کچھ پرانے رافضی مرثیہ خوانوں کی طرح مزدوروں، کسانوں کی نوحہ خوانی کو پیشہ بنا کر ان آرزوؤں کو پوری کرنے میں کامیاب ہیں جو سرمایہ کی راہ سے سرمایہ داروں کی پوری ہوتی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولانا ابوالاعلیٰ نے اسلامی سیاست کا ایک نظریہ بنا کر بڑا کام کیا کہ گانے کے لیے بجائے اشتراکیت کے نئے گیت ان لوگوں کو ہاتھ آگئے اور یہ کام مولانا کا قلم امارت وبیعت سے پہلے بھی انجام دے رہا تھا۔ شاید اسی خدمت کے لیے پارٹی بنانا ضروری تھا۔ اس لحاظ سے ان کی خدمت کافی مفید ثابت ہوئی مگر ان اشتراکیت زدہ نوجوانوں کے سوا جدید طبقہ میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتماد کی دولت سے محروم نہیں ہوئے ہیں اور قدیم طبقہ مسلمانوں کا دو حصوں پر تقسیم ہے: خواندہ وناخواندہ۔ خواندہ جماعت کے افراد جہاں تک میں جانتا ہوں ان میں شاید ہی کوئی بد بخت ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک ہو۔ ناخواندہ عوام میں بھی بڑی اکثریت اپنے رسول کو بھی جانتی ہے اور اسلام کے عقائد عامہ سے بھی ناواقف نہیں ہے یعنی ''مَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْت'' کے عقائد سے بیگانہ نہیں ہے۔ بلکہ انصافاً اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو رسالت کبریٰ کی صداقت پر ان کے

اعتماد کی نوعیت اس اعتماد سے چنداں مختلف بھی شاید نہیں ہے جس اعتماد کا دعویٰ ہم جیسے ملاّ مولوی لوگ کرتے ہیں۔ محوری نقطہ کفر واسلام کے امتیاز کا کم از کم خاکسار کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتماد ہے آگے اس اعتماد کے ثمرات کا مسئلہ ہے ۔معصومیت یا محفوظیت کا دعویٰ نہ کسی کے لیے کیا جاسکتا ہے اور دیوانوں کے سوا شاید ایسا دعویٰ کسی نے کیا بھی نہیں ہے، خیر القرون کے قرون اوّل کے متعلق بھی عصمت کا عقیدہ غلط عقیدہ ہے، صرف رافضیوں نے ائمہ کے متعلق پھیلا دیا ہے۔ عدمِ معصومیت کے بعد اب سوال اسلامی زندگی کے انطباق کا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت جس کی تعداد نصف ارب سے بھی ماشاء اللہ اب آگے بڑھ چکی ہے ان میں ''اسلامی زندگی'' کا تحقق عدم معصومیت کے بعد ''کلی مشکک'' کے رنگ میں پایا جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کڑوڑ ہا کڑوڑ مرنے والے مسلمانوں کی اسلامی زندگی پیشگاہ حقیقت میں کیا ثابت ہوگی، میں دوسروں کی نہیں کہتا ساٹھ سال کے قریب عمر گذری نشیب وفراز سے گذرتے ہوئے بالآخر ایک ایسا حال پیدا ہوگیا کہ دوسروں کی نگاہ میں یہ مشکل ہے کہ ''مسلمان'' کے لفظ کا اطلاق میرے لیے ناجائز ہو۔ بایں ہمہ اپنا کوئی اس وقت تک عمل حافظہ میں محفوظ نہیں ہے جس کی قیمت کا خیال بھی میرے لیے شرمناک نہ ہو۔ ان اعمال کے اوّل وآخر وسط ظاہر وباطن کے لحاظ سے ایسے لامحدود پہلو پیدا ہوتے ہیں جو ان کو بے جان کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہر شخص اپنے اوپر ہی دوسروں کو قیاس کرسکتا ہے لیکن یہ سوئے ظنی بھی ہو تو انسان غریب انسان نوعی حقیقت کے اعتبار سے کچھ ایسے نازک قوانین میں جکڑا ہوا ہے کہ آخر تک اس کے کسی عمل کا صحیح معیار تک پہنچ کر اترنا کچھ دشوار ہی نہیں نظر آتا ہے۔ ''تَجِدْ لَہٗ عَزْمًا وَخَلَقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا'' پھر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کیا مطلب ہے؟ قدیم طبقہ کے خواندے اور ناخواندوں کی اکثریت کا اسلام ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ داعی و مدعو میں ظاہراً کچھ فرق نظر آئے لیکن نفسیاتی آپریشن کے بعد مشکل ہے کہ کسی کے اسلام کو دوسرے کے اسلام پر ترجیح دی جائے۔ تاہم ان ہی حالات میں ''وتواصو بالحق'' کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باہم ایک دوسرے کو کہتے ہوئے چلے آئے ہیں اور کہے چلے جانا چاہیے، لیکن ''جماعت اسلامی'' کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے مسلمانوں کو پیدا

کرنا چاہتی ہے جن میں بجائے ،گرے پڑے مسلمان ہونے کے اندیشہ ہے کہ اپنے متعلق
''معصوم مسلمان'' بن جانے کا جذبہ شاید اُبھر آئے گا اور یہ بڑی خطرناک ذہنیت
ہوگی۔ آخر پیری مریدی والی بیعت میں بھی بیعت ہی ہوتی تھی شیخ یا پیر کی حقیقت ''امیر'' ہی
کی ہوتی تھی ،لیکن یہ کیا بات تھی کہ ان کی بیعت لوگوں میں اپنی ہیچ میرزی کے احساس کو
شدید سے شدید تر کرتی چلی جاتی تھی ، برخلاف اس کے حضرت حکیم صاحب کا وہ فقرہ بعض
لوگوں کو دیکھ کر یاد آ جاتا ہے ان ہی سے سنا تھا کہ "الحائك اذا صلى ركعتين فينظر
الوحى" الحاصل بیعت امارت ، جماعت ان سے بحث نہیں ہے بلکہ نصب العین سے بحث
ہے۔ مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا نصب العین اگر اس راہ سے حاصل کیا جائے جس میں
اپنے کسی عمل کی قیمت عمل کرنے والے کی نظر میں باقی نہ رہے۔ "من نوقش فَقَدْ هَلَكَ"
کی دھمکی جس کے سامنے ہو جس کا فاروق بھی" لا لى ولا على ياليتنى كنت كبشا
ياليتنى كنت كذا" کہتے ہوئے دم توڑ رہا ہو۔ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا اَمَرَهٗ کی آواز مالک
سے سن کر بلبلا اُٹھے چیخنے لگے ہاں مالک مجھ سے کچھ نہ ہوسکا ، تو یہ ایک بڑا اچھا نصب العین
ہے اور اس کے لیے تجربہ کی ہوئی راہ اسلاف کی وہی ہے جسے آج کل تصوف کے نام سے
بدنام کیا جارہا ہے بدنامی میں ہاتھ خود ان لوگوں کا بھی ہے جو بقول حکیم صاحب رحمۃ اللہ
علیہ "زيبت قبل ان تحصرم" (گدرانے سے پہلے کشمش بن گئے) خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ [1] اور ناخواندہ مسلمانوں کے وہ دور افتادہ
افراد جو اسلام سے قطعاً ناآشنا ہیں اور دور دراز دیہاتوں ، جنگلوں میں پھنس گئے ہیں ان
کے بجز تعلیم و قراۃ و کتابت کے عملاً کوئی دوسری ترکیب کارگر نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک اچھا موقع
ہے کہ لزومی تعلیم کا خبط یورپ کی تقلید میں ایشیائی ممالک میں بھی مستولی ہوتا جارہا ہے
۔حکومتوں کی طرف سے اس کا نظم عنقریب ہونے والا ہے اور جو ہو چکا ہے وہ بھی کم نہیں ہے
،کاش عربی مدارس کے بجائے ہمارے مدرسوں کے علماء حکومت کے ہر سکول کے ساتھ
ساتھ مسلمان بچوں کے لیے اسلامی اقامت خانے کے جال بچھانے میں کامیاب
ہوجائیں جن میں بچے ، بچوں کے طعام و قیام علیٰ اقل مصارف کر کے اسلامی زندگی عملاً
سکھائی جائے اور لزوماً! قرآنی عربی نیچے سے اوپر تک تھوڑی تھوڑی سکھاتے چلے جائیں کہ

میٹرک تک براہِ راست قرآن کے ترجمے کی قدرت ان میں پیدا ہوجائے تو خواندہ مسلمانوں کا مسئلہ بھی حل ہوسکتا ہے اور کلچری دھمکیوں کے سدِ باب کی صورت بھی نکل آئے گی۔ اسی کے ساتھ مولویوں کے روزگار کی ایک راہ بھی کھل جائے گی۔ دو روپے کی آمدنی اقامت خانے کے مولوی کو وصول ہوجائے تو پچاس طالب علموں کے اقامت خانے سے سو روپے ماہوار کے علاوہ قیام وطعام بآسانی مل سکتے ہیں، کیونکہ پچاس طالب علموں کے اقامت خانے میں بآسانی اس مولوی کی گذر کی بھی اور طعام کی بھی صورت نکل آئے گی۔ چندے کی ضرورت صرف ابتدا میں تعمیرِ امکنہ کے لیے ہوگی لیکن اس کا بھی سادہ سے سادہ نقشہ رکھا جائے اس کے بعد تو خود اقامت خانوں کے شرکاء کی فیس کی آمدنی سے یہ اقامت خانے چل پڑیں گے۔ مولانا ابواللیث صاحب سے تحریری اور زبانی اس کا ذکر آیا لیکن وہ آسمان پر تھے اور فقیر زمین والوں کے لیے زمین کی گفتگو کر رہا تھا۔ جمعیت العلماء والوں کو بھی لکھا، مہینوں کے بعد تجویز کی تعریف میں محمد میاں صاحب کا ایک خط ملا اور پھر سکوت۔ اور ''مسلمان بنانا مسلمان کو'' یہ صرف اگر نعرہ ہے اور تہہ میں کوئی اور سیاسی مقصد ہے تو اس کے امکانات کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ دَعْ مَا یمکنك الی مَالا یمکنك سیاسی میدان میں عملاً نہ سہی خیالاً کچھ دن فقیر بھی گھومتا رہا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دجالی اسلحہ اور مقائد یاجوجی وماجوجی کے مقابلے میں ہم سے کہاں بن آئے گا۔ خیالی صرف خیالی حد تک کوئی بات سمجھ میں آئی تو بھی یہ آئی کہ مسلمانوں کو تو بادشاہ بنانے کا قرآنی نہ سہی لیکن موجودہ حالات میں نفس الامری امکان بظاہر تا بحدِ فکر ونظر باقی نہیں رہا ہے۔ ہاں اس کے مقابلہ میں بادشاہی قوموں کو مسلمان بنانے کے امکانات اتنے حوصلہ گسل نہیں ہیں۔ اسلامی تاریخ ہی نہیں بلکہ دین کی تاریخوں میں دونوں کی نظیریں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بادشاہی تک پہنچا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے حکمران رومیوں کو عیسائی بنالیا۔ اسلام میں زیادہ تر یہی ہوا کہ حکمرانوں ہی کو مسلمان بنالیا گیا، عرب سرزمین عرب کے حاکم تھے مسلمان ہوگئے اور تاتاریوں کے فتنے میں جو کچھ ہوا ہے، اس سے تو سب ہی واقف ہیں۔ مولانا مودودی صاحب سے ابتداء امر میں خاکسار یہی عرض کرتا رہا کہ آپ ان ہی صلاحیتوں کا اگر اوپر موڑ دیں اور حکمران اقوام کو مسلمان بنانے کی

کوششوں کی طرف متوجہ ہو جائیں تو مجھے اُمید ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے، مگر مولانا اسی پر اصرار فرماتے رہے کہ مسلمانوں کو مسلمان بنانا پہلا فرض ہے۔ گھر میں آگ لگی ہوئی ہے تو جنگل میں آگ بجھانے کیوں جائیں۔ عرض کیا گیا تھا کہ گھر کی آگ بھی ممکن ہے جنگل کی آگ کے بجھانے سے بجھ جائے۔ باہر سے تازہ خون تازہ دین وایمان اگر مسلمانوں میں درآمد کرلیا جائے تو ہوسکتا ہے پرانے نسلی مسلمانوں کے باسی خون میں اُبال آجائے، نئے مسلمانوں کو دیکھ کر شاید غیرت کے جذبات پرانوں میں متلاطم ہوں لیکن مولانا کو اپنے خیال پر جو اصرار تھا اس سے دست بردار ہونے پر وہ تیار نہ ہوئے اس میں شک نہیں کہ آبائی دین سے قوموں کو ہٹانا آسان کام نہیں ہے۔ انبیاء اور رُسل علیہم السلام کا عزم آسمانی تھا جو لوگوں کو بالآخر اُن کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیتا تھا لیکن جب اسباب ہی کے تحت سوچا جارہا ہے تو ان اسباب پر کیوں نہ غور کیا جائے جن سے اس راہ میں ہم کام لے سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں تبلیغ ودعوت کے جو نمونے درج ہیں اور ''دعوت وتبلیغ'' کی تاریخ کے جس حصہ کو اس کتاب میں حق تعالیٰ نے محفوظ کر دیا ہے سچ پوچھیے تو زیادہ تر ان کے استعمال کے مواقع نہ ماننے والوں کی دعوت وتبلیغ ہی میں پیش ہوسکتے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر ان ہی اقوام سے ہے جو حق کے منکر تھے۔ حق کو مان کر اس ماننے کے اقتضاؤں کی تکمیل میں قصور یہ جرم تو اہل ایمان کا ہے اور انبیاء کا خطاب جس کو سب جانتے ہیں حق کے جھٹلانے والوں ہی سے تھا۔ سب سے زیادہ امداد اس سلسلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے قرآن ہی سے مل سکتی ہے، بشرطیکہ دعوت وتبلیغ کے دستور العمل ہونے کی حقیقت سے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور کلیات اس کے جزئیات سے پیدا ہوتے ہیں ان کی راہنمائی میں چلنے کی کوشش کی جائے۔ پہلی شرط اس میں اسی لیے یہ ہے کہ مبلغ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی کو نمونہ بنائیں جس کا پہلا رکن یہ ہے کہ ممکنہ حد تک اپنے خالق سے قُرب کے تعلقات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے، اصطلاحاً زندگی کے اسی پہلو کو ہم تصوف اور صوفیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذکر وفکر دعا اور دیا جائے تو کشف وکرامت سے بھی کام لیا جائے۔ جامعیت کے ساتھ مسلمانوں میں تعلق بالخالق کے یہ نمونے اگر کچھ ملتے ہیں تو صوفیہ ہی میں ملتے ہیں اور اسی کے ساتھ اسبابی سلسلے میں کافر اقوام کی زبانوں اور جن علوم وفنون سے وہ

مرعوب ہیں ان کو حاصل کر کے ان ہی کی زبانوں اور ان ہی مقبولہ وپسندیدہ اصطلاحوں میں گفتگو کی جائے۔ میں تو اس سلسلے میں یہاں تک جانے کے لیے تیار ہوں کہ جیسے غیر اقوام کے طریقہ، بیان وتعبیر ان کی منطق ان کے فلسفہ کو دین کے لیے لوگ سیکھتے رہے ہیں اور نیت کے لحاظ سے اس کو بھی دین کا کام قرار دیا گیا ہے۔ اگر کشف وتصرف کی قوتیں ایمانی راہوں سے کسی کو نہ حاصل ہو رہی ہوں تو کچھ حرج نہیں کہ اپنی باطنی قوتوں میں غیر قوموں کی جراحی کے طریقوں سے کام لیا جائے۔ گو میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ ہمارے صوفیوں نے دوسری قوموں کے ان طریقوں سے کام لیا ہے، اسم رب ہو یا خود رب کے ذکر کی کثرت کا مطالبہ "قیاماً وقعوداً وجنوباً" قرآن ہی میں کہا گیا ہے اسی طرح شق صدر آغاز وحی کے وقت غط جو حبس دم کی ایک شکل تھی، معراجی مکاشفات اور اسی قسم کی بیسیوں چیزیں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتی ہیں جن سے لطائف حبس دم سیر وسلوک کے آثار وثمرات کی توجیہ ہم کر سکتے ہیں اور باطنی احساسات کو زندہ کرنے کے لیے بے چارے صوفیہ اگر کام لیتے تھے تو ان ہی چیزوں سے لیتے تھے۔ لیکن مان بھی لیا جائے جیسا کہ ملاّ کہتے ہیں کہ غیر قوموں سے صوفیوں نے ان چیزوں کو لیا تھا لیکن ملاّنوں نے منطق، فلسفہ، ریاضی اور خدا جانے کیا کیا بلا بدتر انھوں نے دوسروں سے لے لیا اور ان علوم کو پڑھا، پڑھانے کو ثواب سمجھتے رہے ہیں تو ان ہی غریب صوفیوں پر نکتہ چینی کا آخر کیا حق ہے۔ بہر حال خالق سے مخلصانہ رشتہ قائم کر کے زندہ خدا کے ساتھ اپنے آپ کو باندھے رکھنا، اس کیفیت کا حاصل کرنا جو غیر قوموں کی تبلیغ ودعوت کی پہلی شرط ہے نہ کوئی غیر ممکن مسئلہ ہے اور نہ عہد جدید کی زبانوں میں تحریری وتقریری ملکہ حاصل کرنا کوئی ایسی بات ہے جسے دشوار ٹھہرایا جائے۔ کم از کم مسلمانوں کو بادشاہ بنانے کی کوششوں میں جن ہفت خوانوں سے گذرنے کی ضرورت ہے، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم رکھنے والوں کی بھی جس میں پرواہ نہ کرنی چاہیے، توپ سے لڑنے اور تارپیڈو سے الجھنے کے بغیر یہ مہم سر نہیں ہو سکتی۔ پس جو مسلمانوں کو بادشاہی کا خواب دکھلا رہے ہیں وہی بادشاہوں اور حکمرانوں قوموں کو مسلمان بنانے کے نصب العین کو محض دشواریوں کی وجہ سے ناقابل توجیہ قرار دینے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ خدا جانے میں کدھر بہا چلا جا رہا ہوں، لیکن اچھا ہوا مدت کے بعد ایک

مخاطبِ صحیح کو سامنے پا کر طبیعت میں اُبال آگیا ہے، معاف کیجیے گا مجھے آپ کے سوال کا جواب دینا چاہیے، تو گفتگو نصب العین کے متعلق ہو رہی تھی آپ کے سامنے جو کچھ عرض کیا گیا اس کو پیش نظر رکھ کر سوچیے گا کہ "جماعت اسلامی" کا نصب العین کیا ہے؟ آخر وہ کیا چاہتے ہیں؟ واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین کی دعوت! یہ تو ایسا کام ہے کہ جب سے غیر قوموں کا خیال ہمارے دماغوں سے نکل گیا اس کے بعد ہمارے ملاّ ہوں یا صوفی دونوں ہی طبقے آخر اس وقت تک کیا کرتے رہے ہیں، مسلمانوں ہی کو رگیدتے چلے جانے کے سوا اور دوسرا کام ہی اس عرصہ میں کیا ہوا ہے تقریر و تحریر کی کون سی شکل باقی رہ گئی ہے جو اس سلسلے میں نہیں اختیار کی گئی۔ پھر جماعتِ اسلامی بھی اسی کام کو اگر کرے گی تو جو کچھ کیا جارہا تھا اور کیا جارہا ہے اسی سلسلہ میں ایک کام اس کا بھی ہوگا۔ مگر مزید کیا ہے جس کے لیے اتنا ہنگامہ برپا کیا جارہا ہے، ہاں مولانا مودودی کی ذاتی صلاحیتوں نے اس میں شک نہیں کہ ایک وقتی ضرورت کے لحاظ سے بڑا کام کیا ہے یعنی دماغی مشغلے کے لیے سیاسی مکاتب خیال کے مختلف جنگلوں میں ہمارے نوجوان جو بھٹک رہے تھے ان کو ایک ایسا مشغلہ انھوں نے دے دیا ہے کہ مسلمان، مسلمان باقی رہتے ہوئے سیاست کے میدان میں پانچ سواروں میں اپنے آپ کو بھی چاہیں تو پا سکتے ہیں اور یہ بھی کوئی معمولی خدمت نہیں ہے جو مولانا کے قلم نے انجام دی ہے۔ جب تک یہ ہوتا رہا بڑی اُمیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ ان کے کام کو ہم جیسے ناکارہ دیکھتے رہے۔ جو ہم سے نہ ہو سکا خدا نے اس کے لیے ایک مرد میدان کو پیدا کر دیا مگر جب رفتہ رفتہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ایسے طبقے کے نشو و نما میں مدد مل رہی ہے جو ممکن ہے روز بروز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت سے بیزار ہو جائے اور اپنی ایک الگ ٹولی نہ بنالے، اس لیے موقعہ موقعہ سے ٹوکتا رہا لیکن یاروں نے حسد و رشک پر ان مخلصانہ معروضوں کو محمول کیا "رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ" بات کہنے کی تو نہیں ہے لیکن خدانخواستہ اس قسم کے رذیل جذبات کا زور ہوتا تو یاروں کے لیے بھی بڑا میدان کھلا تھا لیکن "من حسن اسلام مرء ترك مالا يعنه" ہاں! امارت و بیعت کی ایک ضرورت وہ ہے جس کا احساس آج سے تیس چالیس سال پہلے بعض بزرگوں

لوہوا تھا۔ مولانا سجاد صاحب نے بہار میں اس امارت کو قائم بھی کر دیا۔ اس امارت کی تائید میں خاکسار بھی حتی المقدور کوشش کرتا رہا۔ اس امارت کا احساس میرے دل میں کسی حد تک شدّت پذیر تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امیرِ اوّل کی وفات پر بعد امیرِ ثانی کا انتخاب بہار میں جب ہوا تو حیدر آباد سے وطن کی واپسی کے موقع پر بجائے گھر جانے کے خاکسار سیدھا پھلواری شریف پہنچا، اور امیر ثانی کے ہاتھ پر بیعت امارت کی، لیکن اس امارت کی غرض صرف اس قدر تھی کہ افرادِ منتشرہ کی شکل حکومت کھو دینے کے بعد ہندوستان میں مسلمان جو مارے مارے پھرتے ہیں ان میں وحدت و مرکزیت کی کیفیت پیدا کر دے۔

..................کے قالب میں ان کو ڈھال دیا جائے مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ہی پہلا کام کرنے کا مسلمانوں کے لیے یہی تھا لیکن نہ کسی کا خیال ہی ادھر گیا اور جاتا بھی تو افراتفری کے جن حالات سے مسلمان گذر رہے تھے کامیابی دشوار بھی تھی لیکن جب خیال اس ضرورت کا آیا تو پایا گیا کہ پورے ہندوستان کے لیے ایسی شخصیت غالباً میسر نہ آئے گی جس پر اکثریت سمٹ کر جمع ہوسکتی ہو مجبوراً بجائے اوپر کے مناسب خیال کیا گیا کہ نیچے سے کام شروع کیا جائے۔ یوپی نسبتاً دوسرے صوبوں کے زیادہ زندہ تھا لیکن زندگی کا نتیجہ یہ تھا کہ فرنگی محل، علیگڑھ، دیوبند، ندوہ، ہر ایک اپنی امامت کا مدعی نظر آیا چھوڑ دیا گیا۔ بہار دوسرے درجہ کا صوبہ تھا اور پہلے سے مسلمان پھلواری شریف کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اسی عقیدتِ عامّہ سے نفع اُٹھا کر مولانا سجاد مرحوم نے سجادۂ خانقاہ کو مسلمانوں کی سیاسی زندگی کی بساط کا ایک مہرہ بنا دیا۔ اس عملی نظیر کو دیکھ کر دوسرے صوبوں میں بھی امکان امارت کا محسوس ہونے لگا تھا حتیٰ کہ ایک دفعہ جیسا میں نے سنا ہے کہ لاہور میں دیوبند کی جماعت کے سربرآوردہ حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد کی امارت کی بیعت کے ساتھ رضامندی کا اعلان کر دیا تھا خیال آتا ہے کہ مولانا انور شاہ، مولانا شبیر احمد، اور مولانا حبیب الرحمٰن جیسی ممتاز ہستیوں کی طرف سے اس رضامندی کا اعلان کیا جاچکا تھا مگر اعلان سے آگے بات نہ بڑھی اور کافی کامیاب ہونے کے بعد بہار کی امارت بھی لیگ اور کانگریس کے قصے میں پھنس کر جاں بلب ہوگئی۔ مولانا سجاد مرحوم کا نام

زندہ رہے نام کے ساتھ کچھ کام بھی ہو رہا تھا۔ ان کی وفات کے بعد تو صرف نام ہی نام اس صوبہ داری امارت کا رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ بیسیوں معاملات اس ملک میں پیش آتے رہتے ہیں، آتے رہیں گے، لیکن کس سے پوچھا جائے اور کون ان کی طرف سے نمائندگی کرے، لاینحل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بولنے کی تھوڑی بہت صلاحیت جن لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہے وہ اس پراگندہ منتشر امت کے سراسیمہ افراد کو چن لیتے ہیں اور اپنی ڈفلی بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ زوالِ حکومت کے بعد مسلمانوں کی یہ ایک ناگزیر سیاسی ضرورت ہے۔ لیکن مولانا مودودی نے بجائے اس کے کہ اس ضرورت کا داعیہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرتے، زمین ہموار ہو جاتی، جب اربابِ حل وعقد میں اس ضرورت کے حل کی صورت پیش کی جاتی مگر مولانا نے چٹ منگنی پٹ بیاہ کا معاملہ اختیار فرمایا اور ان ہی چند لوگوں کو کافی تصور فرما لیا جو ان کی تحریر سے متاثر تھے۔ ایک ناقص قسم کی امارت بھی قائم فرمالی اور بیعت بھی جاری کر دی، لیکن آپ سے پوچھتا ہوں کہ زوالِ حکومت کے بعد مسلمانوں کے انتشار کے ازالہ کے لیے ناگزیر ضرورت جس امارت کی پیش آگئی ہے؟ کیا اس ضرورت کا کُل نہیں بعض ہی حصہ پورا ہوا؟ اب بھی مسلمان پراگندہ ہیں، درماندہ ہیں، ان سے قومیں کچھ پوچھ سکتی ہیں اور نہ دوسری قوموں کو صحیح مخاطب وہ بنا سکتے ہیں۔ یہ کام افرادِ منتشرہ سے انجام نہیں پا سکتا اس امارت کو چاہیے تھا کہ صرف زوالِ حکومت کے بعد والی ضرورت کا تکملہ قرار دیا جاتا مگر اس چھوٹی موٹی امارت کو انھوں نے چاہا کہ امام ابوحنیفہؒ کی امامت امام بخاری کی امامت خواجہ اجمیری کی امامت، امام رازی کی امامت، غزالی کی امامت، الغرض ساری امامتوں کا اس کو مجموعہ بنا دیا جائے۔ ہر طرف ان کے نمائندوں اور نام لینے والوں نے ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیے اور بجز اس ایک کام کے کہ ''عصری ازموں'' کے مقابلہ میں منچلے مسلمانوں کے ذہنی مشغلہ کے لیے ایک ''اسلامزم'' کا نظریہ بھی کسی نہ کسی شکل میں ہاتھ آگیا ہے بظاہر اور کوئی کام اس جماعت سے اب تک بن نہیں پڑا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ بجائے آگے بڑھنے کے قدم پیچھے ہی کی طرف جا رہا ہے۔ پاکستان کے اندر تو مقامی سیاست میں یہ تحریک الجھ گئی ہے اور ہندوستان میں بجز مقامِ حیرت کے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اپنا کوئی مقام اس وقت تک

نہ بنا سکی ہے بلکہ مجھے خطرہ ہے کہ پاکستان میں کچھ ہو یا نہ ہو لیکن ہندوستان میں سبھائی ذہنیت کے اشتعال کا ذریعہ پاکستانی کشمکش بن جائے تو خطرہ بے بنیاد نہیں ہے اور چار کروڑ مسلمانوں کو خطرہ میں ڈال بھی دیا جائے بشرطیکہ پاکستان میں واقعی من مانے طور پر یورپ کے دجاجلیہ کام کرنے کا موقع بھی دیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے منشاء سے قطع نظر کر کے پاکستان میں کوئی تحریک کیسے بارآور ہو سکتی ہے۔ پس وہاں تو کچھ نہ ہو گا لیکن یہاں جو کچھ بھی ہے وہ بھی خطرے کی آگ میں بھسم ہو جائے گا۔

زوالِ حکومت کے بعد والی امارت کی ضرورت اب بھی باقی ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اتفاقاً مولانا ابوالکلام کی شکل میں ایک ایسی ہستی مسلمانوں میں موجود ہے جو اس منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ہو سکتے ہیں، مگر صرف بکھری ہوئی تسبیح کے پرونے کا کام ان کے وجود سے لیا جا سکتا ہے، جیسے اپنے سلاطین اور نام نہاد خلفاء سے یہ کام خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمان لیتے رہے لیکن ان ہی سے امام ابوحنیفہ، بخاری، غزالی، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ کی امامت کا کام بھی مسلمان لینا چاہیں گے تو دوسری صورت ممکن نہ ہو گی پس پہلی بھی ختم ہو جائے گی۔

ایک مدّت کے بعد آپ کے شائستہ متوازن طرزِ تحریر نے مدفونہ خیالات کو ابھار دیا، قلم ہاتھ میں آ گیا جو کچھ لکھایا گیا لکھ دیا گیا۔ شروع ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم بڈھوں کے کھوسٹ خیالات قابلِ اعتماد باقی نہیں رہے ہیں۔ آپ نے جن صفات کے ساتھ اپنے مکتوب میں اپنے آپ کو پیش کیا ہے ان کو دیکھتے ہوئے میں یہی مشورہ دوں گا کہ اس اجتہادی مسئلہ میں جو پہلو بھی آپ کو مفید اپنے لیے مسلمانوں کے لیے محسوس ہو اس پر عمل کیجیے۔ آج مسلمان نوجوانوں میں کتنے ہیں جو شکمی اور جنسی تقاضوں کے سوا اور بھی کسی دینی وملّی جذبہ کے زیر اثر کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ارادہ بھی تو پیدا نہیں ہوتا عمل کی منزل تو بعد میں آتی ہے۔ میں خوش ہوں زمانے کے بعد ایک روشن چراغ گھر میں نظر آیا "فاللّٰھم فقہ سرفی الدّین وعلمہ"۔

صاحبزادہ عبدالرحمٰن خان صاحب ~~تو اب~~ بہت بوڑھے ہو چکے ہوں گے۔ ہم جوان کے سامنے بچے تھے شیخوخت کی منزل میں داخل ہو چکے تو اب ان کا کیا کہنا، سلام و نیاز کہہ

دیجیے گا۔ آپ کے جدِّ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے احباب خاص میں ہیں۔ ہاں! میرا ایک دوست بھائی ٹوردا بن کیف ہیں یا جاچکے، زندہ ہوں تو سلام کہہ دیجیے انشاء اللہ! بھائی چشتی سے بھی سلام کہہ دیجیے۔ خط بھلا وہ کیا لکھیں گے واقعی زمانہ آگے اتنا نکل چکا کہ ہمارے عہد کے لوگ بس گنے چنے ہی رہ گئے ہوں گے۔ میرے رفیق درسی، اشتر دراز گردن، حافظ غلام احمد حیدرآباد آکر مل جایا کرتے تھے اب تو وہ قصہ بھی ختم ہوا۔ سارے قصے ختم ہوئے، دیکھیے آئندہ کیا قصے پیش آتے ہیں۔

آپ کے دونوں بھائی سندھ میں کہاں ہیں، میرا لڑکا محی الدین گیلانی سلمہ بھی آج کل وہیں ہے۔ پاکستان سول سروس میں امتحان دے کر کامیاب ہوا ہے اور اب ٹریننگ کے لیے وہیں بھیجا گیا ہے۔ حکیم نصیر الدین اجمیری سلمہٗ بن حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے مکان میں اس کو ٹھہرالیا ہے۔ دفتر میں کام سیکھتا ہے اور حکیم صاحب کے یہاں رہتا ہے شاید آپ کے بھائیوں سے حکیم صاحب کے ہاں ملاقات ہوئی ہو یا آئندہ۔

لکھنے کے لیے دوبارہ خط کو جب پڑھا تو خیال آیا کہ شاید بطور ایک یادگار کے اپنے قدیم مرجع و ماویٰ کے لینے یہ خط لکھوا لیا گیا ہے۔ آپ کے جدِّ امجد قدس سرہٗ کی جوتیوں کے طفیل میں جو آنکھ کھلی ہے کام تو میں نے لیا لیکن یہ ''آنکھ'' ان کے قدموں میں کھلی پس۔

؏ گرگل است یا خار، ہمہ آوردۂ تست

اپنے پاس رکھ لیجیے، کبھی کبھی دل کے داغوں کو اپنے والدِ مرحوم کے ایک نیازمند اسی قصہ پارینہ سے تازہ کرلیا کیجیے گا۔ اب تو جارہا ہوں، احسان اللہ خان مرحوم کا وہی شعر بار بار یاد آتا ہے کہ:

اب لگی اب لگی کنارے سے
کشتیِ عمر ہے روانی میں

---

[1] حکیم سید محمود احمد نے مولانا گیلانی کے اس بیان کی تردید کی تھی کہ حکیم سید برکات احمد صاحب کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ارشاد کا تعلق تھا۔

[2] ترجمہ: پھر اُن کے بعد ان کے جانشین ہوئے (ایسے نالائق) کہ انھوں نے نماز کو ضائع کردیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔

؎ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار تو سب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز چھپی نہیں رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں۔

(۹)

گیلانی (بہار) ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء

زبدۃ الکرام البررہ قرۃ العین عزیزم حکیم محترم محمود احمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کن اوہام ووساوس میں آپ لوگوں کو ڈاک کے موجودہ اختلالی نظام نے مبتلا کر رکھا ہوگا۔ ٹونک، میرے محبوب وطن، ٹونک سے ایک فضائی صاحب کا دوسرا پھر آپ کا اور آخر میں برادر عزیز افضل الحکماء شفاء الملک سلمہ اللہ تعالیٰ کا نوازش نامہ وقفہ وقفہ سے ملتا رہا۔ ۱۴ر دسمبر کی مہر ڈاک خانہ کی شفاء الملک سلمہٗ کے لفافہ پر ہے اور اصل خط میں ۱۰ر دسمبر کی تاریخ درج ہے۔ آپ کا مکتوب تاریخی قید سے آزاد ہے اور فضائی صاحب کا بھی، تاہم یہ سارے خطوط بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے چند روز کے ایرپھیر سے روانہ ہوئے لیکن ۱۰ یا ۱۴ر دسمبر چلا ہوا مجھے یہاں تقریباً دس دن بعد ملا۔ تمہید وتوصہ وخاتمہ وغیرہ سے قطع نظر کرتے ہوئے قدرِ مشترک باہمی مشورہ سے روانہ کیے ہوئے ان وارنٹوں کا یہ تھا کہ جس طرح ممکن ہو آپ کے خانوادہ کا یہ موروثی نمک خوار اپنے آستانۂ قدیم پر حاضری دے۔ کاش آپ عزیزوں کو میرے دل کا حال معلوم ہوتا کہ ٹونک کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ بیداری کی حاضری سے گو محروم ہوں لیکن عام رویا میں سیر بسا اوقات اس دیار کی میسر آتی رہتی ہے، جہاں زندگی کا ایک دلچسپ دل دوز عہد گذرا ہے، خود کڑھتا رہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اپنے اس مرحوم ٹونک کو دیکھ لیتا مگر میری جسمانی حالت، زبونی کے کس نقطہ تک پہنچی ہوئی ہے، اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ان مسلسل دعوتوں بلکہ وارنٹوں کے بعد بھی دل کی آرزو دل ہی میں گھٹ گھٹ کر دفن ہوئی چلی جارہی ہے۔ عزیز محترم مولانا میاں ظہیر الدین شفاء الملک سلمہٗ نے تو اپنے ترکش کے ایک ایک تیر کو رہا فرمادیا ہے۔ ان کے عنایت نامہ کے مطالعہ نے کیا بتاؤں مجھے کس عالم میں پہنچادیا ہے۔ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"؎ کے دامن رحمت میں اگر جگہ ملتی تو میں نہیں جانتا کہ جو کچھ انھوں نے

ارقام فرمایا ہے اس کی تعمیل میں کوتاہی کی صورت ہی کیا باقی رہی تھی۔ حاصل یہ ہے کہ یوں تو کبھی کبھی لوگ بلاتے ہی رہتے ہیں لیکن ربیع الاوّل المنور کے ماہ قدس میں فقیر کی مولود خوانی کی صحیح غلط شہرت کا نتیجہ یہ ہے کہ تاروں اور خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ جواب تک دینے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بہار والے وطنی حقوق کا دباؤ ڈالتے ہیں، دکن والوں کا تو وظیفہ خواری ہوں، ازیں قبیل مختلف دلائل و وجوہ کا وزن ڈال کر گھسیٹنے والے گھسیٹنا چاہتے ہیں۔ دکن والوں نے تو حد ہی کر دی کہ ہوائی جہاز تک پر آنے کی دعوت دی کہ کچھ بھی صرفہ ہو لیکن بہر حال آؤ لیکن اپنے ان قدر فرماؤں کو کیسے دکھاؤں کہ جسے آپ گھسیٹنا چاہتے ہیں تقریباً بے جان لاشہ ہو چکا ہوں۔ افسوس ہے کہ مولانا چشتی صاحب جیسے بزرگ آپ لوگوں کے پاس موجود ہیں آپ لوگوں نے سن رکھا ہے لیکن وہ تو دکن میں دیکھ چکے ہیں کہ گرتی ہوئی میری صحت کس نوبت تک پہنچ چکی ہے۔ منہ میں ایک دانت نہیں، دس پندرہ سال تک مسلسل دمہ کے دوامی دورے کا شکار رہا، اور حیدر آباد سے رخصت ہوئے قلبی دورے میں بھی مبتلا ہوا۔ روح نکل چکی ہے صرف ڈھانچہ باقی ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اب تب کی حالت کو پہنچا دیتی ہے۔ وقت پر بھی اگر آپ لوگوں کے مکاتیب مجھ تک پہنچ جاتے تب بھی انتقالِ امر کی استطاعت سے اپنے آپ کو محروم ہی پاتے۔ حیران ہوں کہ جواب کیا دُوں۔ آپ نے ایک فقرہ اپنے خط میں لکھا ہے کہ خود نہیں آتا تو کسی طرح مجھے ہی گیلانی کھینچ لے، بس اُمید کی روشنی اگر ملتی ہے تو اسی فقرہ میں ملی ہے۔ گیلانی غریب کی قسمت میں اتنی بلندی کا تصور بھی نہیں کہ اس کی طرف توجہ کرنے کی گنجائش آپ لوگوں کے قلوب میں پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گیلانی آپ کے جدِّ امجد حضرت الاستاد الامام قدس سرہٗ کے قدومِ میمنت لزوم سے سرفراز ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ اپنے آباء کے وطن کی کشش حضرت والا کو خاکسار کے ایام طفلی میں اس طرف لے آئی تھی اور ٹونک تک پہنچنے کی سعادت اور صف نعال میں جگہ حاصل کرتے میں کامیابی کا حیلہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بظاہر ان کی اسی تشریف فرمائی کو بنا دیا تھا، لیکن بہار سے حضرت نور اللہ مرقدہ کا رشتہ تازہ تھا آپ تیسری پشت میں تشریف لائے ہیں۔ بہار غریب کیسے کہے کہ آپ پر میرا حق ہے، مگر اب بھی وہی ہے جہاں چھوڑ کر حضرت مولانا حکیم دائم علی صاحب گئے تھے۔ پچھلے

دنوں سب جگہ سب کچھ ہوا لیکن تو اتر سے یہ روایت مشہور ہے کہ جب میر نگر کی طرف غارتگروں کا ہجوم متوجہ ہوا تو اچانک دیکھا گیا کہ بڑھنے والے بھاگے جارہے ہیں، ان ہی بھاگنے والوں سے پوچھنے والوں نے جب بعد کو پوچھا کہ بے تحاشہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کی وجہ کیا ہوئی تو ان میں ہر ایک کا یہی بیان تھا کہ سارا میدان لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے سبز پوشوں سے بھرا نظر آتا تھا، چمکتی ہوئی تلواریں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میروں کے اس نگر میں تماشہ دیکھنے والوں نے کیا دیکھا لیکن اتنی بات تو بہر حال مسلم ہے کہ چاروں طرف سے گاؤں غیروں ہی سے محاطہ تھا، چاہتے تو منٹوں میں اسے ختم کر دیتے، لیکن بال بھی وہاں کسی کا بیکا نہ ہوا۔ آخر اس کی وجہ کیا کہی جائے۔ کیا ان بزرگوں کی روح اپنے اندر کسی قوم کی کشش نہیں رکھتی بقول شخصے

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو

تو کجا بہرِ تماشا می روی

بہر حال فقیر کی گرفتاری کی مہم جس طریقے سے اب کے چلائی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ امکان کچھ بھی باقی ہوتا تو نشانہ خطا ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی لیکن ممتعات کے حدود میں جو چیز داخل ہو چکی ہو تو اس میں الزام فائض پر نہیں مفاض کے نقص استعداد پر ہے۔ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا اور مہمان بنانے کے لیے جو کچھ بھی ممکن تھا وہ سب کچھ کر گذرے۔ اگر وقت پر بھی آپ کے مکاتیب مجھ تک پہنچ جاتے تب بھی اس غیر مترقبہ نعمت سے مستفید ہونے سے محروم ہی رہتا۔ الفاظ نہیں ملتے جن کو اظہارِ حقیقت کا ذریعہ بناؤں۔ پس اگر ہو سکے تو کھینچنے میں نہ کامیاب ہونے والے خود کھینچ جانے کی طرف توجہ فرماتے۔ عذر چونکہ واحد ہے اس لیے ہر ایک کے سامنے الگ الگ معذرت نامہ پیش کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ آپ کے قیمتی اوقات ان لایعنی ہرزہ درائیوں کے پڑھنے میں صرف کریں۔

برادر محترم مولانا سید ظہیر الدین شفاء الملک افضل العلماء وسلمہٗ کی خدمت میں بصد ندامت معذرت الفاظ پیش کر رہا ہوں۔

مناظر احسن گیلانی

[1] ترجمہ: اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق۔

(۱۰)

دسمبر ۱۹۵۱ء[1]

قرۃ العین عزیزم میاں حکیم محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ نے اس فقیر کو لفظِ "عم" کے بعد خطاب فرمایا ہے مبالغہ نہیں کرر ہا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یقین کیجیے کہ آپ کے آستانے کا یہ فقیر ایک ادنیٰ ترین خادم اور آپ کے گھر کا ایک موروثی نمکخوار ہے۔ ایاز کو اس کی حد ہی سے آگے نہ بڑھایئے اس میں شک نہیں کہ آپ کے والد برد اللّٰہ مضجعہ کی غایت بے غایت سے ضرور سرفراز تھا لیکن ایاز بہر حال ایاز ہے اور محمود، محمود۔ آپ کی یہ شرافتِ نفسی اور نجابتِ خاندانی کا تقاضہ ہے لیکن میری آنکھیں تو ان حروف پر بھی جم نہیں سکیں۔

آپ نے پھر وہی جماعت اسلامی کا ذکر کیا ہے مسرور ہوا کہ آپ کے اندر جد و جہد کا ذوق صرف پیدا نہیں ہوا بلکہ بڑھ رہا ہے۔ یہ ان شاء اللہ ایک اچھے مستقبل کی خبر دے رہا ہے، یہ ان شاء اللہ "امتِ مسلمہ" اور "ملّتِ محمدیہ" آپ کے اس ذوق سے مستفید ہوگی۔ آپ نے رامپور کے اجتماع کی جو تصویر کھینچی ہے اس تصویر نے قدرتاً مجھے بھی پُر اُمید کر دیا، آپ کے قلب میں "صفہ" کی تشبیہ جو آئی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ الہامی تشبیہ ہے "صفہ اولیٰ" ان نو مسلموں کی قیام گاہ اور تربیت گاہ تھا جو جاہلیت اور کفر کی زندگی سے نکل نکل کر اس صفہ میں شریک ہوئے تھے۔ اپنی آرزو شروع ہی سے اس جماعت کے متعلق یہی رہی کہ بجائے نسلی مسلمانوں کے ان لوگوں کی طرف توجہ کریں جو کفر کی نسلوں سے نکل نکل کر دنیا میں اور دنیا سے مسلسل جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ نسلی مسلمان جو کچھ بھی ہوں بہر حال ان کی مغفرت کی توقع ہے لیکن جگر پھٹنے لگتا ہے جب اپنے ان ابناءِ جنس اور ان خونی بھائیوں کو دیکھتا ہوں جو ہندوؤں اور لنگوروں کے خاندان میں ہیں اور حضرت آدم وحوا کی اولاد میں شریک ہو ہو کر پیدا ہو رہے ہیں لیکن ان بے چاروں کا انجام بندروں اور لنگوروں سے بھی بدتر ہونے والا ہے۔ جو جا چکے وہ جا چکے، لیکن جو باقی رہ گئے ہیں آئندہ پیدا ہونے والے

ہیں کیا ان کی طرف سے کسی قسم کا فرض ہم پر عائد نہیں ہوتا۔

برادرِ عزیز! نسلی مسلمانوں کو واقعی مسلمان بنانے کی کوشش میں کون سا دقیقہ اٹھا رکھا گیا، تقریریں کی گئیں، مواعظ کا سلسلہ جاری ہے، کتابیں لکھی جارہی ہیں، پیری مریدی کی راہوں سے ان کو سیدھے رستہ پر چڑھانے کی جدوجہد بھی کی گئی، آئندہ بھی کرنے والے جو کچھ کریں گے وہ کریں گے اور ان کو بھی کرتے چلا جانا چاہیے لیکن ابوالکلام آزاد کا قلم، تھانوی کی زبان، فضل الرحمٰن اور امداد اللہ رحمہم اللہ اجمعین کے نور قلب اور روح کے زور نے جو کچھ کر دکھایا اس سے زیادہ کی توقع دوسروں سے آخر کیوں کی جائے۔ عقل کا حکم بھی ہے باقی لطیفہ قلبی کا ظہور! سواپنے علمی حدود سے وہ خارج ہے۔

ہاں ''صفہ'' کا تماشہ آنکھوں نے پھر نہیں دیکھا۔ یہ وہ راہ ہے جو صدیوں سے سونی پڑی ہے، حالانکہ قرآن کا خطاب نسلی مسلمانوں سے زیادہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جن کی نسلیں کفر کی تاریکیوں میں بھٹکتی چلی آرہی ہیں۔ امیرِ پاکستان جب تک امیر نہ تھے فقیر نے ان کو اسی مسئلہ کی طرف توجہ دلائی، مگر فقیر کی صدا فقیر ہی کی صدا بن کر رہ گئی، امیر الہند سے شفاہاً و کتابتاً بار بار عرض کیا کہ اس راہ کو تاکیے جو ویران پڑی ہے، لیکن زبانی ہامی بھرنے کے سوا عملاً کسی قسم کا اقدام ان کی طرف سے نہ ہوا۔ یہ سوال بلاشبہ جزوِ اہم ہے بنا ہوا ہے کہ غیروں تک ان کی دین کو پہنچانے کے لیے سوراخ بنانے کی صورت کیا ہے۔ چالیس پچاس سال سے بھی زیادہ مدت گذر چکی سوال کی جو نوعیت ابتدا میں تھی اب تک اسی حال میں خود میرے دماغ میں پڑا ہوا ہے۔ اب بھی سوچتا رہتا ہوں لیکن کوئی عملی تدبیر سمجھ میں نہ آئی لیکن پھر بھی چاہتا ہوں کہ جواب نہ سہی سوال تو کسی جماعت میں اس کا اٹھتا رہے، آخر کبھی نہ کبھی جواب مل ہی جائے گا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے جو بھی اُٹھتا ہے ان ہی نسلی مسلمانوں کی دم میں نمدہ باندھنے کی تدبیروں میں اُلجھ جاتا ہے۔ آخر ان مسلمانوں کو معصوم بنانے کی صورت ہی کیا ہے۔ پہلی صدی ہی سے امام حسینؓ تک کے قاتل جن میں پیدا ہوتے رہے اور جہاں تک اسلامی تاریخ کا مطالعہ فقیر نے کیا ہے کوئی قرن ان کربلائیوں سے خالی نظر نہیں آتا۔ آپ سے بھی یہی عرض ہے کہ اس راہ میں بھی عمل کا نہ سہی فکر و نظر ہی کی حد تک کچھ وقت دیجیے اور آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں ان کو بھی توجہ دلائیں۔ فقیر میں طبعاً قیادت

وزعامت کی صلاحیت ابتدا ہی سے نہیں ہے اوراب تو اپنی جسمانی صلاحیتوں سے بھی محروم ہو چکا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے یہ چیزیں سن لوں کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ مخلص نوجوانوں کا ایسا بھی پیدا ہو چکا ہے جو ان لوگوں کو جہنم سے نکالنے کی تدبیروں کو سوچنے لگا ہے جو داخل ہونے کے بعد پھر اس سے نکلنے کی راہوں کو اپنے اوپر بند پائیں گے۔ ہائے! کسی کا دل تو ان کے لیے دُکھتا، کوئی تو ان کے لیے تڑپتا۔ ایک آدمی کو بھی آگ میں گرتا دیکھنا جو پسند نہیں کرتے وہی اس تماشے کو اطمینان کے ساتھ کیسے دیکھ رہے ہیں، کہ کروڑوں کی تعداد میں ان ہی کے بھائی بند مسلسل آگ میں پھاندتے چلے جارہے ہیں اور کسی کے سینہ سے اس جگر خراش منظر کو دیکھ کر چیخ نہیں نکلتی، یا پھر کیا یہ باور کرلوں کہ کفر کے جس انجام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں اس میں العیاذ باللہ! ہم کیا کسی مغالطہ کا شکار ہیں؟ آہ! آپ نے میرے عزیز دوست سیف مرحوم کا مکتوب ان کی وفات کے بعد بھیجا۔ پڑھ کر صدمہ ہوا کہ ان کی نظر میں ان کا مناظر، وہی مناظر باقی نہ رہا تھا، وہ اس کو عثمانیہ یونیورسٹی کا پروفیسر اور ہندوستان کا مقرر و مصنف فرض کرکے اپنے دل سے نکال چکے تھے۔ ہائے! اس کا علم ہوتا تو اپنے دوست کو بتاتا کہ ان کا نیازمند اسی حال میں ہے جس حال میں ان سے الگ ہوا تھا۔ ان کے اور ہمارے درمیان بعض دلچسپ قصے تھے وہی جانتے تھے، ہم جانتے تھے ''فاللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ'' ان کا یہ شعر۔

مجبور محض مجھ کو نہ رکھا زہے کرم
سب کچھ اگر نہیں ہے مرے اختیار میں

بہت پسند آیا۔ یہ کلام صرف شاعر کے بس کا نہیں عارف کا کلام ہے۔ انھوں نے خدا جانے ٹونک کے کس مشاعرہ کا ذکر کیا جس میں فقیر بھی شاعر بن کر اترا تھا، قطعاً شعر حافظہ میں محفوظ نہ تھا۔

خیال تو یہی تھا کہ عام معذرت نامہ اور آپ کے خاص مکتوب ہی پر قصہ کو ختم کروں لیکن برادرِ عزیز! مولانا سید ظہر الدین صاحب نے بھی اور عزیز محترم مولانا فضائی نے بھی مدرسۂ خلیلیہ کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے اس مدرسہ کے حق میں جو تقاضہ ہے، اس کی طرف توجہ دلائی ہے اس لیے خیال آیا کہ چلتے چلاتے اپنا ذاتی خیال اس باب میں جو ہے اسے ہی

پیش کروں۔

اس کا خیال ہمارے عزیزوں کو شروع ہی میں کو لینا چاہیے کہ فقیر کو اور کسی چیز کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو لیکن قیام کی مدّت اس خاکدانِ ارضی میں نسبتاً ان عزیزوں سے زیادہ میسر آئی ہے۔ اب بھی ظہیر میاں سلمہٗ کا تصور جب اضطراراً دماغ میں آتا ہے تو یہی کہ ایک ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ کا قد ہے، ململ کا کرتہ صرف کرتہ گلے میں ہے اور ہم لوگ گود میں لے کر ان کو ٹہلا اور بہلا رہے ہیں۔ زور دے کر ان کے چہرے کی ڈاڑھی کو ان کے والد مرحوم کی ڈاڑھی کے تصور کی مدد سے سامنے لاتا ہوں شاید سیاہ بالوں کے ساتھ کچھ سفید لکیریں بھی ان میں چمکنے لگی ہوں اور فضائی میاں تو ان کے یاد دلانے پر وہ بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔ پس یہ جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے پیرِ دانا کا پند نہ سہی لیکن کسی پیر کا زہرِ خند بھی نہیں ہے۔

آپ لوگوں کی بعض اخباری اپلیں اخبار ہی میں پڑھیں، گذریں اور آپ کے خطوط سے بھی معلوم ہوا کہ مدرسۂ خلیلیہ کی مالی زبوں حالیوں پر آپ لوگ غیر معمولی طور پر متاثر ہیں۔ حکومت کی امداد بند ہو چکی ہے، اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی عام امداد سے بزرگوں کی اس یادگار کی عمر کو بڑھائیں۔ سوال یہ ہے کہ صرف کسی تاریخی یادگار ہی کو بطور آثارِ قدیمہ کے زندہ رکھنے کا خیال ہے یا ٹونک کی ریاست میں اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے غریب مسلمانوں کی کافی تعداد ادھر ادھر سے سو ڈیڑھ سو سال کی مدت میں جو اکٹھی ہو چکی ہے اور کچھ ہی ہو جائے بہرحال ان کو اب اسی رَسیا کی ٹیکری اور اَن پُورنا کی پہاڑیوں کے دامن ہی میں جینا بھی ہے اور مرنا بھی ہے۔ ان کے لیے اور ان کی آئندہ نسلوں کے مستقبل کو زمانے کے مطابق سنوارنے کا نصب العین بھی آپ کے سامنے ہے۔ بر تقدیرِ شقِ اوّل فقیر یہ عرض کر دینا چاہتا ہے کہ آثار و یادگار کے نظریہ کی کم از کم فقیر کے قلب میں کوئی قیمت نہیں ہے۔ اصحابِ کہف کے قصے میں ہے کہ جب بنیان کی تعمیر کا خیال وہی یادگار والے نظریہ کے تحت دلوں میں آیا تو آگے ارشاد ہوا "رَبُّهُم اَعلَمُ بِهِم" بظاہر درمیاں میں اس جملۂ معترضہ کا سباق و سیاق سے چنداں تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ نظریہ یادگار کے کھوکھلے پن کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ہر چیز کی یاد کی ضمانت علمِ الٰہی ہے تو بات ٹھیک اسی مقام پر نظر آتی ہے جہاں پر اس کو ہونا چاہیے تھے۔

ہاں میرا دوسرا مسئلہ اہم اور بہت زیادہ اہم ہے۔ رائے اپنی بھی یہی ہے کہ جن حدود تک اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا احترام پہنچ چکا ہے جہاں تک ممکن ہو ان حدود سے اس کو ملنا نہ چاہیے اذان کی تکبیروں سے جو خطے مانوس ہو چکے ہیں ان کی اس مانوسیت کو ہر قیمت پر باقی رکھنے میں سب کچھ لگا دینا چاہیے جسے ہم لگا سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر اس راجستھانی علاقہ کے مسلمانوں کا مستقبل مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی بہتری کی صورتوں کو ہم سوچیں منجملہ دوسری باتوں کے سب سے بڑا اہم مسئلہ تعلیم کا ہے مجالس الخاص اور وعظ وتقریر کی ہنگامہ آرائیوں سے صرف وقتی اور مصنوعی فائدہ تھوڑی دیر کے لیے ضرور حاصل ہو جاتا ہے لیکن دوام اثبات کے لیے تعلیم سے زیادہ کارگر کوئی دوسری تدبیر اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی اسی لیے نوشت وخواند ہے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اس عام اطلاقی حکم کا تعلیمی قالب ہر زمانہ میں اپنے ماحول کا تابع ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس زمانہ میں حقیقی دینی علوم (قرآن وحدیث وفقہ) کی بقاء وارتقا کے لیے زاھد اور سلمیات کا پیوند غیر مفید ہی نہیں بلکہ سمجھا جائے تو مضر بھی ہے یہ پیوند ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے رواجی علوم کے ساتھ جب تک قرآن اور حدیث کو ہم نہ جوڑیں گے میرا خیال تو یہی ہے کہ ہم نہ ان کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ زمانے کے ارتقائی تقاضوں کے مطابق تعبیر وتعمیر کر سکتے ہیں۔ اس خیال کو تفصیل کے ساتھ فقیر نے اپنی کتاب "نظامِ تعلیم وتربیت" میں پیش کیا ہے۔ اس وقت ٹونک کے خاص حالات کے لحاظ سے آپ حضرات سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کے یہاں دربار ہائی اسکول موجود ہے عصری علوم سے مستفید ہونے کا یہ زینہ ہے، مسلمان بچوں کے لیے اگر ایسا اقامت خانہ بنایا جائے جس میں ارزاں ترین زندگی کے ساتھ اسلامی تربیت کے زیر اثر طلبہ کو رکھا جائے اور اس اقامت خانہ میں شریک ہونے والے ہر طالب علم کے لیے چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک سبق لزوماً پڑھایا جائے۔ یہ سبق معمولی صَرفی معلومات کے بعد قرآن پاک کی چھوٹی سورتوں کی تعلیم سے شروع ہو اور جب تک براہ راست اردو ترجموں کی امداد کے بغیر خود قرآنی عبارت کے سمجھنے کا سلیقہ پیدا نہ ہو ایک پارے کے بعد دوسرا پارہ

پڑھایا جائے۔ چند پاروں ہی کے بعد ان شاءاللہ تعالیٰ یہ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بعد موقع ملے تو حدیث کا کوئی مختصر متن جس میں خلافیات سے زیادہ اخلاقیات سے تعلق رکھنے والی حدیثیں ہوں، میٹرک تک اتنا بھی ہر مسلمان کو سکھانے میں ہم کامیاب ہو جائیں تو میرا خیال ہے کہ ہمارے عام عربی مدارس کے مقابلہ یہ دینی خدمت زیادہ مفید ہوگی۔ اردو زبان کی حفاظت کی شکل بھی یہی ہے، قرآنی عربی سمجھنے والوں کی اردو عربی نہ جاننے والوں سے یقیناً زیادہ بہتر ہوگی۔ ٹونک کے مسلمان عموماً غریب ہیں لیکن ذہنی صلاحیت ان کی غیر معمولی طور پر اچھی ہے۔ اگر دربار ہائی اسکول سے استفادہ میں سہولت پیدا کی جائے اور اس زینے پر چڑھ کر آئندہ یونیورسٹی پہنچنے کے مواقع اگر ان کو دیے جائیں تو اپنے علمی وزن سے خود امتیاز حاصل کرلیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اچھے چال چلن سیرت وکردار کے مولویوں کی نگرانی میں اس اقامت خانے کو چلایا جائے، وہی لڑکوں کو نماز وروزہ کی عملی تعلیم بھی دیں گے اور قرآن وحدیث کے اسباق کا بھی ان ہی سے تعلق ہوگا اور چاہنے والے اگر چاہیں گے تو ان ہی سے نظامیہ نصاب کی تکمیل کر سکتے ہیں لیکن عمومیت کے لیے یہ زواہد وسلمیات والے پیوند کو زیادہ دن تک اب برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ عصری علوم کے لیے جگہ نکالنا چاہیے اور ان ہی عصری علوم کے ساتھ حقیقی دینی مضامین کو پڑھانے کا موقع پیدا کرنا چاہیے۔ اقامت خانے کے لیے ابتدا میں چندوں وندوں کی ضرورت ہوگی بعد کو فیس ہی سے ان شاءاللہ تعالیٰ یہ چل نکلے گا۔ راجستھان کے مسلمانوں کے لیے ایک مثالی اقامت خانہ ٹونک میں قائم کیجیے، پھر جہاں جہاں اسکول ہوں وہاں بھی ان کا جال پھیلایئے، دینیات کے نام سے اسکولوں میں چھوٹے چھوٹے رسالے فقہ وغیرہ کے مسائل کے متعلق جو پڑھا دیے جاتے ہیں قطعاً غیر ضروری ہیں۔ جو وقت ان رسالوں کے پڑھانے، زبردستی پڑھانے پر صَرف کیا جاتا ہے، اسی وقت کو قرآن صرف قرآن کو بامعنی پڑھانے میں خرچ کرنا چاہیے۔ علی گڑھ کی دینیات لازمی یونیورسٹی کا صرف تفریحی مضمون تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں ذاتی تجربہ فقیر کر چکا ہے۔ فضائی صاحب نے لکھا ہے کہ علیگڑھ والے اشتہار کے جواب میں انھوں نے بھی درخواست دی ہے اور فقیر کا بھی اس میں تذکرہ کیا ہے۔ ان کو شاید معلوم نہیں کہ فقیر نے خود اعراض کیا بلکہ وہاں سے بھی طلبی آئی تھی، پندرہ سو روپے ماہوار تنخواہ کے

مژدہ کے ساتھ، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے چار کروڑ بیکسوں کو چھوڑ کر دل جانے پر راضی نہ ہوا۔

عملی صلاحیت مجھ میں پہلے ہی نہ تھی اب تو بڑھا ہو گیا ہوں لیکن موقع جہاں ملتا ہے اپنے خیال کو مسلمانوں پر پیش کر دیتا ہوں، شاید کسی کی سمجھ میں وقت نکلنے سے پہلے بات آجائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن اتَّبعَ الھُدیٰ

مناظر احسن گیلانی

---

1 مکمل تاریخ درج نہیں۔

بنام

ڈاکٹر محمد یوسف الدّین

(۱)

ستھیا پھل منڈی۔ بلدہ حیدر آباد
۱۹۴۳ء[۱]

برادرم مولوی یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں مخدوم محی الدین صاحب[۲] کی شادی میں ارکلا گیا ہوا تھا جو میدک ضلع کا ایک گاؤں ہے۔ راستہ میں ریل، بس، بنڈی اور دریائے مانجرا کو ٹوکرے سے عبور کر کے ایسے گاؤں میں رہنا پڑا جہاں سنا کہ اژدھے نکلتے ہیں۔ صرف جنگل، پہاڑ، بیابان اور ان کے درمیان جنگلی کھیتیاں تھیں۔ واپسی پر آپ کا خط ملا۔

میں آپ کا مضمون[۳] قریب قریب دیکھ چکا تھا، ذرا غور سے پڑھتا ہوں، اس لیے تاخیر لابدی ہے۔ آپ کے ٹائپسٹ صاحب ایک دن آکر گئے، میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ (مقالہ) دیکھ رہا ہوں۔

میں نے چند باتوں کی طرف اندر مضمون کے بھی، اور آخری صفحہ پر کچھ اضافہ کا مشورہ دیا ہے اسے دیکھ لیجیے۔ ضرورت ہو تو زبانی گفتگو کر لیجیے۔ والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

۱ ڈاکٹر سید محمد یوسف الدین مولانا گیلانی کے نامور شاگرد اور جامعہ عثمانیہ کے پہلے پی ایچ ڈی تھے۔ آپ مورخہ ۱۰/۱اکتوبر ۱۹۱۸ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے اور یکم جون ۱۹۹۷ء کو وہیں وفات پائی۔ اس خط پر مکمل تاریخ درج نہیں۔

۲ مخدوم محی الدین، شاگرد مولانا گیلانی، پیدائش ۴ فروری ۱۹۰۸ء۔ وفات ۲۵، اگست ۱۹۶۹ء]

۳ مقالہ تحقیق۔

(۲)[۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفیع القدر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب ایدکم اللہ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت کے بعد آپ کا گرامی نامہ آیا بھی تو اس اجڑے ہوئے دل کو اس نے اور کھنڈر بنا دیا۔ ہا! اس مردِ مومن، پیغمبر کا وفادار امتی ہم سے الگ کرلیا گیا، اُس کے لیے تو اچھا ہی ہوا کہ آخر کب تک وہ ان تلخ گھونٹوں کو پیتا رہتا جن کے پینے پر ہم مجبور ہیں۔ ان شاء اللہ اب ان کے لیے تو "فروحٌ وریحانٌ و جنۃُ نعیم" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ پس ماندوں میں انھوں نے کن لوگوں کو چھوڑا ہے۔ خدا جانے انھوں نے شادی بھی کی تھی یا نہیں۔ بار بار ان کی مغفرت کی دعا کر چکا ہوں اور کرتا رہوں گا اگر چہ خود ایک ایسے مقام پر تھے اور بحمد اللہ اپنے نتائج کے ساتھ ان کا مقام اب ان کے سامنے ہوگا کہ ہم جیسوں کی بخشائش کا سہارا صرف ہلکا وہ تعلق ہی ہوسکتا ہے جو ان کی ذات کے ساتھ رکھتا تھا لیکن مومن کا فرض ہے جو پہلے گئے ان کے لیے مغفرت وعفو کی دعا وہ کرتے رہیں جن کی آزمائش وابتلاء کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ آج "صدق" میں ایک طویل نوٹ خاں مرحوم پر مولانا دریابادی کے قلم سے بھی نکلا۔

اور حالات کیا بتاؤں بس یہ دُنیا گزر رہی ہے۔ ایک ماہ پہلے اچانک میری لڑکی جس کی گزشتہ سال شادی ہوئی تھی یکا یک دماغی اختلال کا شکار ہوگئی تھی۔ بارے حق تعالیٰ نے رحم فرمایا علاج ومعالجہ کے بعد بہت جلد طبیعت روبہ اصلاح ہوگئی۔ آج کل تو روزے چل رہے ہیں، پانی نہیں برستا اس لیے روزوں میں سختی پیدا ہوگئی ہے۔ آپ نے اپنی سیاحت کا جو عزم ظاہر فرمایا تھا اس کے متعلق کیا ہوا۔ ہمارے دوست ڈاکٹر مولانا محمد غوث صاحب نے بہت ہی ضروری مضمون کی ابتداء "برہان" میں کی ہے ان کے سنجیدہ قلم سے اس موضوع پر خدا کرے مستند معلومات کا کوئی ذخیرہ جمع ہوجائے۔ امید ہے کہ اپنے اس سلسلہ کو وہ آگے بھی جاری رکھیں گے۔

آپ کے "مثنیٰ" ہونے کی خبر کا منتظر ہوں۔ سب کو سلام کہہ دیجیے گا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ یہ خط بلا تاریخ ہے۔ داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۹۴۵ء کا تحریر کردہ ہے۔
۲؎ یہ ذکر غالباً بہادر یار جنگ [پیدائش ۵، مارچ ۱۹۰۵ء۔ وفات ۲۵، جون ۱۹۴۴ء] کا ہے۔

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ دی ۵۶ فصلی[1] (مطابق ۱۹۴۶ء)

حیدر آباد

برادر عزیز مولوی یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط آیا تھا، میں نے گلبرگہ مظہر سلمہٗ[2] کے نام اس کو بھیج دیا تھا، لیکن معلوم ہوا کہ وہاں بھی ان کو آپ نے ایک خط لکھا تھا۔ آپ کے مسئلے میں عجیب اتفاق پیش آرہے ہیں، ایک تو میرِ شعبۂ دینیات حیدر آباد سے باہر چلے گئے۔ کمیٹی میں ان کا رہنا بہتر تھا ان سے وائس چانسلر صاحب کی پرانی ملاقات ہے۔ کھل کر گفتگو ان سے کر سکتے ہیں۔ دوسرے چند دن سے کالج میں پھر ایک قضیہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ درس و تدریس کا سارا نظام درہم برہم ہے اور مشکل یہ ہے کہ کالج بند بھی ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

خیر واقعات تو اپنی جگہ۔ جو ہونے والا تھا سو ہو چکا صرف اعلان کی دیر ہے۔ آپ تو تعطیل میں آئیں گے، اگر ممکن ہو تو دو تین تولے اس دوا کے بآسانی اگر مل جائے تو لیتے آئیے گا، قیمت یہاں ادا کر دی جائے گی۔ حافظ صاحب کو میں نے جواب دیا ہے معلوم نہیں ملا یا نہیں۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ ایرانی فصلی سال کا ایک مہینہ۔
۲؎ مولانا گیلانی کے چھوٹے بھائی۔

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیدر آباد[1]

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ غالباً ورنگل پہنچ گئے ہوں گے۔ ادھر میں ایک دن کے لیے کالج حاضر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بنکٹ چندر نے اس بندہ کو اور کام سے روک رکھا ہے۔ بہرحال آپ کو یہ مطلع کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب[2] نے ڈیپوٹیشن کے اسکالرشپ کے متعلق مجھ سے مشورہ کیا تھا، اس نے اس سلسلے میں آپ کا نام پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے لیکن یہاں کا تو ہر معاملہ میروں کے ساتھ وابستہ ہے، خدا کرے آپ کو وظیفہ ہی دے کر یہ لوگ یورپ بھیج دیں۔ اب کی آئیں تو اس سلسلے میں ضرور ملیے۔ آں برادر نے دوا کی قیمت ہی نہ بتائی، اس سلسلے میں یہ عرض کرنا تھا کہ اگر آپ کی ملاقات محکمہ کے کسی افسر سے ہو تو قیمت کی پروا کیے بغیر اگر تین چار تولے اکٹھے مل سکے تو اس کا خیال رکھیے گا کہ ایک ہی دفعہ سب کی قیمت پیش کر دی جائے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] تاریخ درج نہیں۔

[2] سابق صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی۔

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آرٹس کالج۔ عثمانیہ یونیورسٹی

حیدرآباد دکن

۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

برادر محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الفاظ کے بار کو میرے دل کی وہ کیفیت برداشت نہیں کرسکتی یا الفاظ ہی اس کیفیت کا بار اٹھا نہیں سکتے جسے اس وقت اپنے دل میں پا رہا ہوں۔ حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آں برادر کی محنت ٹھکانے لگی۔ سجدۂ شکر بارگاہِ رب العزت میں ادا کیجیے کہ آپ کے تینوں ممتحنوں نے بالاتفاق آپ کے مقالہ پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی منظوری عطا کر دی، صرف منظوری ہی نہیں بلکہ بحمد اللہ آپ کے متعلق جو الفاظ بیرونی ممتحن

نے لکھے ہیں، میری توقع سے بہت زیادہ ہیں۔

ڈاکٹر کریم حیدر صاحب[1] نے دریا ہی بہا دیا ہے۔ جوش میں آ کر انھوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ امیدوار موصوف جامعۂ عثمانیہ کے لیے باعث فخر ہیں اور آپ کے کام کو نظیر میں پیش کرتے ہوئے ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں کے مقابلہ میں اس قسم کے اقدامات کو جامعہ عثمانیہ کا طغرائے امتیاز قرار دیا ہے۔ آخر میں انھوں نے آپ کے لیے خود اپنی تجویز پیش کی ہے کہ چھ سو روپے ماہوار وظیفہ تین سال کے لیے ان کو عطا کیا جائے تاکہ فلاں مقامات میں جا کر اپنے اس مضمون کی تکمیل کریں۔ ان کا کوئی خاص نقطۂ نظر اس باب میں ہے، تفصیلات اصل رپورٹ میں پڑھیے گا۔

ڈاکٹر کرنکو (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) نے بھی کافی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بغیر کسی دغدغہ کے میں اس کی سفارش کرتا ہوں کہ امیدوار کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیا جائے۔

میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے رشید و سعید طلبہ کی خدمت کا موقع حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا۔ والسلام

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر ایل کے حیدر، سابق صدر شعبۂ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶ر جنوری ۱۹۴۸ء

۲۳ر صفر ۱۳۶۷ھ

عزیز محترم اعزکم اللہ فی الدارین السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا عنایت نامہ مجھے کل شام کو ملا۔ آپ کی توجہ فرمائیوں کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ کی کوششوں کا سلسلہ جاری ہے، میں نے محض آپ کے فکری بار کو ہلکا کرنے کے لیے وہ اطلاع دی تھی۔

یہ سن کر گونہ مسرت ہوئی کہ حالات اس طرف کے کچھ اطمینان بخش ہیں لیکن اخباروں میں تو طرح طرح کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کیا کر سکتے ہیں جو لکھوں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

آپ کی استانی صاحبہ[1] نے لفافہ کھلوا کر مجھ سے لکھوایا ہے کہ آپ کو لکھ دوں کہ چھینٹ گاڑھا خوبصورت دس بارہ گز کر سے کام کا اگر مل جائے تو براہ مہربانی اس کا خیال فرمایئے گا۔ اور جیسے پہلے دھوتیاں آپ نے لا کر دی تھیں اگر اب کی بھی مل جائیں تو دھیان رکھیے گا۔ آج کل شکر کی سخت قلت محسوس ہو رہی ہے مگر جو حال عین کا ہے وہی غین کا ہے۔ کیا لکھوں یوں ہی لکھ دیا ہے شاید امکان نکل آئے۔ فقط

نیاز مند دعا گو

مناظر احسن گیلانی

---

[1] اہلیہ محترمہ مولانا گیلانی

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶ر نومبر ۱۹۴۹ء

گیلانی۔ پی او بر بگھا

ضلع مونگیر

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کرم نامہ ہفتہ دن سے بھی شاید زیادہ زمانہ سے آیا ہوا رکھا ہوا ہے، جواب کا ارادہ کرتے کرتے آج نوبت آئی ہے۔ ابتدا ہی میں لکھ دیتا تو لکھ دیتا، مگر آپ نے ارقام فرمایا تھا کہ کچھ دن کے لیے ترکِ مستقر فرمائیں گے، اس لیے وقت پر نہ لکھا۔ اب شرمندہ ہوں کہ خواہ مخواہ جواب کے انتظار کی تکلیف میں میری وجہ سے آپ کو مبتلا ہونا پڑا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ بحمد اللہ تا دمِ تحریر جس حد تک بعافیت اس زمانے میں رہنا ممکن ہے بخیریت

ہوں۔

جی ہاں آپ کی چیزیں نظر سے گزر رہی ہیں۔ جبرائیلی پیغام غالباً اسی سلسلہ کی چیز تھی۔ میری اُن مسرتوں کا آپ کو بھلا کیا اندازہ ہوگا، جب آپ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو فعلیت کے رنگ میں دیکھتا ہوں، کچھ افسوس اگر ہوتا ہے تو اسی کا ہوتا ہے کہ کاش! آپ جیسے رفقاءِ کار اپنے عمل کے دنوں میں میسر آجاتے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے سیمینار کے کام کو سنبھال لیا، کتابیں منگوا رہے ہیں، آپ کے ظہرانہ کی مجلسوں کی خبر سن سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگوں کو یہ نہ سوجھی۔

اور کسی مجلس میں میری حاضری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن مجلس القصعة سے شاید میری روح غیر حاضر نہیں ہوسکتی، امید ہے کہ آپ نے ''دعوت و تبلیغ'' کے مضمون کا کافی مطالعہ کر لیا ہوگا، مواد بہت کم ملتا ہے۔

اکبر علی صاحب متعلم ایم اے آخری کے پاس اسلام کے ابتدائی ایام کی تبلیغی تاریخ کا ایک سرسری خاکہ فقیر کا نوٹ کرایا ہوا موجود ہوگا، غالباً فارغ ہو کر وہ جا چکے ہوں گے۔ اس میں کچھ اشارات ایسے ضرور تھے جن سے آئندہ آپ کو راستہ کے صاف کرنے میں ممکن ہے مدد مل جاتی، بہرحال یہ مضمون توجہ کے قابل ہے اور ضرورت ہے کہ "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" پر جس قرآنی ثمرہ کا غیر مشروط وعدہ کیا گیا ہے، یعنی "فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" اس کے تجربے پر چاہیے کہ لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔ عدم تشدد کی پالیسی میرے نزدیک ایک سلبی طریقہ کار ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کے اظہار کے بعد یعنی لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ایک ایجابی طریقہ عمل کے تجربہ کا مشورہ دیا گیا ہے، جس کا مطلب بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ السّیئة کے مقابلہ میں "الحسنة" کو پیش کیا جائے۔ بہرحال السّیئة کا جواب السّیئة سے نہ دینا، میں اسی کو سلبی طریقہ کار کہتا ہوں مگر "السّیئة" کے مقابلہ میں "الحسنة" کے ساتھ آگے بڑھنا بھی قرآن کا ایجابی مطالبہ ہے، "السّیئة" کے جواب میں "السیئة" اس کی نتیجہ بخشی بہت سی شرائط کے ساتھ مشروط ہے، مگر "الحسنة" سے "السیئة" کا جواب ہر ایک کے لیے ہر حال میں ممکن ہے۔ اس کا تجربہ کیوں نہ کیا جائے۔ ولایتِ حمیم کا حصول قرآن اس کا لازمی نتیجہ بتاتا ہے۔

آج کل مولانا محمد قاسم کی سوانح عمری کی ترتیب میں وقت بحمد اللہ گزر رہا ہے، کبھی کبھی اسی کے ساتھ کچھ چھوٹے بڑے کام اور بھی ہو جاتے ہیں۔ دجال فتنہ کے ساتھ سورۂ کہف کا جو تعلق ہے، اب تک اس کو مرتب کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا، ایک قسط اس کی ''الفرقان'' میں شائع ہو چکی ہے دوسری بھی ان شاء اللہ تیار ہے۔ آپ کو جن معلومات کی فراہمی کی تکلیف فقیر نے دی تھی کچھ تو مولانا فضل اللہ صاحب نے لکھ کر بھیج دیا، اور مقامی طور پر خود اسی اطراف میں کتابیں مل گئیں، اب ضرورت باقی نہ رہی۔

حالات درس و تدریس و نصاب وغیرہ سے وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیے۔ میرے جاننے والے طلبہ تو اب کالج سے جا چکے ہوں گے۔ بہر حال جو موجود ہوں ان سے فقیر کا سلام عرض کر دیجیے اور یہ کہ خاتمہ بالخیر کی دعا کر لیا کریں اگر کبھی یاد آ جاؤں۔ اپنے رفقاء جدید خصوصاً برادر عزیز مولوی سید عبدالرزاق قادری جعفر کو بہت بہت سلام فرما دیجیے اور ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب و مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں اس فقیر کا سلام بصد نیاز و ادب پیش کرتے ہوئے فرما دیجیے۔

تو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بہ یاد آر حریفان بادہ پیما را

مولانا الشاہ الصوفی الاستاذ فضل اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں میرا سلام اور یہ کہ آپ کی تکلیف فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ ان کے مرسلہ نوٹس سے بڑی مدد ملی، ان کی خدمت میں فقیر کا ایک مختصر سا رقعہ جو اسی کے ساتھ منسلک ہے پہنچا دیجیے۔ صاحب الوثائق[1] کو جب خط لکھیے تو فقیر کا سلام ضرور لکھ دیا کیجیے۔ معلوم نہیں کہ ان کے لیے کیا فیصلہ کیا گیا۔ فقیر نے تو سارا زور ان ہی کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ فقط

فقیر مناظر احسن گیلانی

البطل الحمید[2] والرجل الرشید صاحب[3] کی خدمت میں اس فقیر کا سلام ضرور پہنچا دیجیے۔ ہر ہفتہ ان کی غیر معمولی جسارت و عزم کو دیکھ کر دعا کرتا رہتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے ع

اے رُوسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

۱ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مرتبہ اس کتاب کا مکمل نام الوثائق السیاسة فی عهد النبوی والخلافت الراشده ہے اور یہ بیروت سے شائع ہوئی۔
۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۳ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، مولانا گیلانی کے شاگرد اور سابق صدر شعبۂ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰ر فروری ۵۰ء
گیلانی (بہار)

عزیز محترم برادر رفیع القدر ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا گرامی نامہ مل گیا ہے، جواب تاخیر سے دے رہا ہوں، بعض مکروہات دنیا میں الجھا ہوا تھا۔ گیلانی گھسے باہر تھا اب واپسی ہوئی ہے، جواب دے رہا ہوں۔ آپ نے جن الفاظ میں اس ازکارِ رفتہ پیر فرتوت کے متعلق اپنے حسنِ ظن کا اظہار کیا ہے بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ بے ساختہ ان الفاظ کے پڑھنے سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ لوگوں کی صحبت یاد آئی۔ اب علمی زندگی سے دُور ایک گوشہ میں پڑا ہوا ہوں صرف اس وقت کا انتظار رہتا ہے جو بہر حال سامنے آنے والا ہے، اس جہلِ مطلق سے جو کچھ بن آیا کرتا رہا، وقت کام کا آپ لوگوں کے لیے ہے۔ دل مسرور ہوتا ہے کہ بحمد اللہ آپ اس کام میں مشغول ہیں جس کی آرزو رکھتا تھا۔ ان شاء اللہ آپ جیسے نوجوانوں کی صحبت و رفاقت ان لوگوں کے خیالات میں بھی جوانی پیدا ہو جائے گی جن کے اندر آپ کو پیری کے جراثیم نظر آتے ہیں۔ ان کی مدد کیجیے اور کام کی راہیں انھیں دکھلائیں۔ ''اسلامی عمرانیات'' کا موضوع واقعی توجہ کا مستحق ہے۔ آج کل بانی دار العلوم دیوبند کی سوانح عمری میں مشغول ہوں۔ یہ بڑا اہم کام ہے دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ اس کام کو اپنے اس حقیر بندے ظلوم اور جہول پر آسان فرما دیں۔ اس سے اگر فرصت ہوئی اور زندگی میں بھی کچھ وقفہ میسر آیا تو کسی دوسرے مضمون کی طرف توجہ کروں گا۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جیسے اسلامی معاشیات نے ایک مستقل فن کی حیثیت آپ کی توجہ کی بدولت اختیار کی اسی طرح ''اسلامی عمرانیات'' کا

بھی آپ کی توجہ سے دنیا کے علوم وفنون کی فہرست میں ان شاء اللہ اضافہ ہوگا۔

اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے مقالہ کی اشاعت کی صورت نکل آئی۔ حق تعالیٰ کی کرم فرمائیوں کا مطالعہ ان ہی تجربات میں کیجیے۔ کتاب کی اشاعت کے سوا اس کی بھی خوشی ہوئی کہ اس زمانے میں آپ کو اپنا حق بھی مل گیا۔ علم میں ان شاء اللہ ایک غیر معمولی اضافہ آپ کی اس کتاب سے ہوگا۔ ایک نسخہ مجھے ضرور دیجیے گا۔ سائز بھی کتاب کا مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہاں تک چھپ چکی ہے۔

ہمارے دوست خان حمید نے درحقیقت بڑی غیر معمولی ہمت سے کام لیا۔ ان کا پرچہ مسلسل مل رہا ہے۔ میں اس میں ضرور لکھتا مگر کیا بتاؤں کہ کن حالات میں گھرا ہوا ہوں۔ ان کو بڑے اچھے لکھنے والے بھی مل گئے ہیں اور سب سے بڑی چیز خود ان کی محنت ہے۔ کہاں کہاں سے وہ چیزیں چُنتے ہیں۔ میرا سلام ان سے عرض کر دیجیے گا۔ ان شاء اللہ میں کچھ ضرور بھیجوں گا۔ حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اشاعت کا دائرہ اس پرچہ کا وسیع ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ میں بالکل کوردہ گاؤں میں پڑا ہوا ہوں، شاید کسی شہر میں رہتا تو اس کی اشاعت کی کوشش کرتا۔

دکتور پارلیس[1] کے سوالات پہلے بھی ملے تھے اور بعد کو ایک کارڈ خصوصی بھی آپ کا ملا ان کو لکھ دیجیے گا اس طرف بجز مقالات کے کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ 'تدوینِ حدیث' کا محاضرہ چہارم ''برہان'' دہلی کو دے دیا ہے۔ سوسوا سو صفحات سے بھی زیادہ یہ حصہ ہوگا۔ نظرِ ثانی حال ہی میں کی۔ اس کے بعد قابلِ اشاعت نظر آیا بھیج دیا ہے۔

باقی جو سوالات انھوں نے کیے ہیں، جواب کافی تفصیل کا طالب ہے تاہم ممکن ہو تو ان چند سطروں کو ان کی خدمت میں بھیج دیجیے جو علیحدہ اس کے ساتھ منسلک ہیں۔

چند امور کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو آپ بھی مولانا فضل اور مولانا محمد علی وغلام دستگیر رشید صاحب کے ساتھ ان امور میں مدد کیجیے۔

(۱) میرا معاوضہ ممتحنی کا اب تک وصول نہیں ہوا۔ مولانا فضل صاحب کو لکھا تھا۔ توجہ کا وعدہ فرمایا ہے آپ بھی اس معاملہ میں ان کی دستگیری کیجیے۔ ان پر کچھ پیرانہ سالی کا اثر غالباً زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس معاملہ میں مولوی محمد علی صاحب سے بھی کہیے کہ اپنے اس نیازمند

قدیم کی خبر لیں۔

(۲) غلام دستگیر صاحب رشید پروفیسر نظام کالج کو لکھا تھا کہ سیّد عبدالرزاق اعظم اسٹیم پریس کے مالک سے ''اسلامی معاشیات'' کی چند جلدیں وصول کر کے بھیجیں۔ آپ کی بھی سیّد عبدالرزاق صاحب سے اگر ملاقات ہو تو میرا سلام فرما کر ان سے کہیے کہ ''الدین القیم'' کا قصہ ختم ہو گیا۔ ہم نے بھی ختم کر دیا تاہم انھوں نے یہ کتاب طبع کی ہے کچھ نہیں تو ''اسلامی معاشیات'' کی کچھ کاپیاں دیں اور الغفاری یعنی حضرت ابوذر غفاریؓ کی سوانح عمری کا بھی ایک نسخہ۔ ''النبی الخاتم'' ایک صاحب نے رشید صاحب کے توسط سے لی تھی، پھر پتہ نہ چلا کہ اس کا کیا ہوا؟

ایک خط نواب علی یار جنگ بہادر[۲] کے نام اس میں شریک کرتا ہوں۔ اگر آپ کو مضائقہ محسوس نہ ہو تو کسی موقعہ سے ان کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔

اپنے رفقاء کار ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب و مولوی سیّد عبدالرزاق صاحب و مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچا دیجیے۔

مناظر احسن گیلانی

---

[۱] ڈاکٹر محمد حمید اللہ جو اس وقت پیرس (فرانس) میں مقیم تھے۔ اسی نسبت سے مولانا گیلانی نے محب پارسی، دکتور پاریس، دکتور پارسی وغیرہ لکھا ہے

[۲] سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی۔

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عجیب بات ہے کہ ادھر چند دنوں سے نہ معلوم آپ کی یاد کیوں مسلسل ستا رہی تھی۔ آخر دل کے اس حال کا علاج اپنے اس معروضہ سے کیا جو غائبًا مل چکا ہوگا کہ ٹھیک اسی دن آپ کا لفافہ ملا۔ حق تعالیٰ کا شکر بجا لایا کہ آپ کی کتاب میری زندگی میں شائع ہو گئی، اگرچہ صرفہ کافی عائد ہوا، لیکن کتابوں کی تجارت کا جو اصول ہے

اگر اس کی پابندی کی گئی، اور خانۂ مروت نے راہ نہ پایا تو ان شاء اللہ اس صرفہ کی تلافی ہو جائے گی۔ اب ہر ڈاک سے آپ کی کتاب کا انتظار رہے گا۔ جہاں تک جلد ممکن ہو روانہ فرمائیے، اور ممکن ہو تو ''اسلامی معاشیات'' میری کتاب کا ایک نسخہ بھی کہیں سے حاصل کر کے روانہ کر دیجیے گا، قیمت ارسال کر دی جائے گی۔

آپ نے خاکسار کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ حیدر آباد اب کہیں ہے بھی، تاہم جی چاہتا ہے کہ آؤں، لیکن عمر کے تقاضے سے مجبور ہوں۔ سفر کے نام سے جی گھبراتا ہے۔ بڑے سفر کی تیاری نے چھوٹے سفروں کے خیال کو دل سے نکال دیا۔ دو سال پورے ہونے کو آئے ہیں اس کوردہ گاؤں[1] سے بجز دو ایک دفعہ وہ بھی ایک دو دن کے لیے قدم باہر نہ نکل سکا۔ اس کی امید تو ''لیـــــت'' ہی کے لفظ سے کر سکتا ہوں کہ آپ اس ویرانہ کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشیں گے۔ بہر حال ابھی وقت باقی ہے۔ خدا کرے امن راہ کی صورت زیادہ بہتر ہو جائے۔

مولوی عبد الحمید خان صاحب سے بہت شرمندہ ہوں۔ ایک ایسی جگہ آ کر پڑ گیا ہوں جہاں نہ کوئی مجھ ہی سے ملنے کے لیے آ سکتا ہے اور نہ میرے لیے کہیں جانے کی صورت نکلتی ہے، حد یہ ہے کہ ''صدق'' کا جنازہ نکل گیا اور ہم کھڑے دیکھتے رہے۔ مجبوری کی یہ آخری حد ہے، ان سے بہت بہت سلام کہہ دیجیے۔ مفصل خط ان کو الگ لکھوں گا۔ یہ صرف آپ کے لفافہ کی رسید ہے۔

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

---

[1] گیلانی۔

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتوبر ۱۹۵۰ء[1]

گیلانی (بہار)

اخونا الراشد البار التقی الدکتور یوسف الدین اید نا اللہ وایا کم بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مدت کے بعد آپ کی خدمت میں یہ کارڈ ارسال کر رہا ہوں۔ پچھلے دنوں کچھ طبیعت اچھی نہ رہی، اس لیے کوئی کام نہ ہو سکا۔ زکوٰۃ کے مسئلہ پر آپ نے تو ان شاء اللہ اچھا کام کیا ہوگا، کاش! فقیر بھی وہاں ہوتا تو دیکھتا۔ آپ لوگوں کی علمی جستجو اور تلاش سے دل خوش ہوتا ہے۔ ہمارا کیا ہے ٹمٹماتا ہوا چراغ ہوں، اب بجھا کہ تب بجھا۔

کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

خدا کرے آپ کی کتاب پریس سے نکل آئی ہو۔ بڑا انتظار رہتا ہے۔ کراچی کے رسالے ''چراغِ راہ'' نے ایک نمبر ہی ''اسلامی معاشیات'' کے لیے نکالنا چاہا ہے، مجھے بھی لکھا تھا لیکن اب میرے لیے ان مشاغل کا موقعہ کیا ہے۔

ع اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو، پر بند

شاید آپ کو بھی لکھا ہو، کچھ لکھ کر بھیج دیتے تو اچھا تھا۔ بہرحال وَاِنّی اخُوكَ الدائم العهد لم اخُن۔

قدرت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ میری کتابیں میرے پاس رہنے نہیں پاتیں۔ لوگ مانگ کر لے جاتے ہیں، پھر مانگ کر ہبہ کی شکل دے دیتے ہیں۔ ''اسلامی معاشیات'' کا کوئی نسخہ میرے پاس نہیں رہ گیا ہے۔ معلوم نہیں حیدر آباد میں اب یہ کتاب ملتی بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو موقعہ ملے تو ذرا دریافت کیجیے گا۔ اعظم اسٹیم پریس والوں کے ہاں آپ کی کتاب بھی تو چھپ رہی تھی، وہیں سے وہ بھی شائع ہوئی تھی۔ اگر ملتی ہو تو مطلع فرمائیے گا تاکہ قیمت ارسال کر دوں۔ قیمت بھی کیا لیں گے، اس کا لکھیے گا۔ اور جو حالات قابل ذکر و تحریر ہوں ہو سکے تو ان سے مطلع کیجیے ورنہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۔ یہی ہوتا رہا ہے، ہوتا رہے گا۔ ہماری آنکھیں صرف دیکھنے کے لیے ہیں۔ اللہ بس، باقی ہوس۔

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

۱؎ مکمل تاریخ درج نہیں۔

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶رنومبر ۱۹۵۰ء
گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدّین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا نوازش نامہ جس زمانہ میں باعث سرفرازی ہوا، خاکسار اس زمانہ میں پٹنہ جارہا تھا۔ عربی، فارسی کی ترقی کے لیے حکومت بہار نے ایک کمیٹی ماہرین کی مقرر کی ہے جس کا ایک رکن خاکسار کو بھی بنایا گیا ہے، اسی کمیٹی کا افتتاحی اجلاس پٹنہ میں تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ اسی قصہ کی نذر ہوا۔ خیال تھا کہ واپسی پر آپ کی کتاب ملے گی، لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ اسباب کیا پیش آئے کہ کتاب نہ ملی۔ ''اسلامی معاشیات'' میری کتاب اگر بازار میں نہ ملتی ہو تو اس کو چھوڑ دیتے آپ اپنی کتاب تو بھیج دیتے۔ اس کارڈ کو صرف اسی لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ کو پھر یاد دلاؤں۔ شدّت کے ساتھ آپ کی کتاب کا مجھے انتظار ہے۔

آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ بزمِ دینیات کو آپ لوگ نہ صرف زندہ رکھے ہوئے ہیں بلکہ ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب اگر اس سے دلچسپی لیتے رہے تو امید ہے کہ اس کی نوجوانی واپس آجائے گی۔ ڈاکٹر صاحب سے میرا بہت بہت سلام کہہ دیجیے۔ ان کے بھائی صاحب کا پتہ کچھ چلا یا نہیں؟ اس سے بھی ضرور مطلع فرمائیے گا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو مستفید کرنے کا ارادہ اگر فرمالیں گے تو لوگوں کو بہت کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں۔

بہار والی کمیٹی میں ڈاکٹر عبدالمعید صاحب؎ کو مطلع کر دیجیے گا کہ ان کا بھی انتخاب ہوا ہے، توقع ہے کہ بہار اس بہانے سے وہ آئیں گے۔

آپ نے خاکسار کو دکن طلب کیا ہے اس سے پہلے ہمارے دوستوں نے تو سفر خرچ بھی بھیج دیا ہے لیکن اپنا حال اس کے سوا اور کیا عرض کروں کہ اور کسی کو پنشن وقت پر ملتی ہو یا

نہ ملتی ہو لیکن مجھے تو ٹھیک زندگی کی اسی منزل میں کام سے سبکدوش کیا گیا جب کام کی صلاحیت کھو چکا تھا۔ اب تو ایک زندہ استخوانی ڈھانچے کے سوا میں اور کچھ نہیں رہ گیا ہوں، سفر اور ریل کا تصور بھی اب اس کے لیے دشوار ہے جو سال بھر میں دو، دو طویل سفر بہار سے دکن کا اور دکن سے بہار کا کرتا تھا۔ اب تو دعا کرنے کے سوا کم از کم اپنے وجود کا کوئی دوسرا صحیح استعمال نہیں معلوم ہوتا۔ وقت آپ لوگوں کے کام کا ہے، بحمد اللہ وہ کر رہے ہیں۔

آپ کے مکتوب کے مضامین سے قلب کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ضرور یاد فرمالیا کیجیے۔ صاحب "الھدیٰ" کو سلام فرما دیجیے۔ خدا کا شکر پھر نکل آیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔

مولانا فضل صاحب سے بھی سلام فرما دیجیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل اس فقیر سے مولانا کچھ خفا ہیں۔ قطعی طور پر مراسلت کا سلسلہ انھوں نے منقطع فرما دیا ہے۔ بہ ظاہر کوئی سبب اس مجہول خفگی کا معلوم نہیں ہوتا۔ "اطلاقی تصوف" کے مسودہ کا غیر مطبوعہ حصہ اگر گم ہو گیا ہے تو اسی کی خبر دیتے، لیکن جس نے کوئی قصور نہیں کیا ہے اس کے ساتھ مجرموں کا برتاؤ مولانا نے کیوں اختیار فرمایا ہے۔ فقط

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر عبدالمعید خان سابق ڈائریکٹر دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ پیدائش: ۱۹۱۰ء۔ وفات: ستمبر ۱۹۷۳ء

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ فروری ۱۹۵۱ء

گیلانی (بہار)

ڈاک خانہ بربگھا۔ ضلع مونگیر

برادر محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ وایدکم بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ جانتے ہوئے کہ آپ ادھر چند مہینوں تک اجتماعی مشاغل میں الجھے ہوئے ہوں گے، خاکسار نے خط لکھ کر خلل اندازی کرنے میں احتیاط کی

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی اپنے اس قدیم نیاز مند کو بھلا دیا۔ حالانکہ اس ناسوتی دنیا سے بے تعلق ہونے کے بعد فاتحہ خوانی کی توقع جن چند مخلصوں سے دل رکھتا ہے ان میں نمایاں ترین ہستی آپ کی بھی ہے۔ مگر ابھی جب کہ قبر کے قریب تو آلگا ہوں لیکن اس میں داخل نہیں ہوا ہوں، ابھی سے آپ لوگوں نے بھلانا شروع کر دیا ہے تو از پس من فاتحہ خوانم باقیست کی امید بھی بظاہر بست الی المہد ہو کر رہ جاتی ہے۔ زمانہ سے آپ کا حال بھی نہیں معلوم، کسی دوسرے نے بھی کوئی اطلاع نہ دی۔

آج دیر تک دل کو آپ کی یاد ستاتی رہی۔ خیال گزرتا ہے کہ شاید فقیر کے نہ آنے سے یہ سوچ کر کہ قدرت رکھتے ہوئے سفر کی تکلیف میں نے نہ برداشت کی شاید کچھ ملال خاکسار کی جانب سے ہو گیا ہے۔ اگر یہ وسوسہ میرا صرف وسوسہ نہیں ہے تو آپ کو کیسے باور کراؤں کہ جو صورت بھی پیش آئی ہے صرف مجبوریوں ہی کے تحت پیش آئی ہے۔ روز بروز میرے قویٰ زوال پذیر ہیں اور ان کو زوال پذیر ہونا ہی چاہیے۔ یہی تو انحطاط کا زمانہ ہے، دل کے انحطاط کا، دماغ کے انحطاط کا، جسم کے انحطاط کا۔ کبھی کبھی کچھ لکھ لیتا ہوں اسی پر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کے ساتھ فقیر کے تعلقات اتنے سطحی نہیں ہیں جن کو تر و تازہ رکھنے کے لیے جسمانی بقا بھی ضروری ہو۔ ایک مقام دل میں آپ کا بن گیا ہے وہ بہرحال بنا رہے گا۔ بھول جانے کی سزا کا ارادہ بھی نہ فرمائیے گا۔ اب بھی یاد رکھیے اور جب آپ کو یہ اطلاع ملے کہ آپ کا یہ قدیم خادم اس دنیا سے چلا گیا تو علمی دنیا سے کچھ فائدہ پہنچانے کی کوشش ضرور کیجیے گا کیوں کہ کلیتہً خالی داماں جا رہا ہوں۔

ساٹھ سال کی طویل مدت ملی لیکن لہو ولعب میں یہ سارا وقت برباد ہی ہوتا چلا گیا۔ ارحم الراحمین کے سوا اور کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس پر نگاہ جمے۔ میرے آنے جانے کا تو خیال ہی نہ کیجیے۔ ایک مُردہ زندوں میں خدا جانے کس طرح سے اب تک شریک ہے۔

آپ کی کتاب کا بھی کبھی کبھی خیال آتا ہے۔ ڈاک سے جب کسی کتاب وتاب کا پارسل ملتا ہے تو خیال گزرتا ہے کہ آپ نے اپنی کتاب بھیجی ہوگی لیکن کھولنے پر مایوسی کا پارہ وہیں پر آجاتا ہے جہاں سے چڑھا تھا۔

اخباروں میں محب پارسی کی کتاب ''رسول اللہ کی سیاسی زندگی'' کا ذکر آج کل مختلف

طریقوں سے آرہا ہے۔ ماجد میاں[2] نے بھی اس کتاب کی غیر معمولی تعریف کی ہے لیکن اس کے مطالعہ سے بھی محروم ہوں۔ کہاں ملتی ہے۔ حیدر آباد کے کسی تاجر کے ہاں اس کے کچھ نسخے رکھوائے گئے ہوں تو ایک جلد میرے نام ویلو کرادیجیے۔

آج کل دار المصنفین اعظم گڑھ کی جدید تنظیم کے سلسلے میں مجھ پر زور ڈالا جارہا ہے کہ میں اعظم گڑھ پہنچوں، بہت معذرت کررہا ہوں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دس پانچ دن ہی کے لیے شاید مجھے جانا ہی پڑے۔ یہاں سے آٹھ، نو گھنٹوں کا سفر ریل کا ہے۔ اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں۔ اپنی خیرت سے مطلع فرمائیے۔ اساتذہ شعبہ ڈاکٹر ظہیر صاحب، مولانا فضل صاحب کو سلام۔ اور تو سب شاید گئے۔

فقط خاکسار
مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ
[2] مولانا عبد الماجد دریابادی

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ر مارچ ۱۹۵۱ء
گیلانی (بہار)

رفیع القدر، عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً آپ کو اطلاع دے چکا ہوں کہ اعظم گڑھ دار المصنفین کی تنظیم جدید کے سلسلے میں جارہا ہوں۔ ہو آیا، واپسی پر لکھنؤ کا بھی پھیرا ہو گیا۔ دار المصنفین میں میری حاضری پہلی دفعہ تھی۔ ایک کمیٹی مجلسِ عاملہ کی بنادی گئی، پانچ ارکان پر مشتمل ہے جس میں ایک رکن فقیر بھی رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ کہ مسلمانوں کے اس ادارے کی حالت اطمینان بخش ہے۔ حیدر آباد کی امداد جاری ہونے کے بعد پھر بند ہو گئی ہے لیکن امید قوی ہے کہ پھر جاری ہو جائے۔ اس سال باوجود ناسازگار موسم کے بہ نسبت گزشتہ سال کے دس ہزار کی زائد آمدنی ہوئی۔ ایک لاکھ سے اوپر آمدنی بھی ہے اور خرچ بھی قریب، قریب

اسی قدر ہے۔ اچھا علمی ماحول ہے۔ کتب خانہ مصنفین کے لیے اکسیر ہے۔

واپسی پر آپ کا مفصل و مبسوط نوازش نامہ ملا۔ مجھے آپ کے مشاغل کا پہلے ہی سے اندازہ تھا۔ تفصیلات کے علم سے جو مسرت ہوسکتی تھی، اس کا آپ ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ خوش ہوں کہ جامعہ لے کے اس شعبہ کو خالی چھوڑ کر نہ آیا۔ مگر شاید شعبہ کی تاریخ ہی یہ رہی ہے۔ ابتداء قیام میں (پروفیسر الیاس) برنی صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک بیل سے اتنی بڑی بنڈی کہاں تک گھسیٹی جائے گی۔ خدا کرے کہ آپ کے دل کی لگی، دوسروں تک بھی منتقل ہو جائے۔ (ڈاکٹر محمد) غوث صاحب آپ کے اچھے رفیق ہیں۔ کیے جائیے اور نظر مالک الملک کی نظر کرم پر رکھیے۔ آپ نے اپنے جس مضمون کے ترجمہ کا تذکرہ کیا ہے یعنی ''مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں غیر مسلم اقوام کا حال'' اور اس مضمون کو حسنِ قبول مشرق و مغرب میں جو حاصل ہوا، سب حق تعالیٰ کا احسان و فضل ہے۔ علم کو دین کا خادم بنا کر استعمال کرتے رہیے گا، تو دین آپ کو دنیا بھی دے گا اور دین بھی۔

رفیق باریس کی کتاب کی تلاش اعظم گڑھ سے لکھنؤ تک جاری رہی، مَن جدَّ وَجدَ، دار المصنفین ہی میں ایک زائد نسخہ آیا ہوا رکھا تھا جو مجھے ہبۃً مل گیا۔ کتاب کیا لکھی ہے انکشافاتِ جدیدہ کا ایک عجیب ذخیرہ ہے، حیرت انگیز معلومات، حیرت انگیز نتائج۔ ڈاکٹر صاحب بار بار یاد آتے رہے۔ صورت ان کی نظروں کے سامنے سے ہٹتی نہیں۔ علم کے غنچہ میں دین کی وکالت کا حق انھوں نے ادا کر دیا۔ آپ اگر ان کو کچھ لکھیں تو میری طرف سے لکھ دیجیے گا کہ ایک کوردہ گاؤں کی مسجد میں بیٹھا ان کا نیاز مند ان کے لیے سراپا دعا بنا ہوا ہے۔ ہمیں اسی قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ایک آدمی اگر ایسا پیدا ہو گیا، تو جو نا پید کیے گئے، ان کی تلافی کے لیے کافی ہے۔ بہر حال اب اس کتاب کی تلاش کی زحمت نہ اٹھائیے۔ حق تعالیٰ نے پہنچادی۔ اب آپ کی کتاب کا انتظار رہے گا۔ ناشر نے غضب ہی ڈھا دیا خیر اب تیار ہو گئی ہوگی۔

''الھدیٰ'' بے چارے کے مدیر کی آزمائشوں پر کیا عرض کروں۔ دل کتنا مکروب و مخزون ہے۔ آپ نے یہ خبر سنا کر کہ اب گونہ اچھے ہیں، کچھ تکلیف میں خفت پیدا کیا۔ میرا سلام پہنچا دیجیے۔

ماجد میاں[3] صاحب 'صدق' سے بھی اس ہفتہ سفر میں خوب خوب ملاقاتیں رہیں۔ وہ بھی خان الھدیٰ کے حد سے زیادہ مدّاح، اوران کی حقائق گوئی حق رسانی کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔

آپ نے اس فقیر کے احساس پیرانہ سالی پر جھنجھلاہٹ ظاہر فرمائی ہے۔ قیاس کرنے کے لیے چند دیا قراطیسی نمونوں کا ذکر فرمایا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ صرف جینے کا کیا فائدہ اگر اس جینے کی قیمت نہ حاصل کی گئی۔ صبح کو شام، شام کو صبح کرتے ہوئے قبر تک پہنچ جانا یہ بھی کوئی زندگی ہوئی۔ بہرحال دعا کیجیے تو اس کی کیجیے کہ کچھ کام میں یہ چند لمحات صرف ہوں، جو باقی ہیں۔ دشواریوں ہی میں محنت کی لذّت و قیمت ملتی ہے۔

آپ نے ترکی زبان کا امتحان دیا، اوّل نمبر میں کامیاب ہوئے، اس کی مبارکباد دیتا ہوں۔ غالباً مولانا عبدالمامون صاحب سے ترکی سیکھی ہوگی۔ اس زبان میں کچھ کام اسلام پر ہوا ہے۔ اس کو اردو میں منتقل کیجیے۔ جب ترکی جانے کا قصد مصمم ہو جائے تو مجھے بھی مطلع کیجیے گا، کم از کم وہاں کے کتب خانوں کی سیر ضرور کیجیے گا اور نادر مخطوطات کی فہرست لائیے گا۔ دائرۃ المعارف کے لیے نقلیں یا فوٹو کے ملنے کے امکانات تلاش کیجیے گا۔ اس کو بھی ٹٹولیے گا کہ کمالی[4] ذہنیت کا اثر اس قوم پر کس حد تک ہے، اور کچھ سراغ مل سکے تو اشترا کی علاقوں کے مسلمانوں کے واقعی حالات بھی دریافت کیجیے گا۔ میرے لیے بھی کوئی کتابی تحفہ مل سکے تو تلاش کیجیے گا، خصوصاً بائبل کے متعلق کوئی علمی کتاب یا قرآنی قصص کے سمجھنے میں جس کتاب سے مدد مل سکتی ہو۔ غوث صاحب سے بھی سلام کہہ دیجیے گا۔ یہی فرمائش ان سے بھی ہے اور کیا عرض کروں۔

اس سفر سے تجربہ ہوا کہ سفر کے قابل میری صحت نہیں رہی ہے۔ والسلام

مناظر احسن گیلانی

---

1. جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔
2. ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔
3. مولانا عبدالماجد دریابادی۔
4. مصطفیٰ کمال اتاترک۔

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیلانی

۳۱ر مارچ ۱۹۵۱ء

متاع گرانمایہ، سرمایۂ افتخار، عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دل جس کے دیکھنے کے لیے بے چین تھا بلکہ شاید جن چند آرزوؤں کے لیے دل چاہتا تھا کہ مٹی کے اس تودے میں کچھ دن اور لوٹوں، شکر ہے کہ ''اجلِ مسمّیٰ'' سے پہلے مفضالِ کریم نے اُسے بھی دکھا دیا۔ یاد آیا آپ کو یاد نہ ہوگا۔ غالباً آپ سال سوم میں ہدایہ پڑھتے تھے کسی اور استاد کے پاس سبق تھا، شاید وہ چلے گئے یا رخصت لی، خاکسار نے پہلی دفعہ غالباً آپ کو اپنے سامنے پایا، آپ کی جسمانی لاغری کو دیکھ کر خیال آیا کہ یہ بیچارے کیا پڑھیں گے، ان سے عبارت بھی مشکل ہی سے پڑھی جائے گی لیکن یہ خیال تھا صرف خیال، وہ دن تھا اور آج وہ دن ہے کہ ایک ایسی کتاب کے مصنف کی حیثیت سے آپ کو دیکھ رہا ہوں، جس کی تصنیف کے متعلق بغیر کسی مبالغہ اور غلو کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی زبانوں میں اس وقت تک تو نظیر اس کی نہیں مل سکتی۔ اللہ، اللہ آپ کی محنت وتلاش، دقیقہ سنجی کا کوئی ٹھکانہ ہے، کتاب پڑھتا چلا جا رہا ہوں حالانکہ پہلے بھی غیر مطبوعہ شکل میں پڑھ چکا ہوں، لیکن اس وقت جو لذت مل رہی ہے، مدت کے بعد کسی کتاب کے مطالعہ میں اتنی لذت ملی ہو۔

ہاں! اسی ماہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی کتاب ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی'' نے وقت کو غیر معمولی طور پر خوش کیا تھا، لیکن آپ کی کتاب کے ساتھ میرے دل کے تعلقات کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ حیدر آباد کے چھوٹنے ہی کا نہیں بلکہ عن قریب جب اس دنیا ہی کے چھوٹنے کا ناگزیر واقعہ پیش آنے والا ہے، بحمد اللہ اس ہجر وفراق کی کوئی تکلیف اب دل میں باقی نہیں رہی ہے۔ اسلام

کی خدمت کے لیے جس قسم کے متوازن دل و دماغ کی ضرورت محسوس کرتا تھا، خدا کا شکر ہے کہ کَمَا یَنبَغِیْ وہ ضرورت آپ کے وجود سے پوری ہوئی اور ہوگی۔ کام کرنے کا ماہرانہ سلیقہ آپ میں پیدا ہوگیا، حق تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ آرزو پوری کی، اس کا شکر کن الفاظ میں ادا کروں۔ اِدھر اُدھر اردو میں آپ کے اندرونی اور بیرونی ممتحوں کی رایوں کو نہ پا کر خیال گزرا یہ کمی کتاب میں رہ گئی لیکن جب پشت کے سرورق کی انگریزی سطروں کو پڑھنے لگا اس میں جواب مل گیا، جگہ بھی اس کے لیے خوب نکالی، بہرحال اس ایک کمی کا احساس دل میں پیدا ہوا تھا، اس کا بھی ازالہ ہوگیا۔

خدا کرے کہ کتاب کی نکاسی کا کوئی معقول نظم ہو جائے۔ جی چاہتا تھا کہ پڑھنے والوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں تاثرات کا اظہار جن الفاظ میں کیا جائے ان سے کبھی کبھی مجھے بھی مطلع فرماتے رہتے، تو میری مسرت میں مزید اضافہ ہوتا۔ اخبار و رسائل میں رائیں جو چھپیں گی ان شاء اللہ وہ تو نظر سے گزریں گی۔ آپ کے کالج میں لوگوں نے پڑھ کر کچھ باتیں کہی ہوں تو ان سے ضرور مطلع کیجیے گا۔

آپ بیرونِ ہند کے سفر پر کب تک روانہ ہوں گے۔ جب روانگی ہو تو کارڈ سے ضرور اطلاع دیجیے گا۔

ڈاکٹر محمد غوث صاحب کی خدمت میں ان کے اس نیاز مند کا سلام پہنچا دیجیے گا۔ آج کل وہ کیا کام کررہے ہیں، اُدھر ان کی کچھ چیزیں نئی کیا شائع ہوئی ہیں؟

آپ کا کالج تو اب بند ہو چکا ہوگا۔ بہرحال عرض یہی ہے کہ جو کچھ بھی لکھا کیجیے اور وہ شائع ہو تو اس کی ایک کاپی اس فقیر کے لیے ضرور محفوظ کرلیا کیجیے۔ اَللّٰھُمَّ ایدہ بِرُوحٍ مِّنْكَ وَیَنْصُرُكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔ آپ کے لیے دعا کر چکا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ میرا کام دعا کے سوا اور باقی ہی کیا رہا ہے۔ فقط خاکسار

مناظر احسن گیلانی

(۱۵)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معلوم نہیں آپ کے نوازش نامہ کے جواب میں جو عریضہ فقیر نے لکھا تھا آپ کو ملا یا نہیں۔ کوئی جواب طلب بات اس میں تھی بھی نہیں۔ ''الھدیٰ'' کے ایک مضمون سے پتہ چلا کہ خط مل گیا تھا۔ ''تبلیغ اسلام'' کی تاریخ کے متعلق آپ نے کیا ارادہ فرمایا۔ بڑا سنگلاخ میدان ہے، معلومات کا شدید قحط ہے۔ آپ نے ان کتابوں کی کچھ واقفیت فرمائی تھی۔ عیسائیت کی اشاعت میں پادری جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کی رپورٹ تو کتابوں میں سکتی ہے اس کو بھی جمع کیجیے اور ضرور مطلع فرمائیں کہ اس راہ کی چیزیں مل رہی ہیں یا نہیں۔

آج کل دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرتب کر رہا ہوں[1]۔ مولانا فضل کو بھی لکھا ہے مگر ان کو فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے، اسی لیے آپ ہی کو لکھتا ہوں۔ کتب خانہ میں دارالحکومت دہلی تمؤلفہ مولوی بشیر الدین بن ڈپٹی نذیر مترجم قرآن اور تذکرۂ علماء ہند، حدائق الحنفیہ[2] میں کتابیں ہیں، ان کتابوں میں سے:

(۱) مولانا مملوک علی صاحب جس مدرسہ میں مدرس تھے اس کا نام کیا تھا اور خود ان کے کچھ حالات، عربی کالج، مدرسہ دار البقاء۔

(۲) مولوی رشید الدین خان شاگرد شاہ عبدالعزیز، نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق

(۳) مولوی نذیر حسین اہلحدیث

مختصراً ان لوگوں کے حالات نوٹ کر کے اگر بھیج سکتے ہوں تو بھیج دیجیے۔ صاحب الھدیٰ کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہنچا دیجیے۔

میں سخت نادم ہوں کہ ان کی کسی قسم کی خدمت اس شوریدہ بخت سے بن نہ آئی۔ اس وقت ایک وہی مردِ میدان نکلے اور سارے کاربرداری بے کار ثابت ہوئے ہیں۔ اس سب سے زیادہ بے کار مہمل بے نتیجہ خود یہ فقیر ہی نکلا۔

اپنے رفقاء یا ''اخوان خوان'' سے میرا اسلام فرما دیجیے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب، ڈاکٹر محمد غوث، سید عبدالرزاق، الجعفر اور تمام پرسانِ حال بزرگوں وعزیزوں کو۔ اب آپ

لوگوں سے ملنے کو دل بہت چاہتا ہے ممکن ہے کہ کسی دن عالمِ سرخوشی میں چل پڑوں۔

مناظر احسن گیلانی

۱۔ اس خط پر تاریخ درج نہیں۔
۲۔ یہ کتاب ''سوانح قاسمی'' کے نام سے چھپی۔
۳۔ اس کتاب کا مکمل نام ''واقعات دارالحکومت دہلی'' ہے۔
۴۔ ''حدائق الحنفیہ'' فقیر محمد جہلمی کا مرتب کردہ حنفی علماء کا تذکرہ ہے۔

(۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶ر جنوری ۱۹۵۲ء

گیلانی (بہار)

رفیع القدر، عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

وایدہ اللہ وایاکم بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خبر دینے والے آپ کی واپسی از سفر کی خبر دیتے رہے، لیکن ان بندگانِ خدا میں سے کسی نے یہ اطلاع نہ دی کہ آپ علیل ہو کر واپس ہوئے۔ اب پچھتا رہا ہوں کہ ضعف اور جبری مشغولیت کے اس زمانہ میں ایک سفرنامہ ہی کے مرتب کرنے پر آپ کو مجبور کر دیا۔ ارحم الرّاحمین کی ذات سے امید ہے کہ اب آپ چاق وچوبند بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہو چکے ہوں گے اور تکان کا بھی ازالہ ہو چکا ہوگا۔ آخر آپ کو مرض کیا ہوا، جو بصرہ پہنچ کر حالت اس قدر مخدوش ہوگئی، بظاہر اوپر کے تنگ برتھ پر شب گزاری کے کرشمے ہیں۔ بہرحال توقع سے زیادہ تفصیلات کا علم آپ کے نوازش نامہ سے ہوا۔ شاید ہی کوئی دریافت طلب بات آپ نے باقی چھوڑی ہو۔

ترکی کی بیداری اور زندگی کی خبروں سے قدرتاً غیر معمولی خوشی ہوئی، لیکن پھر جب اپنے اس ''دخانی عہد'' کا تصور کرتا ہوں جس میں پانے والے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک پا چکے ہیں، تو سینہ کی سانس رکنے لگتی ہے۔ جن انقلابات کو آنکھیں دیکھ چکی ہیں ان کی ہوش

ربائی کیا کم تھی، اس کے ساتھ مستقبل کے امکانات کو جب سوچتا ہوں تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔
آہ یورپ۔ درصراطِ زندگی از پا فتاد + برگلوئے خویشتن خنجر نہاد۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کو
بھی لے ڈوبنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ بس بہترین راہ وہی ہے جو آپ نے اختیار
کی ہے۔ اب اس دنیا کا طمطراق تو بظاہر سکرات میں مبتلا ہے۔ اس دنیا کے بعد آنے والی
دنیا اور دوسری دنیا کا بھروسہ اگر نہ ہوتا، تو کم از کم اپنا حال یہی محسوس کرتا ہوں کہ اس زندگی کو
بھی ختم ہی کرنے میں راحت کی صورت نظر آتی، لیکن واہ رے آدم کے بچے، ان کو یقین
دلایا جاتا ہے کہ چھینی ہوئی زندگی واپس ملے گی۔ لیکن اکثریت اس پر مصر ہے کہ مرنے کے
بعد ہم زندہ ہونا نہیں چاہتے۔

بڑے اچھے مشغلے کا انتخاب اپنے لیے فرمایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک
عربی قصیدہ "عجب العجاب" نامی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ ایک یمنی تاجر الشروانی نے اپنے
اور دوسروں کے عربی مراسلات کو جمع کر کے شائع کیا تھا۔ کچھ دن غالباً درس میں بھی یہ
کتاب داخل تھی۔ حال کا آدمی ہے، خطوط تو خیر نا قابلِ لحاظ ہیں لیکن یہی ایک قصیدہ اس
کتاب میں بڑا قیمتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے مشاغل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔
یردی سائر صحبه + ویسعی مناقب الیه۔ ضمیر کا مرجع، مرجع کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات مبارک ہے۔ اسی قصیدے میں شاہ صاحب کا شعر۔ فالراس فی دورانه +
القب فی خفقانه۔ کتب خانہ میں نسخہ ہوگا، قصیدہ مل جائے گا، پڑھنے کے قابل ہے۔

مجھے معلوم نہ تھا کہ "مصنف عبدالرزاق" کا کوئی نسخہ آپ کے خاندانی کتب خانہ میں
ہے۔ کم از کم زیارت تو کر لیتا۔ مصنف کا ایک نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ شاہ ولی
اللہؒ کے کتب خانے سے مدینۂ منورہ گیا اور مدینۂ منورہ سے پھر ہندوستان واپس ہوا۔
ہمارے استاد حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات وصیۃً فرمایا کرتے تھے
کہ متونِ احادیث کی کتابیں خاص طور پر مستحقِ توجہ ہیں، اور جس طرح ممکن ہو، ان کو شائع
کیا جائے۔ اس سلسلہ میں "مصنف عبدالرزاق" کا بھی ذکر فرماتے۔ مرفوع حدیثوں کے
متعلق خصوصیت اس کتاب کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ صحیح بخاری میں تو گنتی کے چند ثلاثیات
ہیں اور جہاں کہیں ہیں ان کو خاص طور پر نمایاں کر دیا گیا ہے لیکن مصنف میں مرفوع

روایتوں کی اکثریت "ثلاثیات" ہیں۔ ماسوااس کے آثارِ صحابہ کا ذخیرہ بھی کافی ہے۔ عہدِ نبو ّت وعہدِ صحابہ کی تاریخ سمجھنے میں ان متون سے بڑی مدد ملتی ہے اور عبدالرزاق تو چونکہ یمن کے محدث ہیں، یمن کی تاریخ 'تدوینِ حدیث' کے سلسلہ میں خاص طور پر توجہ کی مستحق ہے۔ عرب کا یہی علاقہ ہے جس پر حبشہ کے توسط سے رومی تمدّن کا، اور ایرانی نوآبادی بن جانے کے بعد ایرانی تمدن کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ لکھنے، پڑھنے۔ کتابوں کی تالیف وتصنیف کے ڈھنگ سے عام عرب اگرچہ ناواقف تھے، لیکن دوسرے موثرات کے ساتھ رومی وایرانی تمدّن کے زیرِ اثر آجانے کی وجہ سے یمن کا حال عام عرب سے مختلف ہے۔ لیکن اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے حبشہ کی تاریخ اور رومی وایرانی حالات سے واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ ابنِ سعد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن میں جو عیسائی تھے ان کے ہاں خانگی کتب خانوں کا سراغ ملتا ہے اور جو گرجے یہاں تھے ان میں عیسائی لٹریچر کا کافی ذخیرہ پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے لیے عبدالرّزاق کی مصنّف پر کام مطالعہ کی راہ کھولے گا۔ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیاں کوفہ، بصرہ وغیرہ میں زیادہ تر علم وفن کا رواج قیس والوں میں معلوم ہوتا ہے اور اس نتیجہ میں یمن کی تاریخی خصوصیتوں سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو عام طور پر یمنی قبائل ہی کے لوگ القراء میں نظر آئیں گے۔ بہرحال مصنف پر کام کیجیے، فقیر جن حالات میں ہے، آپ کی کیا مدد کرسکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارا علم دقیانوسی پرانا ہو چکا ہے۔ بحمد اللہ مطالعہ کی جدید راہیں آپ پر آسان کی گئی ہیں لیکن ایک بات کا ہمیشہ خیال رکھیے گا، خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ اب اس کو سمجھتے ہیں کہ مستشرقین[1] نے "استشراق" کی تحقیقی نقاب چہروں پر ڈال کر وہی کام کیا ہے جو ان کے باپ دادا بھونڈے طریقہ سے کرتے تھے۔ اس باب میں قطعاً دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ دشمن معصومیت کے دعووں کے ساتھ سب کچھ کررہے ہیں اس کا جواب اسی رنگ میں دینا چاہیے۔ یورپ والے پہلے سے نصب العین کو معین کرکے ریسرچ کرتے ہیں اور صرف ان ہی باتوں کو چنتے اور اجاگر کرتے ہیں جن سے اپنے طے شدہ نصب العین کی تائید میں مدد ملتی ہے۔ ہمارا فرض بھی یہی ہونا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ مبین کی حمایت میں جن معلومات سے بھی مدد مل سکتی ہو ان کو ڈھونڈنا اور تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ شاید "لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ" کا

وقت جب آئے تو مصر کی بوڑھیا غریب کو تو اپنے کاتے ہوئے دھاگوں کو ہی لے کر یوسف کے خریداروں میں شریک ہونے کا موقعہ مل جائے۔ دنیا قطعاً بدمزہ اور تلخ تر ہو چکی ہے، کچھ ہو سکے تو اس دنیا سے آنے والی دنیا کے لیے کچھ سامان فراہم کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ عشق کی یہ راہ آپ پر آسان کی جائے۔ برادرِ عزیز! خراباتیاں می پرستی کنید + محمد بگوئید و مستی کنید۔ دین و دنیا کا نہ ختم ہونے والا توشہ یہی اور صرف یہی ہے۔ آپ کے ساتھ خدا نے فضل کیا کہ رسول العالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی۔ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اور مسلمانوں میں بھی ایک بڑے مخلص خانوادے میں آپ کو جنم دیا گیا۔ آپ کی رگ و پے میں علم اور دین کے سوا اور کچھ نہیں ہے، ان غیر کسبی نعمتوں کا شکر ادا کیجیے۔ میں انتظار کرتا رہوں گا آپ کے مفصل سفرنامہ کا، سب سے زیادہ کتابوں کی فہرست کا۔ کم از کم یہ جان کر تو مروں کہ فلاں فلاں کتابیں بحمد اللہ ابھی موجود ہیں۔ چاہا جائے تو ان کو شائع بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا مطبوعہ کتابوں کے خریدنے کا موقع بھی کہیں ملا۔ آپ نے تُرک علماء کی عربی تقریر کی تعریف کی ہے۔ بہت دن ہوئے، چالیس سال سے زیادہ فلپائن کے مسلمانوں نے قسطنطنیہ (استنبول) سے ایک عالم اپنی دینی زندگی کی نگرانی کے لیے بلوایا تھا۔ مولانا وجیہہ الدّین غالباً نام تھا، قسطنطنیہ سے بھیجے گئے، ہندوستان سے گزرتے ہوئے وہ دیوبند بھی آئے تھے۔ ایک تقریر عربی زبان میں ان کی مدرسہ میں ہوئی تھی۔ مگر اس کی حلاوت دل و دماغ میں اب بھی باقی ہے۔ عربی خط میں تو ترکوں کا امتیاز تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ عربی ادب اور زبان سے بھی غیر معمولی مناسبت ترک رکھتے ہیں۔ یہ تو فرمائیے دین کے نئے تقاضوں کی تکمیل کی طرف لوگوں کو متوجہ فرمایا؟ مصرع ؎ مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے، والی توجہ نہیں جو بقول مفتی جمال الدین افغانی مرحوم خاص ''اگھوریانِ ہند'' کا پیشہ تھا، افغانی کا یہ رسالہ بزبانِ فارسی غالباً حیدرآباد ہی سے شائع ہوا تھا، بڑا دلچسپ ہے۔ آپ ضرور میرے اس سوال کا جواب، جب موقع ملے دیجیے گا۔ عربی یا ترکی زبان میں اسلام کے جدید توجہ طلب پہلوؤں پر کہیں کچھ کتابیں آپ کو ملیں۔ عبرانی یونیورسٹی، یہودیوں کی اسرائیل والی اس کے علمی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع آپ کو ملا۔ بغداد کی نئی یونیورسٹی اور وہاں کے طبقۂ اہل علم کے متعلق آپ

نے کچھ نہیں لکھا۔ آلوسی زادوں کا خاندان بغداد میں غنیمت تھا۔ خدا جانے اب اس خاندان والوں کا حال کیا ہے یا سیاست کے گرداب میں وہ بھی گھوم گئے۔ بھائی رشید صاحب سے آپ کی خوب ملاقات ہوئی۔ ان کے گھر بھی گئے تھے؟ مکان کیا ذاتی ہے یا کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں۔ زمانہ سے ان کا کوئی خط وط نہیں آیا، سنا ہے کہ شادی بھی وہاں کر لی ہے، بال بچے بھی ہیں۔ ان کا پتہ آپ کو معلوم ہے؟ عجیب آدمی ہیں۔ میرے گھر میں ان کی بس ایک ہی بہن ہیں، اور اس بہن کے وہ ایک ہی بھائی ہیں لیکن نہ ان کو وہ یاد آتے ہیں نہ یہ ان کو، تاہم یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہاں وہ خوش ہیں۔ آپ ہی کے خاندان کے ایک صاحب مدت ہوئی زرعی تعلیم کے لیے بغداد گئے تھے۔ جامعہ میں بھی پڑھتے تھے ان سے بھی میاں عبدالرشید کی ملاقات ہوئی تھی، نام ان کا یاد نہ رہا، آپ نے برادر عزیز مولانا محمد غوث صاحب کا حال نہیں لکھا۔ ان کی خاموش مخفی فطرت سے دل کے بہت سے توقعات وابستہ ہیں۔ مذاہب کی بنیادی کتابوں پر انھوں نے کام شروع کیا تھا۔ جاپانی ادیان کے متعلق ایک مضمون ان کا شائع بھی ہوا تھا۔ بڑا مفید پُراز معلومات تھا۔ کاش! اس سلسلہ کو وہ جاری رکھتے۔ آپ ان سے میرا اسلام فرما دیجیے گا۔ اخوان شعبہ اساتذہ وطلبہ کو سلام اس بندہ مہجور کا پہنچا دیجیے۔ ڈاکٹر ظہیر الدّین صاحب کیسے ہیں؟ معلوم ہوا کہ آج کل ڈاکٹر صاحب خوب خوب تقریریں کر رہے ہیں۔ ایدہ اللّٰہ بروحٍ مِنہُ۔ بارکسی دوست کو میرا اسلام برابر لکھ دیا کیجیے، ان کے منشورات تک رسائی کی صورت کیا ہے۔ اپنے گھر میں فقیر کی طرف سے دعا کہہ دیجیے اور بچی سلّمہا کو پیار۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

حیدرآباد میں ووٹ بازی کا طوفان ختم ہو چکا ہوگا۔ اخباروں سے رپورٹ وہاں کی معلوم ہوتی رہتی ہے۔ بہار بھی نہا دھو کر پاک ہو چکا ہے۔ نتیجہ کا انتظار ہے۔ آپ اپنے بوتھ کے نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اس سے خوشی ہوئی۔

پروفیسر عبدالقادر صاحب (صدر شعبۂ معاشیات) پٹنہ اکانومک کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے۔ ایک دن کے لیے انھوں نے بڑی زحمت برداشت کی اور اس کوردہ کہف الایمان تک پہنچے۔ جَزَاہُ اللّٰہُ عنّا خَیرَ الْجَزَاء۔ آپ نے جو تقریر پڑھی تھی

غالباً انگریزی میں ہوگی۔ مناسب تو یہ تھا کہ اردو میں بھی ترجمہ کر کے انگریزی سے جاہلوں تک اس کو پہنچا دیتے۔

اخباروں سے معلوم ہوا تھا کہ نواب صاحب[3] سفیر ہوکر ارجنٹائن یا برازیل جا رہے ہیں۔ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ ان کے بعد قرعہ فال کس کے نام پڑتا ہے۔ کاش! نواب صاحب کچھ دن اور جامعہ کو اپنی خدمات سے استفادہ کا موقعہ عطا فرماتے۔ وَلٰكِن مَا قَدَّرُ اللّٰهُ فَسَوْفَ يَكُوْن۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

مناظر احسن گیلانی

---

۱ خط کا کاغذ پھٹ گیا ہے اس لئے عبارت قیاساً لکھی ہے۔

۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۳ نواب علی یاور جنگ سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳ر فروری ۱۹۵۳ء

گیلانی (بہار)

برادر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مدت کے بعد تنفس وضیق کے پرانے مرض کے حملہ سے علیل ہوکر بستر علالت پر پڑا ہوا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ موجب مسرت ہوا۔ جواب میں تاخیر بیماری کی وجہ سے ہوئی آپ کے کسی خط کا جواب فقیر نے نہیں دیا، یہ یاد نہیں آتا۔ بہرحال ایسی کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو مجھ جیسے دیوانوں سے بعید بھی نہیں۔ آپ اپنے کام میں مشغول ہیں اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ "مصنف عبدالرزاق" کا کام معمولی نہیں ہے۔ بڑے پتہ کی بات آپ نے لکھی ہے کہ عہد خلافت اور عہد تابعین و تبع تابعین کے طرق وسنن پر اس کتاب سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ حنفیوں کے لیے تو یہ بہترین عملی وثیقہ ہے۔ آپ جب اس کتاب پر کام کر رہے ہیں، جو معلومات اس سلسلہ میں فراہم ہو رہے ہوں گے ان کے

مقابلہ میں اب میری دستگیری کی حاجت ہی کیا باقی رہتی ہے۔

آپ کی اس کتاب کا بھی منتظر رہوں گا جو مغربی یونیورسٹیوں میں اسلامیات کی تعلیم کے سلسلے میں مرتب کر رہے ہیں۔ جی ہاں! کلکتہ سے مولوی سعید احمد صاحب اکبر آبادی[1] نے بھی اطلاع دی ہے کہ کناڈا یونیورسٹی نے اسلامیات پر لیکچر دینے کے لیے ان کو مدعو کیا ہے۔ آمد و رفت کے مصارف کے سوا نو ہزار روپیہ نقد معاوضہ دینا چاہتی ہے لیکن یہ اپنے خانگی حالات کی وجہ سے کچھ حیص بیص میں ہیں۔ یہ رجحان مغربی یونیورسٹیوں کا فال نیک ہے۔ پارسی بھائی[2] کا حال آپ نے نہیں لکھا، میرا اسلام ضرور بالضرور ان کی خدمت میں لکھ دیا کیجیے جب کبھی آپ ان کو کچھ لکھتے ہیں۔ معارف میں ایک مضمون ابھی حال میں شائع ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ زمینداری، جاگیرداری پر ایک مقالہ خاکسار کا بھی دو قسطوں میں چھپا ہے آپ کی نظر سے خدا جانے گزرا یا نہیں؟ یہ گزرا ہو تو اسے دیکھ لیجیے۔ موقعہ ہو تو اپنی رائے سے مطلع فرمائیے۔ ''مصنف''[3] میں بھی امید ہوتی ہے کہ آپ اس سلسلہ میں الجھے ہوئے ہوں گے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتاب کی اشاعت تک اس ناسوتی عالم سے آپ کے اس خادم کا تعلق باقی بھی رہے گا یا نہیں۔ آپ نے اپنے اہل و عیال کا حال اس خط میں نہ لکھا۔ بچی آپ کی اب کیسی ہے۔ گھر میں میری طرف سے دعا کہہ دیجیے۔ ڈاکٹر غوث صاحب کیسے ہیں، کیا کر رہے ہیں، 'معارف' میں سلسلہ واران کا مقالہ بھی شائع ہوتا رہا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

حنفیوں پر کیا منحصر ہے تمام مکاتب فقہ کے لیے ''مصنف عبدالرزاق'' کارآمد کتاب ہے۔ قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ عبدالرزاق ابن ہمام الصغانی الیمانی ایک طرف امام اعظم کے شاگرد تھے تو دوسری طرف امام مالک کے بھی خاص شاگرد تھے۔ امام شافعی کے ہم درس اور امام احمد بن حنبل کے استاد تھے اور اس طرح امام بخاری کے دادا استاد تھے۔

---

[1] سابق مدیر ماہنامہ برہان دہلی

۲؎ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۳؎ مصنف عبدالرزاق

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵/اپریل ۱۹۵۴ء

برادر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ادھر کچھ دنوں سے اپنے پرانے مرض دمہ کا شکار ہو گیا تھا، تقریباً دو مہینے اسی حال میں گزرے بحمد اللہ اب اچھا ہوں۔

مختلف ذرائع سے آپ کی خیریت اور آپ کے مشاغل کا علم ہوتا رہتا ہے، خصوصاً عبدالرزاق[۱] پر کام جس انہماک سے آپ کر رہے ہیں اس کی تعریف سن رہا ہوں۔ بڑا کام ہے جسے آپ انجام دے رہے ہیں۔ حال میں میرے چھوٹے بھائی مظہر سلمہٗ نے بھی آپ کی خیریت اور حالات سے آگاہ کیا۔

امید ہے کہ آج کل امتحان کے مشغلوں میں آپ مصروف ہوں گے۔

اس وقت دراصل آپ کی سفارت سے مستفید ہونے کے لیے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ ہمارے کرم فرما پروفیسر سروری (صدر شعبۂ اردو) کے پاس آپ فقیر کے اس رقعہ کو باحتیاط تمام پہنچا سکتے ہوں، تو ان شاء اللہ جس توقع سے آپ کا انتخاب دل نے کیا ہے وہ پوری ہو گی، اور کسی وجہ سے نامناسب خیال فرمایا جائے تو پھر اپنے اختیار تمیزی سے کام لے سکتے ہیں۔ میں نے بہت سوچا، اس کام کے لیے دل کا قرار آپ کے سوا اور کسی میں نہ پایا۔

ہاں! 'معارف' اپریل ۱۹۵۳ء میں آپ کی کتاب پر جو نوٹ شائع ہوا ہے، معلوم نہیں نظر سے گزرا ہے یا نہیں۔ بہت ہی سطحی آدمی کا نوٹ ہے لیکن غنیمت ہے۔ ندوہ کے حضرات عموماً بر خود غلطی کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ زُیّن کے صیغہ مجہول کے ساتھ جس جہل کا اظہار کیا ہے، ان سے پوچھنا چاہیے کہ حُبّب الی مِن دُنیاکُم الحدیث میں حبب کے صیغہ مجہول کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ عجیب بے وقوف آدمی ہے، جن چیزوں کا تذکرہ زُیّن والی آیت میں کیا گیا ان میں کون سی چیز ہے جو دینا ناپسندیدہ قرار دی جا سکتی ہے۔ کیا عورت

غریب ناپسندیدہ ہے، بنین ناپسندیدہ ہیں، وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ میں تو بجائے مجہول کے معروف کے صیغہ میں اس امداد کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہر حال شر کا پہلوان کو زُیّــــن[2] والی فہرست کی کس چیز میں نظر آیا ہے۔ بہر حال ایں سبت جوابش کہ خواہش مذی۔ ان رائے بازوں کو کیا معلوم کہ اس قسم کے اچھوتے موضوع پر لکھنے والوں کو کن کن چیونٹیوں کے منہ سے ایک ایک دانہ شکر کا چننا پڑتا ہے۔

کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلھا

جاگیر و زمیندار والے مضمون کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ ایک مولوی صاحب نے جوابی مقالہ اسی شمارہ میں شائع کرایا ہے۔ صرف بہتان اور افتراء سے کام لیا ہے۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ میں نے مسلمانوں کو گناہ سے بچانے کے لیے قضاء و دیانت کی شرح کی لیکن مولوی صاحب نے اسی افتراء کو مجھ پر لگا دیا۔ میری غرض مرہم پٹی تھی کہ نظام زمینداری کو حکومتیں بہر حال ختم ہی کر کے رہیں گی۔ مسلمانوں کو تسلی دینا چاہتا تھا کہ ایسی چیز نہیں گئی، جن پر خواہ مخواہ اتنا واویلا مچایا جائے، لیکن مولوی صاحب نے اس کو نمک پاشی قرار دیا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

ہو سکے تو جواب میں اپنے علمی اور خانگی حالات سے بھی مطلع فرمایئے گا۔ 'سب رس' میں آپ کے سفرنامہ کا ایک حصہ پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب کو کیا راز کا مراسلہ لکھا تھا آج ۲۷ سال بعد مجھے یاد نہیں رہا خصوصاً سمیّت غذا کا شکار ہو کر دو ماہ تک بے ہوش رہا۔ اگر یاد بھی رہتا تو المجالس امانۃ مجلس کی گفتگو امانت ہوتی ہے۔

وفتیان صدقٍ لنت مطلع بعض علی سِرِّ بعض

مناظر احسن گیلانی

---

[1] مصنف عبدالرزاق

[2] زین للنّاس حبّ الشهوات من النساء

(۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰ر مئی ۱۹۵۳ء
گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عین وقت پر آپ نے مفوضہ خدمت کو انجام دے کر فقیر کو بھی اسی زمانے میں مطلع کر دیا۔ آپ کی اس توجہ خاص سے دل غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ خیال ہی کر رہا تھا کہ آپ کے خط کا جواب دوں کہ اچانک مجھ پر مدت کے بعد سینہ کے درد کا حملہ ہوا۔ یہ حملہ چونکہ سینہ کے ساتھ قلب کو بھی متاثر کرتا ہے اس لیے یوں خیال کیجیے کہ جان ہی پر بن آئی ہے۔ شکر ہے کہ اجلِ مسمّٰی نے حفاظت کی اور گو دو ہفتہ بعد لیکن اس قابل تو ہو گیا ہوں کہ آپ کے خط کا جواب دے رہا ہوں۔ مصنف عبدالرزاق پر کام کرنے کے لیے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ آغازِ اسلام کے متعلق بنیادی معلومات ان شاء اللہ اس کتاب کی راہ سے لوگوں کے سامنے آئیں گی۔ میرے استاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی چند خاص وصیتوں میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ متونِ آثار کے سلسلہ کی جو کتابیں طبع نہیں ہوئی ہیں، جس طرح ممکن ہو، ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے خصوصیت کے ساتھ ''مصنف عبدالرزاق'' کا ذکر کیا کرتے۔ کیا معلوم تھا کہ اس کتاب کی اشاعت کا انتظام قدرت ایسے وسیع پیمانے پر کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں حاضر ہونے کے لیے کچھ تو تحفہ مہیا کر لینا چاہیے۔ آپ کا انتخاب ایک بڑے کام کے لیے ہوا اور خوب ہوا۔ جس طریقہ سے آپ کام کر رہے ہیں اس سے کتاب کی افادیت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ خود آپ کی معلومات میں بھی کافی اضافہ ہو رہا ہوگا۔ رفیق پاریس لـه اس فقیر کو یاد فرمالیا کرتے ہیں، دل سے دعا نکلی۔ اپنے اندر تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی کہ مجھ جیسا خالص ملاّ آدمی پیرس میں بھی ان کو یاد آتا ہو۔ کیا یہ خبر یاروں کی اڑائی ہوئی کچھ اپنے اندر وقعت رکھتی ہے کہ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ کے قرآنی حکم کی تعمیل کی سعادت ڈاکٹر صاحب کو میسر آئی ہے۔ اگر موقع ملے اور آپ کو معلوم ہو تو وہاں وہ کیا کرتے ہیں، معاش کا ذریعہ کیا ہے، علمی مشاغل آج کل کیا ہیں، ان سے مطلع فرمائیں۔ اور التزاماً وحماً ہر اس مکتوب میں جو اُن کو تحریر فرمایا جائے لکھ دیا

کیجیے۔ ہاں اس سلسلے میں آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ ڈاکٹر لطیف صاحب نے انگریزی میں اسلام پر کوئی کتاب آج کل لکھی ہے۔ ''صدق'' میں تو سخت اختلافی نوٹ اس کتاب کے متعلق درج ہوا تھا لیکن کتب خانۂ الھدیٰ کی جو فہرست حیدرآباد سے آئی ہے اس میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر پاریس نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اسلامی حدود میں ان کا قلم گھومتا رہا ہے بدکا نہیں ہے۔ کیا واقعی ڈاکٹر صاحب نے ایسا لکھا ہے آپ کی رائے اس کتاب کے متعلق کیا ہے۔

آپ نے حیدرآباد کے جس دارالاشاعت کا ذکر فرمایا ہے، اس خبر سے دل بہت خوش ہوا۔ ہمتوں میں اگر اضمحلال پیدا نہ ہو تو اب بھی حیدرآباد میں وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جو نظام علی خاں اور سکندر جاہ ناصر الدولہ افضل الدولہ کے نظامِ حکومت میں نہ ہو سکا تھا۔ آدمی زندہ رہے تو زمانہ کو زندہ کیے لیتا ہے لیکن زمانہ خواہ لاکھ زندہ ہو لوگ اس زمانے کے اگر مردہ ہوں تو زندہ اُمور بھی مردہ ہو کر مر جاتے ہیں۔ مولوی رحیم الدین صاحب کی قرآن فہمی کا فقیر پہلے ہی سے معتقد تھا لیکن ان کی علمی اولوالعزمیوں کا اندازہ نہ تھا۔ میرا اسلام فرما دیجیے گا۔ فقیر اس دارالاشاعت کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور پیش کرے گا۔ میں نے رسالہ 'الحق' حیدرآباد میں جس کے اندر اب حریت کی کیفیت حد سے متجاوز ہو چکی ہے اس رسالہ میں ''اطلاقی تصوف'' کے نام سے مقالہ لکھنا شروع کیا تھا جو ایک کتاب ہی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ تقریباً ۲۲۵ صفحات تو ''الحق'' میں شائع ہو چکے تھے۔ البتہ دس پندرہ اوراق چھپنے سے باقی رہ گئے کہ اس رسالہ کا بھی رنگ بدل گیا جس کی وجہ سے مجھے بھی بدل جانا پڑا۔ حیدرآباد ہی کے ایک بزرگ مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں اسلامی تصوف کے ایک جدید پہلو کا انکشاف مجھ پر ہوا تھا۔ اس کو چاہا تھا کہ مرتب کر کے عام مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے۔ حیدرآباد ہی مستحق ہے کہ اس کتاب کو شائع کرے۔ میرے پاس ایک نسخہ ''الحق'' کے فائل سے تیار کیا ہوا موجود تھا حال میں دلی چلا گیا ہے۔ اگر لوگوں کی رائے ہوئی تو دلی سے منگوا کر آپ کے پاس روانہ کر دوں گا۔ دس بیس ورق قلمی غیر مطبوعہ بھی اس کے ساتھ روانہ کر دیے جائیں گے جو لکھے ہوئے میرے پاس محفوظ ہیں۔ نیز ''تدوینِ حدیث'' کے موضوع پر اس وقت تک خاکسار کے چار محاضرے شائع ہو چکے ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان

محاضروں کا مجموعہ کتابی شکل میں چھاپا جائے۔ پہلے محاضرہ کو تو حیدر آباد کے ایک ناشر مولوی غلام رسول صاحب نے شائع کیا تھا دوسرا محاضرہ مجلّہ علیہ تحقیقاتِ علیہ میں شائع ہوا۔ تیسرا محاضرہ حیدر آباد اکاڈمی کے رسالہ کو ڈاکٹر پاریس کے اصرار سے دے دیا گیا تھا۔ محاضرہ چہارم جو سب سے زیادہ ضخیم و طویل تھا یہاں دہلی میں قسط وار شاید سال ڈیڑھ سال تک شائع ہوتا رہا۔

صرف ایک محاضرہ اسماء الرجال پر باقی ہے جو مرتب نہیں ہو سکا ہے۔ اگر مناسب خیال کیا جائے تو کتابی شکل میں ان محاضروں کے شائع کرنے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ پانچواں محاضرہ بھی تیار کر کے ان شاء اللہ پیش کر دیا جائے گا۔

الھدیٰ کے مکتبہ کی فہرست دیکھ کر دل خوش ہوا۔ تجارتی حیثیت سے اس مکتبہ کے منیجر صاحب سے کہہ دیجیے کہ حیدر آباد کے ایک ماہ نامہ "النور" نامی میں میلادی مکاشفات، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر جن واقعات کا مشاہدہ خواب و بیداری میں کیا گیا تھا اور ان ہی کو میلادی مجلسوں میں لوگ بیان کرتے ہیں۔ خاکسار نے تقریباً تیس چالیس روایتوں کو ایک خاص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے ان کو مرتب کر کے اس رسالہ میں شائع کرا دیا تھا۔ باقر حسینی صاحب[1] مولانا عبدالقدیر صاحب کے ایک عزیز اس رسالہ کو نکالتے تھے۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ہے۔ اگر النور کے یہ پرچے مل جائیں تو میلادی مکاشفات کے ماہر قادری[2] کے سلام کو ایک ساتھ شریک کر کے اس لیے شائع کرتا کہ غیر معتبر اور غیر موثر میلادی کتابوں کی جگہ یہ کتاب پڑھی جائے۔ ایک دینی خدمت ہو گی۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

1. ڈاکٹر محمد حمید اللہ

2. مولانا ماہر القادری سابق مدیر ماہنامہ فاران کراچی۔ پیدائش: ۳۰ رجولائی ۱۹۰۷ء، وفات: ۱۲ رمئی ۱۹۷۸ء جدہ۔

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ر جولائی ۱۹۵۳ء

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کئی دن ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا ہے۔ اس خبر نے کہ سال اوّل اور سال دوم میں بغیر کسی دستوری منظوری کے داخلہ شعبۂ مذہب وتمدّن میں بند کر دیا گیا ہے، حیرت ہی نہیں بلکہ کیا عرض کروں کہ دل پر کیا گزری۔ سچ پوچھیے تو اس خبر کے بعد خط لکھنے کو جی نہیں چاہتا کیا لکھوں۔ آپ نے جن تدبیروں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، گھر بیٹھے دُور سے ان کو نتیجہ خیز بنانے کی امید بس امید ہی ہے تاہم جو کچھ اپنے بس میں ہے، ان شاء اللہ کر گزروں گا کچھ منزلیں طے بھی کر چکا ہوں۔ آپ کی تجویزوں کے سوا ایک خیال یہ بھی ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن سے باضابطہ احتجاجی نوٹ جمعیۃ العلماء کی طرف سے بھجواؤں۔ حیدر آباد کے مسلمانوں میں کیا دم رہ گیا ہے کہ کوئی اجتماعی مہم اس غیر دستوری اقدام کے برخلاف چلائیں گے۔ یہ بھی خیال آیا کہ مدینہ اور مکہ بلڈنگس کے نام سے وقفی دوکانیں نواب احمد نواز جنگ نے پتھر گٹی میں جو بنوائی ہیں، معلوم ہوا تھا کہ اس کی آمدنی کو ملک سے باہر عرب بھیجنے کی اجازت حکومت نہیں دیتی ہے۔ مسئلہ مجھ سے پوچھا گیا تھا، میں نے تو فقہی جزئیات کو پیش نظر رکھ کر لکھا تھا کہ مدینہ ومکہ (زادھما اللہ شرفًا و اکرامًا) کی آبادی اور رونق کا دارو مدار دینی علوم کی عام اشاعت پر ہے۔ پس جب تک یہ ممانعت نہ اٹھے دینی علوم کی دکن میں اشاعت پر اس رقم کو صرف کیا جائے۔ قرآنی و دینیاتی کے امتحانات کے سلسلہ میں ایک تحریک بھی ان کو لکھ کر بھیجی تھی مگر غور طلب تحریک اس کو قرار دیا گیا۔ میرا تو خیال ہے اسی وقف کی آمدنی اتنی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے اس شعبہ کو جو شعبۂ دینیات کی یادگار ہے باقی رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن امید نہیں کہ کوئی کان دھرے گا۔ مجھے آپ کی ذاتی فکر بھی ہے لیکن آپ کا علمی وقار خاص حیثیت سے جو قائم ہو چکا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں آپ بلائے جائیں گے۔ پاکوں میں شاید شریک کر لیے جائیں۔ تقاضا ادھر بھی بار بار فقیر سے کیا گیا، پندرہ سو روپے ماہوار اوفر لے دیا گیا لیکن اب قویٰ بے کار ہو چکے ہیں معذرت کے سوا چارہ نہ پایا۔ لکھ دیا تھا کہ آپ جیسے نوجوانوں سے کام لیا جائے۔ ادھر وہاں مقامی قصے ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کی طرف دیکھیے کب توجہ ہوتی ہے۔ بہرحال

سب سے زیادہ دل پر اثر آپ کی اس خبر کا ہے اور جو کچھ مجھ سے ممکن ہو گا دریغ نہ کروں گا۔ میری تو عمر ہی ان ہی قصوں میں گزری۔ آپ لوگ شاید خیال فرماتے ہوں کہ اس شعبہ کو نشانہ اب بنایا گیا ہے، کیا عرض کروں اس غریب کی تعمیر ہی میں خرابی کی صورت مضمر تھی۔ کیا کیا نہ کرنا پڑا اور تنِ تنہا۔ جب ڈاکٹر حمید اللہ بیچارے نے ہوش سنبھالا ان کی پشت پناہی بلاشبہ حاصل ہوئی ورنہ ان سے پہلے ع "ہم نہیں تو کچھ بھی نہیں" کسی کے پیش نظر کچھ نہ تھا۔ تیس سال تک ایڑیاں رگڑتے گزارنا پڑا۔ اپنوں کا حال جب یہ تھا تو غیروں سے جو کچھ بھی پیش آئے۔

ڈاکٹر فرانسیسی نما کا پیغام پہنچا۔ غلط فہمی کا ازالہ ہوا۔ صحت کی خوش خبری سے خوشی ہوئی۔ کام بھی کر رہے ہیں اور کام تو نام ہی ان کا ہے وہ کام ہیں اور کام وہ ہیں۔ بے کار تو رہ ہی نہیں سکتے۔ اَللّٰھُمَّ اَیِّدہُ وَاشْدُدْ اَزْرِیْ۔ میرا بہت بہت سلام ان کو لکھیے اور ممکن ہو تو یہ بھی لکھ دیجیے کہ بائبل کے اعلام و اسماء شروح و حواشی بالخصوص متعلقہ معلومات پر انگریزی میں کوئی اچھی کتاب اگر مل جائے میں ان سے اس تحفے کے قبول کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ آپ بھی تو اس قسم کی چیزوں کی فکر میں رہتے ہیں۔ کوئی ایسی مستند قابلِ اعتماد کتاب کا پتہ چلے۔ زیادہ قیمتی نہ ہو تو مطلع فرمائیے گا۔

'انوار العلوم' کے ارتقاء کی خبر سے بھی مسرت ہوئی۔ مولانا عبدالرحیم جو واقعی قرآن فہمی میں بہت سے مولاناؤں سے بازی لے گئے ہیں ان کی پرنسپلی کالج کی خوش قسمتی ہے۔ میرا اسلام فرما دیجیے گا۔ ان کی تفسیر کے آئندہ پارے بھی شائع ہوئے؟ اور جو کچھ شائع ہو چکا تھا، اس کا انجام کیا ہوا؟ آج کل اس قسم کی کتابوں کی مانگ بہت کم ہو رہی ہے۔ ذوق مسلمانوں کا حد سے زیادہ بگڑ رہا ہے۔ فلمیات کے خریداروں کی تعداد اب بھی لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کی کتاب "معاشی نظریے" کی نکاسی کا انداز کیا ہے۔ ایک بات سنیے، کاش سمجھ میں آجائے، اشاعت کا جو ادارہ وہاں قائم کیا گیا ہے بڑی کتابوں کی اشاعت پیش نظر نصب العین تو رکھنا چاہیے، ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر اپنی کتاب "اطلاقی تصوف" کے بھجوانے کا نظم کرے گا۔ ایک ہی نسخہ "الحق" کے فائل سے نکال کر تیار رکھا تھا جسے نظر ثانی کر کے دلی بھیج دیا۔ اب خیال ہے کہ دلی والوں سے عرض کروں کہ اس کتاب میں دکن ہی کے

ایک بزرگِ خاص کے مسلک خاص کی ترجمانی کی گئی ہے یعنی ہمارے حضرت مولانا محمد حسین ونپرتی والے (ناظم اسٹیٹ) کے نقطۂ نظر کو خاص پیرائے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید قوی ہے کہ وہ واپس کر دیں گے کچھ حصہ اس کا قلمی میرے پاس ہے۔

کہنا یہ ہے کہ بعض غیر اہم شعبے ایسے ہیں جن کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور جاہل ان ہی شعبوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مثالاً ''میلاد مبارک'' کا قصہ ہی ہے۔ مسلمانوں میں میلادی کتابوں کے پڑھنے کا عام رواج ہے لیکن کوئی کتاب شہیدی اور سعیدی سے معتبر اب تک شائع نہ ہوئی، یہ دینی کام بھی ہے اور اصلاحی و معاشی بھی۔ بیس پچیس سال ہوئے حیدرآباد سے ایک رسالہ ''النور'' نامی نکلتا تھا۔ خاکسار نے میلادی روایتوں کو عصری رنگوں میں لکھ کر شائع کرا دیا تھا۔ بعد کو ''میلادی مکاشفات'' کے نام سے 'سچ' یا 'صدق' میں بھی شائع ہوا۔ ادھر خیال آیا کہ اگر یہی مضمون مل جاتا تو ایک کتاب کی شکل میں اس کو شائع کرا دیا جاتا۔ میرے پاس میرے مضامین عموماً نہیں رہتے۔ خدا جانے، دوسرا نمبر اس مضمون کا حال میں ہاتھ آیا۔ پہلا نمبر غائب ہے نمونہ کے لیے اس کو ملفوف کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے حیدرآباد کے مشائخ خاندانوں میں تلاش کیا جائے تو النور کا فائل کہیں نہ کہیں مل جائے گا، مفتی اشرف صاحب یا مولانا بادشاہ حسینی صاحب کے پاس۔ آپ عزیز محترم مولوی سیّد عبدالرزاق صاحب الموسوی القادری جو بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں ان سے میری طرف سے یہ کہہ دیجیے کہ

> ''جس طرح بھی ممکن ہو فقیر کے اس معروضہ کو شرفِ قبول عطا فرمائیں اور اپنے حلقہ سے ''النور'' کے ان پرچوں کو تلاش کر کے آپ کے حوالہ کریں''

یہ چند اوراق ہی ہوں گے۔ خیال یہ ہے کہ ان کے ساتھ ماہر القادری صاحب کے سلام کو شریک کر کے ''میلادی مکاشفات'' کے نام سے کتاب شائع کر دی جائے اور اشتہار دیا جائے کہ اسی کتاب کو مسلمان میلادی جلسوں میں پڑھیں تو مناسب ہے۔ اگر مناسب خیال کیا جائے تو خاکسار کی نظم ''عرضِ رحمٰن'' کو بھی اس میں شریک کر دیجیے۔ امید تو یہی ہے کہ اس قسم کی کتابیں غالباً ان بوجھل کتابوں سے زیادہ فروخت ہو سکتی ہیں جن میں عوام کی

دلچسپی کی چیزیں نہیں مل سکتیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حزب البحر" مشہور "وردی دعا" کی شرح جوامع کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۔ اس کتاب میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ "حزب البحر" کی دعا کے ساتھ اس کو اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے اور اشتہار کے ذریعہ سے پھیلایا جائے تو یہ بھی ملنے والی مختصر کتاب ہو سکتی ہے۔ آپ نے نہیں لکھا کہ "مصنف" کے کام کو کہاں تک پہنچایا۔ فقط

"دائرۃ المعارف" میں کیا ہو رہا ہے؟ جرجان کی تاریخ کی نئی کتاب چھپی ہے؟ چاہیے تو تھا کہ اس کا ایک نسخہ مجھے بھی بھیجا جاتا۔ فقط

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

---

۱ Offer
۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیلانی بر بگھا

۱۲ر جنوری ۱۹۵۴ء

عزیز محترم مولانا ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی طویل خاموشی پر ہندی کا مشہور بازاری شعر دماغ میں چکر لگانے لگا کہ

تو نے پیت کا وعدہ کر کے پیا سے پیت لگانا چھوڑ دیا
ایسے بسے کس دیس میں جا، اِس دیس کا آنا چھوڑ دیا

دوسرے ذرائع سے حال ہی میں اطلاع ملی کہ سالما وغانما آپ ترکی کے علمی سفر سے اپنے مستقر پر واپس آ چکے، امید لگائے بیٹھا تھا کہ واپس ہونے کے ساتھ اپنی واپسی کی بشارت بھی اس دور افتادہ نیاز مند تک پہنچائیں گے اور اپنے مشاہدہ ومطالعہ کے ارتسامات و

تاثرات سے بھی آگاہ کریں گے لیکن شاید ہندوستان سے باہر قدم نکالنے کے بعد ہندی غریب آپ کو بھی بطال ہی نظر آنے لگا۔ باہر کے لوگ تو ہم ہندیوں کو بطال ہی سمجھتے ہیں لیکن اپنوں سے تو بھائی اس کی امید نہ تھی، بطال سہی، لیکن بہر حال سعدی کی یہ بات بھلائی نہیں جا سکتی

چہ خوش گفت زالے بہ فرزند خویش
جوابدش پلنگ افگن و پیلتن
گر از عہدِ طفلی خردیت یاد آمدے
کہ بے چارہ بودی در آغوش من
نہ کردی دریں روز برمن جفا
کہ من پیر مردے نوشیر دغا

آپ کے رفیق سفر ڈاکٹر محمد غوث سے بھی یہی عرض کرنا ہے

کیجیے یاد بھول کر کے سہی جو کبھی آپ کو نہیں بھولا
تو اگر بھول گیا ہو تو پتا دوں تجھ کو کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

نظام کالج میں ایک صاحب پرشین کے پروفیسر ہیں۔ غلام دستگیر رشید ان کا اسم مبارک ہے۔ کبھی گاہے ماہے ان سے ملاقات ہو جائے تو اتنا پوچھ لیجیے گا

یا وفا خود نہ بود در عالم یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد

والسلام خویدکم الفقیر
مناظر احسن گیلانی

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۶ر فروری ۱۹۵۴ء
گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خلافِ دستور آپ کی طرف سے تغافل کا ایسا تجربہ ہوا

جس کی امید نہ تھی۔ شاید آپ کو اطلاع مولوی فضل صاحب وغیرہ کے ذریعے ملی ہوگی کہ ابتدا ماہ جنوری میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ میرے ہاں پیش آیا۔ اس پریشانی میں بھی مبتلا تھا اور صحت کی حالت بھی اور ڈانواں ڈول رہی۔ خود مجھے بھی توفیق خط لکھنے کی نہ ہو سکی۔ میں امید ہی باندھتا رہا کہ آپ کچھ لکھیں گے خصوصاً شعبہ پر کیا گزری اس کا شدت کے ساتھ انتظار تھا نیز "میلادی مکاشفات" والی کتاب جس کے متعلق آپ نے خبر دی تھی کہ ربیع الاوّل کے مہینے میں طبع ہو جائے گی، کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ آپ ہی نے یہ مژدۂ جاں بخش بھی سنایا تھا کہ رفیق پاریسی کی آمد کی راہیں کچھ ہموار ہو رہی ہیں، دل لگا رہا کہ آپ ان کے قدوم میمنت لزوم سے بھی مطلع فرمائیں گے؟ لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اچانک اپنے اس خادمِ مخلص کو اپنے حافظہ سے آپ نے کسی وجہ سے رخصت فرما دیا۔ اپنے ناکارہ و ہیچ پذیر ہونے کی حقیقت سے ہمیشہ آپ لوگوں کو آگاہ کرتا رہا۔ زندگی اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کی ایک داستان ہے۔ اپنی ہی مدد سے جو معذور ہو دوسروں کے ہاتھ بٹانے کی امید بھلا کیا باندھی جا سکتی ہے۔ بہرحال کافی سے زیادہ وقت انتظار کی زحمت میں گزارنے کے بعد آج یہ کارڈ خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ کسی قسم کی کوئی بات اگر اس فقیر کی جانب سے باعثِ ناگواری ہوئی ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں۔ عمر کی اس منزل میں، ہم جیسے ازکار افتادہ لوگوں کے لیے یہی سب سے بڑی امداد ہو سکتی ہے کہ ہلکے پھلکے کر کے اس کو دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔ خود اپنا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آتی جس سے آپ کے موجودہ طرزِ عمل کی توجیہ کر سکوں۔ ڈاکٹر محمد غوث صاحب اور برادرم مولانا شاہ عبدالرزاق الموسوی سلمہ، سے فقیر کا سلام عرض کر دیجیے۔ "مصنف" [2] پر جو کام آپ کر رہے تھے اب کس منزل پر ہے۔ عہد نبوت و عہد صحابہ و تابعین کے متعلق کوئی ازالہء شبہ آپ کی اس خدمت کے ذریعہ غیر معمولی معلومات کا اضافہ ہوگا۔ ادھر کسی نئی کتاب کا پتہ چلا ہو یا ڈاکٹر پاریسی صاحب [3] کا کوئی نیا مقالہ شائع ہوا ہو تو اس سے مطلع فرمائیے گا۔ ان کو خط لکھنے کا موقع ملے تو اس دور افتادہ دعا گو کا ضرور ضرور سلام لکھ دیا کیجیے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

مولوی رحیم الدین صاحب سے بھی سلام فرما دیجیے۔

۱، ۳ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲ مصنف عبدالرزاق

(۲۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ر مارچ ۵۴ء

برادرم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ عجیب اتفاق ہے کہ بہت دنوں سے آپ کا خط نہیں آیا تھا، اچانک آ گیا، خیال آنے لگا میں نے فہرست کے لیے ایک کارڈ لکھا تھا، غالباً وہ پہنچا بھی نہیں ہوگا کہ آپ کا غم نامہ موصول ہوا، بڑا جاں گسل خاندانی حادثہ ہے[1]۔ مرحوم سے کافی روشناس تھا۔ اگر عثمانیہ میں پڑھا تھا تو غالباً میرے حلقہ (درس) میں بھی شریک ہوں گے۔ بہر حال یہ ایک منزل ہے جس پر آگے پیچھے لوگ پہنچ رہے ہیں۔

فقیر نے آپ کے لکھنے سے پہلے اطلاع پاتے ہی فاتحہ ان کے نام پر پڑھ دیا تھا۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ آپ پر بڑی ذمہ داری عائد ہو گئی۔ میں خود بھی آج کل معدہ اور قلب کے بگاڑ میں مبتلا ہوں اسی لیے خود خط لکھ نہ سکا۔ فقط

مناظر احسن بقلم مکارم احسن

---

۱ ڈاکٹر محمد یوسف الدین کے بھائی اشرف الدّین کی وفات کا ذکر ہے۔

(۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰ر جون ۱۹۵۴ء

پٹنہ محلہ دریاپور

مکان مولوی قمر الہدیٰ صاحب

ریونیو سیکرٹری، پوسٹ نمبر ۴

برادر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج تقریباً تین ماہ بعد شاید آپ کا یہ خادمِ دیرینہ ان چند سطروں کے قلم بند کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہے۔ فقیر کے حالات کا علم ممکن ہے کہ کسی نہ کسی ذریعہ سے ہوتا رہا ہوگا۔ اچھا ہوا کہ آپ نے اس عرصہ میں کوئی خط نہ لکھا، خطوں کی بھرمار اور ان کے جواب کا مسئلہ ایام علالت کے ان طویل دنوں میں کافی پیچیدہ ہوگیا۔ جواب نہ دیا جائے تو احباب کی خاطر شکنی سوہانِ روح بن جاتی تھی اور دیا جائے تو کہاں تک دیا جائے۔ تاہم خاص، خاص لوگوں کو برادرم مکارم سلمہٗ سے جو تین مہینے سے میری تیمارداری میں منہمک ہیں، میرے منجھلے بھائی ہیں ان ہی سے دلوادیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر محمد غوث صاحب کا ایک خط ہسپتال میں ملا تھا، اس کا جواب دلاتے ہوئے آپ کی خیریت پوچھی تھی، معلوم نہیں یہ جواب ان کو ملا بھی یا نہیں۔

بہرحال اپنے بھائی مرحوم کے تازہ حادثہ سے آپ خود متاثر تھے، خط لکھنے کی مجھ میں صلاحیت نہ تھی اس لیے سلسلۂ مراسلت نہیں رہا۔ اب مجھے ہسپتال سے بحمد اللہ باہر نکلنے کی اجازت مل چکی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب جو میرے معالج ہیں، ان کا مشورہ ہے کہ میں ابھی کچھ دنوں تک ان ہی کی زیرِ نگرانی بجائے گیلانی کے پٹنہ شہر ہی میں رہوں۔ اسی پر عمل کر رہا ہوں۔ پٹنہ ہی سے یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں، بمشکل ایک آدھ کارڈ ہی لکھا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بعافیت ہوں گے اور اپنے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔ آپ تنہا آدمی ہیں جن کے ذریعہ حیدرآباد کے علمی ماحول کے اندازہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ فرصت ہو تو کچھ لکھیے، خصوصاً ہمارے پارسی دوست[1] کہاں ہیں۔ آپ نے بشارت ان کی آمد کی سنائی تھی اس کا کیا ہوا؟ اور ہاں "میلادی مکاشفات" کا انجام بھی معلوم نہیں ہوا، اگر چھپ گئی ہو تو نمونۂ چند کاپیاں ارسال فرمائیے۔ ڈاکٹر غوث صاحب کو سلام فرمادیجیے۔

برادرم مولوی شاہ عبدالرزاق الموسوی سلمہٗ سے ملاقات ہو تو سلام عرض کردیجیے گا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱؎ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

(۲۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷؍جولائی ۱۹۵۴ء

برادرِ عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دس پندرہ دن سے زیادہ مدت گزری کہ آپ کا نوازش نامہ، حسبِ توقع معلومات پر محیط باعثِ مسرت واطمینان ہوا۔ بچی سلّمہا کی ننھی انگلی کے نشان کو دیکھ کر غیر معمولی خنکی حاصل ہوئی، یہ آپ کے اخلاص ومودّت کی علامت تھی۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ بچی سلّمہا کو سعادتِ دارین سے سرفراز فرمائے اور ماں باپ کی آنکھوں کی قرۃ العین بنی رہے۔

یہ آپ نے اچھا کیا کہ پٹنہ جیسے دور دراز مقام کا سفر اختیار نہ فرمایا۔ آپ لوگوں کی مخلصانہ دعائیں کہیں سے ہوں کام کرتی ہیں۔ بحمد اللہ پہلے کے لحاظ سے فقیر بہت اچھا ہے، لیکن تین مہینے کا فریش ظاہر ہے کہ معمولی حال تک تدریجی طور پر ہی پہنچ سکتا ہے، خصوصاً عمر کی جس منزل میں ہوں اس میں سیرۃِ اولیٰ کی طرف اعادہ کا تو خیال بھی شاید اب نہ کرنا چاہیے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا یَشَآءُ یُرِیۡدُ۔

امید ہے کہ اپنے حال اور ماحول کے حالات سے آگاہ فرماتے رہیں گے۔ میں ابھی گیلانی نہیں جا سکا ہوں، پٹنہ شہر ہی میں ایک عزیز کے مکان میں مقیم ہوں۔ ڈاکٹر صاحب جن کے زیرِ علاج ہوں، ان کا ابھی اصرار ہے کہ ان کے قریب رہوں۔ ''میلاد نامہ'' کا انتظار رہا، آپ نے لکھا تھا کہ عنقریب پہنچے گا۔ کاش! توجہ فرماتے۔

مناظر احسن گیلانی

(۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸؍دسمبر ۱۹۵۴ء

عزیز والاقدر ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا یہ دعا گو اس فکر ہی میں تھا کہ چند خاص امور کے متعلق لکھے کہ پیش قدمی آپ ہی کی طرف سے ہوئی جزاکُمُ اللّٰہُ خَیرَ الْجزاء ، ورنہ اس عالمِ گمنامی وایامِ کس مپرسی میں کون کسی کو پوچھتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پہلے کے اعتبار سے اب صحت بھی گونہ اچھی ہے، اگرچہ کہ پرہیز ودوا کا سلسلہ کچھ نہ کچھ جاری ہے۔ آپ نے خلافِ دستور کچھ اس محبوب شعبے کا ذکر نہ فرمایا جس سے قالب اگرچہ جدا ہو چکا ہے لیکن القلبُ عَلیٰ بَابِہ لیلاً ونہاراً۔

بڑی مسرت اس خبر سے ہوئی کہ رفیق پارسی[1] آج کل اسلامبول میں ہیں، کس موضوع پر درس دینے کے لیے بلائے گئے ہیں؟ ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کا جو نسخہ شام سے شائع ہوا تھا، وہ تو مل گیا تھا۔ آپ نے اس خط میں اس کی خبر دی ہے یا کوئی دوسرا نسخہ تیار ہوا ہے۔ تاریخ بخاری کی جلد سوم کا اتفاقاً مل جانا علم کی بڑی خوش قسمتی ہے۔ میں آپ کو بھی ایک بشارت سناتا ہوں۔ اس عالمِ نامرادی میں بھی کبھی کبھی لطفِ خفی کا ظہور ہوتا ہے۔ ایک کافی سرمایہ دار بزرگ افریقہ کے لاکھ پتی ہیں[2]، ان کا خط آیا ہے کہ قلمی کتابیں جن کی طباعت ضروری ہو، ان کی ایک فہرست بنا کر بھیج دو۔ سب سے پہلے میرے ذہن میں 'مصنف عبدالرزاق' کا خیال آیا جس کی تہذیب وتصحیح وتحشی کا آپ کام کر رہے ہیں، اس کے متعلق دریافت کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے اس کی طباعت کے متعلق کیا سوچا ہے۔ اگر کوئی خاص راہ سامنے نہ ہو تو کیا میں ان کو لکھوں۔ یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے زیلعی کی 'تخریج ہدایہ' اور املا کی شرح بخاری علامہ کشمیری طبع کرائی ہے۔ ہمارے رفیق پارسی بھی ہمارے ساتھ ان ہی کے ہاں مہمان تھے، ان سے وہ خوب واقف ہیں۔ علاوہ اس کتاب کے اور بھی آپ کے نزدیک جن آثارِ قدیمہ، علمیہ کتابی کی طباعت کی ضرورت ہو اس کی مفصل فہرست بنا کر بھیجیے، کتب خانہ آصفیہ وسعیدیہ کے نوادر کو بھی جا کر پڑھ لیجیے۔ سالار جنگ کا کتب خانہ سنا ہے عوام کے لیے کھول دیا گیا ہے اس کے نوادر میں بھی اپنے کام کی کوئی چیز ہو تو مطلع کیجیے۔ جامعہ کے کتب خانہ میں 'کشف الظنون' کا ایک بہت اچھا نسخہ ہے اس میں نوادر کے متعلق اس کی بھی خبر دی گئی ہے کہ کس کس کتب خانے میں ان کے نسخے پائے جاتے ہیں اس کو بھی پیشِ نظر رکھیے۔ سرخسی کی کتاب اصول فقہ پر کتب خانہ سعیدیہ میں تھی، کیا وہ طبع کے

لیے مل سکتی ہے؟ مولانا خیر المبین مرحوم کے ہاں "فتاویٰ تاتارخانیہ" کا ایک نسخہ تھا، بڑی اہم چیز ہے، طبع نہیں ہوئی ہے۔

آپ نے خود اپنے اور بھائی رشید سلمہٗ کی آمد کی خبر دی ہے، زندگی میں آپ لوگوں کو دیکھوں گا ایک خواب وخیال ہے۔ پٹنہ کی لائبریری کے جائزہ کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ کاش! یہ ارادہ پورا ہو۔ آپ کی بچی بلقیس سلمہا کو دعا و پیار میری طرف سے پہنچائیے۔

"النبی الخاتم" چھپے گی اس خبر سے خوشی ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ "سوانح قاسمی" یعنی دارالعلوم دیوبند کے بانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کی پہلی جلد بحمد اللہ طبع ہوگئی، حیدرآباد پہنچی؟

رشید صاحب اینڈ کو، کی خدمات میں آپ کے اس دور افتادہ خادم کا سلام یگان یگان پہنچا دیجیے۔

خویدکم الفقیر
مناظر احسن گیلانی

---

۱ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲ مولانا محمد بن موسیٰ میاں، بانی مجلس علمی ڈابھیل وکراچی

۳ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید

(۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ر دسمبر ۱۹۵۴ء

گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر میاں یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خاکسار کی فرمائش کے مطابق مکتبہ الھدیٰ نے کئی دن ہوئے "نئے میلاد نامہ" کے مطلوبہ نسخے ارسال کردیے۔ میں آپ کے خط کے انتظار میں رہا اس لیے رسید اس کی نہ لکھ سکا۔ تعجب ہے کہ خلافِ دستور آپ کا کوئی عنایت نامہ اس وقت تک نہیں ملا۔ اسبابش خیر باد۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ الھدیٰ کے منیجر صاحب کو مطلع فرمادیجیے کہ پارسل ان کا مل گیا ہے۔ خوب جی بھر کر لوگوں میں بانٹنے کا موقع

ملا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔کتابوں کے نکلنے کا رنگ کیا ہے۔ ڈاکٹر زاہد علی[1] کی کتاب[2] پر ماجد میاں نے 'صدق'[3] میں کافی ضخیم نوٹ لکھا ہے، نظر سے گزرا ہو گا۔ کوئی شبہ نہیں کہ زاہد علی صاحب نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کا اس کو شہکار قرار دینا چاہیے۔ میں ان کی کتاب کا بار بار مطالعہ کر چکا ہوں، لیکن سیری نہیں ہوئی۔ اس کا افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے فاطمیین مصر کی جو تاریخ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے لکھی ہے، میرے پاس موجود نہیں ہے، وہ ہوتی تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ خدا جانے دار الترجمہ میں وہ کتاب ملتی بھی ہے یا نہیں۔ اور کیا عرض کروں، دعا کرتا رہتا ہوں کہ امت مرحومہ ابتلا کے جس دور سے زمین کے ہر حصے پر گزر رہی ہے یہ دور ختم ہو، کام کرنے اور ڈٹنے کا وقت یہی ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ کی کتاب ''یونیورسٹیوں میں اسلامیات و شرقیات'' چھپ کر پریس سے باہر نکل آئی یا نہیں۔ خاکسار کی کتاب مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم کے ڈھائی سو صفحات چھپ کر میرے پاس پہنچے ہیں۔ پوری کتاب تین جلدوں میں سنا ہے کہ شائع ہو رہی ہے۔ ہر جلد کی ضخامت ۵۰۰ صفحات ہو گی۔

فقط خاکسار

مناظر احسن گیلانی

محب پارسی کا حال بہت دن سے آپ نے نہ لکھا۔ ان کے نام خط لکھیے تو خاکسار کا سلام۔

---

[1] سابق صدر شعبۂ عربی نظام کالج حیدر آباد دکن

[2] کتاب کا نام ہے ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام''

[3] ہفت روزہ صدق، لکھنؤ بابت

(۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ر دسمبر ۱۹۵۴ء

گیلانی

الفاضل الاعز الکریم الدکتور یوسف الدّین صاحب ایدکم اللہ بنصرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کیا عرض کروں، آپ کے مفصل و مبسوط مکتوب اور

مکتوب کے ساتھ رفیق پارسی[1] کا مسودہ بھی ملا۔ خیال یہی تھا کہ مفصل جواب لکھوں گا لیکن مفصل تو مفصل، مختصر کارڈ رسید کے طور پر بھی لکھنے کا موقعہ نہ مل سکا، خدا جانے آپ کن وسوسوں میں مبتلا ہوں گے، بس اس کو رسید ہی خیال کیجیے اور میرے مفصل عریضہ کا انتظار کیجیے۔

حیدرآباد کے خط سے یہ معلوم کر کے دل کو بڑی تکلیف پہنچی کہ میرے قدیم دوست نواب احمد نواز جنگ بالآخر اپنی منزل کو پہنچ گئے۔ حیدرآباد کے اُفق کا ایک نیّرِ درخشاں غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ ان کے صاحبزادوں کے نام تعزیت کا تار دیا ہے اور خط بھی لکھ رہا ہوں، دل کافی متاثر ہے، بڑے پرانے تعلقات ان سے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ۔

آپ کی فہرستِ کتب مخطوطہ سے کافی مدد ملی۔ الابوسی کی ''اسرار الفقہ'' خوب یاد دلایا، میرے دماغ سے اس کا خیال ہی نکل گیا تھا حالانکہ سرور جنگ کے کتب خانہ سے فقیر ہی نے اس کو برآمد کر کے لوگوں کو مطلع کیا تھا۔ آپ نے ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کے متعلق کچھ نہ لکھا، بڑی مسرت اس خبر سے ہوئی کہ مولانا ابوالوفاء صاحب کا ادارہ[2] بحمد اللہ زندہ ہی نہیں کام کر رہا ہے، سرخسی کے اصول کو واقعی وہ چھاپیں گے بڑا کام کریں گے۔ طحاوی کی ایک تاریخ اور بدر الدین عینی کی تاریخ کا بعض لوگ ذکر کرتے ہیں۔ کہیں ان کتابوں کا پتہ بھی ہے؟ بہر حال محض اس لیے اس کارڈ کو ڈال رہا ہوں کہ آپ مطمئن ہو جائیں، باقی باتوں کا جواب آئندہ مفصل مکتوب میں دوں گا۔ رفیق بارسی کو سلام لکھا تھا، اس فقیر کے ساتھ انھوں نے غیر معمولی حسنِ ظن قائم فرما لیا ہے، بھلا اتنی ٹھوس معلومات سے لبریز کتاب پر فقیر کیا اضافہ کر سکتا ہے تاہم بطور مقدمہ چند سطروں کے لکھ لینے کا ارادہ کر لیا گیا ہے۔ وَعَلَی اللّٰہِ اِتْمَامِہٖ.

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

[2] مولانا ابوالوفاء افغانی بانی لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن۔ وفات: ۱۳؍رجب ۱۳۹۵ھ

(۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فروری ۱۹۵۵ء[1]

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کئی دن ہوئے نوازش نامہ آپ کا خدا جانے کیوں میرے ذوقِ علمی کے لیے سرمایۂ تسکین بنا ہوا ہے۔ آپ خط کیا لکھتے ہیں اپنی خاص دنیا اور خاص حلقے کے ان گوشوں کی خبریں سناتے ہیں، جن تک موجودہ حالات میں میرے لیے رسائی نہ تھی۔ قلمی مخطوطہ نویسی کا جو کام مولانا آزاد کی توجہ سے انجام پا رہا ہے میں اس سے قطعاً ناواقف تھا، بڑی مسرت ہوئی آپ نے 'معالم الدّین' کا ذکر بھی بڑے شاندار لفظوں میں کیا ہے۔ اب ہم جیسوں کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ شاید مقدر نہیں

؎ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

آپ کو میں نے اطلاع دی تھی کہ ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کا عمدہ نسخہ حیدرآباد میں مولانا خیرالمبین رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبہ میں تھا۔ ان کے صاحبزادہ صاحب نے زیارت بھی اس نسخہ کی کرائی تھی، میرے نزدیک یہ کتاب بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ ''معارف النعمانیہ'' نے بڑا کام کیا کہ شمس الآئمہ کی ''کتاب الاصول'' چھاپ دی، مولانا ابوالوفاء صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کے بعد تبریک وتہنیت اس علمی ودینی خدمت کی پہنچا دیجیے۔ شمس النظر کی ''کتاب الاصول''، جس کا ''کشف بزدوی'' میں عموماً تذکرہ آتا ہے اس کا پتہ بھی چلائیے۔ ہاں! ایک بات اس سلسلہ میں عرض کرتا ہوں، اصولِ فقہ میں درک حاصل کرنے کے لیے ''کشف بزدوی'' کا مطالعہ ضرور کیا کیجیے۔ اسی سے دوسری کتابوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ ابن ہمام کی تحریر ذرا مشکل ہے۔ علاوہ تاج سبکی کی ''جمع الجوامع'' بھی اچھی کتاب ہے۔ یہ سب مطبوعہ ہیں، 'اسرارِ دبوسی' کی طباعت کا نظم کرنا چاہیے، میں بھی کوشش کروں گا ان شاء اللہ۔ ابنِ رُشد کی بدایہ کے بعد اسی فقہی کتاب میں کتابی اور تحقیقی ترکیب نظر آئی۔ آپ کا کام ''مصنّف'' پر تو ہو رہا ہو گا ان شاء اللہ علمی دنیا کو ایک بڑی عظیم تاریخی اور دینی سرمایہ آپ دیں گے۔

آپ نے اپنی آمد کا منتظر بنا دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ نسبتاً فقیر کی صحت پہلے کے لحاظ

سے اب زیادہ بہتر ہے۔ مجلات (برہان، الفرقان، دار العلوم) میں مضامین کا سلسلہ زبردستی ان پرچوں کے مدیروں نے شروع بھی کرادیا ہے۔

''سوانح قاسمی'' حیدرآباد شاید اب تک نہ پہنچی ہو، پہلی جلد شائع ہو چکی ہے، مل جائے تو ضرور مطالعہ فرمائیے۔ دوسری جلد بھی عن قریب پریس سے ان شاء اللہ نکل جائے گی لیکن اشاعت کا کام حد سے زیادہ غیر تشفی بخش ہے۔

شعبہ[2] ان شاء اللہ باقی رہے گا۔ دل کا فیصلہ اب یہی ہے۔ ان صاحب کو بھی توجہ دلاؤں گا جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ معلوم نہیں آپ لوگوں کی تعطیل کا آغاز کب سے ہوتا ہے؟

بھائی رشید[3] سے امید نہیں کہ اتنا طویل سفر اختیار کریں گے۔ ملیں تو سلام کہہ دیجیے گا اور یہ کہ ؎

سُنتے ہو ٹوک، سنو کہ میرے بعد
نہ سنو گے یہ نالہ و فریاد

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

ڈاکٹر نظام الدین والی بات کا خاص خیال رکھیے۔ ایک خاص بات لکھنی بھول گیا۔ زکریا رازی کی کتاب حاوی پھلواری شریف کی خانقاہ سے ہاشم ندوی صاحب دائرۃ المعارف کے لیے لے گئے۔ ڈاکٹر نظام الدین نے اسی کے بارے میں پوچھا ہے۔ دوسرا خط عنقریب آپ کو لکھوں گا۔

ڈاکٹر پاریس[4] کے لیے الگ خط لکھوں گا۔

---

1. اصل خط میں صرف مہینہ اور سنہ لکھا ہے
2. شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی
3. ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، مولانا گیلانی کے شاگرد خاص
4. ڈاکٹر محمد حمید اللہ

(۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷؍رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ (۲۸؍اپریل ۱۹۵۵ء)

گیلانی (بہار)

از فریشِ علالت

والاقدر، عزیز محترم، الدکتور یوسف الدّین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آخر جس بات کا اندیشہ تھا وہی پیش آیا۔ پٹنہ پہنچ کر آپ نے بخیریت پہنچ جانے کی خبر دی تھی امید تھی کہ کلکتہ میں آ کر موقعہ نہ ملا تو حیدرآباد پہنچ کر آپ ضرور مطلع فرمائیں گے۔ لیکن آج رمضان المبارک کی ۷؍تاریخ ہے۔ انتظاری میں ایک ہفتہ بسر ہوگیا۔ اب انتظار نے گونہ تشویش کی صورت اختیار کر لی۔ آپ کی تشریف آوری اور واپسی کی خبر برادرم مظہر سلمہٗ کو دے چکا ہوں۔ بہرحال ارحم الرّاحمین سے دعا کر رہا ہوں کہ آپ بعافیت تمام اپنے اہل وعیال میں پہنچ کر خوش وقت ہو چکے ہوں گے۔ اس ساری زندگی میں پہلا اور شاید آخری تجربہ اپنے ایک دوست اور رفیق کے متعلق حاصل ہوا تھا کہ صرف اس فقیر کی عیادت کے لیے اتنے طویل سفر کی زحمت برداشت کی گئی[1]۔ اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوں۔ مجھے تو اس کی بھی امید نہ تھی کہ حیدرآباد میں اس فقیر کا کوئی یاد کرنے والا بھی ہوگا۔ لیکن آپ نے عملاً یہ کر کے دکھایا کہ اب بھی شرافت وسعادت کی شعاعیں سعید فطرتوں میں زندہ درخشاں ہیں۔ یقین کیجیے کہ اچانک اس کوردہ گاؤں میں آپ پر نظر جس وقت پڑی کہہ نہیں سکتا کہ مجھ پر کس قسم کی کیفیت فرح ونشاط کی طاری ہوگئی۔ آپ جتنے دن اس ویرانے میں مقیم رہے شاید گیلانی میں خوشی اور مسرت کے ایسے دن میرے کبھی گزرے ہوں۔ گو اس وقت بھی فریش ہی تھا لیکن چند دنوں کے لیے ایسا محسوس ہوا کہ صحت اپنی واپس ہوگئی۔ آپ کے جانے کے بعد کیا عرض کروں کہ مجھ پر کیا گزری۔ کاش کچھ روز اور بھی آپ کو روک لینے کا موقعہ میرے لیے آسان ہوتا، لیکن آپ کی خاطر مدارات سے معذور، جگہ بھی ایسی جہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں۔ جب تک جیتا رہوں گا دل سے یہ حسرت نہ نکلے گی کہ ڈاکٹر یوسف الدین کی مہمان نوازی کے قابل نہ تھا۔ نہ دل

ہی قابو میں تھا اور نہ دماغ، بس آپ کو دیکھتا تھا اور زندگی کے بھولے بسرے دن حیدر آباد اور جامعہ عثمانیہ کے تاریخی دنوں میں گزرے دن کا ایک ایک لمحہ حافظہ میں کروٹیں لیتا تھا۔ آپ سے باتیں کرتا تھا لیکن یہ قصہ اتنا دراز تھا کہ یہ چند دن اس کے لیے قطعاً ناکافی تھے۔ ایک جو زندگی ساری سہولتوں سے محروم ویرانہ کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے دل اس پر بھی راضی نہ تھا کہ وہاں آپ کو روک لینے کی جرأت کروں۔ بہر حال آپ کی محبتِ بے پایاں ہی کا یہ زور تھا کہ ساری مشکلات پر قابو حاصل کر کے اس گاؤں تک پہنچ کر ہی رہے۔ جو کوتاہیاں اس سلسلہ میں ہوئیں بجز اشکِ ندامت کے اور کس چیز کو آپ کے آگے پیش کروں۔ آپ کی محبت کا جواب بھلا وہ غریب بیمار کیا دے سکتا ہے جو اپنے پلنگ سے اٹھ کر مسجد تک جانے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ یقیناً آپ کو غیر معمولی زحمتوں کا شکار ہونا پڑا لیکن جہاں دوسری زحمتیں سفر کی آپ نے برداشت کیں ان زحمتوں کو بھول جائیے۔ افسوس میرے ارماں دل ہی میں گھٹ کر رہے۔ بغیر تصنّع کے عرض کر رہا ہوں۔

ان کوتاہیوں سے درگزر فرمائیے جن کو سوچ سوچ کر میں خود پیچ و تاب کھا رہا ہوں۔ آپ نے غیر معمولی تکلفات سے کام لیا اور میری طرف سے ان کے جواب میں کچھ نہ ہو سکا۔ بلقیس سلمہا[2] بے چاری کہتی ہوگی کہ دادا کے ہاں سے کیا لائے؟ اس کا جواب آپ اس بے چاری کو کیا دے سکتے تھے۔ میری طرف سے دعا کہہ دیجیے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ جن کی پکائی ہوئی مچھلی کے سالن کی تعریف میں میاں مکارم اب تک رطب اللسان ہیں۔ میں ان سے بھی شرمندہ ہوں کہ ان کے لیے کچھ بھیج نہ سکا۔ خشک سلام و دعا کی خشکی کا ازالہ کس چیز سے کروں۔ بہر حال بڑی مسرت اس کی ہوئی کہ تمام دوسری چیزوں کے مقابلہ میں علم کی خدمت کا ولولہ آپ کو ارزانی ہوا ہے۔ اور علم بھی وہ نہیں جو مار بن کر عالم ہی کو آخر میں ڈس لیتا ہے بلکہ محمد رسول اللہ (فداہ ابی و امّی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے معلومات و معارف سے جن کا تعلق ہے، میرے لیے بھی کافی ہے۔ امید ہے کہ جوہانسبرگ سے خط و کتابت کا سلسلہ آپ نے شروع کر دیا ہوگا۔ خدا کرے کہ مصنف عبدالرزاق[3] کو مطبوعہ شکل میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مروں۔ استفادہ کا موقع اب مجھ جیسے ناکارہ لوگوں کے لیے باقی نہیں رہا ہے لیکن ایک آرزو اپنی پوری ہوئی،

اس کی مسرت بھی کیا کم مسرت ہے۔ آپ کی واپسی کے بعد طبیعت زیادہ نڈھال ہوگئی۔ ہاتھ پاؤں پر ورم کی کیفیت پیدا ہوگئی اور دمہ کا حملہ ہوا۔ ایک ہفتہ سے صرف سنگترہ اور انار کے عرق پر زندگی گزر رہی ہے۔ شاید کچھ نئے امراض کا اضافہ ہوگیا۔ حلقۂ احباب میں جب کبھی شرکت کا موقع ملے تو اس فقیر کا یگاں یگاں سلام پہنچایئے۔

رشید پارٹی، خواجہ پارٹی، جواد پارٹی کے اراکین کے سوا خصوصی سلام مولانا رحیم الدین صاحب سے بھی فرمادیجیے۔

کیا خدا کی شان ہے، ان سے کتنی عظیم خدمات لینے کا ارادہ غیب سے کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے متعلق بھی ان کے جن حالات کا تذکرہ آپ سے سنا ان سے بہت ہی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کررہا ہوں کہ اپنے دین کی اہم خدمت ان سے لے۔

ڈاکٹر غوث صاحب کی خدمت میں بھی اس فقیر کا سلام و نیاز فرمادیجیے گا۔

مولانا فضل اللہ ادھر نہ آئے۔ شاید دکن ہی میں ہوں۔ ملاقات ہو تو ان سے بھی عرض کردیجیے کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ ان کی ملاقات کی تمنا دل میں ہے، کاش یہ تمنا پوری ہوتی۔

عزیز محترم مولانا شاہ عبدالرزاق قادری سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی سلام عرض کرتے ہوئے فرمادیجیے کہ اپنے قبلہ و کعبہ مولانا بادشاہ حسینی مدظلہ وتعالیٰ کی خدمت میں ان کا ایک نیازمند بصد ادب و نیاز عرض کرتا ہے۔ مولانا عبدالقدیر صاحب کے پاس جانا ہو تو اس فقیر کا سلام پہنچا دیجیے گا۔ ڈاکٹر عبدالمعید خاں اور ڈاکٹر راحت اللہ خاں صاحب سے سلام فرمادیجیے گا۔

آپ کو برادرم مکارم سلمہٗ جس دن سے آپ گئے ہیں مشکل ہی سے کوئی دن گزرتا ہو جو یاد نہ کرتے ہوں۔ وہ بھی طویل علالت کی مصیبتوں سے حال ہی میں نجات یاب ہوئے تھے۔ ان کو بھی افسوس ہے کہ مہمان نوازی کا حق ادا نہ کرسکے۔ دلی آرزو تھی خود نالندہ آپ کو لے جاتے لیکن اعصابی درد سے جو اس وقت تک کم نہیں ہوا، معذور تھے۔

آپ نے اس نسخہ کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا جس سے ڈاکٹر عبداللطیف کو اسی اعصابی

درد میں غیر معمولی فائدہ پہنچا تھا۔ خدا کرے کہ آپ سے ملاقات کا پھر کوئی موقع میسر آئے۔ الغرض بچے بوڑھے جوان ہر ایک کے دل میں اپنی محبت و اخلاص کا تخم بو کر آپ چلے گئے۔ سب ہی آپ کو یاد کرتے ہیں اور سلام دعا کہتے ہیں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ ڈاکٹر محمد یوسف الدین نے حیدر آباد دکن سے گیلانی تک کا طویل سفر صرف اپنے استاد محترم مولانا گیلانی کی زیارت کی خاطر کیا تھا۔

۲ ڈاکٹر محمد یوسف الدین کی صاحب زادی

۳ حدیث نبویؐ کا مجموعہ ''مصنف عبدالرزاق''

(۳۱)

گیلانی

بعد از ۲۰ رجولائی ۱۹۵۵ء

برادر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب رفیق پارسی[1] کے متعلق جس وقت سے ملا ہے اپنی ساری نارسائیوں کے باوجود جہاں تک ممکن ہو سلسلہ جنبانیوں میں مصروف ہوں۔ اس سلسلے میں یہ خط بھی مولانا دریابادی[2] کا موصول ہوا۔ پہلا خط جس میں تفصیل واقعات کی تھی سوء اتفاق دیکھیے کہ وہی نہیں ملا، یاد دہانی کا خط جب لکھا تب یہ کارڈ ایسے وقت میں ملا ہے کہ بدقت یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ برسات کی وجہ سے طبیعت پھر نڈھال ہو گئی ہے۔ خیال آیا کہ اس کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں اور آپ ہی دریابادی صاحب سے براہ راست رابطہ قائم کر لیں۔ ان کے سوالوں کا جواب دیجیے۔ میں خود بعض دوسرے ذرائع سے بھی کام لے رہا ہوں۔

دائرۃ المعارف پر کیا گزر رہی ہیں؟ ممکن ہو تو اب بھی مطلع فرمائیں۔ ایک بیمار گاؤں میں پڑا ہوا کیا کر سکتا ہے لیکن پھر بھی دل کا اس سے تعلق/ لگاؤ ہے۔

گیلانی کا بچہ بچہ آپ کو یاد کرتا رہتا ہے جس سے بھی آپ ملے اس کے دل پر

اپنے بلند شریفانہ اخلاق کے انمٹ نقش چھوڑ گئے، خصوصاً برادرم مکارم سلمہٗ دعا وسلام کہتے ہیں۔

مناظر احسن گیلانی

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲۔ مولانا عبدالماجد دریابادی

(۳۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳/اگست ۱۹۵۵ء

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ کئی دن ہوئے آیا، رکھا ہوا ہے جواب میں تاخیر کی وجہ وہی اپنی پرانی شکایت ہے۔ برسات کی وجہ سے معدہ متاثر رہا۔ اور معدے کے بگاڑ سے قلب بھی۔ بہر حال زندہ ہوں اور دعا کرتا رہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین مبین کی خدمت کے لیے آپ لوگوں کو توفیق عطا فرماتا رہے۔

اھیم بلیلی ماحییت وان انت

رو کل بلیلی من بھیم بھا بعدی

جن صاحب کی توجہ 'تدوینِ حدیث' کے مقالات کی طرف مبذول ہوئی ہے، ان سے شکریہ کے بعد عرض کر دیجیے کہ مجلسِ علمی ڈابھیل نے دو ڈھائی مہینے ہوئے اس سلسلہ کے چاروں مقالے اشاعت کے لیے کراچی منگوا لیے ہیں۔ اگر پہلے فرماتے تو ان ہی کی خدمت میں حاضر کر دیتا۔ رہا پانچواں محاضرہ ''اسماء الرجال'' کے عنوان پر، افسوس ہے اپنی شدید علالت کی وجہ سے، مرتب نہ کر سکا اور نہیں جانتا کہ اس کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔ مواد کافی عرق ریزی اور محنت کے ساتھ جمع کر چکا تھا، ترتیب نہ دے سکا۔

ابوالکریمین ہونے کی تہنیت پیش ہے۔ اس زمانے میں تجربہ ہی آپ کو بتائے گا کہ لڑکیوں کا وجود لڑکوں سے کہیں زیادہ مبارک اور والدین کے دینی و دنیوی فلاح وصلاح کے

لیے مفید ہے۔ بلقیس سلمہا کو دعا کہہ دیجیے اور یہ کہ دعا کریں خداوند رحیم اتنی قوت عطا فرمائیں کہ ان کا اور ان کے والدین کا حیدرآباد پہنچ کر مہمان بنوں۔ بڑی مسرت ہوئی کہ ہمارے پاری دوست اب اسلامبول طلب فرمائے گئے[1]۔ میرا بہت بہت سلام ان کی خدمت میں ارقام فرما دیجیے گا۔ مولانا فضل صاحب سے ملاقات ہو تو کہہ دیجیے گا کہ ۔
جن سے مجھ کو تھی اُمید وہ نہیں جانتے وفا کیا ہے۔

خستہ جگر

مناظر

مخدومی مولوی رحیم الدین صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔
مولانا محمد بن موسیٰ کو ان شاء اللہ لکھوں گا۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہر سال پیرس سے ترکی برائے تدریس جاتے تھے۔

(۳۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب استاذ الجامعۃ العثمانیہ اید کم اللہ بروح منہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کافی انتظار کے بعد آپ کا نشاط نامہ موجب انبساط و انشراح ہوا۔ بڑی خوشی اس کی ہوئی کہ ''مصنّف'' کی اشاعت کی گونہ صورت نکل آئی، شکریہ کا عریضہ مولانا محمد بن موسیٰ میاں کی خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ دائرۃ المعارف میں اس کتاب کی اشاعت کی اس زمانہ میں گنجائش نہ رہی، ورنہ سچ یہ ہے کہ اپنے حقیقی نصب العین کے لحاظ سے دائرۃ المعارف ہی اس کا مستحق تھا۔

عزیزہ بلقیس سلمہا کے نوید کو بھی اسی نامہ بہجت و سرور میں بار بار پڑھا۔ اخلاص و محبت کی جو شعاعیں اس رقعۂ دعوت کے ہر ہر لفظ سے پھوٹ رہی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا گھر ہی اس دعوت نامہ کے بھیجنے میں شریک ہے۔ بلقیس سلمہا کی پھوپی انیسہ سلمہا، انس سلمہٗ کی والدہ تک خاص طور سے اس دعوت نامہ کو پہنچا دیا۔ حیدرآباد میں رہنے کی وجہ سے تڑپ اٹھی لیکن ''بیمار باپ'' کی موجودہ حالت پر نظر پڑتے ہی اس بے چاری کی

آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ عزیز محترم! میں کیا بتاؤں کہ کن حالات سے گزر رہا ہوں۔ بس آپ عزیزوں کی یاد، اور آپ کے ہاتھ آئندہ علمی توقعات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ صادق کے جو خدمات ان شاء اللہ آپ لوگوں سے لیے جائیں گے ان کو سوچتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں، کرنے کا بھی ایک کام ہے۔

ہمارے ڈاکٹر پارسی[1] کو اس توفیق میں سے بحمد اللہ بہت کافی ووافی حصہ ملا ہے۔ آپ نے یہ خبر نہ دی کہ اسلامبول وہ تشریف لا چکے؟ یا کب تک لانے والے ہیں۔

پرنسپل عبدالرحیم صاحب (اصلی نام رحیم الدین صاحب) وَاَیَّدہُ اللّٰہُ بِنَصْرِہِ الْعَزِیْز کا شفقت نامہ بھی اس عرصہ میں ملا۔ خدا کا شکر ہے کہ 'الدّین القیم' کا ترجمہ انھوں نے بزبانِ انگریزی شروع کر دیا۔ اسی کتاب کا عربی ترجمہ غیر مطبوعہ مولوی احمد حسین خان (ٹونکی) استاد نظام کالج کے پاس تھا، معلوم نہیں کہ اب کس حال میں ہے، موجود بھی ہے یا غائب ہو گیا۔ ان کا ایک خط آیا تھا، جواب دیتے ہوئے ان سے بھی پوچھا تھا۔

اب جب لکھیں برادر اعز واکرم النّارسی ثم الاسلامبولی[2] کی خدمت میں فقیر کا بہت سلام لکھتے ہوئے یہ بھی ارقام فرما دیجیے گا کہ اپنے تازہ علمی افادات سے ہم دور اُفتادوں کو محروم نہ رکھیں کہ۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

رشید صاحب (استاذ نظام کالج) کی جدید ترقی کی خبر سے دل خوش ہوا، مبارکبادی کا خط ان کو لکھ رہا ہوں۔ حال میں ان کا خط آیا تھا، جس میں اس نئی ترقی کی بشارت نہ تھی۔ تحریق کتب و بخزانہ وتقسیم کی خبروں سے دل پر جو کچھ گزر رہی ہے، اسے کیا عرض کروں تاہم لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ۔

آخر میں آپ سے اور اپنی ننھی منی پوتی سلمہا، ان کی والدۂ محترمہ سب سے دست بستہ یہ عرض کروں گا کہ تھوڑی بہت صلاحیت بھی سفر کی ہوتی، تو اس مغتنم موقعہ سے ضرور نفع اٹھاتا لیکن ڈاکٹروں نے چارپائی سے اٹھنے تک کی ممانعت جس کو کر رکھی ہو، آپ خود سوچیں کہ سفر اور وہ بھی دکن کا سفر اس کے لیے کس حد تک آسان ہو سکتا ہے؟ یوں مجبوری میں تو

سب ہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ فقیر کی دعائیں آپ کے اہل البیت اور آپ کے لیے قبول ہوں۔ ارحم الرّاحمین سے اسی کی امید باندھ رہا ہوں، میری طرف سے بلقیس سلمہا کو بہت بہت پیار کیجیے۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے، دین اور دنیا کے علوم سے سرفراز فرمائے، اقبال مند بنائے۔

میرے گھر کے بچے، جوان، بوڑھے جن میں ہر ایک کے دل میں اپنی محبت واخلاص کا تخم بو کر آپ چلے گئے ہیں آپ کو بسا اوقات یاد کرتے رہتے ہیں۔ برادرم مکارم احسن گیلانی میرے منجھلے بھائی جو میرے تیماردار ہیں، آپ کو بہت بہت سلام کہتے ہیں۔

شکرانواں کے رئیس کے کتب خانے کا بھی خیال رکھیے گا۔ اکثر پوچھتے رہتے ہیں۔ مولانا فضل صاحب نے حیدرآباد پہنچ کر کسی نوازش نامہ سے سرفراز نہ فرمایا، ان سے اس کی شکایات ہے۔ ماشاء اللہ لَیتَ الشَّبَابَ یَعُودُ کے لیت کو انھوں نے لَعَلَّ سے بدل دیا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱، ۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

(۳۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ رنومبر ۱۹۵۵ء

گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدّین صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عزیزہ بلقیس سلّمہا کی تقریبِ مکتب کی مبارکباد عرض کرتے ہوئے آپ کا اور آپ کے سارے اہل بیت کا یہ دعا گو اس کارڈ کو بجائے کسی مفصل مکتوب کے اس لیے آپ کے پاس بھیج رہا ہے کہ ہدایا وتحف کا جو ریلوے پارسل آپ نے روانہ فرمایا ہے اور رجسٹرڈ لفافے میں اس کی بلٹی بھیجی ہے، ایک طرف آپ تو اخلاص و صداقت کے میدان میں کامیاب ہو کر نکل آئے، انتہا کر دی گئی کہ ریلوے کے اس پارسل کو

آپ نے پیڈ لکر دیا۔ کاش! اَن پیڈ پارسل ہوتا تو ریلوے اپنی رقم وصول کرنے کے لیے اس کو مقام مقصود تک پہنچا کر رہتی، لیکن اس نے تو اپنا کرایہ وصول کر لیا، رہا پارسل تو کچھ خبر نہیں کہ کہاں ہے اور اس پر کیا گزر رہی ہے؟ آپ کے حسب ہدایت اسی دن شیخ پورہ اسٹیشن پر آدمی بھیجا لیکن معلوم ہوا کہ وہاں پارسل نہیں پہنچا، بلٹی کو بھی جب لوگوں نے غور سے پڑھا تو شیخ پورہ کا ذکر نہ تھا، لکھنے والے صاحب نے صرف ''مونگیر'' لکھ دیا ہے۔ دوسرے دن مونگیر بھی خاص آدمی اسی پارسل کی تلاش میں روانہ کیا گیا لیکن وہاں سے بھی یہی خبر لایا کہ پارسل مونگیر اسٹیشن پر بھی اب تک نہیں پہنچا حالانکہ شیخ پورہ نہ سہی مونگیر تو بہر حال اس کو پہنچنا ہی چاہیے تھا۔ بہر حال مونگیر میں مولانا فضل صاحب کے چچا خانقاہ رحمانیہ کے سجادہ نشین بھی خاکسار کے عنایت فرماؤں میں ہیں بلٹی ان ہی کے حوالہ کر دی گئی ہے تاکہ دوسرے پھر تیسرے پارسل کی جستجو اسٹیشن مونگیر پر کرائیں، آجائے تو گیلانی بھیج دیں لیکن آج تک وہاں سے ہی کوئی خبر نہیں آئی ہے۔ الغرض اپنے امتحان میں آپ تو پاس ہو گئے، اب فقیر کا امتحان ہے، دیکھیے اس پارسل کے پتہ چلانے میں کب تک کامیاب ہوتا ہے۔ امید تو یہی ہے کہ آج نہیں تو کل کسی نہ کسی شکل میں یہ پارسل ان شاء اللہ تعالیٰ مل کر رہے گا۔ لیکن تلاش وجستجو کے اس ابتلاء میں مبتلا ہونا مقدر تھا آخر وہ پورا ہو رہا ہے۔ میاں انس سلمہٗ کو کسی نے کہہ دیا ہے کہ حیدر آباد سے تمہارے کھلونے آرہے ہیں، روز صبح کو آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ حیدر آباد سے اپنے لیے کھلونے نانا ابا کیا آ گئے؟ اس کی تسلی کر دیتا ہوں لیکن تقاضہ اس معصوم کا روز بروز شدت پذیر ہو رہا ہے، شاید اس کی معصومیت اس سلسلہ میں کام کر جائے۔

آپ کو میرے عریضہ کا انتظار ہو گا اس لیے یہ کارڈ ڈال رہا ہوں۔ آپ کی طرف سے کام پورا ہو چکا ہے۔ اب دوسرے طرف کی کارروائی کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

بلقیس سلمہا کو میری طرف سے دعا اور پیار۔ اور اپنے اہل بیت کی خدمت میں رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ کا مژدہ سنا دیجیے کہ آپ لوگوں نے اپنی خوشی کے موقع پر اس فقیر کو یاد رکھا۔ اس کا شکریہ اپنی طرف سے اور اپنے اہل خاندان کی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ ۔ والسلام خاکسار

مناظر احسن گیلانی

Paid لے

(۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء

عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عزیزہ بلقیس سلمہا اپنی نور چشمی زادہا اللہ عمراً وعلماً کی مکتب کی تقریب سے ہدایا کے جس ریلوے پارسل کی آپ نے اطلاع دی تھی، لکھ چکا ہوں کہ ریلوے والوں کی غفلت سے بجائے شیخ پورہ کے وہ کہیں اور چلا گیا۔ آدمی مونگیر بھیجا، مگر پتہ نہ چلا، جواب کا اور رسید کا آپ کو انتظار ہوگا، اس لیے کارڈ لکھ مارا۔ لیکن خط لکھنے کے بعد ہی مولانا منت اللہ صاحب، مولانا فضل صاحب کے عم محترم نے پارسل کا پتہ چلا کر گیلانی بھجوا دیا، تار سے جس کی خبر آپ کو دی گئی۔ الحمد للہ ہر چیز نہایت اچھی حالت میں کلیتہً محفوظ ملی، مچھلی کے اس خاص سالن کو مزے لے لے کر لوگوں نے اڑایا۔ باوجود پرہیز کے اسی سالن کی حد تک خاکسار نے بھی بد پرہیزی کی، لطف ولذّت کا دوگونہ کیف حاصل ہوا۔ اپنی پیاری پوتی کو دل نے دعائیں دیں کہ ان کی بدولت مدت کے بعد ایک لذیذ غذا سے لذّت اندوز ہونے کا موقعہ ملا۔ میاں مکارم نے تو کئی دن تک اس کے سلسلے کو جاری رکھا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیرَ الْجَزَآء۔ اگر پارسل کو آپ ان پیڈ بھیج دیتے تو ریلوے والے اپنے دام کی وصولی کے لیے اتنی غفلت سے کام نہ لیتے۔ بلٹی میں شیخ پورہ کا نام ندارد کر دیا گیا حالانکہ پارسل کے اوپر دیکھا کہ تفصیلی پتہ شیخ پورہ بربگھا تک موجود تھا۔ میری طرف سے آپ، اپنی اہلیہ محترمہ اور گھر کے دوسرے ارکان کو سلام و نیاز پہنچا دیجیے۔ بلقیس سلمہا کو میری طرف سے پیار کیجیے۔

ارحم الرّاحمین کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ادھر دس بیس دن سے طبیعت نسبتاً اچھی ہے، اتنی اچھی کہ علالت کے اس طویل دور میں کبھی اتنی اچھی نہ رہی تھی۔ شاید اسی مچھلی کے سالن کی یہ برکت ہے جس کی روح صرف اخلاص ومحبت تھی۔ دعا فرمایئے کہ یوں ہی چند دن اور

گزرے تو زندگی جو مدت سے بے کاری کی وجہ سے بدتر نظر آتی تھی، کچھ کارآمد ہو جائے۔
چند کتابوں کی تکمیل کا مرحلہ پیش نظر ہے۔ 'تدوینِ حدیث' کے محاضرے کی طباعت کا کام بڑے اچھے پیمانے پر کراچی میں شروع ہو گیا ہے۔ مولوی غلام محمد صاحب[1] داماد مولانا محمد علی کی نگرانی میں اس کام کو کر دیا ہے۔ بڑی محنت اور توجہ خاص سے وہ وہ اس کو انجام دے رہے ہیں۔ پانچواں محاضرہ اسماء الرجال والا افسوس ہے کہ تیار نہ ہو سکا۔ مواد اکٹھا ہو چکا تھا کہ بیمار پڑ گیا۔

شکر ہے کہ ''سوانح قاسمی'' کی دوسری جلد بھی پریس سے چھپ کر باہر آ چکی ہے، ایک نسخہ مولانا طیّب صاحب کا بھیجا ہوا، اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے۔ تیسری جلد اس کتاب کی بھی مولانا طیّب صاحب کی فرمائش ہے کہ خاکسار ہی لکھے۔ صحت کی خرابی مانع آ رہی ہے۔ خدا کرے کہ ان ہی کاموں کی طفیل میں ضائع شدہ قوت کا کچھ حصہ واپس مل جائے۔ دعا فرماتے رہیے۔

مصنّف[2] کے کام اور اس کے تمام حالات سے مطلع کرتے رہیے۔ مولانا رحیم الدّین پرنسپل صاحب سے ملاقات ہو تو سلام فرما دیجیے گا۔ ''الدّین القیم'' کے ترجمہ کا کام کیا مولانا نے پورا فرما لیا یا ابھی کچھ باقی ہے۔

آپ نے اخ پارسی[1] کے متعلق ادھر کوئی خبر نہ دی۔ خیال تھا کہ قسطنطنیہ وہ آ چکے ہوں گے مگر اس کی خبر اب تک کسی ذرائع سے نہیں ملی، ضرور، ضرور مطلع فرمائیے اور یہ کہ ان کا پتہ قسطنطنیہ کا کیا ہے۔ بارِیس میں بھی ہوں تو وہاں کا پتہ ہے؟ ''سوانح قاسمی'' ان کی خدمت میں چاہتا ہوں کہ بھجواؤں۔ خط لکھیے تو میرا بہت بہت سلام ان کی خدمت میں عرض کیجیے۔ ان کے افادات کے مطالعہ کے لیے دل تڑپتا رہتا ہے۔ کام کی چیزیں لکھنے والے بہت کم ہیں۔ حیاہ اللّٰہ وابقاہ وینفع المسلمین بطول بقائہ۔

اور پرسانِ حال دوستوں، بزرگوں کو سلام و دعا فرما دیں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

1. In Paid۔
2. مصنف عبدالرزاق۔

سے مولانا غلام محمد حیدر آبادی تلمیذ مولانا گیلانی جن کے نام خطوط اس کتاب میں شامل ہیں۔
سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

(۳۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ر نومبر ۱۹۵۵ء

برادر محترم مولانا محمد یوسف الدین صاحب ایم اے سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا ایک عنایت نامہ سالم چپراسی کے ذریعے مل گیا تھا۔ اس کا جواب کیا دیتا بجز اس کے کہ آپ کا شکر یہ بیچارے مظلوم مظہر سلمہٗ کے ساتھ ہمدردی کا ادا کروں۔ اس بیچارے کو وعدہ کر کے سردست سو روپے الاؤنس کی جگہ قبول کرا لینا۔ اس کی جگہ سے بھی دست بردار یاروں نے کرا دیا اور ۱۹۵۵ء کا موازنہ نکل گیا جس میں گلبرکہ شریف کے معاشیات کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ اس چیز نے مظہر سلمہٗ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ مجھ پر جھلاتے ہیں کہ تعلیمی لائن میں داخل ہونے کا مشورہ میں نے دیا تھا ورنہ میر نواز جنگ نے تو ان کو امتحان لینے کے وقت ہی اپنے محکمے کے لیے چن لیا تھا۔ میں اس بیچارے کو کیا جواب دوں؟ یہ واقعہ ہے کہ ان کے تلامذہ اور رفقاء ان کی تدریسی صلاحیتوں کے غیر معمولی طور پر مدّاح ہیں لیکن جہاں ہمتوں کو توڑنے میں اتنی بے دردی برتی جاتی ہو تو اچھا کام کرنے والا بھی بگڑ جاتا ہے۔

خیر اس وقت یہ خط آپ کو اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ورنگل تبادلہ کرانے کی تدبیر کیا اختیار کی جائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ محترمی مولوی رحیم الدین صاحب آپ کے صدر صاحب کی دستگیری اس معاملہ میں کچھ مفید ہو سکتی ہے۔ میں جانتا نہیں ہوں اس لیے آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ اس کی مجھے قوی امید ہے کہ آپ کے صدر صاحب کے اختیار میں کوئی بات ہو گی تو ان شاء اللہ وہ اس میں کوئی کمی نہیں فرمائیں گے لیکن قبل اس کے کہ میں ان سے کچھ عرض کروں، یہ تو دریافت کر لوں کہ وہ بیچارے اس معاملہ میں کچھ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔

نیز یہ بھی خارجاً مسموع ہوا ہے کہ فریدی صاحب کسی دوسرے محکمے میں منتقل ہونے والے ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان کی جگہ کسی دوسرے کو ترقی ملے گی۔ شاید اس

صورت میں مظہر سلمہٗ کے لیے کوئی صورت نکل آئے۔ میں ان معاملات سے قطعاً ناواقف ہیں۔ آپ لوگوں کی اعانت کی حاجت ہے۔ مظہر بہت افسردہ دل ہو رہے ہیں۔ متعدد خطوط ان کے آچکے ہیں کہ موجودہ حالات میں وہ اس ملازمت ہی سے دست کش ہو جانا چاہتے ہیں۔ میں ان کو روک رہا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ ان کاموں سے کچھ اتنا ناواقف ہوں کہ مجھے تو اندھیرا ہی اندھیرا سا نظر آتا ہے۔ میرے خط کا جواب جلد دیجیے۔ مخدومی مولوی رحیم الدین صاحب سے میرا سلام عرض کیجیے اور ان سے دریافت فرمائیں کہ وہ اس معاملے میں فقیر کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مظہر سلمہٗ ان کو ایک اچھے استاد مل جائیں گے۔

خیر اندیش

مناظر احسن گیلانی

(۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱؍دسمبر ۱۹۵۵ء

برادر عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب اید نا اللہ وایا کم بروح منہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا نوازش نامہ کیا آتا ہے، مسرتوں اور خوش خبریوں کا ایک عطر مجموعہ ہوتا ہے۔ پارسل تو پارسل تار تک کے ساتھ جو سلوک کارندوں نے کیا ہے، کیا دنیا کو اس قسم کی بدنظمیوں کا تجربہ ''مغل کھانہ'' دور میں بھی ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ع زشتیِ اعمالِ ما صورت نادر گرفت + وَمَا ظَلَمْنَا هُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

-

بہر حال عزیزہ بلقیس سلمہا اللہ تعالیٰ وحماہا کی فرمائش پر ''تحفۂ ماہی'' کے ارسال فرمانے کا ارادہ فرمایا گیا ہے۔ خاص طور پر عرض کر رہا ہوں کہ اس خیال سے دست بردار ہو جائیے۔ گزارش پیش کر رہا ہوں کافی زحمت ہوتی ہے۔ بھائی! ریلوے والوں کے نشاط سے ڈاک والوں کا نشاط کچھ کم ہے، سکر ہی سکر جب ہر طرف ہو، اعالی وادانی متوالے ہوں تو پھر کس کے آگے فریاد کیجیے۔ اور کس سے داد طلب کیجیے۔ مقصود اخلاص و محبت ہے، سو یہ واقعہ

ہے کہ اس میدان میں بقول میاں مظہر سلمۂ میرے چھوٹے بھائی، ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب سب سے آگے بڑھ گئے۔ "سبق بھا عکاشہ" کی حدیث یاد آ گئی۔ فجزاکم اللہ عنّا خیر الجزاء۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ویرانے تک پہنچنے میں جو زحمتیں آپ نے برداشت کیں کسی دوسرے سے اس کی توقع مشکل ہے۔ اب تو یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ افاقہ کی رفتار اگر یہی رہی جس کا تجربہ آج کل ہو رہا ہے تو ممکن ہے کہ خود یہ فقیر ہی اپنے قدیم کرم فرماؤں دوستوں اور عزیزوں سے ملنے کی ہمت کرے۔

انگریزی و عربی طباعتوں کے سلسلہ میں آپ لوگوں کی ہمتیں قابلِ داد ہیں۔ اخباروں میں اس خبر کو پڑھ کر افسوس ہوا کہ ہمارے مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب کو کچھ ضعفِ بصر کی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے ان کو عیادت کا خط لکھا ہے آپ بھی لکھیں۔ خدا کرے کہ جو وعدہ سیّد صاحب نے فرمایا ہے وہ پورا ہو جائے۔ ایک بڑا خیر جاری ہوگا جس کی وہ بنیاد قائم فرما دیں گے۔ "صدق جدید" میں مولانا ابوالوفاء کے اس اصولی کارنامہ کا ذکر پڑھا لیکن افسوس کہ کتاب کے دیکھنے کا موقعہ اب میرے لیے باقی نہ رہا۔ کتابوں کا جو انبار اس وقت تک ہمارے پاس جمع ہو چکا ہے، وہی سر کا درد، ذہن کا بار بنا ہوا ہے۔ اب خریداری کی ہمت نہیں۔ مولانا ابوالوفاء کو بھلا یہ فقیر اب کیا یاد رہا ہوگا۔ ملاقات ہو تو فقیر کا سلام پہنچا دیجیے اور ان کے اس اولوالعزمانہ اقدام پر مبارکباد دیجیے[1]۔ سرخسی کے اصول کا یہ نسخہ آپ لوگوں کے خاندانی کتبخانے میں نظر سے گزرا تھا، یعنی سرسری نظر سے دیکھ لیا تھا۔ 'کشف بزدوی' میں اس کتاب کے جو اقتباسات پڑھنے میں آئے ان ہی سے کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ سلف کے ان علمی مجاہدات کے دیکھنے اور پڑھنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ اب ہمارے لیے تو کام کی جگہ ان کارناموں کے صرف نام ہی کا ذکر کافی ہے۔ مولانا ابوالوفاء کے پروگرام[2] میں اب کون کون سی کتابیں ہیں؟ دبوسی کی اسرار کا کیا ہوا؟ کیا تاتارخانیہ[3] کی طرف توجہ کرانے کا موقعہ ملے گا؟

ہمارے کرم فرما پرنسپل رحیم الدّین صاحب کی خدمت میں بہت سلام فرما دیجیے۔ الدکتور الپارسی اب ساحل باسفورس تک پہنچ گئے، بڑی خوشی ہوئی۔ خدا جانے ان کے ذریعہ کن مخزوناتِ اسلامیہ کو قدرت منصۂ طباعت و ظہور میں لانے والی ہے۔ میرا اسلام ضرور

بالضرور لکھ دیجیے جب کبھی لکھیے۔ خود فقیر بھی عریضہ گزار ہوگا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

چین کی یونیورسٹی نے اپنے ہاں اسلامی شعبہ حال میں کھولا ہے۔ ایک سیکولر حکومت وہ ہے۔

---

۱ 'اصول سرخسی' کی لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ سے طباعت کا ذکر ہے۔

۲ لجنة احياء معارف النعمانيه کے تحت

۳ فتاویٰ تتارخانیہ

(۳۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ رجنوری ۱۹۵۶ء

گیلانی (بہار)

برادر عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اپنی ایک خانگی نجی ضرورت کے سلسلہ میں خط رسانی کی خدمت آپ کے سپرد کی، جسے بحسن وخوبی آپ نے انجام دے دیا۔ ابھی اسی احسان کے شکریہ سے سبکدوش بھی نہیں ہوا تھا کہ قرۃ عینی وعیون الوالدین عزیزہ بلقیس سلمہا میری پوتی (حیاہا اللہ وحماہا) کا سوغات بھی آپ نے ارسال ہی فرما دیا۔ حالاں کہ تاکیداً عرض کر چکا تھا کہ اس کی زحمت اور وہ بھی ڈاک کے ذریعے ہرگز ہرگز برداشت نہ کیجیے گا، مگر آپ تو سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الف وسلام وتحیہ کے بھی راز شناسوں میں ہیں۔ کبھی عدم تعمیل حکم، تعمیل حکم سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اپنی یہی سنت چھوڑی ہے۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) حکم دے رہے ہیں کہ رسول اللہ کے لفظ کو عہد نامہ سے محو کر کے "بن عبداللہ" لکھ دو لیکن حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل سے اپنے آپ کو معذور ظاہر فرمایا۔ بہر حال ایک نہیں، دو بھی نہیں، تین تین ڈبے مچھلی کے سالن کے ایسے وقت میں پہنچے جب یہ فقیر بھی اس کے تناول میں حصہ لینے کے قابل ہو چکا تھا۔ الحمد للہ کہ دونوں وقت کھانے میں استعمال کیا، کسی قسم کا نقصان محسوس نہیں کیا۔ سالہا سال کے بعد

مچھلی کے لحم طری کو پہلی دفعہ استعمال کرنے کا موقع ملا۔ آپ کے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ بہر حال اس کو کھلا ہی کر رہے جو اس قسم کی چیزوں سے محروم تھا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنْ اَھْلِ بَیْتِنَا خَیْرَ الْجَزَاء۔

ایک مسلم ڈبہ پر تو فقیر نے قبضہ کیا اور ایک ڈبہ آپ کی استانی جی اور آپ کی بہن انیسہ سلمہا کے حصہ میں آیا۔ تیسرے ڈبہ پر برادرم مکارم سلمہ، نے قبضہ جمایا۔ اس سالن کے سب سے بڑے قدر شناسوں میں وہی ہیں۔ بہت احتیاط سے اس کو استعمال کر رہے ہیں، کم از کم ایک ہفتہ کو کھینچ کر لے جائیں گے۔ آپ کی مچھلی کا سالن آب و نمک تلخی و ترشی ہر اعتبار سے اعتدال کے آخری نقطہ تک پہنچا ہوا تھا، مرچ کی تلخی اور بالمبو کی ہلکی ترشی مسکہ کے گھی کے ساتھ مدتوں کے بعد میرے کام و دہن تک پہنچی۔

نور العین بلقیس سلمہا سے کہہ دیجیے کہ ان کے مکتبی جشن کی خوشی میں ان کا بوڑھا دادا بھی شریک ہو گیا۔ اس بیچاری کی آرزو کو خدائے برتر و توانا نے پورا فرما دیا۔ ورنہ کہاں حیدر آباد کا ترپ بازار اور کہاں بہار کا یہ کوردہ دور افتادہ گاؤں۔ عرب شاعر نے کہا تھا کہ

کیف الوصول الی سعاد و دونها

قلل الجبال و دونهن خیوف

لیکن جب ارادہ کر لیا جاتا ہے تو نہ قلل الجبال ہی ارادہ کی تکمیل میں حائل ہوتے ہیں اور نہ پہاڑی کھائیاں۔ بہت بہت دعا اور پیار، میری طرف سے آپ نمائندگی فرمائیے۔ بچی سلمہا کو پیار کیجیے۔ دعا کر رہا ہوں کہ ارحم الراحمین بخیر و عافیت اس کو دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ بدر الدولہ قدس اللہ سرہ العزیز[1] کے خاندان سے "جنس نسواں" کی اصلاحی مہم کچھ تعجب نہیں کہ اس بچی سلمہا کے سپرد ہو۔ آپ کی توجہ و تعلیم کا سلسلہ اگر جاری رہا تو ماذلك على الله العزيز۔

بلقیس سلمہا کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں بھی اس دور افتادہ کا مخلصانہ سلام پہنچا دیجیے۔ ان کو بڑی زحمت میں آپ نے مبتلا فرما دیا۔ کھانے والوں کا کیا ان کے سامنے تو پکی پکائی چیز آ گئی اور چٹ کر گئے، مگر ایک خام بساندھ گوشت رکھنے والی مچھلی کو خوش گواری کے اس مقام تک پہنچا دینا کہ کھانے والے انگلیاں چاٹ چاٹ کر رہ جائیں بغیر کسی

غیر معمولی محنت اور توجہ کے کیا ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کی ان جاں فشانیوں کا بدلہ عطا فرمائے گا کہ یہ کچھ بھی ہوا دینی رشتہ ہی کی بناء پر تو ہوا۔

ان کے سوا اور بھی دوسرے پرسانِ حال دوستوں، بزرگوں، عزیزوں کو سلام و دعا پہنچا دیجیے۔ خصوصاً ہمارے کرم فرما ترجمان القرآن مولانا رحیم الدّین صاحب پرنسپل کی خدمت میں ہدیۂ مسنونِ ضرور پہنچا دیجیے۔ ''الدّین القیم'' کا ترجمہ تو پورا ہو چکا ہوگا۔ موطا شریف کا ترجمہ کس منزل پر ہے۔ پریس عربی کا کیا ہوا؟ خطوط میں ان سوالوں کے جواب ضرور ارقام فرمایا کیجیے۔ اپنا حال اگرچہ وہی ہے کہ

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے

اسی لیے جی بھی چاہتا ہے کہ اس راہ کے بادیہ پیمایوں کو پکار پکار کر کہتا رہوں

رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

دائرۃ المعارف کا کیا رنگ ہے؟ ڈاکٹر نظام الدّین صاحب کا مرسلہ عربی سپاس نامہ پہنچا تھا۔ امید تھی کہ سلطان الحجاز حیدرآباد کے اس عربی پریس کی مدد فرمائیں گے لیکن اخباروں میں ایسی کوئی خبر نہ ملی۔

مولانا ابو الوفاء صاحب ؒ نے سرخسی کے اوّل فقہ کو شائع کر کے علم کی عظیم خدمت انجام دی۔ میری نظر سے تو اس کا قلمی نسخہ آپ لوگوں کے کتب خانہ سعیدیہ میں گزرا تھا۔

کل پرسوں دلی (برہان وندوۃ المصنّفین) کے ادارہ سے چند کتابیں وصول ہوئی ہیں جن میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے اسلامی شعبہ کے ایک استاد عمیم الاحسان کی بھی ایک کتاب ''فقہ و اصولِ فقہ'' کے متعلق ہے۔ زیادہ تر قیمتی مواد اس کتاب میں خاکسار کے ''ہفواتِ قلمیہ'' سے حاصل کیا گیا ہے لیکن حوالہ میں بجائے میری کتابوں کے ان ماخذ کے نام درج کر دیے گئے ہیں جن سے ریزہ چینی خاکسار نے کی ہے۔ غنیمت ہے کہ آخر کتاب کے ایک گوشہ میں ''علامہ شبلی'' کے ساتھ ''علامہ گیلانی'' کا نام بھی نہ معلوم کیسے قلم سے ٹپک پڑا ہے۔ کیا کروں لاکھ دل سے اس قسم کے چھچھورے خیالات کو نکالتا ہوں مقصود تو حق کی اشاعت ہے نام سے کیا کام، لیکن بہر حال آدم کی اولاد میں جو شریک ہے اس میں فرشتوں کی صفات کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ شاید آپ سے ذکر آیا تھا کہ ''علماء پاک'' میں ایک غیر معمولی

سربرآوردہ ہستی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی ہے۔ کراچی سے 'دعوت الحق' نامی جو پرچہ نکلتا تھا اور بڑے آن بان سے نکلنا شروع ہوا تھا اب غالباً بند ہو گیا اسی میں سیرتِ طیبہ پر مولانا عثمانی کا مقالہ مسلسل شائع ہونے لگا۔ دیکھتا ہوں تو سطر دو سطر نہیں بلکہ پیرے گراف کا پیرا گراف اور کہیں تو صفحہ دو دو صفحے "النبی الخاتم" سے بلفظہٖ نقل کرتے چلے گئے ہیں لیکن بھول کر بھی نام لکھنے والے کا نہیں لیا گیا۔ یہ طرزِ عمل ایک قدیم مذاق کے بزرگ کا تھا۔ 'الجماعۃ' نامی ایک رسالہ لاہور یا جھنگ (پنجاب) سے نکلتا تھا۔ ہمارے پی ایچ ڈی ڈاکٹر خلیفہ[3] صاحب نے اسلامی معاشیات پر ایک مضمون حوالہ قلم فرمایا۔ اوّل سے آخر تک مضمون خاکسار کی کتاب "اسلامی معاشیات" کے مقدمہ سے ماخوذ تھا۔ لیکن اصل مضمون نگار کا تذکرہ یہاں بھی غیر ضروری قرار دیا گیا۔

خیر ان قصوں کو چھوڑیے۔ ڈاکٹر پاریس[4] کے متعلق اب کے آپ نے عجب خبر سنائی۔ کیا اسلامبول میں مستقلاً قیام کا جو خیال تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔ اس صورت میں پھر اپنے وطن مالوف ہی کی طرف رجوع کرانے کی کوشش کیوں نہ کی جائے۔ میرا دل لگا رہے گا۔ خط لکھیے تو میرا سلام ضرور ضرور ان کو پہنچا دیجیے۔ آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ جوہانسبرگ والے مولانا محمد بن موسیٰ میاں[5] کی آنکھوں کی روشنی مرض ذیابیطس کی وجہ سے کم ہو رہی ہے۔ ان کا کوئی خط ادھر آیا تھا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

ہمارے غلام دستگیر رشید بھی ڈاکٹریٹ کے میدان میں پھاند پڑے۔ کیمبرج کے استاد مستشرقیات بھی ممتحنوں میں شریک ہیں۔ ملاقات ہو تو ان سے اور ان کی ٹولی سے بھی اس فقیر کا سلام عرض کر دیجیے گا۔

---

1. قاضی بدرالدولہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جدِّ امجد۔
2. مولانا ابوالوفاء افغانی بانی لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن۔
3. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ سابق صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی و بانی ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔
4. ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔
5. بانی مجلس علمی ڈابھیل و کراچی۔

(۳۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نومبر ۱۹۵۶ء

گیلانی (بہار)

برادر عزیز محترم ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب سلمہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل پارسل آپ کا ملا۔ مسرت سے قلب معمور ہو گیا۔ خیال یہ گزرا کہ "اسلام کے معاشی نظریے" چھپ کر آ گیا۔ مگر کھولنے کے بعد پژمردگی چھا گئی، جب بجائے نئی کتاب کے اپنی پرانی دقیانوسی کتاب زیر نقاب پوشیدہ نظر آئی۔ خدا جانے آپ نے اس فقیر کے اس کارڈ کا کیا مطلب سمجھا۔ میں نے تو لکھا تھا "اسلامی معاشیات" خواہ بھیجیے یا نہ بھیجیے، لیکن اپنی جدید الطبع کتاب تو بھیجیے۔ لیکن آپ نے خدا جانے بالکل برعکس اس کے عمل فرمایا۔ کیا کتاب ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہے کہ کہیں بھیجی جائے۔ بہر حال جس طرح ممکن ہو اپنی کتاب بھیج دیجیے، بلکہ میرے نام ویلو فرما دیجیے اور اسی میں اسلامی معاشیات کی قیمت بھی شریک کر دیجیے۔ جلدی میں یہ کارڈ لکھ رہا ہوں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

(۴۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷ رمئی ۱۹۵۶ء

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حق تعالیٰ سے داعی ہوں کہ آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ بخیر و عافیت رہیں۔ اس وقت اپنی چند نجی ذاتی ضرورتوں کے لیے مخاطب بنا رہا ہوں۔ یوں تو حیدر آباد میں اپنے دوستوں، کرم فرماؤں کی کمی نہیں ہے، اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ میرے سگے بھائی برادرم مظہر احسن سلمہ، وہیں ہیں، لیکن دل کا فیصلہ کچھ یہی ہے کہ

آپ ہی اس وقت صحیح معنوں میں کام آسکتے ہیں۔خدا کرے میرا یہ حسنِ ظن پورا ہو۔

(۱) قصہ یہ ہے کہ مخدوم محی الدّین صاحب، جن سے آپ غالباً واقف ہوں گے میری شدید ممانعت کے باوجود حال ہی میں بڑی زحمت برداشت کر کے اور مالی قربانیوں کے بعد گیلانی تک پہنچنے میں پچھلے دنوں کامیاب ہوئے۔ کچھ دن قیام کر کے واپس ہوئے۔ لیکن اپنی رسید کا خط انھوں نے کافی تاخیر سے لکھا، مدت اتنی گزر چکی تھی کہ حیدر آباد کو اب چھوڑ چکے ہوں گے اور اپنے مستقر سر سلہ ضلع بیٹر پر حاضر ہو چکے ہوں گے۔ خط جواباً تھا، اس میں بعض ضروری باتیں انھوں نے دریافت کی تھیں، لیکن حیران ہوں کہ جواب کہاں دوں، حیدر آباد میں بولتے تھے کہ سیف آباد کے پاس فوجی کوارٹر جو خالی ہوئے ہیں، ان میں ایک مکان کرایہ میں مل گیا ہے۔ اہل وعیال کو اسی میں رکھا ہے لیکن اتنا اجمالی پتہ کافی نہیں، پھر یکا یک ان کی بھیجی ہوئی چیز قصبہ بی بی پیٹھ لکھی ہے بذریعہ ڈاک پہنچی ہے۔ لکھا ہے کہ عید کرنے کے لیے حیدر آباد سے وطن یعنی بی بی پیٹھ آ گیا ہوں، لیکن کب تک وہاں قیام رہے گا، اس سے بندۂ خدا نے مطلع نہیں فرمایا۔ ان کے نام ایک سرکاری مراسلہ بھی گیلانی کے پتہ سے آیا ہے، اس کو بھی ملفوف کر رہا ہوں، زحمت تو ہوگی لیکن میری خاطر سے آپ ان کا، یا ان کے پتہ کا پتہ چلاتے، یہ مراسلہ ان تک پہنچ جائے، کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کیجیے اور آج کل ان کا ٹھیک پتہ کیا ہے، اس سے مطلع فرمائیے۔

(۲) ہمارے دوست مولوی غلام دستگیر رشید صاحب نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے یونیورسٹی میں مقالہ داخل کیا تھا۔ ایک ممتحن (میں بھی) اس مقالہ کا مقرر کیا گیا تھا۔ مقالہ اور اس کے متعلق اپنی رائے تقریباً دو مہینے ہوئے واپس کر چکا ہوں۔ لیکن ممتحنی کے معاوضہ کا جو کاغذ مراسلہ میں شریک تھا، برآورد[1] بنا کر اسے واپس نہ کر سکا۔ اب نہ معلوم معاوضہ کا یہ کاغذ کدھر رل مل گیا کیونکہ پانچ گھنٹے کی بے ہوشی کا دورہ جس زمانہ میں پڑا، اس کی وجہ سے بڑی افراتفری پھیل گئی۔ اب ہوش میں آیا ہوں تو دنیا طلبی کا خبط پھر سر پر سوار ہے۔ آپ تو جامعہ روزانہ تشریف لاتے ہیں صیغۂ امتحانات سے ایک سادہ برآورد کا کاغذ لے کر اگر بھیج سکتے ہوں تو بھیج دیجیے۔ معاوضہ بھی اس امتحان میں کیا ملتا ہے اسے بھی بھول گیا ہوں۔ اس کا علم حاصل کر کے خود ہی برآورد کے اس تختے کو دستخط کرنے کے لیے بھیج

دیجیے یا معاوضہ تحنی سے مطلع فرمائیے، تختے کے خانہ میں درج کر دوں گا۔

(۳) قاری قطب الدین صدر شعبۂ عربی نے عنایت فرمائی سے کام لیا تھا، ذرا ان سے دریافت تو کیجیے کہ پھر بادل برستا کیوں نہیں؟ صرف گرج ہی کر رہ گیا۔ تیسری بات ضروری نہیں ہے، میں خود ان کو خط لکھنے والا ہوں۔ آپ سے اور ان سے کچھ بے تکلفی ہو تو اجمالی الفاظ میں پوچھ لیجیے۔

اور کیا لکھوں، جس حال میں چھوڑ کر گئے تھے کشمکش موت وحیات میں مبتلا ہوں۔ کبھی اس حد تک افاقہ ہوتا ہے کہ اتنا طویل خط لکھ سکوں۔ مگر اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ بے بیان وگمان دورہ پڑتا ہے۔ پھر دو حرفوں کا لکھنا دوبھر ہو جاتا ہے، ادھر مولانا محمد بن موسیٰ جوہانسبرگ صاحب کا نوازش نامہ ملا تھا، وہ بے چارے بھی پیچیدہ امراض کا شکار ہیں۔ معلوم نہیں موعودہ رقم کی کل قسطیں ان کے ہاں سے اب تک پہنچ چکیں؟ ان کی صحت و عافیت کی خود دعا کیجیے اور دوسروں سے بھی دعا کرائیے۔

مولانا رحیم الدین صاحب نے الدّین القیم کا ترجمہ اگر مکمل فرما لیا ہے، تو اس کی اشاعت کی بھی کوئی صورت نکالی ہے؟ موطا اور بخاری شریف کے تراجم کے متعلق یہی سوالات ہیں۔

ہمارے صدیق حمیم پارسی ؔکے حالات سے ادھر آپ نے آگاہ نہیں فرمایا۔ قسطنطنیہ سے واپس کیوں ہو گئے۔ خط جب لکھیے تو بہت بہت سلام اس حقیر بیمار وعلیل کی طرف سے پہنچا دیجیے۔

خصوصیت کے ساتھ میری طرف سے اپنی دونوں بچیوں کو پیار کیجیے اور گھر میں سلام عرض کیجیے۔ مچھلیوں کے اچار کو یہاں تو خوب چاٹ چاٹ کر کھاتے ہیں۔ ایک صاحب تو پورا ڈبہ ہی اپنے ساتھ پٹنہ لے گئے۔ جس جس کو وہاں چکھاتے ہیں، وہ دوبارہ مطالبہ کرتا ہے۔ خدا کے لیے خواہ مخواہ کے اس اسراف بے جا کے سلسلہ کو بند کیجیے۔ آپ کی بیگم صاحبہ پر بھی کافی زحمت کا بار پڑ جاتا ہے۔

آخر میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں کہ آپ کی حد سے گزری ہوئی نیکی سے نفع

...ٹھانے کا ارادہ کیا۔ سارے حیدرآباد میں کوئی اب نظر نہیں آرہا ہے۔ جس کے سپرد اس قسم کی ...چھوٹی چھوٹی باتوں کا ارادہ کرتا بس:

کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

برادرم مکارم سلمۂ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یوسف صاحب تو بار بار ...اپنے ہدایا کی جھڑی باندھے ہوئے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ بہار کی کون سی چیز ایسی ہو سکتی ...ہے جسے تحفہ بنا کر ان کی خدمت میں پیش کروں۔

ترجمان القرآن، ہمارے دوست مولانا رحیم الدین کی خدمت میں بھی سلام فرما ...یے۔ ہو سکے اور یاد آجائے تو الہدیٰ بک ایجنسی سے "نئے میلاد نامہ" کے چند نسخے ...دائیے، خدا جانے نکاسی کا حال اس کے کیا رہا۔ آہ کہ دکن ہو یا بہار، پنجاب جیسے لوگوں ...پیدا کرنے سے قاصر ہے۔[۳]

ان ہی مذہبی کتابوں کی بدولت تاج پریس[۴] لاکھ پتی ہو گیا۔

والسلام
مناظر احسن گیلانی

...تنخواہ یا معاوضے کا کاغذ۔
...کٹر محمد حمید اللہ۔
...باعتی اور اشاعتی سہولتوں کی طرف اشارہ ہے۔
...ج کمپنی لمیٹڈ لاہور و کراچی۔

(۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۵[۱]ء

گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے آپ کی خدمت میں کچھ مدت ہوئی ایک طویل ...روانہ کیا تھا جس میں ایسی باتیں بھی تھیں جن کے جواب کا انتظار قدرتی طور پر کرنا ...تھا لیکن اس کے بعد بعض اخباروں سے ایسی خبریں معلوم ہوئیں جن کے بعد بجائے

انتظار کے سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد مولانا فضل کا ایک رجسٹرڈ خط ملا جو غالباً آپ کی ہدایت یا مشورہ سے بھیجا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں امکانی حد تک جو کچھ ممکن تھا وہ آپ ہی کے فرمانے کے بعد کر چکا تھا۔ مجھے اطمینان دلایا گیا ہے کہ نام وام کچھ متغیر و تبدل ہو جائے لیکن کام کسی نہ کسی رنگ میں جاری رہے گا۔ مگر آپ کے خط سے جو باتیں معلوم ہو سکتی تھیں ان کو دوسرے مجھ تک پہنچا نہیں سکتے۔ کوئی خط اس عرصہ میں آپ کا نہیں آیا۔ اب پھر تشویش میں ہوں کہ خدا جانے کیا صورت پیش آئی۔ مشکل یہ ہے کہ دراندازوں کی وجہ سے تفصیل کی گنجائش مراسلات میں باقی نہیں رکھی گئی ہے۔

اسی عرصے میں چند دن ہوئے برادر عزیز ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی قیمتی کتاب، (صحیفہ) ہمام بن منبہ کی حدیثوں کا مجموعہ مجھے ملا، لیکن اس میں بھی یہ لکھا ہوا نہ تھا کہ کس کی طرف سے یہ کتاب بھیجی گئی۔ دل کا حسنِ ظن کیا یقین تو یہی ہے کہ آپ ہی کی لطف فرمائی کا نتیجہ ہے۔ خیال تھا کہ کوئی خط بھی آئے گا لیکن جب نہ آیا تو تھک کر آج یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس ہمت مردانہ کی داد دیتا ہوں کہ انتشار و ابتری کے اس حال میں بھی امن و عافیت والے دنوں کے کام کا سودا ان کے اندر سے نہیں نکلا ہے۔ حقیقت ہے کہ ان کا یہ کام حدیث کی تاریخ میں "اکتشاف جدید" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصولی طور پر تقریباً ان حدیثوں کی توثیق اس مجموعہ سے ہو جاتی ہے جو بعد کی صدیوں میں لکھی جانے والی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ روایت اور کتابت دونوں طریقوں سے حدیثوں کا سلسلہ مسلمانوں میں ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور روایت سے کتابت کی، کتابت سے روایت کی تصدیق کے لیے ڈاکٹر صاحب کی یہ شائع کردہ کتاب ایک "زندہ شہادت" ہے۔ جَزَاهُمُ عَنَّا وَ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ الْجَزَاء ۔ آپ ان کی خدمت میں جب خط لکھیں تو میری طرف سے ان کو لکھ دیجیے کہ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ عام مولویوں سے بھلا ان خدمات جلیلہ کا وہم بھی شاید ہم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو شعبۂ دینیات ہی کے تعلیمی نظام کا ثمرہ ہے جو اس شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے مگر کیا کیجیے کہ پیدا ہی ہوئے ہم ایک ایسے زمانہ میں جب عقل اور معقولیت کی بساط الٹ چکی تھی" ہم چونکہ یہ چاہتے ہیں اس لیے یہی ہو کر رہے"

عناد اور جمود کے محور پر انسانی زندگی گردش کر رہی ہے۔ کچھ کہیے کچھ سنائیے لیکن عقل دماغوں میں ہو بھی تو ان کی طرف توجہ کرے۔ علم و اکتشاف کا ایک نیا دروازہ تھا.........[۳]

ذیل میں شمار کر لیا، میں ہمیشہ کہتا تھا یہ ہم پرانے ملا تھے جن سے شعبہ میں کام لیا جا رہا ہے، خود نئی چیز پیش کرنے پر قادر نہ ہوں، لیکن (جو غذا)[۴] اس شعبہ میں طلبہ کو مل ہی رہی ہے، کچھ بھی موقع دیا، کم از کم ایک صدی بھی، تو آٹھ دس آدمی ایسے ضرور نکل آئیں گے جن کے انکشافات پر دنیا سر دھنے گی۔ ہزاروں کو پڑھانے کے بعد امید تھی کہ کبھی تو وہ آٹھ دس آدمی مل ہی جائیں گے جنھیں اس شعبہ کے ذریعہ ہم ڈھونڈ رہے تھے لیکن پھلنے پھولنے سے پہلے ہی وہ درخت مرجھا گیا۔ تاہم اسی کو غنیمت خیال کرتے ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ، ڈاکٹر یوسف الدّین، ڈاکٹر غوث جیسے آدمی پچیس تیس سال کے اندر ہی اندر نکل آئے۔ دنیا دیکھے گی اور دیکھ رہی ہے کہ ان کی حیثیت قطعاً ہم جیسے دقیانوسی ملاٹھوں سے الگ ہے۔ ان کے کام کا رنگ ڈھنگ ہی دوسرا ہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ اطمینان جو دلایا گیا ہے وہ عملاً کس حد تک پورا ہوا یا پورا ہو سکتا ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ اجمالی شکل میں سہی کچھ اطلاع دے کر میری تشویش کا ازالہ فرمائیے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی تازہ (کتاب) شائع کردہ کے مقدمہ میں اس فقیر کے بھی بعض مقالات کے معلومات کو پیش کرتے ہوئے میرا ذکر فرمایا ہے۔ شرم سے گردن جھک گئی، یہ ان کی نوازش اور قدر افزائی ہے ورنہ کہاں ہم اور کہاں ہمارا ذکر۔ دمشق کی مطبوعہ کتاب میں اس پر ضرور افسوس ہوتا ہے کہ (اردو)[۵] پر جو مصیبت آئی اس کی خبر پہلے سے ہوتی تو ہم بھی ٹوٹی پھوٹی عربی میں ہی لکھتے پڑھتے۔ لیکن لکھنے پڑھنے کا وقت میرے لیے تو ختم ہو چکا ہے، تناسخ کے بھی تو ہم قائل نہیں ہیں ورنہ جھوٹی امید سہی مگر شاید یہ امید تو پال سکتے تھے کہ دوسرے جنم میں بجائے اردو کے عربی ہی کو اپنی تصنیفی زبان قرار دینے کا موقعہ ہو سکتا ہے کہ مل جائے۔

اپنا حال اور کیا عرض کروں۔ آپ نے بھی ایک دفعہ ڈانٹا تھا کہ اپنی شیخوخیت کا ذکر کر کر کے آپ نے لوگوں کو تھکا دیا ہے۔ حال میں مولانا عبد الماجد دریابادی نے پھر میرے ایک حیدر آبادی مراسلہ کو درج کرتے ہوئے بڑی سخت تنقید میری اس روش پر کی ہے لیکن

واقعی حال کو کیسے چھپاؤں، سر آنکھوں کو، آنکھیں کانوں کو، کان دوسرے اعضاء کو وداعی سلام کرتے رہتے ہیں۔ ''اجلِ مسمّٰی'' ان کے سلاموں کو آخری سلام بننے نہیں دے رہا ہے، ورنہ روز بروز قویٰ کا اضمحلال بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اللہ آپ جیسے نوجوانوں کی امنگوں کو سر سبز و شاداب رکھے۔ دل کی ساری مسرت صرف ان ہی توقعات کے ساتھ وابستہ ہے جو آپ جیسے نوجوانوں سے اپنے اندر پاتا ہوں۔ ڈاکٹر غوث صاحب کو بھی سلام فرما دیجیے۔

ہاں! باسی کڑھی میں اُبال والا مضمون نظر سے گزرا ہوگا۔ ہمارے کرم فرما مولانا فضل صاحب نے میرے مقالہ صائبین کے متعلق 'معارف' میں ایک مضمون شائع کر دیا ہے۔ جواب دینے کے لیے میں نے کوئی مضمون آج تک لکھا ہی نہیں جو کچھ سمجھ میں آیا شائع کرا دیا۔ مغز ہوگا تو دنیا مستفید ہوگی ورنہ مسترد کر دے گی۔

ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا

والسلام مناظر احسن گیلانی

---

1 یہاں خط کا کاغذ پھٹ گیا ہے اس لئے تاریخ موجود نہیں۔

2 ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

3، 4، 5 ان مقامات پر اصل خط کا کاغذ پھٹ گیا ہے اضافات قیاسا ہیں۔

بنام

نامعلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[1]حیدر آباد

برادر عزیز محترم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

جی ہاں مظہر سلمہٗ[2] سے آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تھا۔ خلافِ معمول اس دن باہر چلا گیا تھا۔ میں تو اسی دن سے آپ کے مسئلے کی فکر میں مشغول ہو گیا ہوں۔ امیر صاحب کی فرصت کا انتظار ہے۔ آپ سے زیادہ مسئلہ کے طے کرانے کی مجھے فکر ہے۔ باقی مظہر سلمہٗ سے آپ نے طباعت کے مسئلے کو جو چھیڑا تھا اولاً یہ بعد کی بات ہے لیکن آپ جامعۂ عثمانیہ کو مفت اپنا مقالہ کیوں دیں۔ اگر جامعہ اجازت دے تو کیوں نہیں کسی ناشر سے یہ شرط کر کے کہ اعلیٰ کاغذ اور کتابت کا اگر وعدہ کرے تو اس سے معاملہ کر لیجیے، کچھ مل ہی جائے گا۔ اعظم اسٹیم پریس کے مالک نے مجھ سے کہا بھی تھا لیکن میں نے کہا کہ ابھی قبل از وقت ہے۔

بہر حال میں امیر صاحب کی پہلی فرصت میں اس مسئلے کو طے کرانے کے بعد آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ زیادہ پریشان نہ ہوجیے اور اب پریشانی کی بات ہی کیا ہے جو ہونا تھا سو تو ہو ہی چکا۔ حافظ شریف صاحب جس جگہ کے لیے مجھے کئی بار لکھ چکے ہیں کیا اس میں کامیابی (کی) توقع ان کے لیے آپ کر سکتے ہیں۔ سینئروں کو چھوڑ کر جامعہ والے آخر کس بنیاد پر ان کو ترقی دیں گے۔　　فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] خط پر تاریخ درج نہیں۔

[2] مولانا گیلانی کے چھوٹے بھائی، مظہر احسن گیلانی۔

بنام

نصیر الدین ہاشمی [1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و مخدوم ہاشمی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تقریباً ایک مہینے سے آپ کی تقریر مطبوعہ "دار العلوم" کے حالات پر جو چھپ چکی ہے تلاش کر رہا ہوں باوجودیکہ خود میرے پاس تھی اور کئی کتابوں کے ساتھ میں نے اس کو مجلد بھی کرالیا تھا لیکن پوری کتاب ہی کوئی صاحب لے گئے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی نہیں ملی۔ مجبوراً آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر اس کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہو، زائد ہو تو ہدیۃً اور زائد نہ ہو تو چند دن کے لیے عاریۃً بھیج دیجیے۔ بھیجنے کی شکل یہ آسان ہوگی۔ آپ کے اردگرد یا آپ کے خاندان کے بچوں میں کوئی لڑکا جامعہ میں پڑھتے ہوں گے، ان کے حوالے کر دیجیے مجھے اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی ہے۔ جس طرح ممکن ہو کسی طرح اس تقریر کو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر کے مجھے مرہونِ منت فرمائیے۔ فقط!

نیاز مند قدیم: مناظر احسن گیلانی

---

[1] یہ تینوں خطوط بنام نصیر الدین ہاشمی ماخوذ از رسالہ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر ا، بابت نومبر ۱۹۵۷ء

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم و محترم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ سے فقیر نے تو صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب کہاں ملے گی تاکہ جامعہ کے کتب خانے کے لیے اور (ذاتی استعمال) کے لیے دو نسخوں کا آرڈر دے دوں۔ اگر اس کی طباعت کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو خواہ اور کوئی قدر

کرے یا نہ کرے خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدردان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنّفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پُر مواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے احسانات سے اُردو زبان سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ دکن کی اردو کے آپ ہی ابوالاباء یا ہیرڈوٹس ہیں۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن (اوّلیت)[1،2] کا اجر آپ ہی کے لیے مختص رہے گا۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر، میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کرسکتا ہے۔ اب آپ نے "دکن کے علم" کی طرف توجہ کی ہے۔ تجربہ آپ کو ہوا ہوگا کہ یہ کتنا دشوار کام ہے۔ مجھ سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ اپنی کتاب[3] میں دکن کے لیے تُو نے بہت کم جگہ رکھی۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ سوچ کر کے اور پہلے سے ارادہ کر کے یہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی اچانک ٹپک پڑی۔ میں نے دیباچے میں جو لکھا ہے کہ اکیس بائیس دن کی محنت ہے۔ یہ شاعری نہیں واقعہ ہے۔ اس پر بھی ابتدا سے آخر تک دکن کے ساحل کو میری کتاب مسلسل چومتی چلی گئی ہے۔ میں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلا دار الحدیث ہندوستان میں دکن ہی میں قائم ہوا۔ سب سے پہلے علم حدیث کی سرپرستی شاہانِ بہمنیہ ہی نے کی۔ افضل الدولہ بہادر، مولانا عبدالنبی احمد نگری، مولانا انوار اللہ خان وغیرہ کے متعلق تو مجھے بعض ایسی باتیں ملیں کہ اگر وہ نہ ملتیں تو میرا دعویٰ دلیل ہی سے مفلس رہ جاتا۔

آپ محنت کیے چلے جائیے پچھلی نسلوں کے قلب میں گزشتہ نسلوں کی بے وقعتی کا بیج شعوری غیر شعوری طور پر موجودہ طرزِ تعلیم نے بو دیا ہے۔ میں اس کو صرف علمی ہی نہیں بلکہ دینی کام سمجھتا ہوں اگر اس غلط جذبہ کا واقعات کی روشنی میں ازالہ کیا جائے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی تائید روح القدس سے فرمائے۔ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے ایسا رکھیے جس کے نتائج دنیا سے زیادہ آخرت میں آپ کے سامنے آئیں۔

نیاز مند: مناظر احسن گیلانی

[1،2] عبارت موجود نہیں اس لیے قوسین میں الفاظ قیاساً لکھے ہیں۔

[3] مولانا گیلانی کی معروف کتاب 'ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت'

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذرہ نواز! تحیۃ وسلام! جزاکم اللہ عنا خیر بخیر!

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان پر عمل کرنے کے لیے بھی ضرورت ہے کہ احسان کی قوت ہو۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے صرف اسی سے جس کے پاس سب کچھ ہے عرض کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی محنتوں کو بارآور فرمائے۔ جس دوسری کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے میں نے غالباً اس کے قلمی مسودے کا مطالعہ کسی صاحب کے دکھانے سے کیا تھا مگر اس کا علم نہ تھا کہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں کہاں ملتی ہے۔ جامعۂ عثمانیہ کے کتب خانے میں خدا جانے اس کا کوئی نسخہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔ اگر آ گیا تو دیکھ لوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر کے دو نسخے منگواؤں گا۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

آپ کی نظر سے خاکسار کی کتاب "تعلیم و تربیت" گزری ہے یا نہیں۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی زائد نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ ہے جسے اشاعتِ ثانی کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ دلّی سے منگواتا ہوں بھیج دوں گا۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں آپ کی کتاب سے معلومات کا اضافہ اس میں کروں گا۔ جنوبی ہند کی چیزیں اس وقت بہت کم ملیں لیکن کچھ چیزوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

بنام

پروفیسر شیوموہن لعل ماتھر[1]

کرمافرمائے فقیر جناب پروفیسر شیوموہن لعل صاحب!

پرسوں خاکسار کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب سے مسرور ہوا کہ زندگی کی چند خاص مسرتوں میں اس کو شمار کروں گا یعنی آپ کی مترجمہ کتاب ''تاریخِ فلسفہ ہندی'' کی جلدوں پر نظر پڑی۔ ایک چیز جس کے شوق سے میں زمانہ سے تڑپ رہا تھا گو اس سلسلہ میں بعض کتابیں میرے مطالعہ سے گزر چکی تھی لیکن آپ کی کتاب کی بات ہی اور تھی۔ اسی وقت لایا اور کل جمعہ کا سارا دن، اس سے پہلے کی رات الغرض سارا وقت جو بھی مل سکا اسی کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ پہلی جلد قریب قریب ختم کر چکا ہوں۔ میں آپ کو ایک کامیاب ترجمہ میں کامیاب ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہوسکتی ہے کہ مجھ جیسا ناواقف بر املاً بھی اس کی لذت میں ایسا ڈوب گیا کہ پھر ہوش وحواس کی خبر نہ رہی۔ اگرچہ اس میں شاید کچھ دخل میرے اس دماغی عارضہ کو بھی ہو جس میں مدت تک مبتلا رہا۔ فلسفہ کا ڈسا ہوا آدمی ہوں حالانکہ جی اُکتا چکا ہے لیکن پھر اسی قسم کی باتیں کوئی کرنے لگتا ہے تو بیتے ہوئے دن یاد آجاتے ہیں۔ بہرحال آپ کا ممنون ہوں کہ زبان کے حجاب کو اٹھا کر ''ہندی فلسفہ'' کے صحیح خدوخال کو آپ نے میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ ابھی دو جلدیں باقی ہیں ان کو بھی ان شاء اللہ پڑھوں گا۔

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی ہے آپ کو کچھ بھی فرصت اگر مل جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر میرے ان دو سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں:

(۱) شری شنکراچارشہ کے دادا ''استاد گوڈپاد'' کا وطن کہاں تھا اور تعلیم انھوں نے کہاں پائی تھی۔ اس کتاب سے اس کا پتہ نہ چلا البتہ شنکر کے استاد گوبند کے متعلق اتنا لکھا ہے کہ نربدا ندی کے کنارے کسی غار میں رہتے تھے۔

بہرحال مجھے گوڈپاد کے حالات کی جستجو ہے۔ کیا ان کے متعلق کچھ معلومات آپ فراہم فرماسکتے ہیں؟

گپتا صاحب نے چند موقعوں پر اس کو دہرایا ہے کہ لوگوں کو گوڈپاد پر بودھ مست ہونے کا شبہ تھا۔

(۲) شری شنکراچاریہ کی شرح 'گوڈپاد کی کاریکا' کے خاتمہ سے گپتا صاحب نے ایک عبارت نقل کی ہے۔ وہ اپنے بڑے گرو کے قدموں پر سر رکھ کر اس کی تعریف کرتا ہے جو اس کی تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔ جس نے دیکھا۔

''دوبارہ پیدائش کے مگرمچھوں کے خوف سے لوگ سمندر میں ڈوب رہے ہیں''۔

گپ ص ۶۱۴۔

گپتا صاحب نے حاشیہ میں گوڈپاڈ کاریکا بھاشیہ آنند آشرم ایڈیشن صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیا ہے۔ جناب کیا اتنی تکلیف میری طرف سے فرما سکتے ہیں کہ خود سنسکرت میں ان خط کشیدہ الفاظ کی تعبیر کن لفظوں سے کی گئی ہے اور ان اصلی الفاظ کی تفسیر میں کچھ اور پہلو بھی لغت کی مدد سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری سمجھ میں ''پیدائش'' کا مفہوم واضح شکلوں میں نہیں آیا۔ ''پیدائش'' سنسکرت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بظاہرہ اشارہ ''اواگون'' کے چکر کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سنسکرت کے الفاظ میں اور گنجائش بھی کیا نکل سکتی ہے۔

بہر حال میں آپ کی عدیم الفرصتی سے واقف ہوں نیز اس کی بھی توقع پوری نہیں کہ گوڈپاد کی کتاب کی یہ شرح اصل سنسکرت زبان میں حیدر آباد میں مل بھی سکتی ہے یا نہیں؟ کیا جامعہ میں اس کا نسخہ نہیں منگایا گیا ہے۔ یہ کتاب تو چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا بے حد ممنون و دعا گو: مناظر احسن گیلانی

۱؎ سابق استاد شعبہ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ ماخوذ از رسالہ نقوش، مکاتیب نمبر۱۔

بنام

ڈاکٹر محی الدین قادری زور[1]

(۱)

العزیز الاخ المحترم الدکتور زور صدر شعبۃ الاردویہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ضرورت سے بھی چاہتا ہوں کہ چند منٹ کے لیے آپ سے ملوں۔ نیز ذرا یہ بھی سوچ رکھیے کہ دکن کے علماء سلطنت قاہرہ و بہمنیہ اور طوائف الملوک دونوں عہد میں جو پائے جاتے تھے ان کا اوران کی خدمات کا سراغ کن کن کتابوں میں مل سکتا ہے۔ دکنیات میں آپ کی نظر وسیع ہے۔ یہ بتائیے کہ آج یا کل کالج میں کس وقت آپ سے ملوں۔

نیاز مند: مناظر احسن گیلانی

---

[1] ماخوذ از رسالہ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر ا بابت نومبر ۱۹۵۷ء

(۲)

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب دام لطفہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً آپ کو اطلاع ہو چکی ہوگی کہ بارگاہِ خسروی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد میں تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہو گیا۔ ہمدردانِ ندوہ کی مسرت کا باعث ہے۔ سیّد سلیمان صاحب اوران کے رفقاء اب پا بہ رکاب ہیں۔ مہینہ کی بھی ابتدا ہے، موعودہ رقم دارالعلوم کی امداد جو آپ نے براہِ مہربانی منظور فرمائی تھی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ سیّد صاحب تک اسے اب پہنچا دی جائے۔

مناظر احسن گیلانی

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز محترم ڈاکٹر پروفیسر زور صاحب قادری صدر کلیہ دارالعلوم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضہ نیاز کو آپ کی خدمت میں ایک حاجت مند مسلمان پیش کریں گے۔ آپ سے ایک سفارشی چٹھی کے آرزومند ہیں۔ براہِ راست آپ سے چونکہ ان کا تعارف نہیں ہے اس لیے خاکسار کو آپ تک رسائی کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہ ہو تو چند کلماتِ خیر سے ایک ضرورت مند کی امداد سے ان شاء اللہ آپ دریغ نہ فرمائیں گے اور امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

نیاز کیش ودعا گو: مناظر احسن گیلانی

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومخدوم ڈاکٹر زور صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حاملِ ہذا میرے شعبہ کے طالب علم ہیں۔ سال چہارم میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ میرے شعبۂ دینیات کے طلبہ کا دو مضمون (انگریزی ادب وعربی ادب) تو وہی ہوتا ہے جو فنون کے طلبہ کا نصاب ہے۔ صرف ایک مضمون (حدیث وتفسیر وکلام) اختیاری اور ایک لازمی فقہ کا مضمون یہ دینیات کے مضامین ان کے ہوتے ہیں۔ اس لیے گویا یہ فنون اور دینیات کے جامع ہوتے ہیں لیکن دینیات کا لفظ ان غریبوں کے ساتھ ایسا لگ گیا ہے کہ جس محکمہ میں بھی یہ درخواست دیتے ہیں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ملاّ سمجھ کر ان کو ٹال دیتے ہیں۔ گویا ناکردگی ونادانی کی یہ سند لے کر آدمی ملاّ ہو۔ مگر یہ ملاّ ہیں مرکب۔ لیکن ۔

یوسف کو پکڑے بیٹھے ہیں محشر میں داد خواہ
اک کھلبلی مچی ہے ترے اشتباہ میں

یہ بچہ جو آپ کے پاس جا رہا ہے بڑا غریب آدمی ہے۔ میں ان کے والد سے بھی واقف ہوں۔ بڑی پریشانیوں سے یہ بی اے تک پہنچا ہے۔ محکمہ آبکاری میں کچھ عملوں کی جائیدادیں تقرر طلب ہیں میں تو جانتا نہ تھا ان ہی سے معلوم ہوا کہ کمشنر آبکاری حال اور آپ کے درمیان ع ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے، والا قصہ ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یقیناً دونوں کے مراسم ہم زلفی بھی ہوں گے۔ کیا یہ چند کلماتِ خیر سے اس غریب بے وسیلہ

آدمی کی آپ امداد فرما کر اجر دارین حاصل کریں گے؟ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ محترم ڈاکٹر زور صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن گیلانی سلمہٗ اللہ تعالیٰ جو خوش قسمتی سے آپ ہی کے زیر سایہ کام کر رہے ہیں، موسم گرما کی تعطیل میں جب یہاں آئے تو آپ کی علمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کرتے رہے اور یہ بھی کہ چلتے ہوئے اس دور افتادہ ناکارہ کو آپ نے یاد فرمایا ہے۔ دیر تک جامعۂ عثمانیہ کی پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اللہ اللہ وہ بیتے ہوئے دن افضل حسین صاحب کے بنگلے میں کالج کا افتتاح، آپ جیسے ہونہار فرزندانِ دکن کا اس میں داخلہ اور اس کے بعد تیس سال تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا اچانک حافظہ میں ساری باتیں کروٹیں لینے لگیں حالانکہ زیادہ تو اب آنے والے دنوں کا خیال سامنے رہتا ہے جن میں بہرحال اس خاکی دنیا سے رشتہ توڑ لینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ لیکن کچھ دیر کے لیے مستقبل کی جگہ ماضی نے لے لی۔ یاد کرتا رہا، ان ساری باتوں کو یاد کرتا رہا جو یاد آسکتی تھیں۔ باتیں جن میں خندہ کے ساتھ گریہ بھی شریک ہے۔ گزر گئے وہ دن اور گزر جائیں گے یہ دن بھی جواب گزر رہے ہیں۔ ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ ''۔ مظہر سلمہٗ نے آپ کی جدید الاشاعت دو کتابوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں نے اپنے کسی خط میں ان کتابوں کے مطالعہ کی تمنا کا اظہار کیا تھا۔ آپ تک میری اس آرزو کو مظہر سلمہٗ پہنچائیں گے اور اتنی اہمیت آپ اس کو دیں گے کہ سننے کے ساتھ دونوں کتابیں ارسال فرمادیں گے۔ میں اس کی توقع نہیں کرتا تھا لیکن کل آپ کا مرسلہ پارسل ملا۔ امتنان وتشکر کے آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اب بھی اس فقیر کی یاد یارانِ دکن کے دلوں میں باقی ہے اس کا خیال آیا۔ دیر تک متاثر رہا۔ پارسل کو کھولنے کے ساتھ بیک نشست دونوں ہی کتابوں کو پڑھ گیا۔ دل کے زخم ہرے ہوگئے آپ نے خوب ہی تیر ونشتر تیار کیے ہیں۔

ایک ایسے ہرے بھرے چمن کو لوگ کیوں اجاڑنا چاہتے ہیں۔ دکن میں بھی کہتا تھا کہ

یار و احمد نگر، بیجا پور، ایلچ پور، حیدر آباد کو کیوں بنانا چاہتے ہو۔ اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے ہو۔ خداوند رحیم لوگوں کی سمجھ درست کرے۔ چند ذہنی اور فکری احساسات کے اختلاف کو اتنا اہم بنا دینا سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو کب سمجھیں گے۔ افکار و احساسات میں یکسانی بہ وجوہ دو تحقیقی ماں جائے بھائیوں میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ دین کا اختلاف یا مذہب کا اختلاف چند ذہنی تاثرات کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ آخر دنیا اس راز کو کب پائے گی۔ بھیڑوں اور بکریوں، شیروں اور لومڑیوں میں تو واقعی اختلافات ہوتے ہیں لیکن عیسائی، مسلمان، ہندو، یہودی کسی معنی میں بھی ان سبھوں میں کوئی ایسی ٹھوس خارجی بنیادیں اختلافات کی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ سب ہی تو آدمی ہیں۔ وہی دو کان، دو ٹانگیں، دو آنکھیں، اندر باہر سب کچھ سب ہی میں تو مشترک ہے۔ کیوں نہیں افکار و خیالات کے اختلافات کے ساتھ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار سکتے۔ اور کوئی ایسی زندگی چاہے بھی تو آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کہیں اس کو ایسی زندگی میسر آسکتی ہے جو احساس و افکار کے اعتبار سے قطعاً سپاٹ ہو، نشیب و فراز اس میں نہ ہوں۔ آپ کے تمہیدی کلمات سے دل بہت متاثر ہوا۔ قنوط اور یاس ابلیسی خاصیت ہے۔ ابلیس کو ابلیس کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ ناامید ہے۔ اپنے پیدا کرنے والے خالق کے متعلق یقین رکھنا چاہیے کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ حسن ظن خدا کے ساتھ رکھنا بھی رجائیت ہے۔ رجائیت کے رجحانات بھی آپ کی کتابوں کی جان ہیں۔ آج پر کل کو کیوں قیاس کیا جائے جب فردا ہمارے سامنے دیروزہ سے مختلف حالات کو لاسکتا ہے تو اس فردا کے پیچھے جو فردے پوشیدہ ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کن حالات کو ہمارے یا ہماری آئندہ نسلوں کے آگے لائیں گے۔

لاحول ولا قوۃ، قلم بہکا چلا جا رہا ہے۔ اٹھایا تو تھا کہ آپ کی اس نوازشِ نو کا شکریہ پیش کروں لیکن جنون میں خدا جانے کیا کیا بکتا چلا گیا۔ آپ کام کیے جائیے اور امیدوں کی امنگوں سے معمور ہو کر کیے جائیے۔ آپ کا یہ نیاز مند اگرچہ بوڑھا اور از کار رفتہ ہو چکا ہے، زبان تو بند ہو چکی ہے قلم ابھی کچھ ساتھ دے رہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہے کرتا ہی رہتا ہے۔ اپنے عزیزوں اور عنایت فرماؤں کو بھی اس کی تاکید کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے (ترجمہ جس کا یہ ہے) کہ ”قیامت ہی کیوں نہ قائم ہو رہی ہو

لیکن پودا جو تیرے ہاتھ میں ہے اس کو نصب کر دے"۔ قیامت اپنا کام کرے ہم اپنے کام کو انجام دیں۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

گیلانی (بہار) ۱۸ر ستمبر ۱۹۵۳ء

---

۱ ڈاکٹر زور کی ان کتابوں کے نام ہیں 'داستانِ ادب حیدر آباد' اور 'حیدر آباد فرخندہ بنیاد'

بنام

سیّد الطاف علی بریلوی[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم مولانا الطاف علی صاحب دام مجدکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے ہدایا (یعنی دفتر 'مصنف')[2] اور......[3] المصنفین کے شائع کردہ رسائل مولانا فضل اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے ذریعے سے اس وقت ملے جب موسمِ گرما کی تعطیل کے بعد میں حیدرآباد پہنچا۔ کئی دن سے شکریہ کا خط لکھنا چاہتا تھا، آج توفیق ہوئی۔ اس طباعت کی گرانی کے زمانہ میں آپ نے بڑی ہمت کا کام شروع کیا ہے۔ آپ کے رسالوں میں میری دلچسپی کی چیز مولانا فضل حق وعبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات تھے۔ میرے تعلیمی خانوادہ کے یہ اکابر ہیں البتہ جن صاحب نے لکھا ہے ان سے واقف نہیں ہوں......[4] تو خیال گزرا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے اس خیرآبادی خاندان کے[5] 'چراغِ سحر' حضرت مولانا برکات احمد کے حالات مجھ سے لکھوا کر ''معارف'' اعظم گڑھ میں شائع فرمانے کی صورت نکال دی تھی۔ میرے اس مضمون کو بھی جداگانہ ان ہی بزرگوں کی سوانح عمریوں کے طریقہ سے آپ کیوں نہ شائع کرا دیں۔ ارشاد ہو تو میں ''معارف'' سے نکال کر اس کو بھیج دوں یا آپ کے پاس ''معارف'' کی پرانی جلدیں ہوں یا کسی اور صاحب کے پاس مل جائیں تو ان سے بھی نکال کر اس کو شائع کرا سکتے ہیں، اگر خواہش ہو۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ پرسوں علی گڑھ سے پھر ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ وہاں پہنچ کر تقریر کروں۔ ان کا خط مجھ سے گم ہو گیا ہے غالباً ''قادری'' کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ کیا وہی قصہ ہے جس میں مجھے بلایا گیا تھا یا کوئی دوسری چیز ہے اور آنے کی صورت کیا ہوگی؟ حیدرآباد سے علی گڑھ آمد و رفت کا مسئلہ مصارف کے لحاظ سے بھی قابل غور ہے۔ بہرحال اگر آپ کو کچھ اس کا علم ہو تو مطلع

فرمائیے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، ۲۹؍ جولائی ۱۹۴۲ء

---

۱ ماخوذ از رسالہ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر ا بابت نومبر ۱۹۵۷ء۔

۲ سہ ماہی معتف علی گڑھ سے سیّد الطاف علی بریلوی کی زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔

۳ تا ۱۲ عبارت غیر موجود۔

بنام

پروفیسر ہارون خان شروانی[1]

۲۸/آبان ۱۳۴۵ف (۱۹۲۵ء)

مخدومی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حامل عریضہ ہذا، عبدالقادر صاحب تاجر کتب چار مینار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ انھوں نے ملک سرکار عالی کا ایک اطلس تیار کرایا ہے، میرے خیال میں اردو زبان میں یہ جدید اٹلس ہے، امید ہے کہ آپ بھی دیکھ کر خوش ہوں گے۔ مفید عنوانوں کے تحت مفید باتیں ہر ضلع کی درج ہیں۔ البتہ نقشہ بوجہ عدم فراہمی سامان طبع اتنا مکمل نہ ہوسکا جتنا کہ چاہیے تھا۔ صاحب موصوف نے اب اس کا بھی انتظام کرلیا ہے اور آئندہ طبع میں وہ نقشوں کو بھی مکمل کرلیں گے، بہرحال آپ سے توقع ہے کہ ان کی ہمت افزائی میں کمی نہ فرمائیں گے۔ اردو زبان کی ہر خدمت خصوصاً جب وہ مفید ہو معمولی خامیوں کے باوجود میرے نزدیک قابل قدر افزائی ہے۔ مغربی زبانوں کی کتابوں اور نقشوں پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ کام یوں ہی رفتہ رفتہ مکمل ہوتا ہے۔

فقط نیازمند

مناظر احسن گیلانی

[1] سابق صدر، شعبہ تاریخ، عثمانیہ یونیورسٹی [پیدائش ۳۰، مارچ ۱۸۹۱ء۔ وفات ۱۵، ستمبر ۱۹۸۰ء]

بنام

مولانا عبدالحکیم صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی و معظمی کرم فرمائے بندہ مولانا عبدالحکیم صاحب دام لطفکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں! مولانا عبدالماجد اور مولانا عبدالباری، ماجد میاں کے خویش پروفیسر ہاشم قدوائی تینوں حضرات تینوں تشریف فرما ہوئے تھے۔ میرا خود ہی خیال تھا کہ کم از کم دسنہ ان کو ضرور لے چلوں یا آپ کو گیلانی بلا لوں لیکن ان لوگوں نے اتنا لمبا سفر بھی کیا اور اپنی ضرورتوں کی وجہ سے وقت کل ایک دن کا رکھا۔ آئے اور چلے گئے صرف ایک دن ٹھہرے۔ آپ کا ذکر خود ماجد میاں نے کیا کہ ابوالکمال صاحب کیسے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان ہی سے ملنے کے لیے اور ان کی لائبریری کے دیکھنے کیلیے دسنہ کو پروگرام بھی رکھنا چاہیے تھا۔ افسوس کے ساتھ بولے کہ میں بالکل مجبور ہوں ورنہ ضرور حاضر ہوتا۔ سیّد صاحب کے مولد و موطن کو بھی دیکھ لیتا۔

حسب فرمائش آپ کی مطلوبہ کتاب بھی اور اسی کے ساتھ لائبریری کی چند اور کتابیں بھی جن کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے بھیج رہا ہوں۔ مرجع دہلی، مرحوم دہلی کالج، نوائے ادب، الفیض بخاری، بزمِ آخر، قدم دہلی، دو پرچے اور کتابیں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب حاضر خدمت ہو جائیں گی۔ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے مگر آپ کی پیرانہ سالی کو دیکھ کر ہمت تکلیف دہی کی نہیں ہوتی۔ مجھے گیلانی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتی۔ حکیم نور الہدیٰ صاحب سے سلام فرما دیجیے۔ فقط

مناظر احسن

بنام

ایس نرائن راؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موصولہ ۵۶ ف (مطابق ۱۹۳۹ء)

۳ رامرداد

از فقیر حقیر مناظر احسن گیلانی بخدمت برادر گرامی قدر عزیز

محترم ایس نرائن راؤ صاحب سلمہٗ

آپ کا مکتوب آج ہی مجھے ملا ہے۔ یہ آپ کے دل کی صفائی اور نیت کی پاکی کی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے عام حالات کے خلاف سچائی کی پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس نوعمری میں آپ نے بڑی لمبی منزل ختم کر لی۔ قصہ تو مختصر تھا لیکن لوگوں نے اس کو لمبا کر دیا۔ پیدا کرنے والا بھی ایک اور انسانی نسل بھی ایک، کھانے پینے، سانس لینے اور اسی قسم کی ساری ضرورتیں جیسے ہمیشہ سے آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں بجنسہٖ اسی طرح سے ان سوالات کے جواب آدمی کا دل ہمیشہ ڈھونڈتا رہتا ہے کہ آخر میں کس غرض سے یہاں پیدا کیا گیا ہوں۔ یہ سرا اور اس سارے سنسار کو نمایاں کرنے والا کیا ہے، کون ہے، کچھ دن جینے کے بعد مر جانے پر سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے، اس بیکار کھیل کے کھیلنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟ پیدا کرتا جائے اور مارتا جائے بس یہی اس کا کام ہے یا واقع میں کوئی بڑا مقصد زندگی کے اس نظام کا ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا ہماری کیا ہے، انتہا کیا ہے، ہمارے وجود کا مدعا کیا ہے؟ ان سوالوں سے کسی قوم کسی ملک کا دل و دماغ کسی زمانہ میں خالی نہیں رہا ہے۔ وہی خدا جو ہماری پیاس کے لیے پانی، ہماری بھوک کے لیے اناج اور غذا پیدا کرتا رہتا ہے ہماری فطرت کے ان سوالوں کا جواب بھی ہمیں بتاتا رہا ہے۔ خدا کی طرف سے بتائے ہوئے اس جواب کا نام مذہب اور دین ہے۔ خدا کے سکھائے بزرگوں سے جوان جوابوں کو سیکھ کر اسی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہی دھرمی اور ایمان و دین والے لوگ سمجھے جاتے ہیں اور ان بزرگوں سے باغی ہو کر اپنی عقل اور اپنے

سوچ بچار سے ان سوالوں کا جو حل کرنا چاہتے ہیں ان ہی کو فلسفی کہتے ہیں۔ شروع میں ہر فلسفی کو پورا بھروسہ ہوتا ہے کہ ان سوالوں کو چٹکیوں میں حل کرلوں گا لیکن سوچتے سوچتے جب اس کی عمر کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے تو اپنی نارسائی کا اعلان کرتا ہے۔ غرور اس کو خدا کے سکھائے ہوئے بزرگوں کی باتوں کے ماننے پر بھی آمادہ ہونے نہیں دیتا اور خود کوئی جواب جو واقعی کسی قطعی یقینی ذریعہ سے ملا ہو اس کے پاس چونکہ نہیں ہوتا اس لیے آخری انجام ان مسکینوں کا جہل کی موت ہے۔ ان سوالوں کو آدمی اپنی عقل اور حواس کی راہ سے کیوں جان نہیں سکتا، اگر آپ اس کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب "الدین القیم" کہیں آپ کو مل جائے اسے پڑھ لیجیے۔ بہرحال اس قسم کے لوگ دنیا میں ہمیشہ گنتی کے چند ہی رہے ہیں ورنہ سیدھی سادی راہ اکثریت کے سامنے ہمیشہ رہی ہے کہ خدا سے علم پانے والوں سے جواب حاصل کرلیا جاتا ہے۔ جیسے پروردگار ہر جگہ ہوا اور روشنی کی طرح اس علم کو بانٹتا ہے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو بھی یہ علم نہیں دیا جاتا۔ یقیناً جیسے سب کو دیا گیا ان کو بھی دیا گیا لیکن تھوڑے دنوں کے بعد خدا کی بتائی باتوں کو لوگ بھلاتے چلے گئے اور اپنی دماغی پیداواروں کو ان کی جگہ مذہب میں بھرتے رہے۔ آخر میں عموماً سارے مذاہب کا انجام یہی ہوا کہ خدا کی بات دب دبا کر گم ہوگئی اور آدمی اپنے ہی جیسے آدمیوں کی سوچی بچاری یا تراشی ہوئی باتوں کو یہ سمجھ کر مانتا رہا کہ خدا کا دیا ہوا علم یہی ہے۔ پروردگار کی طرف سے مگر اس کا بھی علاج ہوتا رہا۔ ایک کے بعد ایک رسولوں اور خدا کی طرف سے پیام لانے والوں کا تانتا دنیا میں جو بندھا رہا تو یہ اس لیے نہیں تھا کہ پچھلے لوگ پہلوں کے حساب سے کچھ نئی باتیں بتاتے تھے۔ جب آدمی بھی وہی تھا جو پہلے تھا اور خدا بھی وہی جو ہمیشہ سے ہے تو باتوں کے بدلنے کی گنجائش ہی کیا تھی۔

پھر لاکھوں سال کی تاریخ بنی آدم کی زندگی کے اس رُخ کی ہے۔ لوگ بگاڑتے رہے اور قدرت سنوارتی رہی۔ ہر ملک اور قوم میں بگاڑ اور بناؤ کا یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ زمین کے باشندوں کی آبادی بڑھتے بڑھاتے ایک ایسے نقطے پر آگئی کہ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں وغیرہ کی وجہ سے لوگوں نے جو ہزاروں ملک اور وطن میں بانٹ دیا تھا، اس کو ایک بنا دینا آسان ہوگیا۔ یہی وہ وقت تو تھا جب وہ ساری

باتیں جواب تک الگ پیامبروں کے ذریعہ سے دنیا میں بانٹی گئی تھیں سب کو ایک ہی کتاب میں سمیٹ کر اور آئندہ قیامت تک پیش آنے والے حالات کے لحاظ سے تھوڑے بہت اضافوں کی جو ضرورت تھی ان سب کا اضافہ کر کے ایک ایسے علاقے میں جہاں سے مشرق و مغرب الغرض ہر طرف بات پہنچائی جا سکتی تھی وہی کتاب کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ اور آپ ﷺ نے اپنے ارد گرد والوں کو سکھا دیا۔ ان لوگوں نے پورب پچھم، اتر دکھن، ہر جگہ خدا کی سکھائی باتوں کے اس مجموعہ کو پہنچا دیا اور یہ کہتے ہوئے پہنچایا کہ کسی کو کوئی نئی بات نہیں دی گئی ہے بلکہ جن جوابوں کو لوگوں نے مشکوک اور اپنے دماغی فتور سے مخلوط کر دیا تھا ان ہی کو صاف ستھرا کر کے ہر قوم کو اس کے بزرگوں کا موروثی ترکہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ تاکید کر دی گئی کہ قوموں نے جن جن بزرگوں کو یہ مانا ہے کہ خدا کی طرف سے پیام اور علم لے کر ان میں وہ آئے تھے ان سب کا احترام کیا جائے، سب پر ایمان لایا جائے۔ پس ایک عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہوئے بھی، یہودی موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہوئے قرآن پر ایمان لا سکتا ہے اور لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں لا چکے۔ یقین کیجیے کہ جو قرآن پڑھتا ہے اور اُس کی بتائی ہوئی باتوں پر چلتا ہے وہ کسی سچے دین اور دھرم سے الگ نہیں ہوا بلکہ ان ساری کتابوں کو پڑھتا ہے جو خدا کی کتابوں کے نام سے پیغمبروں نے دنیا کو دیا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مان لینا ان سارے بزرگوں کو مان لینا ہے جنھوں نے خدا سے علم پایا تھا۔ کسی سے کوئی جھگڑا کوئی لڑائی نہیں ہے۔ ہم سب کو سچا سمجھتے ہیں، اس کا احترام کرتے ہیں۔ اس وقت چالیس پچاس کروڑ انسانوں نے اس عجیب و غریب مسلک کو قبول کر لیا ہے۔ سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں اگر دنیا کی قومیں بھی اسی طرح محمد رسول اللہ کو مان لیں جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سارے مذاہب کے پیشواؤں کو انسانیت کی اتنی بڑی تعداد سے منوانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ہم سب بزرگوں کو مان چکے ہیں۔ دنیا کی قوموں سے اب ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے کہ تم بھی ہمارے ایک بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لو۔

صرف یہی ایک بات کے مان لینے سے یہ ٹوٹی ٹوٹی بکھری بکھری ہزار ہا ہزار مذاہب اور دھرموں، سمپر دایوں، متوں سے بھری ہوئی دنیا ابھی ایک ہو جاتی ہے۔ مان لینا دل کی ایک

بات ہے۔اس کے لیے نہ روپے کی ضرورت ہے اور نہ لیگ آف نیشن یا انجمن اقوام کے مصارف کی ضرورت ہے۔ میں نے خدا جانے کیا کچھ لکھ دیا۔کہنا صرف یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو چھوڑا نہیں ہے بلکہ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں اپنے سچے رشیوں اور بزرگوں کے اصلی ترکہ کو آپ ہی نے پایا ہے۔ان بزرگوں کو وہی چھوڑے ہوئے ہیں جو نام تو اِن بزرگوں کا لیتے ہیں لیکن کام وہ کرتے ہیں جن سے وہ ہمیشہ بیزار رہے۔ میں مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کو اپنی چیز مل گئی۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے آئے ہیں کہ اپنے اپنے بزرگوں اوران کی سچی تعلیموں سے جولوگ بچھڑ گئے ہیں پھر سب کوان کے قدموں پر جھکا دیں اوران کے صحیح سچے علم کا ان کو وارث بنا کر دیں، دنیاوی بھلائیوں کی راہ ان پر کھول دیں۔کسی سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھڑانے نہیں آئے تھے، ملانے آئے تھے۔بحمد اللہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر آپ اپنے اصلی بزرگوں کے قدم پر پہنچ گئے۔آپ کو قرآن میں وہ سب کچھ مل گیا جسے ہندوستان کھو بیٹھا تھا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدا آپ کی اس روشنی کو بڑھائے،قوت ایسی عطا کرے کہ اس راہ سے ہلانے والے جتنا بھی ہلائیں آپ نہ ہلیں۔

رہا آپ نے اپنی تعلیم کے متعلق جو پوچھا ہے تو میرے ان سوالوں کا پہلے جواب دیجیے:

(۱) آپ کس قسم کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔عام معمولی کالجوں کی تعلیم یا مذہبی تعلیم حاصل کر کے عالمِ دین بننا چاہتے ہیں۔

(۲) آپ کا کیا خیال ہے حیدرآباد ہی میں رہ کر علمی ترقی کرنا چاہتے ہیں یا باہر بھی جا سکتے ہیں۔

(۳) آپ کے مصارف کی پابجائی کی کیا صورت ہوگی۔

ان تین باتوں کے جواب کے بعد آپ کو ان شاء اللہ صحیح مشورہ میں دے سکتا ہوں۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

بنام

ڈاکٹر عبد المعید خان[1]

برادر اعزواکرم السلام علیکم

افسوس ہوا کہ آپ کی طبیعت خراب ہوگئی، آپ بھی ساتھ ہوتے تو اچھا تھا بہر حال میں گیا، لوگوں کا بڑا ہجوم تھا، عرض کیا کہ خلوت میں کچھ عرض کرنا ہے، اجازت ہوئی۔ جتنی قوت سے ممکن تھا میں نے مسئلہ کو پیش کیا، فرمایا کہ میرے پاس جب کارروائی آئے گی تو اس وقت دیکھوں گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ فخر الدین احمد خاں کو شروانی صاحب سے لکھوائیے کہ آپ معاملہ میں اپنی فطرت کو دخل نہ دیں۔ بولنے لگے کہ وہ معاملات کو زیادہ پیچیدہ کر دیتے ہیں، آخر میں چلتے ہوئے پھر فرمایا کہ اپنی حد تک میں وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں جو کر سکتا ہوں۔ لیکن ......[2] صاحب کی خبر آپ لیجیے۔ فقط

نیاز مند

مناظر احسن گیلانی

---

[1] سابق ناظم دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ اس خط پر تاریخ درج نہیں۔

[2] عبارت غیر موجود۔

بنام

نا معلوم[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو شاید علم نہ ہوگا، فقیر نے اپنی ایک شدید خانگی ضرورت سے ہوائی جہاز پر ایک ہفتہ کے لیے بہار کا سفر اختیار کیا تھا۔ واپسی کے بعد آپ کا گرامی نامہ ملا۔ بھائی! میں کیا کروں، تنہا میری رائے کے ساتھ فیصلہ کا تعلق ہوتا آپ دیکھتے کہ نتیجہ کی صورت کیا ہوتی لیکن جہاں بھانت بھانت کی رائے دینے والے ہوں وہاں ایک چنا کا اثر بھاڑ کے پھوڑنے پر کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو شاید خیال نہ رہا یا آپ سے ذکر نہ آیا کہ یہ جائیداد دراصل نظام کالج کی تھی اور نظام کالج میں ایک صاحب جو مدارس کے مشرقی امتحانات کے سوا بی۔ اے وغیرہ بھی انگریزی ادب میں کر چکے ہیں اور قدیم درسِ نظامیہ کی بھی سند رکھتے ہیں کئی سال سے کام کر رہے تھے۔ گھوش صاحب ان ہی کو ترقی دینا چاہتے تھے۔ تحریراً بھی ان کے متعلق پُر زور سفارش انھوں نے کی تھی اور کمیٹی میں بھی ان کو اس پر اصرار تھا۔ میں نے لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ نظام کالج کی اس جائیداد کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔

باقی آپ کے متعلق میں نے تو طے کر لیا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا ایم اے میں جدید مضمون مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا جو کہ رکھا گیا ہے اس کے لیے خاص جامعۂ عثمانیہ کے اسی کالج میں ان شاء اللہ تعالیٰ بلاتا ہوں۔ اس عرصے میں کالج مسلسل ایسے حوادث سے گزار رہا ہے کہ دوسری اہم باتیں سامنے آجاتی ہیں اور عام کارروائیاں ان ہی ہنگاموں میں دب جاتی ہیں۔ اگر یہ صورتحال نہ ہوتی تو اب تک آپ آچکے ہوتے۔ بہرحال آپ تو ماشاء اللہ علم دین کے زیور سے آراستہ ہیں جانتے ہیں کہ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔[2]

میں ان شاء اللہ اس کی کارروائی کر رہا ہوں۔ تفصیلات کی خبر اس لیے نہ دی کہ نتیجہ

سے آپ کو مطلع کرنا چاہتا تھا۔ جیسے صبر اور قناعت کے ساتھ ان چند سخت سالوں کو آپ نے گزارا ہے خدا کے لیے کچھ اور دم لیجیے۔ آپ بہت جلد جیسا کہ خداوند قدوس سے مجھے توقع ہے، جامعہ میں آجائیں گے لیکن اس خبر کو صیغہ راز ابھی رکھیے۔ دوست دشمن طرح طرح کے لگے رہتے ہیں۔ اور حالات کیا عرض کروں خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔
فقط

نیاز مند دعا گو
مناظر احسن گیلانی

ا مکتوب الیہ اس زمانے میں ورنگل کالج میں لیکچرار تھے۔ یہ مکتوب ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا۔
۲ ترجمہ: اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور جو وہ بند کردے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہی غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔

بنام

نامعلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بھائی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

کئی دن ہوئے کہ آپ کا ایک لفافہ آیا رکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس میں ٹکٹ ڈال دیا تھا اس لیے جواب دے رہا ہوں، ورنہ اس قسم کے خطوط کا کیا جواب دوں۔ آپ کا شکریہ کہ اس فقیر کی تقریر آپ نے ریڈیو میں سنی۔ میں نے اس میں قربانی کے ان اسرار کو بیان کیا تھا جو سورۃ الحج میں حق تعالیٰ نے "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ"[1] الآیۃ میں بیان فرمائے ہیں۔ آپ قرآن کا ترجمہ اگر سمجھ سکتے ہیں تو سورۂ حج کی ان آیتوں پر غور کیجیے حسب ذیل نتائج ان سے پیدا ہوتے ہیں:

(۱) مادی نعمتوں کا یہ سالانہ جشن ہے اور چونکہ تمام مادی نعمتوں میں گوشت ہی سب سے بڑی نعمت ہے اس لیے اسی سے اعترافِ نعمت کے وقت جو کہا جاتا ہے اس کا کیا مقصد ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ ذبح سے جانور کو جو اذیت ہوتی ہے اس کو لذت سے بدل دیا جاتا ہے کہ ہر جانور سعادت مند ہے صرف انسان میں باغیوں کا گروہ پایا جاتا ہے، ورنہ بادشاہ کے نام تاج کے نام سے رعایا کو جب پکڑا جاتا ہے تو وفادار فوراً حاضر ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی اللہ کے نام سے جو جانور ذبح ہوتے ہیں ان کی اذیت لذت سے بدل جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ شہید کو تلوار کی مار سے اتنی ہی اذیت ہوتی ہے جتنی مچھر کا نٹے سے۔

(۲) جانور صرف مسخر ہیں۔ جب ان پر آدمی اتنا تصرف کر سکتا ہے تو حقیقی مالک سے حقیقی مملوک کو کیا تعلق ہونا چاہیے "فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا"[2] پس تمہارا صاحب بھی ایک ہی صاحب ہے۔ اسی کے ہاتھ میں اپنے سپرد کر دو یا اسی کے آگے جھکے رہو، آخر بکرے بھی تو تمہارے یہی کرتے ہیں حالانکہ تم اور وہ دونوں مخلوق دونوں زندہ۔ محض تسخیری تملک کی بنا پر اپنا یہ حق سمجھتے ہو۔

(۳) اپنے حقیقی مالک کے ساتھ اخبات (جھکاؤ) کا تعلق جو لوگ اس قسم کا پیدا کر لیتے ہیں جیسے قربانی کے جانور اپنے مجازی مالک کے سامنے آکر سر جھکا دیتے ہیں، قدموں پر سر کٹوا کر ڈال دیتے ہیں، جس بندے میں یہی حال پیدا ہو گیا ہو ان ہی کو اس کے بعد وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ[۳] سے بشارت سنائی گئی۔

(۴) اخبات کے بعد مالک سے وہ تعلق ہو جاتا ہے جو محبّ کو محبوب سے ہوتا ہے کہ نام محبوب کا آیا اور بدن میں سنسنی پیدا ہوئی۔ اسی کی طرف اشارہ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

(۵) قربانی کے جانور محض اس لیے کہ ان کا مجازی مالک ان پر چھری چلاتا ہے اور خوشی سے برداشت کرتے ہیں، ہم بھی اسی کا اپنے آپ کو حقدار قرار دیتے ہیں جب ہی تو ذبح کرتے ہیں۔ پس حقیقی مالک کو اپنے حقیقی مملوک اور مخلوق پر کتنا اقتدار حاصل ہونا چاہیے، جو بھی وہ کرے بجا ہے، اسی کا نام صبر ہے۔ "اَلصَّابِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ"[۴] اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

(۶) جانور جنگل میں چرتے رہتے ہیں۔ آپ کو ضرورت ہوتی ہے پکڑ کر لے آتے ہیں اور ذبح کرتے ہیں۔ یوں ہی آدمی تلاش رزق میں گھومتا رہتا ہے، کاروبار میں مصروف رہتا ہے اتنے میں مالک کا منادی آواز دیتا ہے "حَیَّ عَلَى الصَّلٰوۃ" کیا بندے کا فرض نہ ہو کہ آواز کے ساتھ ہی دوڑ جائے۔ "وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ"[۵] اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۷) خلاصہ یہ ہے کہ قربانی سے اللہ میاں کو نہ گوشت مطلوب ہے نہ خون، وہ تو واپس کر دی جائے گی، خود کھاؤ کھلاؤ، اس کی کھال کو آدمی اپنے مصرف میں لا سکتا ہے، یہ خیرات حج نتیجہ نہیں ہے بلکہ مستقل عبادت ہے۔ مقصود ان سے ان تعلقات کو زندہ کرنا ہے جو حقیقی مالک اور حقیقی مملوک بندے اور خدا میں ہیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"[۶]۔ شعائر اللہ یعنی اللہ کا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہی مندرجہ بالا چند نسبتوں کا بیدار کرنا قربانی سے مقصود ہے جس کے بعد آدمی کا دل صرف مالک ہی کے لیے ہو جاتا ہے اسی سے ڈرتا ہے اور اسی کی مرضی کی پابندی کرتا ہے۔ اسی کیفیت کا نام "تقویٰ" ہے۔ پس اصل مقصود قربانی سے تقویٰ ہوا۔ آگے کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ کو نہ قربانی

کا گوشت چھو سکتا ہے نہ خون، ہاں "التقویٰ" خدا کو پکڑ لیتا ہے۔ یوں غلام کی رسائی آقا تک، عاشق کی رسائی محبوب تک ہو جاتی ہے۔

(۸) مگر اسی دن ۱۰ ذی الحجہ کو کیوں یہ جشن منایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ "الاسلام" عملی شکل میں پہلی دفعہ دو باپ بیٹوں نے خدا کے سامنے پیش کیا تھا۔ "فَلَمَّا اَسْلَمَا" سے اس کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام کی بنیاد کی پہلی تاریخ بھی ہے گویا اس کی سالگرہ ہے۔ البتہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے اسی قدیم اسلام کی تجدید ہوئی اور قرآن نازل ہوا تو ایک ماہ جشن پھر مقرر کیا گیا وہی رمضان جو عید الفطر پر ختم ہوا۔

(۹) قربانی کی آیت کے بعد اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ الخ کی آیت ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی سے ضمناً مسلمانوں میں کفار سے مقابلہ و مدافعت کی قوت پیدا کرانی بھی مقصود ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرے، عورتوں کو بھی حکم ہے کہ بہتے ہوئے خون اور تڑپتے ہوئے لاشوں کو دیکھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کا خون جا کر دیکھو۔ ابو موسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں سے قربانی ذبح کراتے تھے۔

فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

گاندھی وغیرہ اہمسا کے قائل ہیں لیکن ان ہی جانداروں تک اہمسا کا قانون محدود ہے جو نظر آتے ہوں یا جن کا زندہ ہونا محسوس ہو۔

---

۱ ترجمہ: اور ہم نے ہر ایک امت کے لیے قربانی رکھ دی تھی تا کہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو اس نے انھیں عطا کر رکھے ہیں۔

۲ ترجمہ: سو تمھارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے تم اسی کے آگے جھکو۔

۳ ترجمہ: اور آپ خوشخبری سنا دیجیے گردن جھکانے والوں کو۔

۴ ترجمہ: اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرنے والوں کو۔

۵ ترجمہ: اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو۔

۶ ترجمہ: اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ (کے دین) کی یادگاریں بنا دیا ہے۔

۷ ترجمہ: بے شک اللہ ایمان والوں سے دور کر دے گا (مشرکوں کے غلبہ و اقتدار کو) بے شک اللہ پسند نہیں کرتا کسی دغاباز کفر والے کو۔

بنام

حکیم نصیرالدین ندوی[1]

(۱)

۹ر فروری ۱۹۴۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا حکیم نصیرالدین آفندی نصرکم اللہ نصراً عزیزاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک تار دیوبند ہوتا ہوا، ڈاک کا عام خط بن کر مجھے حیدرآباد میں ملا۔ آپ بھلا کیوں اعتبار کرنے لگے، لیکن جو واقعہ ہے اس کا اظہار کرتا ہوں۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ دیوبند کے قصد سے اب کی جب میں حیدرآباد سے روانہ ہوا تو مسلسل قلب میں یہ ارادہ آتا رہا کہ واپسی پر براہِ اجمیر کا اگر امکان ہو تو کیوں نہ بھی کیا جائے۔ اس سلسلہ میں لوگوں سے راستہ وغیرہ بھی دریافت کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے اس ارادۂ متجددہ کا کوئی عکس آپ کے ضمیر روشن پر پڑ گیا اور بے سان وگمان آپ نے ایک تار دیوبند دے ہی دیا لیکن اس تار کا آخری سرا آپ کے ہاتھ میں نہیں میرے ہی ہاتھ میں تھا یعنی پہلا خطرہ اجمیر شریف جانے کا مجھے ہی ہوا اور نہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کہاں ہوں۔ دیوبند سے آپ کا کیا تعلق۔ بس آپ کا تار آتا یا نہ آتا آپ اپنے اس نیاز مند مشت شناس کو اپنے دروازے پر پاتے۔ پھر کیا عرض کروں کہ کیا ہوا۔ دیوبند میں مسلسل ایسے ناگوار واقعات پیش آتے رہے، فتنوں کی وہ بارش موسلادھار ہونے لگی کہ گویا جھڑی لگ گئی۔ دل ودماغ سب اسی میں صرف ہو گیا اور وہاں قیام کی جو مدت ممکن تھی وہ خلافِ دستور زیادہ طویل ہو گئی۔ پھر دیوبند ہی کے قصہ میں کئی دن دلی کے بھاڑ جھونکتا رہا۔ اب وقت ختم ہو گیا۔ اجمیر شریف کی حاضری کا موقعہ جاتا رہا۔ یہ تو ممکن تھا کہ صرف اسٹیشن پر سے گزروں اور آپ کے دیدار کا شرف اسٹیشن پر بھی حاصل کروں لیکن ابکی یہ خیال جمائے ہوئے تھا اجمیر شریف سے والدہ

صاحبہ ؒکی زیارت کو ٹونک بھی حاضری دوں گا۔ان کے متعدد خطوط اس باب میں آئے تھے۔
اب خیال یہ آیا کہ اجمیر پہنچوں ٹونک نہ جاؤں، یہ والدہ صاحبہ کی دل گرفتگی کا سبب ہوسکتا تھا۔ مصلحت اسی میں نظر آئی کہ میں سیدھے حیدرآباد دلی سے واپس ہو جاؤں، سو یہی کیا۔ اجمیر شریف آنے کی ایک بڑی غرض میری یہ بھی تھی کہ آپ کے والد صاحب قبلہ کو شفاء الملک خطاب اور آنریری مجسٹریٹ ہونے کی مبارکباد دیتا لیکن حالات نے اجازت نہ دی۔ آپ کیوں اعتماد کرنے لگے۔ مگر دل بار بار یہ چاہتا ہے کہ حیدرآباد کی ملازمت کو ختم کر کے آستانہ خواجہ ؒپر زندگی گزاروں۔ کچھ نہیں تو سال میں چار مہینے۔ ایسی صورت میں آپ ہی خیال فرمائیں کہ آپ لوگوں سے گانٹھے رکھنے کی مجھے کتنی ضرورت ہے۔ لیکن باوجود اس کے جو حاضری نہیں ہو رہی ہے صرف مقدر سے اس کا تعلق ہے۔

آپ کے حالات ڈاکٹر عثمان صاحب کے آنے جانے والوں سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ خوش ہوتا ہوں جب سنتا ہوں کہ آپ خوش ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ میرے تعلقات نیاز آپ سے صرف چند ہی دن کے ہیں لیکن آپ نے اپنے کرمہائے فراواں کا اتنا بوجھ مجھ پر لاد دیا ہے کہ برسوں گزر گئے اس بوجھ کا بار ہلکا نہیں ہو رہا ہے۔ سمجھتا تھا کہ امتداد زمانہ سے ہلکا ہو جائے گا لیکن بجائے سُبک ہونے کے اور وزن دن بدن اس کا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ وہ چند دن اجمیر کے، وہ آپ کی شفقتیں، مہربانیاں۔ مرغ کے طعام، احباب کا اجتماع، اس نقشہ کو بھلانا بھی چاہتا ہوں تو نہیں بھولتا۔

پیارے میاں کہاں ہیں، میرا سلام اگر ان تک ممکن ہے تو پہنچا دیجیے۔ اپنے والد صاحب کی خدمت میں میرا سلام و پیام تہنیت و تبریک ورفاہ اللہ تعالیٰ الی مدارج الکمال فی الدنیا والاخرۃ۔

وہ مرغ والے مولوی صاحب ولایتی اب ہیں یا کہیں تشریف لے گئے۔ ہوں تو سلام فرما دیجیے۔ مولانا شریف صاحب ہمارے آپ ہی لوگوں کے بھروسہ پر اجمیر میں ہیں۔ ان کی تسلی و تشفی کرتے رہیے۔ مولانا بیچارے دل کے کمزور ہیں۔ کاش مولوی شریف والی دوا اگر کسی ذریعہ سے مجھے کبھی کبھی بھیج دیا کریں تو بڑا کرم ہو۔ قیمت ہمیشہ حاضر ہوتی رہے گی۔

دعا گو، مناظر احسن گیلانی

۱۔ خطوط بنام حکیم نصیر الدین ندوی ماخوذ از ماہنامہ ریاض کراچی بابت اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء۔ حکیم نصیر الدین ندوی نظامی دواخانہ کراچی کے بانی تھے۔
۲۔ دادی صاحبہ حکیم محمود احمد برکاتی صاحب
۳۔ اجمیر شریف

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ار دسمبر ۱۹۴۵ء
حیدر آباد دکن

برادر محترم مولانا حکیم نصیر الدّین صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بے سان وگمان اچانک آپ کا لفافہ ملا۔ آخر یہ کیا ہوا۔ ایک ایسا دور افتادہ جسے قدمِ مبارک سے الگ ہوئے بھی تقریباً ایک قرن کے قریب گزرا ہوگا وہ یاد اچانک کیسے آگیا؟ بہر حال میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گو معیّت و رفاقت کے دن میری زندگی میں چند دنوں سے زیادہ کے نہیں ہیں لیکن اپنی پوری زندگی میں جن خاص دنوں نے میرے حافظہ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں ان میں اجمیر شریف کے وہ چند دن بھی ہیں جو آپ کی نوازشوں کے زیرِ سایہ گزرے۔ میں تو سمجھے بیٹھا تھا کہ آپ اپنے اس نیازمند کو بھلا چکے ہوں گے لیکن اس اچانک یاد آوری نے خیال کو غلط ثابت کیا۔ کیا کروں میرا وطن بہار اور ملازمت دکن کی۔ آتے جاتے کوئی صورت ایسی نہیں بن پڑتی کہ اجمیر شریف ہوتا ہوا وطن جاؤں ورنہ جی تو بہت چاہتا ہے۔ بہر حال اب میری ملازمت کی مدت بھی بحمد اللہ قریب الاختتام ہے۔ آزادی کے دن قریب ہیں، اس وقت تک زندہ رہا تو پھر آپ ہی جیسے کرم فرماؤں کے ملنے ملانے میں ان شاء اللہ زندگی کے بقیہ دن گزار کر اپنے بزرگوں سے مل جاؤں گا۔

اپنے والد صاحب قبلہ کو میرا بہت بہت سلام فرما دیجیے۔ ڈاکٹر صاحب یعنی ڈاکٹر عثمان خان صاحب ان کا اور ان کے خلوص کا ذکر اتنا کرتے رہتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ

ایک بار حکیم صاحب قبلہ کی معیت میں ایک آدھ دفعہ میں بھی اس کا تجربہ کروں کہ آخر ہوتا کیا ہے اور اس میں لذت کیسے ملتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کو اور آپ کے والد صاحب کو سلام فرماتے ہیں۔ پیارے میاں کہاں ہیں، ہوں تو سلام کہہ دیجیے۔

مناظر احسن

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاخ الکریم الاعز اسعدکم اللہ فی الدّارین   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موسمِ سرما کی تعطیل میں وطن (گیلانی) گیا ہوا تھا۔ میرے عقب میں آپ کا گرامی نامہ بھی پہنچا اور خمیرہ کا پارسل بھی ڈاک خانہ میں موجود تھا۔ خط بھی مل گیا اور آپ کا تحفۂ قیمہ بھی۔ خط پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اتنی پرانی بات کو آخر آپ نے یاد کیسے رکھا۔ میں تو بھول گیا تھا، آپ کی معذوریوں سے واقف تھا۔ قاضی صاحب گئے یا نہ گئے اس کی بھی خبر میں نے نہ لی۔ لیکن ایک مسکین کی کس مپرس درخواست کو خواہ مخواہ آپ نے اتنی اہمیت دے دی۔ میں نے تو امکان کی بنیاد پر لکھا تھا۔ جب وہ نہیں گئے تھے تو بات بھولی بسری ہو گئی تھی۔ آپ نے بڑا ظلم کیا کہ بلاوجہ اتنی قیمتی چیز یعنی خمیرہ عنبریں جو صرف امراء ہی کے کام کی ہے اس کو آپ نے بھیجا۔ اور صرف بھیج کر اپنے دواخانے کا نقصان ہی نہیں کیا بلکہ پارسل کا خرچ الگ برداشت کیا۔ میں حیران ہوں کہ آپ کی اس نوازشِ کریمانہ کا کیا جواب دوں۔ اس کے سوا اور کیا جواب ہوسکتا ہے کہ اگلی تعطیل میں براہ اجمیر ہی گھر جاؤں۔ ارادہ تو ابکی یہی ہے آئندہ خدا کے ہاتھ میں۔ آپ کو اس معجونِ کمونی اسود کے متعلق جو لکھا تھا تو اس سے یہ غرض تھی کہ اگر بآسانی اپنے دواخانے سے بھیج سکتے ہوں تو بھیجیے۔ یہ مطلب تو نہ تھا کہ کچھ بھی ہو جائے بھیجیے۔ میں نے بھی یہی ارادہ کرلیا ہے کہ آپ کو لکھوں گا ہی نہیں۔ ہاں، اگر اجمیر شریف خود حاضر ہوا، اس وقت اگر آپ بندوبست فرمادیں گے تو پھر اس کی البتہ ایک صورت ہوسکتی ہے۔

اپنے والد صاحب کی کرمافرمائیوں، ذرّہ نوازیوں کا جو حال آپ نے لکھا ہے پڑھ کر دل تڑپ اٹھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حضرات کی ان عنایتوں کی توجیہ آخر کیا

کروں۔ ظلوم ہوں، جہول ہوں، بے کار ہوں، کاہل ہوں، ساری عمر شکم پروری میں گزار دی۔ دنیا میں ڈوبا ہوا۔ دنیا تو ملی نہیں، دین کی خدمت کے مواقع بھی کھو بیٹھا۔ جواب ہو تو وہ کیا۔ وہ کسی احترام و محبت کا مستحق ہوسکتا ہے؟

میرے پراگندہ خیالات اور قلمی ہفوات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ کیا واقعی آپ اس کو پسند فرماتے ہیں۔ میں تو جبراً لوگوں کی خاطر سے لکھ دیا کرتا ہوں۔ 'الفرقان' کے متعلق لوگوں کو عجب غلط فہمی ہو رہی ہے۔ وہ ایک مذاق کی بات تھی لوگوں نے واقعہ بنا کر سارے ملک میں مشہور کر دیا۔ مجھے اتنی فرصت کہاں میسر آتی ہے کہ کسی رسالہ کی ادارت کے فرائض انجام دوں۔ آپ میری طرف سے بصد ادب اپنے والد صاحب کی خدمت میں میرا اسلام و نیاز پہنچا دیں۔ مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بچے کیسے ہیں؟

مناظر احسن گیلانی

(۴)

۱۰ رمئی ۱۹۴۹ء
گیلانی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز محترم الطبیب بن الطبیب الفاضل النظامی الحکیم نصیر الدین الاجمیری ثم السندھی ایدکم اللہ فی عمرکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ شاعری کا دور دورہ جب سے آپ پر پڑا، اور کچھ اس کا نفع تھا یا نہ تھا لیکن اپنی خود غرضی کی بنیاد پر دل میں اس کی آرزو رہی کہ یہ دورہ خدا کرے ذرا طول اختیار کرے کہ اس کی بدولت آپ کے آثار نامل سے آنکھوں کے سینکنے کا موقع حیدر آباد میں ملتا تھا لیکن آہ کہ اس موقعے کو بھی فلک کج رفتار نے کم از کم میرے لیے ضایع کر دیا۔ دنیا و مافیہا سے بالکلیہ الگ تھلگ ہو کر ایک ایسے گاؤں میں گوشہ گزین ہو گیا ہوں جو اسٹیشن سے دور، اور بہت دور ہے، جہاں ڈاک کے ڈاکے پڑتے ہیں نہ اخباروں کی شورشوں کا آدمی شکار ہوسکتا ہے۔ نہ یہاں جلسوں اور کمیٹیوں اور چندوں کا غوغا

ہے۔ الغرض مرنے سے پہلے ایک موقع اسی زندگی میں ایسا میسر آ گیا کہ گویا میں مر چکا ہوں۔

آج بھٹکتے ہوئے اسی دہقانی کٹیا میں کراچی کے ایک متمدن کا گزر ہوا۔ معلوم ہوا آپ سے تعلقات رکھتے ہیں۔ خواہ مخواہ جی چاہا کہ اس ''قبر'' سے آپ کو آواز دوں۔ چونکہ انسانیت کے مقام عالی تک اس زمانے کے لوگوں کو پہنچنے کا موقع کم ہی ملتا ہے اس لیے توقع ہے کہ ''مقبور'' کی آواز آپ تک پہنچ جانی چاہیے۔

منم و گوشہء باغے و مسجدے قدسے
بجان و دل رسد ایں جا زیار من نفسے

امید ہے آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ بخیر و عافیت ہوں گے۔ ممکن ہو، اور جی میں آئے تو اس گورستانی گوشہ کے پتہ سے کوئی عنایت نامہ ارسال فرما دیجیے (چند شعر)

نصیر الدین یا ماوی الامانی	فرید فی التغافل والتوانی
بمکتوب محبت شاد کردی	تو ہم زی با ہزاراں کامرانی
بہ گلبانگ طرب بیدار گشتی	چہ رفتہ بر سرم آیا نہ دانی؟
''رضینا ما قضی الجبار فینا''	و نرجو رحمۃ فی کل آن
۔ا بادا مبارک عیش جاوید	مرا فکر دراز و جاودانی
''حیات طیبہ'' ارزاں بتوشد	پزیر از ما تحیات و تہانی
خوشم با پیری و صد عیب پیری	جوانا بر خور از نخل جوانی
ز اشعار دل آویزت چہ گویم	ز ہر حرفے دہد درّ معانی
بہر سطرے کہ دارد حکم نہرے	ہمی جوشد نشاط و شادمانی

مگر پر سد ز تو پیرے خرد مند
بہ تو نہبد انا شید و اغانی؟

مناظر احسن گیلانی

(۵)

۲۲رجنوری ۱۹۵۱ء

گیلانی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حبی ومجی زیدہ الکرام البررہ لقائم اللہ سرور أونقرہ

گوایک ہی شعر تھا لیکن اسی میں سب کچھ تھا۔ تمثیلی شان شعر کی بتاتی ہے کہ غالباً ''شاہ تمثیل'' کا ثمرۂ فکر ہے۔ حالانکہ شعروشاعری سے مدت ہوئی کہ دل ٹوٹ چکا ہے اور ٹوٹا کیا کبھی مشغلہ اس کا رہا بھی نہیں لیکن فوری محرکات کبھی کبھی ''تک بندی'' کے خبط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اسی خبط کا نتیجہ پیش کش ہے:

باد شمال بر تن رنجور من و زید	صبح امید از افق سندھ بر دمید
مرہم بزخمہائے دل ریش و درد مند	از شعرِ نغز صائب آگاہ دل رسید
آں حسن ظن کہ ریختۂ چشم یار بود	دل بے نقاب جلوہ اش از چشم سر بدید
دور از بساطِ قرب گر از قالبم و لے	القلب یامرك بذراعیه بالوصید
حق نمک کہ بر پدر، از دیر باز بود	صد شکر آں نمک کہ نصیرز ندہم رسید
''عش بالھناء'' کہ شد بکراچی زروے تو	ہر شب شب برات و ہر روز روزِ عید

کچھ معلوم نہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کے لوگ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں یعنی ان کے گھر میں اور ان کے صاحبزادے نیز برادرم پیارے میاں، ان لوگوں نے اپنا ٹھکانہ کہاں بنایا ہے۔ مولانا منتخب الحق صاحب سے فقیر کا سلام فرما دیجیے گا۔

جعفری صاحب کی آمد ورفت آپ کے ہاں اب بھی ہوتی ہوگی۔ دل ان کو نہ معلوم کیوں یاد کرلیا کرتا ہے، ان سے بھی سلام کہہ دیجیے گا۔ اپنے گھر میں اور بچوں کو دعا۔ آپ کا حسن سلوک الفاظ کے حدود سے بالا و برتر ہے۔ فقط

نمک پروردۂ قدیم خانۂ شما

مناظر احسن گیلانی

ل مولانا کے سکوت مسلسل نے پریشان ہو کر صائب کا یہ شعر لکھا تھا

دور دستاں را باحسان یاد کردن ہمت است   ورنہ ہر نخلے ثمر بر پائے خودمی افگند

بنام

مولانا اسحاق النبی (رامپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹ر جنوری ۱۹۴۶ء

حیدر آباد دکن جوار بجامعۃ العثمانیہ

الّذی عندہ علم من الکتاب، سلّمکم اللّٰہ تعالیٰ وبارک اللّٰہ فی عمرکم ومساعیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہی ''برہان''[1] میں آپ کا طویل مقالہ ''گوسالہ سامری'' کے متعلق نظر سے گزرا۔ پڑھنے کے بعد دل نے اس شعر کو دہرایا

آں وعدہ کہ تقدیر ہمی داد و فاشد
واں کار کہ ......[2] ہمی خواست برآمد

بالآخر سرزمین رامپور ہی نے اسلام کو وہ قلم عطا کیا جس کی ایک مدت سے ضرورت تھی۔ خاکسار تو اپنی دعاؤں اور تمناؤں کا مجسم آپ کو خیال کرتا ہے۔ قرآن اور بائبل کے باہمی تعلقات کو صحیح تحقیقی علم کی روشنی میں دنیا کے سامنے لانا ایک بڑا کام تھا جس کا کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن اب اطمینان ہو گیا۔ ان شاء اللہ اسلام کا کچھ تشنۂ تحقیق باب اب تشنہ نہ رہے گا۔ گو آپ کا یہ پہلا مقالہ ہے، لیکن دیگ کے لیے صرف چند چاولوں کا چکھ لینا کافی ہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِی مَسَاعَاتِہٖ وَصِحتہ وایّدبہ.

گو اس کا تھوڑا بہت افسوس ضرور ہوا کہ جب اسی مضمون کو آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا تو تھوڑی سی عبری و یونانی سے بھی اگر واقفیت اور تعلق پیدا فرمالیں تو زیادہ سکینت قلب کے ساتھ اپنے نتائج کا آپ اعلان کر سکتے ہیں۔ تاہم انگریزی میں بھی بہت بڑا کافی ذخیرہ ہے۔ ماشاء اللہ طرزِ تحقیق بھی آپ کا استیعابی ہے۔ بحث کے ہر گوشے کو انتہائی سلیقہ شعاری کے ساتھ آپ نے سمیٹ لیا ہے۔ ایک مدت کے بعد اس قسم کا تحقیقی

مقالہ خصوصاً بائبلیات کے سلسلہ میں نظر سے گزرا ہے۔

کہہ سکتا ہوں کہ پہلا ہی مقالہ ہے۔ علماءِ اسلام نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی لیکن زمانے کے اقتضا کے مطابق اللہ دین کے مددگاروں کو اٹھاتا رہتا ہے۔ اِنّ اللہ لیبعث علی راس کل مائۃ سنہ من ...... اس سے تشویش ہوئی کہ کچھ علالت کا سلسلہ بھی آپ کے جاری ہے۔ پھر ایک بڑی مصیبت ہے کہ جو کچھ نہیں کرتے وہ صحت مندر ہتے ہیں اور کرنے والوں کے ساتھ عموماً کچھ اس قسم کے عوائق بھی چمٹ جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی علالت اب تک صحت سے بدل چکی ہو۔ مولانا عرشی صاحب[3] جو خاکسار کے قدیم کرمفرماؤں میں ہیں اگر ملاقات ہو تو سلام عرض کر دیجیے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ دنگل میں اچھے پہلوان کو اب کی آپ نے اتارا ہے اس کی مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ کاش! کچھ اس قسم کی کوئی ہستی ہندوؤں کے ''مذہبی ذخیروں'' پر صحیح تحقیقی کام کرنے والی پیدا ہو جاتی۔ عرشی صاحب جب عرش سے آپ جیسے بزرگوں کو اتار لائے ہیں انھیں سے توقع ہے کہ یہ دوسری آرزو بھی ان شاء اللہ پوری فرمائیں گے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱۔ ماہنامہ 'برہان' دہلی جو مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔

۲۔ الفاظ غیر موجود۔

۳۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی، سابق ناظم رضا لائبریری رامپور و مصنف کتب کثیرہ۔ پیدائش: ۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء، بمقام رامپور، وفات: ۲۵ر فروری ۱۹۸۱ء، رامپور۔

بنام

رجسٹرار جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جناب رجسٹرار صاحب عثمانیہ یونیورسٹی

۱۵راپریل ۱۹۴۶ء

مولوی محمد یوسف الدین ایم اے نے پی ایچ ڈی کے لیے جو مقالہ ''اسلام کے معاشی نظریے'' کے عنوان پر لکھا ہے، چونکہ میری ہی نگرانی میں لکھا ہے اس لیے ان کی جانکاہی، محنت، توجہ، تلاش سے ذاتی طور پر واقف ہوں۔ عنوان بالکل نیا تھا جس پر دنیا کی کسی زبان میں اب تک کسی قسم کا کوئی کام نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ چند سال ہوئے ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی سے ایک کتاب ''اسلامی اقتصادیات'' کے نام سے شائع ہوئی تھی، لیکن محمد یوسف الدّین صاحب کے مقالہ کے مقابلہ میں اس کتاب کی حیثیت صفر کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو عنوان ہے، بہت کچھ اس نوعیت کا ہے کہ جس پر نہ قدیم اسلامی علوم کے علماء کام کر سکتے تھے اور نہ جدید علوم کے تعلیم یافتہ؟ سابق الذکر طبقہ جدید دنیا سے بے خبر ہے، اور قدیم علوم کے متعلق عموماً اس کی بے خبری کا شکار جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ کچھ امید اگر کی جا سکتی تھی تو جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کے طیلسانیین سے ہی سے کی جا سکتی تھی۔ تعلیمی نظام میں پہلی دفعہ قدیم اسلامی علوم کے ساتھ جدید علوم کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ میں خوشی کے ساتھ اس کا اظہار کرتا ہوں کہ شعبۂ دینیات کی طرف سے حسبِ توقع پہلی دفعہ علمی دنیا میں اس کام کو اچھی صورت میں یوسف الدین صاحب پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک وسیع میدان ہے اور جب کام کا آغاز اس سلسلہ میں شروع کر دیا گیا ہے تو آئندہ اس میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے، لیکن اپنی حد تک محمد یوسف الدین صاحب نے ممکنہ ماخذوں سے استفادہ کرنے میں کمی نہیں کی۔ نتائج کے استنباط میں بھی کافی غور و فکر سے انھوں نے کام کیا ہے۔ بیان صاف، سلجھا ہوا اور عالمانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ چونکہ مضمون کا تعلق ایک حد تک مذہب سے ہے اور مذہبی موضوع پر لکھنے والے عموماً اپنی تحریروں

میں مناظرانہ طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اس عیب سے ان کا مقالہ پاک ہے، کسی خاص مسلک کی جنبہ داری میں عصبیت کا اظہار بھی ان کے قلم سے نہیں ہوا ہے۔

بہر حال میرے نزدیک مجموعی حیثیت سے ان کا مقالہ اس قابل ہے کہ بخوشی پی ایچ ڈی (شعبۂ دینیات) کی ڈگری کے لیے مقالہ نگار کی سفارش کی جا سکتی ہے۔ اپنی اس رائے کے ساتھ مقالہ کی دونوں جلدیں واپس کر رہا ہوں۔

مناظر احسن گیلانی

(ممتحن وصدر شعبۂ دینیات)

عثمانیہ یونیورسٹی

مطابق ۵/اپریل ۱۹۴۶ء

بنام

مولوی محمد واسع و ڈاکٹر محمد شعیب

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷ر شہر نور ۱۳۵۶ف (۱ر اگست ۱۹۴۷ء)

برادر عزیز محترم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپنا حال کیا عرض کروں۔ خیال تھا کہ رمضان خوب گزرے گا لیکن رمضان آنے سے تین چار دن پہلے اچانک رات کو میرے سینے میں درد اٹھا اور اس درد سے قلب بھی متاثر ہوا۔ ڈاکٹر و اکٹر آئے۔ خیال تو گزرا تھا کہ شاید آخری وقت آ گیا لیکن ''اجلِ مسمّٰی'' نے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا۔ اس وقت سے پھر کوئی دورہ نہیں پڑا۔ ڈاکٹر شعیب صاحب ایک دن تشریف لائے تھے دیکھ کر گئے۔ شاید انھوں نے لکھا بھی ہوگا۔ ڈاکٹر بنکٹ چندر کے زیر علاج ہوں۔ قلب کا فوٹو بھی لیا گیا تھا۔ کام کرنے کی ان کی طرف سے ممانعت ہے اس لیے آپ کو خط نہ لکھ سکا ورنہ دو ضرورتوں سے لکھنا ضرور تھا۔ ایک تو وہی جس کے متعلق آپ سے ذکر آیا تھا اور دوسرا مسئلہ مخدوم محی الدین صاحب بے چارے کا تھا۔ ان کا تبادلہ اگر ضلع میرک پر ممکن ہو تو اس کی کوشش فرمائیے۔

آپ نے ماہ رمضان میں جو امداد فرمائی اس سے بہت سہولت عورتوں کو پیدا ہوئی[1]۔ اللہ تعالیٰ اس کی آپ کو جزاء خیر دے۔　　فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] اس زمانے میں حیدر آباد دکن میں اشیائے خوردنی و دیگر ضروری چیزوں پر سرکاری کنٹرول تھا اور ان کا حصول بہت مشکل تھا، اشارہ اسی جانب ہے

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷ / اگست ۱۹۴۷ء

برادر بجان برابر   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا خط آپ کو ملا ہوگا لیکن اس کے بعد آپ نے اپنی سعادت مندی اور اخلاص و صداقت کی انتہا کردی کہ فقیر کی ایک معمولی التماس کو اتنی اہمیت عطا فرمائی گئی۔ میرا دل تڑپ اٹھا۔ حق تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی کامیابیوں سے مسرور و شادکام رکھے۔ ڈاکٹر صاحب آئے تھے انہی سے آپ کی والدہ پر فالج کے حملہ ہونے کی خبر ملی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ دونوں بھائیوں کے ابتلاءت کا یہ سلسلہ کب ختم ہوگا۔ ان ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ فوری طور پر ان کو دیکھنے کے لیے آئے تھے اور چلے گئے۔ اس فقیر پر یوں تو آپ کے عنایات ہمیشہ ہی مبذول رہے لیکن اس دفعہ تو آپ نے غضب ہی کردیا۔ میں حیران ہوں کن الفاظ میں اپنے قلبی احساسات کو خدمت میں پیش کروں۔ اس کے سوا کہ دعا کروں اور کیا کرسکتا ہوں۔ ڈاکٹروں نے مجھ کو اب تک کام میں مشغول ہونے نہیں دیا ہے، رخصت لیے گھر ہی پر پڑا رہتا ہوں۔

آپ نے اس کی قیمت کا بھی ڈاکٹر صاحب سے معاملہ نہ کرادیا۔ میں نے تو چاہا تھا کہ اسی وقت حاضر کردوں لیکن انھوں نے فرمایا خود دینے والے صاحب نے بھی انھیں نہیں بتایا۔ بہرحال گویا آپ نے برسوں کا سامان ایک دفعہ کرادیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ خداوند قدوس نے کیسے کیسے سعید قلوب کو پیدا کیا ہے۔ اس دن سے میرا یہ حال ہے کہ ہر دس پانچ منٹ کے بعد آپ کا اور آپ کے اس احسانِ عظیم کا خیال آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو ذرا لکھ دیجیے کہ وہ اپنی والدہ کی خیر و عافیت سے مجھے کبھی کبھی مطلع فرماتے رہیں نیز قیمت کی بھی خبر ان کو دے دیجیے۔ یہ ہی بڑا احسان آپ نے کیا قطعاً غیر متوقع۔

نیازمند
مناظر احسن گیلانی

اس وقت اپنی والدہ صاحبہ کی بیماری کی وجہ سے آپ خود ایک شدید دماغی فکر میں مبتلا

ہو گئے ہیں لیکن مخدوم صاحب کا خیال رکھیے گا۔ تبادلہ کے متعلق کوئی صورت اگر ہو سکے۔
بڑے ثواب کا کام ہوگا۔

---

۱ ڈاکٹر محمد شعیب برادر مولوی محمد واسع
۲ اشیائے خوردنی ودیگر ضروری چیزوں کی فراہمی

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ ۱۷ر ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ

برادر محترم مولوی عبدالواسع صاحب مہتمم تعمیرات عثمان آباد سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ فقیر بھی الحمدللہ کہ اپنے اہلِ بیت کے ساتھ بخیریت ہے۔ ڈاکٹر شعیب سلمہٗ کی مشغولیت جدید تبدیلی کی وجہ سے غالباً زیادہ بڑھ گئی ہے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ان کا انتظار دل کو رہا لیکن اب تک ملاقات نہ ہو سکی۔ ٹھیک پتہ بھی ان کا معلوم نہیں ورنہ ٹپہ سے ان کی اور آپ کی والدہ کی خیریت دریافت کرتا نیز تشریف نہ لانے کی وجہ کیا ہوئی؟ مجبوراً آپ ہی کو لکھ رہا ہوں۔ اب بقرعید کی چھٹیاں ہونے والی ہیں غالباً آپ تشریف بلدہ لائیں گے۔ اس دوا کا خیال خاص طور پر زیادہ ہے۔ ۲۳ر آبان کو میری عمر (۵۵) چونکہ پوری ہو گئی اس لیے چاہیے تو یہی تھا کہ وظیفہ پر اب تک الگ ہو چکا ہوتا لیکن وائس چانسلر صاحب کا حکم ملا ہے کہ تا حکم ثانی کام جاری رکھیے۔ کونسل اعلیٰ میں میرے متعلق اب تک تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ وائس چانسلر صاحب نے سنا ہے کہ توسیع کے لیے لکھا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔ میں تو دل سے اس دن کا منتظر تھا لیکن اچانک دنیا کے حالات میں ایسے انقلاب رونما ہوئے ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کروں۔ آپ کی عطا کردہ چیزوں سے بڑی آسانی ہوئی۔ گھر میں آپ کو بہت دعا کہتی ہیں۔ اوران کی طرف سے یہ لکھ رہا ہوں کہ بغیر کسی ادنیٰ مشقت وتردد کے کچھ سامان کا امکان ہو تو خیال رکھیے گا۔ لباس کی ضرورت تو پوری ہوگئی۔

ان برادر کی سعادت مندیٔ خاص سے قلب جس حد تک متاثر ہے الفاظ میں اس کا اظہار ممکن نہیں۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَہٗ فِیْ عُمرِہٖ وَعِزِّہٖ وَمَتعہ بِطُولِ حَیَاتِہٖ ۔

آپ کا خیر اندیش منت شناس
مناظر احسن گیلانی غفر اللہ

کبھی کبھی دل تبدیلی آب و ہوا کو بھی چاہتا ہے لیکن جہاں بھی پہنچوں گا وعظ گوئی پر لوگ مجبور کریں گے۔ بجائے کچھ حاصل کرنے کے توانائی ایسی صورت میں کچھ کھو ہی آؤں گا اس لیے ہمت نہیں ہوتی۔

---

۱ بلدہ یعنی شہر حیدر آباد دکن

۲ ایرانی فصلی سال کا ایک مہینہ جس کا رواج حیدر آباد دکن میں تھا

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء ۲ر ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

از فقیر وحقیر مناظر احسن گیلانی بخدمت عزیز محترم مولوی خواجہ محمد واسع صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انتظار بھی تھا کہ آپ کا گرامی نامہ ملا۔ کس طرح اور کن لفظوں میں آپ کی توجہ فرمائیوں کا شکریہ پیش کروں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاء۔ آپ کی استانی صاحبہ۱ بہت بہت دعائیں آپ کو دیتی ہیں۔ مجھ سے کہتی ہیں کہ جس سعادت و اخلاص کا سلوک آپ فرما رہے ہیں اس کا تجربہ کسی دوسرے سے ان کو اب تک نہیں ہوا۔ چیز بھی پہنچ گئی اب آپ کا انتظار ہے۔ ان شاء اللہ بقرعید میں تشریف لائیے گا اسی وقت مفصل گفتگو ہوگی۔ اس بات کا خیال رکھیے گا۔ فقط

نیاز مند
مناظر احسن گیلانی

---

۱ اہلیہ محترمہ مولانا گیلانی

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶ر نومبر ۱۹۴۷ء ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

برادر محسن کریم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوازش نامہ مل گیا۔حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم کا سایہ سب پر رکھے۔عجب بے اطمینانی اور پریشانی کا زمانہ آ گیا ہے۔تاہم چند باتیں قطعی ہیں:

(۱) مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَابًا مُّؤَجَّلًا

(۲) مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ

الغرض موت ہو یا موت کے سوا مصائب ہوں حق کے اذن وفرمان ہی سے آتے ہیں جو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے۔اس نے اپنے متعلق خود ہی خبر دی ہے کہ وہ خیر الرّاحمین اور ارحم الرّاحمین ہے۔بس اسی سے لو لگائے رہنا چاہیے۔

ملازمت کی جو شکل ہوئی نہ اس کی بندے نے کوشش کی تھی پھر آئندہ کیا کروں گا۔ لین دین جس سے واقع میں ہوتا ہے بس اس کی حکمت اور مصلحت پر اعتماد رکھنا چاہیے۔ حیدرآباد کے حالات وہی ہیں جو آپ دیکھ کر گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔بڑے نازک وقت میں ہم لوگ آ گئے ہیں۔

آپ کی خاص توجہ فرمائی کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔اللہ آپ کو خوش وخرم رکھے۔دین ودنیا کی بھلائیوں سے سرفراز فرمائے کہ اس بے نوا لاوارث کی آپ خبر لے رہے ہیں۔ فقط

نیاز مند دعا گو

مناظر احسن گیلانی

۶ردی ۱۳۵۷ف[1]

---

[1] یہ تاریخ ایرانی فصلی سال کے حساب سے لکھی ہے

(۶)

ارمئی ۱۹۴۹ء

گیلانی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز محترم خواجہ واسع صاحب مہتمم تعمیرات نزل سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمدللہ کہ چالیس سال کے سفرِ طویل کے بعد پھر اسی گوشۂ عافیت میں آپ کا یہ خادم پہنچا دیا گیا ہے جہاں اس نے پہلی دفعہ ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولی تھیں۔ یوں تو دکن سے روانگی کے وقت احباب کے خاص حلقے نے اپنی شفقتوں اور مہربانیوں سے اس فقیر کو ممنون کیا لیکن آپ کی سرفرازیاں موسمی قیود سے ہمیشہ بالاوبرتر رہیں۔ میں نہیں بلکہ میرے گھر میں ہمیشہ یہ کہتی رہیں کہ خواجہ واسع صاحب کے سوا یہاں کوئی مخلص کرم فرما کسی دوسرے کو کم از کم میں نہیں پاتی۔

ڈاکٹر شعیب سلمہ، روانگی سے ایک دن پہلے وداعی ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔ بہر حال آپ سے نہ دنیا میں دل جدا ہو سکتا ہے اور مجھے امید ہے کہ دوسری زندگی میں بھی ان شاءاللہ یہ رشتہ قائم رہے گا۔ اس کی بنیاد ہی ایمان کی لازوال اساس پر قائم ہے۔

مناظر احسن

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیلانی

۳۰ رجولائی ۱۹۴۹ء

ڈاک خانہ بر بگھا، ضلع مونگیر

اخوان عزیز خواجگانِ دکن وہند،

خواجہ محمد واسع المہندسِ العروس،

خواجہ محمد شعیب الدکتور لعلہ' عروسا سلمکما اللہ تعالیٰ

'بالرّفاہ وَ البَنِین' کا مژدۂ جان فزا جس کے لیے برسوں سے دل تڑپتا رہتا تھا دوش ہوا پر اس گوشہ گیر دہقانی تک پہنچا۔ پہلے اس کے لیے تڑپتا رہا کہ کاش یہ دن سامنے آتا، اور آج اس لیے تڑپ رہا ہوں کہ اپنے ہاتھوں اپنے محبوب عزیز کے سر سہرا باندھنے کی سعادت سے محروم رہا۔ تاہم میری دعائیں آپ دونوں بھائیوں کے لیے ہمیشہ رہیں۔ آج بھی اسی دعا سے

اپنے دل کی تسلی حاصل کر لیتا ہوں۔ شکر ہے کہ "حق تعالیٰ" کا واسطہ ہم دونوں کے درمیان ہے۔ دل اتنا مضطرب ہوا کہ جی چاہا کہ کسی نظم کے قالب میں اپنے دلی جذبات کو قلمبند کر کے ارسال کروں لیکن ایک ہفتہ سے ہمارے ڈاک خانے میں لفافے نہیں مل رہے ہیں۔ دل بیٹھ گیا۔ ان شاء اللہ جب حکومت لفافے کا بندوبست کرے گی تو اس وقت دل کو ان شاء اللہ اُبھاروں گا۔

محبی وحبیبی فی اللہ مولانا محمد علی اللہ امادکی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ اپنے مستقبل کو انھوں نے ایک ایسے لاوارث وبے کس کے مستقبل کے ساتھ کیوں وابستہ فرما دیا ہے۔ جس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ان کے لیے تو بہر حال دکن کے بعد ان کا قدیم دار العلوم ہی وطن بننے کی صلاحیت واستحقاق رکھتا ہے۔ فقط

مناظر احسن

ل بالرفاہ والبنین یعنی رفاہیت کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ۔ اہلِ عرب مبارکباد دینے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء

برادر عزیز محترم ڈاکٹر شعیب صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مژدہ نامہ مولود مسعود یحییٰ میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کا موجب نشاط وشادمانی ہوا۔ میری طرف سے اپنی والدہ صاحب اور اپنی بہنوں کو بچے کی ماں سلمہا اللہ تعالیٰ سب کو مبارکباد عرض کر دیجیے۔ ان کے نیاز مند کا سلام اور مبارکباد عرض کر دیجیے۔ 'دل را بہ دل راہے ہست'' کی پرانی مثل کے بعض نئے نئے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ یوں تو واسع میاں کا اور ان کے ساتھ آپ کا بھی خیال اکثر آتا رہتا ہے لیکن ٹھیک جس دن آپ کا خط ملا ہے اس سے دو تین دن پہلے نہ معلوم کیوں بار بار واسع میاں کی صورت سامنے آجاتی تھی۔ ایک صاحب سے رات کو میں نے یوں ہی تذکرہ کیا کہ زندگی کے بعض دنوں کا خیال دل پر خاص اثر چھوڑ جاتا ہے۔ جن میں ایک وہ دن تھا کہ ورنگل سے

حیدر آباد موٹر پر آ رہا تھا اور ایک جنگلی اسٹیشن پر رات گزارنے پر عجیب طریقہ سے مجبور ہونا پڑا تھا۔ اسٹیشن کا نام بھول گیا[2]۔ لیکن اس رات کا خوش گوار خیال دل سے نہیں نکلتا ہے۔ غلے کی بوریوں پر بستر بچھا کر اس جنگل میں ہم لوگ پڑ رہے تھے، خوب نیند آئی تھی۔ قدرت کی کرشمہ سازی اس شب میں عجیب ہوئی کہ اس اسٹیشن پر پہنچ کر گاڑی رک گئی مگر ورنگل کی طرف جب رخ کیا گیا تو چل پڑی۔ اسٹیشن پر اللہ میاں نے پہنچا کر وقت پر کھانا بھی کھلوا دیا اور واپسی میں پھر وہیں پر آ کر گاڑی رک گئی۔ الغرض اس واقعہ کا ذکر رات کو کر رہا تھا کہ دوسرے دن غالباً آپ کا بشارت نامہ ملا۔ نام تو بچے کا قرآن ہی سے واسع میاں کو مل گیا۔ آسمانی نام ہے۔ حیاۃ اللہ۔ لیکن ''بچہ ذی احترام'' (۱۳۷۰ھ) کے ساتھ ''ظفر ابن واسع'' ان دو تاریخی ناموں کا خیال آ رہا ہے۔ پہلا نام تو نہیں ''صفت'' ہے لیکن دوسرے نام کا حساب کر لیجیے میرا خیال تو یہی ہے کہ ۱۳۷۰ھ ان شاء اللہ اس کی میزان ہے۔

ہاں اس کے ساتھ واسع میاں ایک اپنی غرض کی وجہ سے بھی یاد آ رہے تھے۔ اپنے متعدد دوستوں عزیزوں کو حیدر آباد لکھتے لکھتے تھک گیا کہ میری دو کتابیں یعنی ''الدین القیم'' اور ''اسلامی معاشیات'' ان میں کسی ایک کا بھی کوئی نسخہ میرے پاس باقی نہیں رہا ہے۔ دونوں ہی اعظم اسٹیم پریس والوں کے ہاں سے شائع ہوئی ہیں۔ لکھا تھا کہ جس طرح ممکن ہو ڈھونڈ کر ان دونوں کتابوں کو میرے نام ویلو کرا دیجیے لیکن کسی نے اتنی زحمت بھی گوارہ نہ کی کہ بازار میں یا خود اعظم اسٹیم پریس کے کتب خانہ تجارتی سے ان دونوں کتابوں کو حاصل کر کے بھیج دیتے۔ واسع صاحب شہر میں ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو لکھتا مگر تھک کر خیال آیا کہ ان کو اطلاع دوں وہ ضرور تلاش کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے، لیکن پتہ ان کا معلوم نہ تھا۔ جب آئیں تو میرا سلام عرض کر کے میری اس ضرورت کا ان سے ذکر کیجیے گا۔ مگر شرط یہی ہے کہ ویلو میرے نام کر دیں ورنہ کتاب واپس ہو جائے گی۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] نومولود مولوی محمد واسع۔ [2] اسٹیشن کا نام پنڈیال تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء

رفیع اللہ عزیز محترم مولوی محمد واسع المہندس وڈاکٹر شعیب صاحب الطبیب
سلمکما اللہ تعالیٰ وایدکما اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ کا مرسلہ مکتوب تو ایک ہفتہ سے زیادہ زمانہ گزرا مل چکا تھا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ کتابیں مل گئی ہیں اور روانہ کر دی گئی ہیں لیکن ڈاک کے موجودہ انتظام کا یہ نتیجہ ہے کہ ۱۴ر دسمبر کو روانہ کی ہوئی کتابیں مجھے یہاں کل ۲۴ر دسمبر کو ملیں۔ درمیان میں تو مایوس ہو گیا اور خیال ہی کر رہا تھا کہ پارسل کے ضائع ہونے کی اطلاع دوں۔لیکن خدا کا شکر ہے کہ کل کسی نہ کسی طرح افتاں وخیزاں پارسل پہنچ گیا۔ایک مصلحت ویلو کرانے کی یہ بھی تھی کہ پارسل اس زمانے میں جہاں تک سننے میں آیا ہے ضائع ہوتا رہتا ہے ورنہ آپ لوگوں کے ساتھ جس قسم کے مخلصانہ تعلقات اس فقیر کے ہیں اور اپنے قلب میں جس اثر کو آپ کی طرف سے پاتا ہوں اس کے ہوتے ہوئے سچ پوچھیے تو خود ہچکچا رہا تھا کہ ویلو کرنے کے لیے عرض کروں۔ بہر حال شکر مجھ پر واجب ہے۔حق تعالیٰ اس اخلاص اور حب للہ کا ثمرہ دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں گے۔ پارسل والے خط میں مولود مسعود کے متعلق یہ معلوم کر کے ماشاء اللہ وہ ایک سال کے ہو چکے ہیں پہلی مسرت میں مزید مسرت کا اضافہ ہوا۔ بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ برادرم واسع سلمہٗ نے اپنے بچے کے نام کے ساتھ اس فقیر حقیر کے نام کو شریک کر کے اس کا ثبوت میرے لیے جو مہیا فرمایا ہے کہ نظر سے اوٹ ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے یاد رکھا، خوشی کے آنسو آنکھوں میں نکل آئے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فِیْ عُمرِہٖ وَاَتِمِمْ عَلَیْہِ نِعْمَتِكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔میری طرف سے بچے کا پیار کر لیجیے۔ یحییٰ کے قرآنی نام تفاول کی بھی ایک شکل ہے۔ارحم الرّاحمین کے ساتھ حسنِ ظن کے تعلق کو بڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فال نیک لینے کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے اور خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے۔آپ نے اطلاع دی ہے کہ یحییٰ میاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ ایک سال کے ہو چکے ہیں۔ایسی صورت میں میرے حساب سے تو ظفر بن واسع کی میزان ۱۳۶۹ھ آتی ہے اور اگر ان کی پیدائش ۱۳۷۰ھ میں ہوئی ہے تو بن کے لفظ میں الف کا اضافہ کر کے ابن بنا لیا جائے۔ بہر حال یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس نام سے

۱۳۶۹ اور ۱۳۷۰ دونوں کی تاریخ کی گنجائش الف کی کمی بیشی سے نکل آتی ہے۔ واسع میاں سلمہ، جب آئیں تو ان سے فرمائیے کہ پھر میزان کر کے دیکھ لیں۔ حساب میں مجھے اپنے اوپر قطعاً اعتماد نہیں ہے۔

آپ نے یہ خوب کیا کہ "الدین القیم" کے ایک نسخہ کی جگہ دو بھیج دیے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ دونوں بھائیوں میں سے کشف کس کو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ خط لکھنے کے بعد ایک زائد نسخے کی شدید ضرورت مجھے محسوس ہوئی تھی۔ دل میں آیا بھی کہ لکھ دوں مگر یہ خیال کر کے شاید آپ لوگ کتابیں روانہ کر چکے ہوں، رک گیا۔ پارسل کھولنے پر جب بجائے ایک کے دو نسخے اس میں جو دیکھے تو حیرت ہوگئی۔ بڑا دینی کام اس سے ان شاء اللہ نکل آئے گا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآء۔ "اسلامی معاشیات" کی قیمت پہلے تو اتنی نہ تھی جتنی اب پنسل سے سرورق پر لکھی ہوئی نظر آئی۔ قریب قریب دس روپیہ۔ مولوی فضل صاحب نے ایک دفعہ اطلاع دی تھی کہ پہلا ایڈیشن اس کا ختم ہونے کے قریب ہو چکا ہے۔ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی فکر میں اعظم اسٹیم پریس والے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب پھر کیا ہوا۔

برادرم واسع سلمہ سے مجھے امید ہے کہ میرے بعد میرے بکھرے ہوئے مقالات اور کتابوں کی اشاعت کا بندوبست اپنے احباب کے ساتھ مل کر کریں گے۔ حیدر آباد کی طویل زندگی میں ان ہی چند احباب کو خداوند قدوس نے عطا فرمایا جن کے قلوب میں لوجہ اللہ محبت اس فقیر کی ڈالی گئی۔ آخری فقرہ گویا گونہ وصیت کی حقیقت رکھتا ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ رمئی ۱۹۵۲ء

گیلانی (بہار)

عزیزان بھائی واسع و بھائی شعیب افرغ اللہ علیکما سرا قلبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا لفافہ ملا تھا جواب میں نہ دے سکا تھا کہ اچانک

جس حادثہ کا خطرہ تھا اس کی خبر آپ کے کارڈ سے ملی۔ عربی کا ایک شعر ہے۔

ایتھا النفس اجملی جزعا

فانک ما تحذرین قد وقعھا

ترجمہ: اے نفس اب واویلا کو اپنے ختم کر، کہ جس بات کا ڈر تھا وہ سامنے آ گئی۔

الموت کا ذائقہ ہر زندگی پانے والے کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ جو مومن نہیں ہیں ان کے لیے الموت وہ سب کچھ ہے جس کے مقابلہ میں پھر کوئی چیز کچھ باقی نہیں رکھتی۔ لیکن ایمان کی روشنی میں جو دیکھ رہا ہے وہ مستقبل کی ایسی منزل اسے پا رہا ہے جس پر ہر مسافر کو پہنچنا ہی ہے جو سفر پر روانہ ہوا ہے۔ لوگ موت سے ڈرتے ہیں حالانکہ مستقبل کا ہر لمحہ میرے نزدیک موت سے کم اہم نہیں ہے۔ کون جانتا ہے کہ جو لمحہ گزر رہا ہے اس کے گزرنے کے ساتھ دنیا کس شکل میں ہمارے سامنے آئے گی۔ صرف ایک مجہول رجائیت لوگوں کو نڈر بنائے ہوئے ہے۔ لیکن مومن کی رجائیت مجہول نہیں ہے منصوصِ قطعی علم کی روشنی پر مبنی ہے۔ آپ کی والدہ مرحومہ غفر اللہ لہا نے سچی بات یہ ہے کہ مردانہ وار زندگی گزاری۔ آپ دونوں بھائیوں کی پرورش و تربیت و تعلیم میں کامیابی ان کے عزم و ارادہ کی کھلی دلیل ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی کوشش میں ان کو کامیاب کیا۔ دونوں بچوں کو انھوں نے ڈاکٹر انجینئر کی شکل میں اپنے سامنے دیکھ لیا۔ اپنی کوشش کے ثمرہ سے مستفید ہونے کا موقعہ ان کو ملا۔ اس سے زیادہ کامیاب زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب رہا مستقبل جس شکل میں اب ان کے سامنے آیا ہے اس کے متعلق بھی کیا یہ کافی نہیں ہے کہ اپنے دونوں بچوں کو مومن اور صاحبِ علم و عرفان چھوڑ کر تشریف لے گئی ہیں۔ ان شاء اللہ دین کی کامیابیاں بھی ان کے سامنے اسی طرح آئیں گی جیسے دنیا میں ہزار ہا ہزار عورتوں کے درمیان وہ کامیاب ہوئیں۔ آپ کے خط کے پانے کے ساتھ ہی اس فقیرِ بے نوا نے ان کے لیے فاتحہ بھی پڑھی اور دعائے مغفرت بھی کی۔ اس دنیا میں رہ جانے والے آگے بڑھ جانے والوں کی زیادہ سے زیادہ مدد اگر کچھ کر سکتے ہیں تو فاتحہ و استغفار ہی کی راہوں سے کر سکتے ہیں۔ آپ دونوں بھائیوں کے لیے یہ صدمہ عظیم ہے لیکن صدمہ آتا ہی اسی لیے ہے کہ خام کو پختہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ آپ کا یہ صدمہ بے قیمت نہ ہو جائے۔ صلوٰت و رحمت کے

ساتھ اہتداء میں آپ دونوں کے اضافہ ہو۔ فقط

خویدکم الفقیر
مناظر احسن گیلانی

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴؍دسمبر ۱۹۵۳ء
گیلانی (بہار)

عزیز محترم ڈاکٹر محمد شعیب صاحب زادکم اللہ اخلاصاً وصدقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مژدہ جاں بخش واسع ثالث مولود مسعود حفظہ اللہ وَاجْعَلْهُ مِنَ الصَّالِحِينَ آپ کے بشارت نامہ نے مجھ تک پہنچایا۔ جو نام تجویز کیا گیا ہے اس سے بہتر نام بھلا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جو سب سے بہتر بنا کر پیدا کیا گیا اسی کا یہ اسم مبارک ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

باقی برادر عزیز مولوی واسع صاحب سلمہٗ کے اس حسنِ ظن پر بے ساختہ آنکھیں اشک آلود ہوگئیں کہ کوئی نہ کوئی پہلو انتساب کا اس فقیر کے ساتھ وہ نکال لیتے ہیں۔ اللہ اللہ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ ان کا حسنِ ظن ہے۔ اس حسنِ ظن سے ان کے بہت کچھ مستفید ہو چکا ہوں۔ خداوند قدوس ان کی عمر واقبال میں ترقی عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر ان کے قدم جمے رہیں۔ اللّٰھم اعنہ وایدہ بروح القدس وکُن اللّٰھم حافظہ وناصرہ۔

اپنا حال کیا عرض کروں۔ بوڑھا ہوں، بوڑھا ہوتا چلا جا رہا ہوں۔ مریض تو ہمیشہ ہی رہا اب پیرانہ سالی نے کریلے کو نیم چڑھا کر دیا ہے۔ بس

اب لگی اب لگی کنارے سے
کشتیٔ عمر ہے روانی میں

ہمارے پیشرو ہم مشرب، ہم پیشہ علامہ سید سلیمان ندوی بھی چل بسے۔ عام طور پر کچھ یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ ان کے بعد اس فقیر کی باری ہے۔

واسع میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کا مستقر آج کل کہاں ہے۔ ان کو ضرور ضرور اس فقیر کا

سلام اور تہنیت بھی ہماری طرف سے پہنچا دیجیے۔ بڑا بچہ ان کا ماشاء اللہ اب بولتا ہوگا۔ گھر میں ان کے اور اپنی ہمشیرگان سلمہما اللہ کو دعا فرما دیجیے۔ دونوں بچوں کو اس فقیر کی طرف سے پیار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

اس خبر کا انتظار ہی رہتا ہے کہ آخر آپ کی تجریدی زندگی ازدواجی رنگ کب اختیار کرتی ہے یا اختیار کر چکی ہے فقیر کو ناواقف رکھا گیا۔

مولانا محمد علی الداماد و خطیب سے اگر ملاقات ہو تو سلام کے ساتھ کہہ دیجیے گا کہ نصف ملاقات کے سلسلہ کو بھی مولانا نے زمانے سے ترک فرما دیا ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۱ مولوی محمد واسع صاحب کے دوسرے بیٹے کی پیدائش جس کا نام خواجہ محمد احمد رکھا گیا۔

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء

اے الاخ العزیز الحاج الدکتور شعیب صاحب الطبیب سعدکم اللہ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سفرِ حجاز سے واپسی کے بعد آپ کے یاں سے اور برادر عزیز خواجہ واسع صاحب سلمہما اللہ دونوں کے یہاں سے کسی قسم کا کوئی نوازش نامہ نہ ملا۔ چونکہ عادی بنا دیا گیا تھا اس لیے قدرتاً کچھ دن انتظار کرنے کے بعد یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جیسے ملنے والوں میں بیسیوں عنایت فرماؤں نے اپنی اپنی عنایتوں سے محروم فرما دیا ان ہی میں آپ دونوں بھائی بھی شاید شریک ہو گئے۔ واقعات سے اگرچہ اس کی تائید ہوتی تھی لیکن دل نہیں مانتا تھا۔ ارادہ تھا "الحوض المسمیٰ بالکوثر فی القرآن" پر ملاقات کا موقعہ اگر میسر آیا تو کم از کم آپ دونوں بھائیوں سے ضرور پوچھوں گا کہ فقیر کی طرف سے ایسی کون سی بات سرزد ہوئی جس نے بھول جانے یا اس فقیر کے بھلا دینے پر آپ لوگوں کو مجبور کر دیا۔ کم از کم کوتاہی اور قصور سے تو مجرم کو مطلع ہی فرما دیا جاتا۔ جب آپ لوگوں کا خیال آتا، دل و دماغ میں اسی قسم کے خیالات چکر کاٹنے لگتے۔ پھر پچھلے چند دنوں سے مایوسیوں نے اس حد تک پہنچا دیا کہ شاید آپ دونوں بھائیوں کی یاد میرے دل سے بھی نکل

جاتی کہ اچانک

مولانا فضل اللہ صاحب غریب خانے پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور گو قیام کی مدت حد سے زیادہ مختصر تھی لیکن آپ کی طرف سے حج و زیارات کے تحائف، آبِ زمزم کی دو بوتلیں، ایک ریشمیں جائے نماز اور رطب العرب (عرب کی پختہ کھجوریں جو غالباً عجوہ ہی کی نسل سے معلوم ہوتی تھیں) دو مسواکیں، ان کو پا کر سارا غم غلط ہو گیا۔ اتنے دنوں تک میرے تحفے کو محفوظ رکھنا اور جوں ہی موقعہ ملا اس کو فقیر تک پہنچا دینا، یہ واقعہ ہی ایسا ہے کہ گزشتہ سارے قصوں کو جس نے وسوسہ بنا دیا۔ میں آپ کو حج مبرور کی مبارکباد دیتا ہوں۔ ان شاء اللہ روضہ نبویہ کی حاضری کے باطنی اور ظاہری ثمرات کا تجربہ اس زندگی اور آنے والی نئی زندگی میں ہوتا رہے گا۔ رہے ہمارے خواجہ صاحب واسع میاں سلمہٗ آپ کے ساتھ ان کی مکلفوں سے بھی درگزر کروں تو بھی مجھے کرنا ہی چاہیے، لیکن پھر بھی دل میں ان کی طرف سے ایک پھانس رہے گی جسے براہ راست ان کی تحریر ہی نکال سکتی ہے۔

خویدکم والداعی الفلاح دارکم
مناظر احسن گیلانی غفر اللہ العزیز

(۱۴)

۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم خواجہ محمد واسع صاحب المہندس ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا مسرت نامہ دلِ مجروح کے لیے مرہم ثابت ہوا۔ پرانی صحبتیں یاد آ گئیں۔ آپ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ بقول شخصے ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشکِ غیر کا
کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

اور سچ تو یہ ہے کہ اپنے خواجہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رنج کی کیفیت دل میں نہ پہلے کبھی پیدا ہوئی اور خداوند قدوس سے امید یہ ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دل میں کسی مومن کی طرف سے کدورت کو باقی نہ رکھے گا۔ خواجہ واسع تو ان لوگوں میں ہیں

جن سے قیام تعلق کے بعد دل ہمیشہ راضی ہی راضی رہا۔ آج بھی راضی ہے کل بھی ان شاء اللہ راضی ہی رہے گا۔ دعائے خیر کر دیا کرتا ہوں جب آپ کے عنایات اور آپ کی غیر معمولی نوازشیں یاد آ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی کم از کم سال میں ایک ہی دفعہ سہی اپنے کرم نامے سے سرفراز فرماتے رہیے اگرچہ موجودہ حالات میں سالوں کا تصور بھلا وہ کیا کر سکتا ہے جس کے لیے خاکی زندگی کا ہر مہینہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ شاید وہ آخری مہینہ ہو اور مہینہ ہی کیا بسا اوقات ہفتہ اور دنوں کو گننے لگتا ہوں۔ امراض کا ہجوم ہے گردہ، جگر، دل، پھیپھڑا، سب ہی ماؤف ہو چکے ہیں۔ بواسیر کی کیفیت سے معدہ بھی بگڑا رہتا ہے۔ علاج کا سلسلہ جاری ہے۔ سب سے بڑے ڈاکٹر بہار کے جن کا نام ڈاکٹر عبدالحئی ہے، حیدر آباد تک سے ان کی طلبی ہوئی ہے، وہی مہربان ہیں جو کچھ ممکن ہے کر رہے ہیں۔ باوجود ولایت کی تعلیم کے مصلّی بردوش رہتے ہیں۔ کوئی ہفتہ مشکل ہی سے ان پر گزرتا ہے جس میں دو ایک دن روزے میں نہ گزرتے ہوں، لیکن ڈاکٹری دوائیں قیمتی اس قدر ہوتی ہیں کہ اپنی موجودہ مالی حالت کے لیے ان کی قیمت کا بار نا قابل برداشت حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اپنے بچوں کو اور بچوں کی والدہ محترمہ سلمہا اللہ تعالیٰ کو اس فقیر کی طرف سے دعا فرما دیجیے۔ مولانا فضل اللہ صاحب سے جو رشتہ قائم فرمایا گیا ان شاء اللہ مبارک و مسعود ثابت ہوگا۔ ان کے سگے چچا سے میری بہن بیاہی ہیں اس لیے جسمانی رشتہ بھی آپ لوگوں سے قائم ہو گیا۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

ڈاکٹر شعیب صاحب نے اپنے سفر حج اور مقدس مقامات میں اس فقیر کو یاد رکھا اور کافی تحائف حج سے سرفراز فرمایا دل ان کا ممنون ہے۔ سلام عرض کر دیجیے گا۔

مناظر احسن گیلانی

بنام

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی نے مولانا گیلانی کی پہلی سوانح بنام 'حیاتِ مولانا گیلانی' لکھی۔ ان کا مولانا گیلانی سے نہ صرف قریبی تعلق رہا بلکہ خط و کتابت بھی رہی۔ باوجود کوشش کے ہمیں مولانا گیلانی کے مکمل خطوط دستیاب نہ ہوسکے البتہ حیات مولانا گیلانی میں موجود خطوط کے مفید اقتباسات تاریخی ترتیب سے یہاں پیش ہیں۔(مرتّب)

(۱)

مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی فرمائش اور اصرار سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کی تدوین میں آج کل مشغول ہوں۔ طبیعت اچھی رہتی ہے، تھوڑا تھوڑا کر کے لکھ لیتا ہوں۔ کئی دن ہوئے مولانا موصوف تشریف لائے، عزت افزائی فرمائی۔

(مکتوب مورخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

(۲)

فقیر اپنا حال کیا لکھے "صورت بہبیں حالت مپرس"۔ پیرانہ سالی خود ایک مستقل مرض ہے، تاہم تھوڑا بہت کام جو ہو سکتا ہے، کرتا رہتا ہوں۔ سید الانام الکبیر مولانا النانوتوی قدس سرہ کی تدوینِ حیات آج کل فقیر کا اہم مشغلہ ہے۔

(مکتوب مورخہ ۲۴ر مارچ ۱۹۵۰ء)

(۳)

واقعات کے ادا کرنے میں ان کے تاثیری پہلوؤں کا بھی مسلسل خیال رکھا جائے۔

(مکتوب مورخہ ۸ر مئی ۱۹۵۱ء)

(۴)

آپ نے قرآن کے درس کا تذکرہ بھی اپنے مکتوب میں کیا تھا۔ دیہاتوں میں قیام کرنے پر آج کل کوئی تیار نہیں ہوتا اس لیے اب انتظام کر رہا ہوں کہ اپنے قرآنی وجدانات کو قلم بند کرلوں۔ (مکتوب مورخہ ۲۶ر جون ۱۹۵۱ء)

(۵)

دعا فرمائیے کہ یہ آخری کام (سوانح قاسمی) کا اس بندۂ ضعیف جہول وظلوم سے بن آئے اور اسی کو لے کر مغفرت کی سند کے ساتھ اصل وطن کے طرف واپسی بخیر وعافیت میسر آئے۔ زیادہ خیال اب اپنے اسی مرجع کا ہے، جہاں سے کچھ دنوں پہلے اس خاک دانِ ارض پر ٹپکایا گیا تھا۔

(مکتوب مورخہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۱ء)

(۶)

آپ کے مقالات برہان (دہلی) اور دار العلوم (دیوبند) والے فقیر کی نظر سے گزرے۔ آپ کے ہر مضمون کو غور سے پڑھتا ہوں۔ اگر توجہ کا مسئلہ آپ نے باقی رکھا تو ان شاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کا تحریری طور پر آپ کو آئندہ اچھا موقع ملے گا۔ زبان کا بھی چنداں خیال نہ کیجیے، اصل چیز مواد ہے، صورت، مادہ کی قیمت کے بعد چنداں باقی نہیں رہتی اگرچہ مضمون کے ساتھ صورت کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔

(مکتوب مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۵۲ء)

(۷)

زیادہ سے زیادہ آپ میری لکھی ہوئی تفسیری جزؤں کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

(مکتوب مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۵۲ء)

(۸)

چالیس سال سے زیادہ زمانہ گزرا جب سے یہ سوال دماغ میں گردش کر رہا ہے کہ اس کفرستان میں قیام کی وجہ وجیہ کیا ہوسکتی ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی اتنی بڑی آبادی اور اس پر بھی بیس بائیس کروڑ نفوس ایسے رہ گئے، جنھوں نے اپنے

پیغمبر کو نہیں پہچانا، نہ انھوں نے پہچانا اور نہ پہچان کے لیے جو بھیجے گئے، انھوں نے دھیان دیا، وہ حکومت وسیاست کے حقوق میں کچھ دن الجھے رہے، ان سے نجات ملی تو اب پیٹ اور روٹی کا جھگڑا ہے۔ ہر روز حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی اتنی بڑی تعداد مسلسل جہنم میں ٹپکتی اور گرتی جارہی ہے، لیکن ہم اس تانتے کو دیکھ رہے ہیں۔ دو ہی صورت ہے یا یہ واقعہ جہنم میں کرنے کا دھوکہ ہے، یا دھوکہ نہیں واقعہ ہے تو پھر

اگر بینی نابیناوچاہ است

اگر خاموش بنشینی گناہ است

خدا کرے یہ گرہ کھل جائے اور جس لیے ہم بہار آئے تھے، وہ یاد آجائے۔

(مکتوب مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء)

(۹)

آپ نے اپنے اس کارڈ میں جو اس سے پہلے آیا تھا اس فقیر کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قطعی استحقاق نہ تھا، اسی قسم کے حسنِ ظن کو اس جہول وظلوم کے ساتھ قائم فرمالیا ہے۔ اکبر مرحوم کا ایک شعر ہے:

اکبر کی حقیقتِ اصلی کو پوچھو اس کے محلے والوں سے

ہاں شعر تو اچھا کہتا ہے، دیوان تو ان کا دیکھا ہے

اچھا شعر اور صاحب دیوان ہونا دوسری بات ہے اور محلہ والوں کے سامنے آدمی کیا سمجھا جاتا ہے، اس کی اصلی حقیقت وہی ہوتی ہے۔ آپ جیسے صادق الایمان والدّین کے حسنِ ظن کو دیکھ کر اس کی امید قائم کر لیتا ہوں کہ شاید معاملہ کرنے والا حسن ظن کی رعایت فرمائے، تجربہ سے زیادہ اسی کی تائید ہوتی ہے۔

(مکتوب مورخہ ۲۵ راکتوبر ۱۹۵۲ء)

(۱۰)

یکے بعد دیگرے صحت پر مختلف قسم کے حملے ہوتے رہے، کبھی سینے میں درد، کبھی معدے کی خرابی، تا آنکہ اب ادھر پندرہ بیس دنوں سے تنفس کا بھی قدیم مرض جس کے متعلق خیال تھا کہ ختم ہو چکا، اچانک حملہ ہو گیا۔

(مکتوب مورخہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۵۲ء)

(۱۱)

موسمِ سرما کی شدت نے میرے قدیم مرضِ تنفس اور دمہ کو پندرہ سولہ سال بعد زندہ کر دیا۔ ایک ماہ علاج و معالجہ، انجکشن وغیرہ کے بعد کچھ افاقہ کی صورت ہوئی لیکن افاقہ بھی دیرپا ثابت نہ ہوا۔ پندرہ سولہ روز کے بعد پھر حملہ ہوا اور شدید حملہ ہوا۔ حملہ کے دنوں میں ایک قدم چلنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ دو ڈھائی مہینے سے مسجد میں حاضری سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔

(مکتوب مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۵۳ء)

(۱۲)

رمضان المبارک سے پہلے دردِ سینہ کہیے یا وجع الفواد کا ایک شدید حملہ ہو گیا تھا لیکن الموت جسۃ الموت وقت سے پہلے آنے سے رہی۔

(مکتوب مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۵۳ء)

بنام

مولانا احمد عروج قادری

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴ر فروری ۱۹۵۱ء

یوم الجمعہ، گیلانی (بہار)

برادر محترم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب سے سرفراز ہوا۔ واقعہ یہی ہے کہ آپ کے ساتھ خاکسار کے جو خاندانی تعلقات ہیں، بزرگانِ اکبر جن میں آپ کے جدِّ امجد آپ کے والد رحمۃ اللہ علیہ کے سوا ایک بڑے خاموش عالم مولانا عبدالعزیز جو غالباً مرحوم ہو چکے اجمیر شریف ہی کی راہ سے نیاز کا موقعہ ان سے ملا تھا۔ آپ کے والد مرحوم تو خاکسار سے سینئر اور بہت زیادہ سینئر طلبہ میں تھے لیکن اجمیر کے ایک رفیقِ درس جن کو ہم علی میاں کہا کرتے تھے، شرح ہدایت الحکمۃ خیر آبادی کتابوں میں وہ ہمارے ساتھی تھے اور تکرار واعادہ ہم دونوں اسباق کا کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اپنی شیخوخت کے ان ایام میں وہ یاد آ جاتے ہیں۔ واللہ اعلم کہاں ہیں کیونکہ پھر ان سے نہ ملاقات ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خبر بھی اس کی کسی نے نہیں دی۔ غرض آپ کے گھرانے سے خاکسار نیازمندی کا تعلق قدیم یوں بھی رکھتا تھا، پھر صاحبزادگان والا تبار پھلواری شریف سے آپ کی نسبت کا علم جب سے ہوا تو ہم جیسے قدیم خیال کے فرسودہ دماغ والوں کے لیے ان حیثیتوں میں اب بھی بڑی برکت ہے۔ گویا آپ کی حیثیت بھی ہمارے مخدوم زادوں ہی کی ہوئی۔ حضرت مولانا شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت سے استفادہ کا علماً وعملاً موقعہ ملا، بس آپ کی تشریف آوری یقیناً ایک بشارت ہے۔ باقی سخن گسترانہ فقرہ قلم سے جو نکل گیا تھا وہ شاید اس پر مبنی تھا کہ آج کل اس طبقہ میں جو جماعت

اسلامی سے دلچسپی رکھتا ہے خاکسار کو بلا وجہ بدنام کیا گیا ہے۔ الزام لگایا جاتا ہے کہ رشک و غبطہ یا شاید حسد کے جذبات کے تحت مولانا ابوالاعلیٰ کا مقابلہ کر رہا ہوں رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ[1] کے سوا اور ان کرم فرماؤں کے سامنے کیا پڑھوں۔ معاف کیجیے گا وقتی شکایت کے سوا وہ فقرہ بھی اور کچھ نہ تھا۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ ۲۲ر فروری روز پنجشنبہ جو تشریف آوری کی تاریخ متعین فرمائی گئی ہے بعض ضرورتوں کی وجہ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اس تاریخ کے کوئی اور تاریخ مقرر فرماتے تو مناسب تھا۔ ممکن ہے کہ اعظم گڑھ مجلسِ دار المصنفین میں شریک ہونے کے لیے خاکسار کو پٹنہ بھی آنا پڑے۔ اگر یہ سفر قریب ہی میں پیش آیا تو پھر پٹنہ ہی میں ملاقات ہو جائے گی اور کچھ تاخیر ہوئی تو میں آپ کو مطلع کروں گا تا کہ اطمینان کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ سے کھل کر گفتگو کرنے کا موقعہ ملے۔ فقط خاکسار

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ترجمہ: اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں۔

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰ر فروری ۱۹۵۱ء

گیلانی (بہار)، کہف الایمان

رفیع القدر، عزیز محترم مولانا عروج القادری صاحب ایدکم اللہ بروحٍ منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا دلچسپ کارڈ کئی روز ہوئے کہ ملا۔ میں اس مخمصہ میں تھا کہ مونگیر سے طلبی ہوئی تھی، خیال تھا کہ حاضری دوں، اس لیے آپ کو کب تکلیف دوں، فیصلہ دشوار تھا۔ لیکن آج جب میری روانگی کی تاریخ آئی تو ادھر قلب کی شکایت جو کبھی کبھی عود کرتی ہے، اچانک نمودار ہوئی۔ مونگیر معذرت لکھ دی اور اطمینان سے اب آپ کو جواب دے رہا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ جناب سے پھر ملاقات کا موقعہ نہ مل سکا لیکن شفاہی ملاقات کی حد تک تو یہ بات درست ہے ورنہ آپ کی نثر و نظم سے وقت کو خوش کرنے کے

مواقع اس عرصے میں ہمیشہ میسر آتے رہے۔ حال ہی میں آپ کی ہندی بحر والی نظم کرن میں نظر سے گزری اور آپ کے ایک پوشیدہ ذوق کا علم ہوا، یوں بھی آپ کے علمی وخطابی مقالات مختلف رسائل میں نظر سے گزرتے رہے ہیں۔ خوش ہوتا ہوں کہ ہم لوگ جو اب پا برکاب ہیں اپنے پیچھے ایسے نوجوانوں کو چھوڑ رہے ہیں جوان شاء اللہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ کچھ دن ہوئے پٹنہ اور پھلواری شریف حاضر ہوا تھا تو خاص کر کے آپ کو تلاش کیا۔ پہلی دفعہ تو معلوم ہوا کہ بحمد اللہ آپ سفرِ حج وزیارت کے ساتھ موفق ہوئے ہیں اور دوسری دفعہ خبر ملی کہ وطن اکبر تشریف لے گئے۔ بہر حال آپ کے ساتھ میرے تعلقات ایسے نہیں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ کو استید ان کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم اس کا کیا مقصد ہے۔ فقیر کا گھر آپ کا گھر ہے۔ میری خوش قسمتی ہوگی کہ حج و زیارت کے تازہ شرف سے شرف یاب ہونے والی ایک ہستی کی زیارت نصیب ہوگی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے لیے حمل ونقل کا مسئلہ زندگی کے تمام سوالات میں سب سے زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ بہر حال فروری کے مہینے میں جہاں تک میں اس وقت جانتا ہوں کہیں جانے کا خیال نہیں ہے۔ آپ جب تشریف لائیں اس سے پیشتر مطلع فرما دیجیے گا۔ شاید ''مسلمان'' بنانے کا ارادہ فرمایا گیا ہے۔ بہر حال آیئے اور ضرور آیئے۔

فقط خاکسار

مناظر احسن گیلانی

بـنـام

بنام مالک رام [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظر احسن گیلانی　　　　　۱۵؍مارچ ۱۹۵۲ء
ڈاک خانہ بر بگھا ضلع مونگیر (بہار)

فاضل گرامی جناب مالک رام صاحب ایم اے

بعد ہدیۂ سلام مسنون عرض ہے۔ کارڈ آپ کا جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ ''عورت اور اسلامی تعلیم'' نامی آپ کی کتاب بہت پہلے اس فقیر کے نام ارسال فرمائی گئی ہے، اسی دن مجھے ملا جس دن ڈاک سے آپ کی کتاب پہنچی۔ شاید حیدر آباد کا پتا جو لکھا گیا یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ دونوں حیدر آباد سے واپس ہو کر اپنے وطن گیلانی (بہار) میں مجھے ملے جہاں جامعۂ عثمانیہ سے وظیفہ پانے کے بعد خانہ نشین ہو گیا ہوں۔

جناب کے اسمِ گرامی سے پہلی دفعہ غالباً اسی سال نواب صدر یار جنگ بہادر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں واقف ہوا۔ 'جمہور' [2] میں غالباً آپ کا مضمون 'صدر یار جنگ نمبر' میں نکلا تھا۔ تعلقات آپ کے نواب مرحوم سے جو تھے ان کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں:

من و تو ہر دو خواجہ تاشائیم

نواب مرحوم کی نیاز مندی کا شرف فقیر کو بھی حاصل ہے۔ اسی مضمون سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے بھی عنایت فرماؤں میں تھے۔ اس وقت بھی، اور آپ کی دلچسپ کتاب کے پڑھ جانے کے بعد بھی صحیح طور پر اندازہ نہ ہوا کہ آپ کا تعلق ''اسلام'' سے کیا ہے۔ ''مالک'' لفظ عربی کا اقتضا جو کچھ ہے ''رام'' کے لفظ سے اس کی تردید ہو جاتی ہے ورنہ یوں تو ہماری ہندی یا بھارتی حکومت کے وزیر اعظم [3] ہی کے ایک نام کا جز ''جواہر'' بھی عربی ہے۔ ''لال'' نے عربی رنگ کو ہندی رنگ میں بدل دیا۔ کچھ بھی ہو اگر ''رام'' ہی کے آپ رام ہیں، وہی آپ کا دل آرام ہے تو اس کتاب کو لکھ کر حقیقت یہ ہے کہ ایک عجیب وغریب

کراماتی نمونے کو آپ نے پیش کیا ہے۔ قرآن کے مطالعہ نے آپ کے دل پر یہ اثر ڈالا یا اس خیال کو جو پیدا کیا کہ "صنفِ نازک" کے متعلق جتنے تفصیلی آئین وقوانین اس کتاب میں ملتے ہیں، آسمان کی طرف منسوب ہونے والی کتابوں کے لحاظ سے یہ بالکل اچھوتی بات ہے، اور اسی لیے ان کو طبعی ترتیب کے قالب میں لانے کی طرف آپ کا ذہن منتقل ہوا۔ یہ بھی آپ کے فکری سلیقے کی بہتری اور غیر معمولی ہونے کا کافی ثبوت ہے۔ نیاز صاحب[؎] موروثی مسلمان اور شاید مولویانہ علوم سے مناسبت رکھنے کے باوجود اس راز کو نہ پاسکے اور پھر اپنے رجحانِ طبع کے مطابق "تاریخ الفحشاء" کے اوراق میں اس کی بنیاد تلاش کرنے کے لیے ڈوب گئے۔ "المرء یقیسُ علیٰ نفسہٖ"[۵]

موضوع بحث کے لحاظ سے جامعیت کا دعویٰ تو آپ کی طرف سے خود پیش ہوا ہے، اس کا اعتراف نہ کرنے والا بجز تنگ نظری کے مریض کے اور کچھ نہیں ہے۔ مجھے تو اس جامعیت کے ساتھ حیرت اس پر ہوئی کہ اعصابی بھونچال اور بے قراریوں کے اس اضطرابی عہد میں اپنے فیصلے کی قوت کو اعتدال وتوازن کے نقاط سے قریب رکھنے میں آپ کیسے کامیاب ہوئے؟ اس زمانے کی کتابوں میں مشکل ہی سے اس کی نظیر مل سکتی ہے۔ یا ماضی کے دباؤ کے نیچے تڑپنے والوں کی کتابیں ہیں یا بے باکوں کے تالیفات کا سیلاب ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ شترِ بے مہار "ہر چہ در دل آید بگوید" کے کاروبار کی گرم بازاری ہے۔ سکون اور ٹھنڈی بصیرت کے زیر اثر لکھنے والوں کا فقدان ہے۔ ایسے وقت میں اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے آپ کا کام بہر حال مستحق تحسین وآفرین ہے۔ آپ نے قرآنی نُصوص کو اصل قرار دے کر سنت کی روشنی میں ان کے مطالبوں کو منقح کرنے کی جو کوشش کی ہے، یہی نہیں کہ آپ کی وسعتِ معلومات ہی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے بلکہ کتاب وسنت کو ٹھیک اپنے طبعی مقام پر رکھ کر قانون کی تشکیل کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔ آپ کے ذہنی انتقال کی بعض مثالیں بہت دلچسپ ہیں۔ وَالّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ والی آیت کا جو محل آپ کی سمجھ میں آیا ہے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ذہن بھی اس کی طرف کبھی نہیں گیا۔ نسخ کے قصے کو ختم کرنے کی یہ ایک اچھی راہ ہے۔ سورۂ اخلاص میں مسیح کے ساتھ کرشن کا خیال بھی لَمْ یُوْلَدْ کے تحت آپ کو جو آیا ہے میں اسے اپنے مخصوص خیالوں میں شمار کرتا تھا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا.

وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ آپ نے سورۂ یوسف سے قرائن کی شہادت کا استنباط بھی جو فرمایا ہے یہ بھی دلچسپ توارد ہے۔

مسئلہ حجاب کی تنقیح میں آپ کی کوشش بہت حد تک کامیاب ہے۔ عمیا وان والی روایت کے متعلق آپ کے نقطۂ نظر کا میں بھی موید ہوں۔ میرے خیال میں عزیمت و رخصت کی دو قسموں میں اسلامی مطالبات کو جو فقہائے اسلام نے تقسیم کیا ہے، مسئلہ حجاب میں بھی اس کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ مُتعہ پر بھی آپ کی بحث اچھی ہے، لیکن فقیر کا خیال ہے کہ گدھے کے گوشت کے متعلق یہ تعبیر صحیح نہ ہوگی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پہلے اس کو حلال کیا پھر حرام کیا، بلکہ جاہلی دستور کے مطابق لوگ کھاتے تھے، اسلام نے حُرمت کا اعلان کیا۔ یہی صورت مُتعہ میں پیش آئی ہے۔ خیبر میں بھی اعلان کیا گیا اور فتح مکہ کے نو وارد نو مسلموں نے عدم واقفیت کی وجہ سے جاہلی دستور پر عمل کیا، پھر حُرمت کا اعلان کیا گیا۔ واقعہ خیبر کی تعبیر میں راویوں سے لغزش ہوئی ہے۔ آپ نے اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ جتنے مشرکین تائب ہو کر مسلمان ہوئے ان کا نکاح بھی مشرکہ وزانیہ کے سوا اور کسی سے جائز نہ تھا اور توبہ کے بعد شرک جب کالعدم ہو جاتا ہے تو زنا کا جرم تو اس سے اخف ہے۔ مسئلہ رجم میں اتنا تو بہر حال آپ کو بھی ماننا پڑے گا کہ محصنات (آزاد عورتیں) اور لونڈیوں کی سزاؤں میں خود قرآن نے فرق کیا ہے۔ کنوارے اور شادی شدہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنا خود سوچیے کیا ہے۔ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَیْنِ کی تفسیر آپ کی، میری سمجھ میں نہ آئی۔ جُیُوْب کا ترجمہ گریبان کی جگہ سینہ کرنے کی وجہ بھی سمجھ میں نہ آئی۔ ازیں قبیل بعض چیزیں اور بھی کھٹکیں تاہم کام آپ کا بہر حال قابلِ قدر ہے۔ معاف کیجیے گا مختصر جواب کے ارادے سے کارڈ اٹھایا لیکن طویل ہو گیا۔ جواب اگر آپ نے دیا تو ان شاء اللہ تفصیلی مراسلت ہوگی۔

مناظر احسن گیلانی

جواب اگر دینا ہو تو اسی پتے سے دیجیے۔

---

۱ ماخوذ از ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۹ء۔
۲ ہفت روزہ جمہور علی گڑھ۔

۳؎ جواہر لال نہرو کی طرف اشارہ ہے

۴؎ نیاز فتح پوری سابق مدیر ماہنامہ نگار لکھنؤ و کراچی۔ پیدائش: ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۴ء، وفات: ۲۴ر مئی ۱۹۶۶ء کراچی۔

۵؎ ترجمہ: آدمی دوسرے کو اپنے پر ہی قیاس کرتا ہے یعنی خود جیسا ہے دوسرے کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔

بنام

جناب اسرائیل احمد مینائی

جناب اسرائیل احمد مینائی (نبیرہ حضرت امیر مینائی)،جامعہء عثمانیہ حیدر آباد دکن کے طالب علم رہے ہیں۔ان کی مولانا گیلانی سے نہ صرف ملاقاتیں رہیں بلکہ خط وکتابت بھی۔ان کی عنایت سے ہمیں مولانا کے یہ دو خط دستیاب ہوئے۔یہ خطوط جس وقت لکھے گئے اس زمانے میں اسرائیل احمد مینائی صاحب کے زیر ادارت کراچی سے ماہنامہ "ہم قلم" شایع ہوتا تھا۔اس رسالے کے صرف دو یا تین شمارے ہی شایع ہو سکے (مرتّب)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جولائی ۱۹۵۳ء[1]

رفیع القدر مینائی صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔آپ کی یادآوری کا شکریہ۔اس عام گشتی مکتوب سے پہلے قاری حسن[2] سلمۂ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک خط ملا تھا جس میں انھوں نے توجہ دلائی تھی کہ "مشعل" کے لیے کچھ لکھ کر بھیج دیا کروں۔ادھر علالت کا سلسلہ کچھ دنوں سے جاری ہے ،اس لیے قاری صاحب کے حکم کی بھی توفیق نہ ہوئی اور آپ کے اس گشتی مراسلہ کا جواب بھی کچھ تاخیر ہی سے دے رہا ہوں۔آپ نے تین باتیں پوچھی ہیں[3]،ان میں سے آخری سوال کے جواب سے معذرت خواہ ہوتے ہوئے صرف دو سوالوں کا جواب پیش ہے:

خاکسار نے کچھ لکھا ضرور ہے لیکن ساری زندگی مُعلّم الصبیانی یا بچوں کے پڑھانے میں گزری،اسی لیے تصنیف و تالیف کا قصہ پیشہ کی حیثیت میری زندگی میں کبھی نہ حاصل کرسکا۔لکھنے ہی کے لیے شاید ہی کبھی کوئی چیز لکھی ہو بلکہ ضرورت پیش آجانے پر لکھنا

جو میرا پیشہ نہ تھا، اسی کو جبراً قہراً اختیار کرنا پڑا۔ سچ پوچھیے تو پیشہ ور مصنفین کی مرتب و منظم کتابوں کے مقابلے میں اسی وجہ سے اپنی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے تو کچھ شرم ہی آتی ہے مگر آپ نے دریافت کیا ہے تو مجبوراً حافظہ پر زور دیتا ہوں۔ جن کتابوں کے نام یاد آتے جائیں گے، انھیں درج کر دیتا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ نثر ہو یا نظم، حالانکہ دونوں ہی سے فقیر کا کوئی خاص تعلق کسی حیثیت سے کسی زمانے میں نہیں رہا، بایں ہمہ تھوڑی بہت مناسبت کچھ تھی بھی تو نثر ہی سے تھی، نظم یا شاعری سے تقریباً بیگانہ ہی رہا، لیکن پہلی کتاب میری جو پریس سے شایع ہوئی، وہ نظم ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ میری نو عمری کا زمانہ تھا، ٹونک (راجستان) میں زیر تعلیم تھا، اسی زمانے میں مسلمانوں پر حوادث و آلام کے پہاڑ یکے بعد دیگرے ٹوٹنے شروع ہوئے تھے، طرابلس پر حملہ ہوا، ایران پر روس چڑھ دوڑا، بالآخر بلقان کی ریاستوں کو ذریعہ بنا کر مرکز خلافت قسطنطنیہ کو بھی گھیر لیا گیا۔ یہ حالات ہی ایسے تھے کہ جو مسلمان جہاں تھا تڑپ رہا تھا۔ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دنوں سے زیادہ مہیب بنتا چلا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں ٹونک کے مدرسے کو چھوڑ کر خاکسار اجمیر شریف حاضر ہوا۔ جو قصے اس سلسلے میں پیش آئے، انھیں تو چھوڑیے، اس وقت جو کچھ عرض کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ سلطان الہند حضرت خواجہ اجمیریؒ کے آستانۂ معلٰی کے سامنے شاہجہاں پوری مسجد میں کھڑے ہو کر ایک نظم "شکوۂ خواجہ" سنائی تھی۔ یارانِ اجمیر نے اس نظم کو شایع کرا دیا تھا۔ بعض بند اسی نظم کے یہ بھی تھے:

دل میں جب ضبط نہیں بندشِ لب بھی نہ سہی
مہرِ تاباں جو نہیں، انجمِ شب بھی نہ سہی
جس طرح اور نہیں، ایک اَدب بھی نہ سہی
آج تک کون سے اچھے تھے ہم، اَب بھی نہ سہی
آج گستاخی بری حد سے گزر جائے گی
جانے کیا شعلہ بیانی بری کر جائے گی

یہ بھی سننے میں آیا کہ اجمیر کے کوچہ و بازار میں میری اس "مسدس" کے آخری بند کو لوگ مدتوں پڑھتے اور گاتے رہے، یعنی:

ہاں نکل خواجہ پھر اجمیر کے کہساروں سے
لے عوض خون کا یورپ کے جفا کاروں سے
دے خلاصی ہمیں ان چوروں سے مکاروں سے
ان ستم پیشوں سے، عیاروں سے غدّاروں سے
ما کہ خود را بسر رشتۂ الفت بستیم
ہمہ تن منتظر گوشۂ چشمت ہستیم

تقریباً چالیس بیالیس سال پہلے کی بات ہے، دوستوں نے اجمیر سے مجھے یہ خبر دی تھی کہ وہاں کی مقامی حکومت نے اس نظم کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا ہے واللہ اعلم بالصّواب یہ خبر کہاں تک صحیح تھی۔ پہلی دفعہ بدایوں کے نظامی پریس سے یہ نظم شایع ہوئی تھی۔ دوسرا ایڈیشن میری نظر سے گزرا تھا۔ غالباً دلّی کے کسی مطبع میں چھاپا گیا تھا اور اب مفقود ہے۔ گویا اسی نظم سے میرے تصنیفی کاروبار کی سمجھنا چاہیے کہ ابتدا ہوئی۔ کبھی نثر کے ساتھ ساتھ نظموں کے لکھنے کا بھی اتفاق ہوا، جن میں ایک نظم وہ بھی ہے جو دربارِ نبوّت کبریٰ کی حاضری کے موقعہ پر مدینۂ منورہ میں پیش کی گئی تھی، ''عرضِ احسن'' کے نام سے یہ نظم متعدد بار چھپ چھپ کر شایع ہوتی رہی ہے۔ حیدر آباد سے حجاج کا قافلہ روانہ ہوتا تھا، اربابِ خیر نیکی کا کام خیال کر کے اسی نظم کو چھپوا کر قافلے والوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ سنا ہے کہ گزشتہ سال بھی محبِ صمیم مولانا محمد بادشاہ صاحب حسینی، معتمد مجلس علماءِ دکن نے اسی سنت کو زندہ کیا تھا۔

بہر حال نظم سے عرض کر ہی چکا ہوں کہ میرا کوئی خاص تعلق کسی زمانے میں نہیں رہا ہے۔ اسی لیے جو کچھ بھی اس سلسلہ میں لکھا گیا ہے، سمجھنا چاہیے کہ اس کی حقیقت گویا جنگل کے خود رو پودوں سے زیادہ نہیں ہے۔ نقائص و عیوب سے اگر وہ پاک نہ ہوں، تو صورتِ حال کا اقتضا بھی یہی ہے۔ رہا اُردو کے حصۂ نثر میں فقیر کی قلمی تگ و دو، تو اپنے خاص مذاق اور تعلیمی خصوصیت کی وجہ سے عموماً اس حصے کا تعلق زیادہ تر مذہبی عنوانوں اور دینی مسائل ہی سے رہا۔ اس سلسلے میں پہلی مستقل کتاب غالباً میری وہی ہے جو ''سوانح ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے بھی متعدد ایڈیشن نکلتے رہے ہیں۔ آخر میں اقبال سلیم گاہندری صاحب نے اپنے ادارہ ''نفیس بک ڈپو''[۵] حیدر آباد دکن

کی طرف سے اس کو شایع کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مشہور صحابی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف کتابوں کے لکھنے کا موقعہ ملتا رہا جن کی اجمالی فہرست شاید یہ ہوسکتی ہے:

ا۔ کائناتِ روحانی: جس میں قرآن مجید کو کائناتِ مادّی کے مقابلہ میں ایک مستقل عالم قرار دیتے ہوئے اس قدرتی آسمانی کتاب کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ مختصر سا رسالہ ہے بلکہ مقالہ تھا جسے لوگوں نے رسالہ بنا کر شایع کر دیا۔

۲۔ الدّین القیم: اسلام کے علمی وفکری نظام کا ایک دلچسپ مرقّع ہے۔ متعدد بار شایع ہوتا رہا ہے۔ اس رسالے کا عربی زبان میں ایک حضرمی عربی عالم نے ترجمہ کر دیا تھا، غالباً طبع نہ ہوسکا۔

۳۔ النبی الخاتم ﷺ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے واقعات میں منطقی تسلسل پیدا کر کے دکھایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی خود آپ کے دعویِ نبوّت ہی نہیں بلکہ ختمِ نبوّت تک کے دعویٰ کی دلیل ہے۔ "ایمان" کے ایڈیٹر عبدالمجید قرشی مرحوم کی فرمائش سے یہ رسالہ قلم بند کیا گیا تھا۔ بعد کو مختلف مطابع نے بھی اس کو شایع کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں حسین امام صاحب (گیا) نے، جو غالباً اب پاکستانی ہیں، کیا تھا۔ اس کا علم نہیں کہ وہ ترجمہ شایع بھی ہوا یا نہیں۔

۴۔ مسلمانانِ ہند کی تعلیم وتربیت کے نظام کو موضوع بنا کر دو جلدوں میں یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ ندوۃ المصنفین دہلی سے شایع ہوئی۔

۵۔ اسلامی معاشیات کے موضوع پر اسی نام کے ساتھ ایک کتاب لکھی گئی جو کافی ضخیم ہے۔

۶۔ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی: نفیس بک ڈپو کراچی نے اس کتاب کو شایع کیا ہے۔ کافی ضخیم کتاب ہے۔

۷۔ ہزار سال پہلے: ہندوستان اور چین کے متعلق مسلمان سیاحوں کے معلومات کو مرتب کر کے ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیا گیا تھا جسے دارالعلوم دیوبند کے بعض طالب علموں نے شایع کیا۔

۸۔ قرآن مجید کی تدوین وترتیب کا مسئلہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ خاکسار نے بعض طلبہ

سے اس رسالے کو مرتب کرایا تھا۔ ندوۃ المصنفین دہلی سے یہ کتاب[7] شایع ہوئی ہے۔

۹۔ تدوینِ حدیث کے عنوان پر اس وقت تک چار محاضرے (لیکچر) خاکسار کی طرف سے مختلف علمی رسالوں میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان ہی لکچروں میں سے پہلے لکچر کو حیدر آباد کے ایک ناشر نے ''تدوینِ حدیث'' کے نام سے شایع کیا ہے۔ باقی محاضرے کتابی قالب ابھی نہیں اختیار کر سکے ہیں۔

۱۰۔ قرآنی ادب کے نام سے ایک مختصر رسالہ فقیر نے لکھا تھا۔ غرض یہ تھی کہ کم سے کم مدّت میں اردو بولنے والوں کے لیے، قرآن مجید گویا ان کی مادری زبان کی کتاب بن جائے۔ کل اکیس سبقوں پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ حیدر آباد ہی سے شایع ہوئی تھی۔

ان کے سوا بھی ممکن ہے میری کچھ کتابیں ہوں۔ حال میں ایک خدمت فقیر سے قدرت نے یہ لی ہے کہ دار العلوم دیوبند کے بانیِ اوّل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ ان کے پوتے مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دار العلوم کے حکم سے تقریباً ایک ہزار صفحہ میں مرتب کر کے بھیج دی گئی ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب[8] کب تک شایع ہو گی۔

باقی مقالات و مضامین جو مختلف رسائل اور مجلات میں شایع ہوتے رہے ہیں، ان میں بھی اچھی خاصی تعداد ایسے مقالات و مضامین کی بھی ہے جن کو چاہا جائے تو بنانے والے مستقل کتاب ہی بنا سکتے ہیں خصوصاً الفرقان (لکھنؤ) میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر خاکسار کا جو مقالہ شایع ہوا تھا یا اسی رسالہ کے حج نمبروں میں حج کے عنوان پر جو مقالات لکھے گئے ہیں، بآسانی ان کو کتابی قالب میں منتقل کر لیا جا سکتا ہے۔ اسی رسالہ میں سورۂ کہف کے متعلق خاکسار نے ایک تذکیری و تفسیری مقالہ شایع کرایا تھا جو تقریباً دو سال تک شایع ہوتا رہا۔ نفیس بک ڈپو کراچی نے کتاب کی شکل میں شایع کرنے کے لیے طلب بھی کیا تھا لیکن پھر پتہ نہ چلا کہ انجام کیا ہوا۔

مقالات ہی کی شکل میں ایک کتاب ''اطلاقی تصوف'' کے نام سے حیدر آباد کے مقامی رسالہ ''الحق'' میں قسط وار شایع ہوتی رہی۔ اس وقت تک مستقل کتابی شکل میں کسی نے اس کو نہیں چھاپا ہے[9]۔ میرا خیال ہے کہ تصوف سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ

اس کتاب سے ہو سکتا ہے۔

باقی آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اپنی تمام تصنیفوں میں سب سے زیادہ اچھی خود میری نظر میں بھی کوئی کتاب ہے؟ اس کا جواب کیا دوں۔ عرض کر چکا ہوں کہ پیشہ و تصنیف و تالیف سے پیشہ ورانہ رشتہ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ لکھنے کی حد تک ایک درجن سے زیادہ کتابیں، خاکسار اگرچہ لکھ چکا ہے، لیکن ان کتابوں میں ایسی کوئی کتاب کم از کم مجھے تو نظر نہیں آتی جسے مقابلہ میں میدان میں پیش کرنے کی جرأت کی جاسکتی ہو۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے معلومات ہیں جو جمع کر دیے گئے ہیں۔ ممکن ہے پڑھنے والوں کو ان سے کچھ نفع پہنچ جائے۔ اس سے زیادہ کوئی قدر و قیمت ان کتابوں کی میری نظر میں نہیں ہے۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

اپنے افتادِ طبع کی وجہ سے کہہ سکتا ہوں کہ ذاتی طور پر اپنی تمام کتابوں میں "النبی الخاتم ﷺ" کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اب بھی اس کتاب کو اوپر اوپر سے پڑھ لیتا ہوں تو دل بھر آتا ہے۔

قاری صاحب سلمہٗ کو سلام میری طرف سے کہہ دیجیے گا۔ "مشعل" کے لیے ان کے حسبِ ہدایت ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ مضمون بھیج دیا کروں گا۔ ہاں صاحب، اقبال سلیم گاہندری صاحب سے شاید آپ لوگ واقف ہوں۔ حیدرآباد سے وہ بھی کراچی آئے تھے۔ اگر واقفیت ہو اور موقعہ ملے تو ان سے دریافت تو کیجیے کہ سورۂ کہف کی تذکیری تفسیر کا انجام کیا ہوا[۱]۔ ادھر کئی مہینے سے ان کا کوئی خط نہیں ملا ہے۔

---

[۱] اس خط پر تاریخ درج نہیں لیکن داخلی شہادتوں اور اس کے بعد والے خط سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مورخہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۵۳ء سے کچھ ہی قبل لکھا گیا۔

[۲] قاری حسن احمد مینائی، جناب اسرائیل احمد مینائی کے بہنوئی اور چچازاد بھائی کے بیٹے تھے۔ وہ فن قرأت کے بڑے ماہر تھے۔

[۳] ان سوالات میں مولانا گیلانی کی کتابوں کی تفصیل، ان کتابوں میں ان کی پسندیدہ کتاب اور ان کے پسندیدہ اردو کے چار مصنفین کے نام دریافت کیے گئے تھے۔

[۴] استنبول

[۵] اس ادارے کا درست نام "نفیس اکیڈمی" ہے۔

۶ اس کتاب کا نام "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" ہے۔

۷ "تدوینِ قرآن" کے نام سے۔

۸ یہ کتاب بعد ازاں "سوانح قاسمی" کے نام سے شائع ہوئی۔

۹ یہ کتاب بعد ازاں "مقالاتِ احسانی" کے نام سے شائع ہوئی۔

۱۰ یہ کتاب بعد ازاں "تذکیر بسورۃ الکہف" کے نام سے شائع ہوئی۔

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰ر جولائی ۱۹۵۳ء

عزیز محترم مدیر صاحب "مشعل" کراچی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے ٹکٹ اور فرمائش کا جواب دیتے ہوئے پہلے یہ نہ دیکھا کہ جواب کے لیے ٹکٹ بھی وہ بھی ہندی خدا جانے کس طرح بندوبست کر کے آپ نے ملفوف کر دیے ہیں۔ لفافہ جب لکھ چکا تب نظر پڑی۔ اس لفافہ کو رکھ لیا ہے اور ٹکٹ لگا کر دوسرے لفافے میں جو جواب ممکن تھا، دے دیا ہے۔ اگرچہ دل میں اس کی خلش بھی رہ گئی کہ یہ جواب آپ کو پسند نہ آئے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ "در مدحِ خود گوید" پر نہ طبیعت ہی آمادہ ہوتی ہے، نہ قلم ہی چلتا ہے۔ خشک بے آب و نمک واقعات میں خاک لطف ہے۔ دل لگا رہتا تھا کہ "مشعل" کے روشن کرنے میں آسانیاں آپ کے لیے فراہم ہوتی ہیں یا نہیں، غریب الوطنی، نوگرفتاری، یہ ساری باتوں کا خیال آتا ہے۔ کئی دن پہلے سجدۂ شکر بجا لایا کہ پہلا شمارہ بہرحال آپ نے نکال ہی لیا۔ حالانکہ آج کل ارضِ پاک میں گرانیوں کے ساتھ ساتھ سُنا ہے کہ کاغذ کی گرانی بھی حدِ برداشت سے آگے بڑھ چکی ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ نمبروں میں آپ کے ساتھ کیا صورتیں پیش آتی ہیں۔ آپ نے اطلاع دی تھی کہ جس سوال کو آپ نے فقیر سے پوچھا تھا، اسی سوال کا جواب دوسروں سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں لیکن مضامین کا وہ سلسلہ اس شمارہ میں نظر نہ آیا، شاید بر آئندہ کر دیا گیا ہو۔ تمام مضامین توقع کے مطابق ہی نہیں بلکہ توقع سے زائد ہیں۔ آغا حیدر[۱] بےچارے کہاں ہیں؟ "مشعل" کی روشنی ہی میں دیکھا کہ زندوں میں ابھی شریک ہیں۔ ملاقات ہو تو اس فقیر کا سلام کہہ دیجیے گا۔ ایک ایسا کمال جو کسبی نہیں وہبی

ہے، اس سے ان کو ارزانی ہوئی ہے۔ بوڑھے جونا گڑھی[1] کو آپ میدان میں کہاں سے لے آئے؟ فلسفہ والا مضمون بھی اچھا ہے لیکن طباعتی اغلاط کے ساتھ بعض تمہیدی کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔ ہائے عثمانیہ یونیورسٹی، اس نے علم کے میدان کو کتنا صاف کر دیا تھا۔ آپ کے شذرات بھی متوازن معتدل ہیں لیکن بھائی کہنے سے زیادہ کرنے کی باتیں ہیں۔ ان ہی گتھیوں کو تو سلجھانا ہے۔

خیر اسی نوشتہ لفافہ کی برکت سمجھیے جو قلمدان میں پڑا ہوا تھا "مشعل" کے ملنے کے بعد خیال آیا کہ حسابِ دوستاں در دل کی کوئی صورت نکالی جائے۔ ایک مختصر سا مضمون[2] جو آپ کے رسالے کی نوعیت سے غالباً زیادہ غیر متناسب تو نہیں ہے، قلم بند کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ ایک ہی شمارہ میں چھپ جائے تو لطف اور افادیت مضمون کی ضائع نہ ہوگی۔

ایک فرمائش بھی اپنے "مینائی عزیزوں"[4] سے کرنی ہے۔ آپ کی دنیا کے ایک آدمی حیدر آباد میں تھے۔ "مینائی دنیا" کے نہیں بلکہ طباعتی دنیا کے "اقبال سلیم" ناشر کتب[5] ۔طوفان میں پھنسے ہوئے وہ بھی کراچی ہی کے ساحل جا لگے۔ خاکسار کی متعدد کتابیں ان کی توجہ سے شائع ہوئیں۔ کراچی پہنچ کر بھی 'امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی" کو انھوں نے چھاپ ہی دیا۔ کچھ دن ہوئے انھوں نے مجھ سے سورۂ کہف کی تفسیر جو 'الفرقان' لکھنؤ میں شائع ہوئی تھی، کتابی شکل میں شائع کرنے کے لیے طلب کی تھی[6]۔ پہلے تو خبر دیتے رہے کہ کتابت کی منزلیں کتاب طے کر رہی ہے مگر اس کے بعد اچانک خاموش ہو گئے۔ خط بھی لکھا، جواب نہ آیا۔ ممکن ہو تو اُن کے حال سے اطلاع دیجیے، معلوم نہیں بے چارے کس حال میں ہیں۔ اگر کاروبار میں مشغول ہوں تو اُن سے پوچھیے کہ میرا کارڈ ان کو نہیں ملا؟ کارڈ نہ ہی ملتا جب بھی لکھنا تھا کہ آخر انجام اس کتاب کا کیا ہوا؟ "امتِ مسلمہ" وقت ناشناسی کی وجہ سے ہر جگہ سراسیمہ اور پریشان ہے، یہ کتاب "شناختِ وقت" ہی کے لیے لکھی گئی تھی۔ خیال تھا کہ ماننے والوں کو تو تسلی کا سامان مل جائے گا، نہ ماننے والوں کو ماننے پر کون مجبور کر سکتا ہے؟

اور کیا عرض کروں۔ وہ پرانی صحبتوں کی یاد دکن کی ویرانہ دل کو کبھی روشن رکھتی ہیں۔ ہائے نواب اختر یار جنگ، فصاحت جنگ[7] غفر اللہ عنہما، ان کے شریفانہ و کریمانہ

بزرگانہ اخلاق و برتاؤ۔ ایک ایسے خرابہ[8] میں آکر پڑ گیا ہوں جہاں نہ ریل ہے نہ تار۔ دنیا سے منقطع ہونے سے پہلے منقطع کردیا گیا۔ اب زیادہ دن نہیں ہیں، جو جا چکے ان کے ساتھ مل جاؤں گا۔

عزیزان قاری حسن سلمہٗ، اور مولوی اسماعیل صاحب[9] وکیل و دیگر پرسانِ حال بزرگوں عزیزوں کو سلام فرمادیجیے۔ میرا بچہ[10] بھی آپ ہی کے ہاں ہے، حیدرآباد[11] میں ہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

1. آغا حیدر صاحب سابق صدر شعبۂ اردو، نظام کالج حیدرآباد دکن
2. قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی جنھوں نے ''مشعل'' کے لیے غالب اور امیر مینائی کے تعلقات پر مضمون لکھا تھا۔
3. یہ مضمون جناب اسرائیل احمد مینائی کو نہیں ملا۔ غالباً ڈاک کے خراب نظام کی وجہ سے ضائع ہوگیا۔
4. مینائی عزیزوں سے مراد جناب اسرائیل احمد مینائی اور ان کے بھائی اسماعیل احمد مینائی، ادریس احمد مینائی وغیرہ ہیں۔
5. اقبال سلیم گاہندری، مالک نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن و کراچی
6. یہ کتاب بعد ازاں ''تذکیر بسورۃ الکہف'' کے نام سے شائع ہوئی۔
7. اختر مینائی، جناب اسرائیل احمد مینائی کے حقیقی چچا اور امیر مینائی کے صاحب زادے تھے۔ فصاحت جنگ جلیل مانک پوری، امیر مینائی کے شاگرد اور نظامِ حیدرآباد کے شاعری میں استاد تھے۔
8. مراد مولانا گیلانی کا گاؤں ''گیلانی'' (بہار) ہے جہاں حیدرآباد سے ریٹائرمنٹ کے بعد مولانا اقامت گزین ہو گئے تھے۔
9. جناب اسماعیل احمد مینائی برادر بزرگ جناب اسرائیل احمد مینائی
10. مولانا گیلانی کے اکلوتے صاحب زادے جناب محی الدین گیلانی جو تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔
11. یہاں حیدرآباد سے مراد حیدرآباد دکن نہیں بلکہ حیدرآباد سندھ ہے جہاں محی الدین گیلانی بغرضِ ملازمت مقیم تھے۔

بنام

مدیر "مدینہ" بجنور[1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی مدیر صاحب اخبار مدینہ، ایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر کے عریضہ کے جواب میں کئی ہفتے ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا تھا۔ جواب کی فکر ہی میں تھا کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کی مجلسِ ماتم میں شریک ہونے کے لیے لکھنؤ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے واپسی کے دوسرے یا تیسرے دن شب کو میرے مکان میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ پیش آیا، چوروں کی کافی تعداد گھر میں گھس گئی اور جو کچھ بھی لے جاسکتی تھی اطمینان کے ساتھ لے کر چمپت ہوگئی۔ ہم لوگ سوئے کے سوئے رہے۔ صبح کو آنکھیں کھلیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بے چاری عورتوں کے زیور اور لباس کا کوئی حصہ جو لینے کے قابل تھا نہ بچا۔ رات کو چور آئے اور دن کو پولیس کے دھاوے شروع ہوئے۔ شدید دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہوگیا۔ مدتوں سے یہ لطیفہ بھلائے ہوئے تھا کہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومتِ الٰہیہ قائم ہوگئی۔ بندوں اور خدا کے درمیان حکومت وکومت کا کوئی واسطہ باقی نہ رہا۔ آج ملک ان ہی حالات سے گزر رہا ہے۔ کوئی دن شاید ہی گزرتا ہے جب چوری، ڈاکہ وغیرہ کی خبریں سننے میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ مجھ جیسے بے نوا کو بھی نشانہ بنا ہی لیا گیا بہر حال میں بہت شرمندہ ہوں کہ 'مدینہ' فقیر کے نام آپ مسلسل بھیج رہے ہیں۔ بدلِ اشتراک لینے پر بھی آمادہ نہیں اور فقیر بھی اپنی کسی خدمت کو اب تک پیش نہ کرسکا۔ آج چند صفحے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو وقتی اور اصلاحی مضمون ہے دوسرا صرف تاریخی اور تیسرا صرف دینی۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں ہی سے ان میں ہر ایک کا تعلق ہے۔ ایک ہی دفعہ بھیج دیتا ہوں تاکہ جب جب جیسے موقع ملے ان کو شائع فرماتے رہیے۔ 'مدینہ' کی سنجیدگی اور متانت سے دل بہت

خوش ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات سے نیازہ حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ پیرانہ سالی میں سیر وسفر کا مسئلہ میرے لیے کافی دشوار ہو گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

گیلانی (بہار) یکم فروری ۱۹۵۴ء

---

[۱] ماخوذ از رسالہ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر ۱ بابت نومبر ۱۹۵۷ء۔ تاریخ خطوط کے آخر میں درج کی ہے۔

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والا قدر مکرم ومخدوم مدیر صاحب ''مدینہ'' اسعد کم اللہ فی الدّارین وایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ اللہ چار ساڑھے چار مہینے کی بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے بعد آپ کا یہ دعا گو مناظر احسن گیلانی، پھر ہوش میں آیا ہے۔ ''مدینہ'' پر بھی نظر پڑی اور ''مدینہ'' کے بعد ''مدینہ'' والے کے نوازش نامہ سے بھی سرفراز ہوا۔ ''مدینہ'' کو جس حال میں چھوڑ کر غائب ہوا تھا، عجیب بات ہے کہ اسی حال اور اسی روش پر اس کو پایا۔ کاظمی صاحب کا قیمتی مقالہ نہ صرف معلوماتی مقالہ ہے بلکہ ذہنی انقلاب کی کافی ضمانتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بسترِ علالت پر لیٹ جانے سے پہلے دماغ میں جو نقشہ مدینہ کے مقالات کے متعلق تھا، ایک بڑا پہلو اِن کا اس مقالہ میں بھی آ گیا ہے۔ بڑی دلچسپیوں کے ساتھ کاظمی صاحب کے اس مقالہ کو پڑھ رہا ہوں۔ کیا انگریزی میں کوئی کتاب انھوں نے لکھی ہے یا خاص 'مدینہ' کے لیے اردو ہی میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ بعض فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے غالباً یہ ترجمہ ہوا۔

آپ نے 'مدینہ' میں بھی اور اپنے گرامی نامہ میں اس پرازکار رفتہ کی قلمی جولانیوں کا تماشہ دیکھنے والوں کو منتظر بنا دیا ہے۔ دنگل میں یہ بوڑھا کب اترتا ہے، اترتا بھی ہے یا نہیں ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ دواؤں اور پرہیز کی ان سختیوں میں کیا عرض کروں کہ جی کتنا گھبراتا رہتا ہے لیکن کروں کیا؟ ڈاکٹروں کے ہجوم میں ہوں تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں قلم اگر اٹھاؤں تو 'مدینہ' ہی کے لیے اٹھاؤں۔ بس دعا فرمائیے کہ ڈاکٹری جکڑ بندیوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ آپ کی طرف سے جو نوازشیں اس فقیر پر ہوئیں ان کا شکر گزار ہوں۔ ان

ہی دنوں میں جب پٹنہ ہسپتال کے آہنی پلنگ پر تڑپ رہا تھا چند مناجاتی مصرعے ایک خاص زبان میں دل و دماغ میں گھومنے لگے۔ خاص زبان سے مطلب یہ ہے کہ اردویت سے زیادہ 'ہندیت' کا رنگ ان پر غالب تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہمارے بہار کی دیہاتی اور مقامی بولی کے چند الفاظ بھی شریک ہو گئے ہوں۔ آپ کے ذاتی ملاحظہ کے لیے ان کو نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔ اگر 'مدینہ' کے صفحات اس زبان کے متحمل ہوں تو سوچیے۔ منظوم حصہ میں کیا اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ آپ کا مرثیہ اچھے محمد صاحب مرحوم کا اسی حصہ میں نظر سے جس وقت گزرا اسی زمانے میں یہ خطرہ دل میں پیدا ہوا۔ اتنی کڑی اور کرخت زمین میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی کہ اس کے نباہ کیے جانے پر تعجب ہوا۔ "دھوم" کے قوافی کی فراہمی آسان کام نہ تھا لیکن آپ کو کافی الفاظ مل ہی گئے۔ ہمارے دوست حمید صاحب 'زائرِ حرم' کی نعتیہ نظموں کے کیا کہنے۔ ایک ایک مصرع تیر و نشتر سے بھی زیادہ کام کرتا ہے۔ بہت دنوں سے ان کا نہ کوئی خط ہی آیا ہے اور نہ بے چارے کا حال معلوم ہے۔ جہاں رہیں مست بادۂ الست رہیں۔ موقع ہو تو سلام فقیر کا پہنچا دیجیے گا۔

ہندی آمیز نظموں میں "دھرمی" کے تخلص کو استعمال کرتا ہوں۔ اسی تخلص کی طرف یہ نظم بھی منسوب ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

گیلانی (بہار) ۵؍اگست ۱۹۵۴ء

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر صاحب جریدہ غرّاء "مدینہ" ایدکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں! مدینہ کا وہ شمارہ جس میں فقیر کا مقالہ "تدبیر ما" شائع فرمادیا گیا ہے وہ بھی ملا اور اس کے چند دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی باعثِ ابتہاج و نشاط ہوا۔ آپ نے حادثۂ سرقہ والی خبر شائع فرمادی۔ حوادث کی خبروں کو شائع کرنا اخباری فرض ہے لیکن اس فقیر کے دوستوں، قدر فرماؤں کو آپ نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہندو پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ لوگ

تفصیلات دریافت کرتے ہیں بھلا اس طومار کا جواب یہ فقیر کہاں تک دے؟ اگر شکایت کا پہلو پیدا ہوسکتا ہے تو اسی تجربہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نیت بخیر ہی تھی۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنْ خَیْرَ الْجَزَاء۔

کل جو شمارہ ملا ہے اس میں دوسرا ''منقوحہ'' (دکن کے قدیم دفاتر میں اصطلاح تھی، نقل کیے ہوئے کاغذات کو کہتے تھے) یعنی دیوبچہ والی داستان بھی نظر سے گزری۔ خیال آیا کہ آپ کے خط کا جواب بھی دے دوں اور ''تدبیرِ ما'' کے عنوان کی دوسری قسط بھی نتھی کردوں۔

آپ نے اپنے گرامی نامے میں فرمائش کی ہے کہ جمعیت العلماء کے عملی کاروبار کے سلسلے میں مقالات ومضامین ''مدینہ'' میں جو شائع ہورہے ہیں ان کے متعلق فقیر بھی اپنے احساسات کو قلمبند کر کے خدمتِ والا میں ارسال کردے۔ اس میں شک نہیں:

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

آپ کے پہلے مقالہ کے اس عنوان ہی پر جھوم گیا تھا، ''مدینہ'' غریب ''العلماء'' کی وکالت وحمایت میں ہر قسم کی رسوائیوں کو اس زمانہ میں برداشت کرتا رہا جب غریب مولویوں کو کوئی پوچھنے والا باقی نہ رہا تھا۔ فقیر کے قلم سے ایک دفعہ ایک فقرہ نکل گیا تھا: ڈبوں کے بغیر جمعیت العلماء کا انجن ملک کے طول وعرض میں دوڑ رہا ہے تو ہمارے بعض بزرگوں پر یہ فقرہ کافی گراں گزرا تھا۔ بہر حال خوگرِ حمد کے بعد مدینہ کی طرف ''شکوۂ اربابِ وفا'' بڑی عجیب بات تھی۔ فقیر نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھا تھا۔ پھر مولانا سیّد محمد میاں صاحب کے جوابی مقالہ اور جواب در جواب کے سارے قصّے نظر سے گزر رہے ہیں۔ کاش! ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو آپ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوسکتی تھی۔

اور وہ رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء کے بزرگوں سے نیازمندی کا تعلق رکھتا ہوں بلکہ خود اپنا ذاتی حال سب سے زیادہ مانع ہے۔ آپ شاید واقف ہوں یا نہ واقف ہوں، فقیر کے ساتھ ایک عجیب صورتِ حال پیش آئی۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن وہاں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے تلمّذ ہی کی

نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کور بخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی شکم پروری" کے قصوں میں اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں۔ نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ میرا سر پھوڑنے میں گزر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنھوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ داستان درد کی کافی طویل ہے۔ مختصراً عرض کرنے کے بعد امیدوار ہوں کہ اس راہ میں میری معذوری کا اندازہ آپ فرمائیں گے۔ اس "تدبیر ما" کے عنوان کے تحت مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ ممکن ہے ذیلاً اس کے اندر اپنے نقطۂ نظر کا ذکر بھی آجائے۔ سرِ دست اس مسئلہ میں فقیر کو نہ الجھایئے تو اس پر یہ بڑا احسان ہو گا۔

ہاں ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ فقیر کے مضامین یا "منظومات" کے متعلق ایک چیز کا خیال بحیثیت مدیر آپ کو رکھنا چاہیے بلکہ حالات کے اقتضاؤں کو دیکھ کر آپ کو ترمیم و اصلاح کا بھی اختیار ہے یا سرے سے کوئی مضمون ناقابل اشاعت محسوس ہو تو ہرگز شائع نہ فرمایئے۔ میں ایک دیہات میں عزلت گزیں ہوں۔ باہر کے ماحول کے تخمینہ میں غلطی ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہی مضمون جو "لحمِ بقرہ" کے متعلق ترجمہ کر کے فقیر نے بھیجا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالات میں اس کا شائع کرنا مفید ہو گا یا مضر، میں نے تو صرف اس لیے ترجمہ کر دیا کہ مسلمانوں کے متعلق غیروں میں کچھ اس قسم کا خیال پھیل گیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے "لحمِ بقرہ" کا استعمال شاید ضروری ہے لیکن ں کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کا خیال بھی کرنا چاہیے۔ کسی وجہ سے اور کسی عنوان سے اس ترجمہ کا شائع کرنا قرینِ مصلحت نظر آئے تو میری یہ التجا قبول فرمالی جائے کہ مترجم کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مطبوعہ کتاب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہے۔ "عنوان تراشی" میں آپ کی مہارت کا لوہا دل نے مان لیا۔ سچی بات بھی ہے کہ عنوان سے مضمون کی قیمت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اور کیا عرض کروں، ممکن ہو تو فرصت سے فقیر کے اس نیاز نامے کا جواب عطا فرمائیے۔
مولوی محمد حسین صاحب اور مولانا ابن کامل صاحب سے سلام فرمادیجیے۔ فقط
مناظر احسن گیلانی

بنام

مولانا غلام محمد حیدر آبادی[1]

(۱)

۱۵؍فروری ۱۹۵۴ء

گیلانی (بہار) کہف الایمان

حبّی العزیز مولوی غلام محمد صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ وایدکم بروح منہ

آپ کا نوازش نامہ کیا ملا کہ بیتے ہوئے دکن کے دن آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ عزیز محترم! آپ نے یہ عجیب بات لکھی کہ حافظہ میں اس فقیر کے آپ کا خیال کیسے باقی رہا۔ آپ کے ساتھ علاوہ اسلامی اخوّت کے خدا ہی جانتا ہے کتنی نسبتیں قائم ہیں۔ حیدر آباد آہ! حیدر آباد، اسی سرزمین میں آپ بھی پلے پوسے گئے، لکھائے گئے، پڑھائے گئے اور یہ کورنصیب گو حیدر آباد میں پیدا تو نہیں ہوا تھا لیکن میرے جسم میں بھی جو کچھ ہے حیدر آباد ہی کا ہے۔ اب بھی حیدر آباد ہی میرے سدّ رمق کا ذریعہ ہے، پھر اپنی محبوب تعلیم گاہ ہے، ہماری جامعہ عثمانیہ جس میں میرے دماغ نے، دل نے آنکھیں کھولیں، اسی کے ماحول میں میری بھی پرورش ہوئی اور آپ کی بھی اور آخر میں آپ میرے صدیق صمیم مولانا محمد علی صاحب[2] کے خاص عزیزوں میں جب شریک ہوئے تو قدرتاً میرے عزیز بھی آپ بن ہی گئے۔ پھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ[3] سے آپ کو وابستہ کیا جن کے وابستوں میں ایک یہ فقیر بھی تھا۔ ذرا خیال تو کیجیے کہ ان گوناگوں رشتوں کے ساتھ جکڑ جانے کے بعد آپ کو میں بھول سکتا تھا۔ آپ کے سارے حالات اور نقل وحرکت سے آپ کے قبلہ مولانا محمد علی صاحب مجھے برابر مطلع کرتے رہے جن سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ گو حیدر آباد سے نکلنے کے بعد جس کھمّی گوشہ میں آخری پیغام کا منتظر بن کر بیٹھ گیا ہوں وہاں سے باہر جانے کا موقعہ اس چار پانچ سال کے عرصہ میں مشکل ہی سے آیا، صرف سیّد الملت کی خاطر سے ایک دفعہ اعظم گڑھ دار المصنفین گیا تھا اور گزشتہ ماہ جنوری

میں ان کے جلسۂ ماتم میں شریک ہونے کے لیے لکھنؤ حاضر ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایک اجڑا گاؤں جہاں چند گنواروں کے سوا کسی شریف صورت پر نظر نہیں پڑتی، پڑا ہوا ہوں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے لسانی قوت سے تو محروم ہو چکا ہوں جہاں تک بس چلتا ہے قلم سے کچھ گھسیٹ لیتا ہوں، اِدھر اُدھر کے رسالوں میں اسی کو بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کسی مضمون پر آپ کی نظر بھی پڑی ہو، اس عرصہ میں صرف ایک کام اس بندۂ ضعیف سے ایسا لیا گیا جسے شاید کام قرار دیا جا سکتا ہے یعنی بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری مرتب کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ اب طباعت و اشاعت کی منزلیں وہی مسودہ طے کر رہا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ اپنی زندگی میں اس کتاب کو مطبوعہ صورت میں دیکھنا میرے لیے مقدر بھی ہے یا نہیں۔ آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ وہاں کس محکمہ سے آپ کا تعلق ہے؟ گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ اہل و عیال کی خیر و عافیت سے بھی مطلع نہیں فرمایا۔ اس کی توقع اگر کروں کہ کبھی کبھی اپنے اس دعا گو نیاز مند کو یاد فرمالیجیے تو شاید توقع بے جا نہ ہوگی۔ آپ کے ذریعہ وہاں کے صحیح ماحول سے بھی واقفیت کی راہ نکل آئے گی۔ باقی ہمارے سیّد الملت قدس اللہ سرہ العزیز کی صبّاریت کے جن حالات کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے[ؔ] ان کا تعلق سچ پوچھیے تو اس جہان سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ شکوریت کے زیر اثر گزرا تھا۔ صبّاریت کی منزلیں رہی جاتی تھیں، زندگی کے آخری دور میں ان منزلوں سے بھی وہ گزارے گئے اور خوب گزرے۔ صرف علامہ، ڈاکٹر اور اعظم المصنفین ہی ہونا ان کے لیے مقدر نہ تھا، سیّد العارفین بن کر رفیق اعلیٰ میں قدرت نے ان کو بلانا چاہا، اسی کا نظم کیا گیا۔ ساری ظاہری بڑائیوں کے ساتھ دربار تھانویؒ میں کچھ نہ بن کر ان کا حاضر ہو جانا، یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اپنی اس بے پروا جرأت و اقدام کا صلہ ان کو بہر حال ملنا چاہیے تھا سو بحمد اللہ مل گیا۔ اذیت نہ ہو تو صبر کا مطلب ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ صبّاریت کے اس دور میں ان کو اذیت ہوئی اور کافی اذیت ہوئی لیکن جس راہ پر اب پڑ چکے تھے اس راہ کی ہر اذیت دوسرے عالم کی مسرتوں کی ضمانت بنتی چلی گئی۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر)۔ یہ شعر نہیں، لاہوتی حقیقت ہے، اجمالاً ان کے حال سے آگاہ تھا لیکن تفصیل کے لیے آپ کے مضمون کا منتظر رہوں گا۔ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ

آخری زندگی میں قدرت نے آپ کا انتخاب ان کی خدمت کے لیے فرمایا۔ مبارک ہو آپ کو کہ ایک بڑے برگزیدہ شیخ کا دستِ مبارک بیعت کے لیے آپ کو ہاتھ آیا۔ آج بھی وہ دن مجھے یاد ہے جب سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کا تعارف کراتے ہوئے اس لیے پیش کیا تھا کہ آپ سے یہ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ غالباً مولوی مظہر صاحب کی کوٹھی میں آپ دونوں مرید و پیر کی ملاقات ہوئی تھی۔

ہاں ایک کام بھی آپ کے سپرد اس سلسلہ میں کر رہا ہوں۔ مولوی رئیس احمد جعفری صاحب نے اپنے مجلّہ "ریاض" کے 'سلیمان نمبر' کے لیے میرے ایک دوست اور مخلص کرم فرما حکیم نصیر احمد صاحب اجمیری کے ذریعہ مضمون مانگا تھا۔ اسی زمانہ میں چوروں نے میرے گھر پر حملہ کر دیا اور جو کچھ بھی لے جا سکتے تھے لے کر روانہ ہوئے۔ ان ہی پریشانیوں میں تھا، وقت پر مضمون بھی نہ لکھ سکا اور وہ خط بھی حکیم صاحب کا اِدھر اُدھر ہو گیا، پتہ صحیح طور پر یاد نہ رہا۔ جب آپ کا خط آیا تب خیال آیا کہ جعفری صاحب کی فرمائش کی تکمیل کر دوں۔ سیّد صاحب مرحوم ہی کے متعلق ایک مختصر سا مضمون ہے جسے بھیج رہا ہوں۔ 'ریاض' کے سلیمان نمبر میں گنجائش باقی نہ رہی ہو تو آئندہ کسی قسط میں اس کو شائع کر دیں۔ سیّد صاحب کے سوانح نگاروں کو ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق کچھ معلومات اس مضمون سے بھی مل سکتی ہیں[1]۔ امید ہے کہ میری اس امانت کو اس کے اہل تک پہنچا دیں گے۔ عزیزم میاں سلمان سلمہٗ کو بھی دعا کہہ دیجیے۔ جعفری صاحب کو سلام عرض کرتے ہوئے میری مجبوریوں کا ذکر کر دیجیے گا۔ میں ان سے نادم ہوں کہ وقت پر فرمائش کی تعمیل سے قاصر رہا۔

ہاں! ایک بات آپ سے یہ دریافت کرنی ہے کہ مدّت ہوئی اقبال سلیم صاحب[2] نے سورۂ کہف کی تذکیر (تفسیر) کا مسودہ مجھ سے طلب کیا تھا، لکھا بھی تھا کہ آپ ہی کے سپرد اس مسودہ کی تصحیح و ترتیب کا کام انھوں نے کر دیا لیکن اس کے بعد اچانک وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے خط لکھا بھی مگر جواب نہ آیا، ممکن ہو تو اس کے حال سے آگاہ کیجیے۔ اقبال سلیم صاحب کیسے ہیں؟ ہوں تو سلام فرما دیجیے۔ والسلام

---

[1] یہ آٹھ خطوط بنام مولانا غلام محمد حیدرآبادی ماخوذ از ماہنامہ بینات کراچی ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ

[2] مکتوب الیہ کے خسر محترم۔

۳؎ مولانا سیدّ سلیمان ندویؒ، مکتوب الیہ کے شیخ تھے۔

۴؎ مکتوب الیہ کا مضمون مطبوعہ ماہنامہ ریاض کراچی 'سلیمان نمبر' بابت مارچ ۱۹۵۴ء۔

۵؎ ترجمہ: ثابت قدم رہنے والوں کو بھی اجر بے شمار ملے گا۔

۶؎ یہ مضمون ماہنامہ ریاض کراچی 'سلیمان نمبر' بابت مارچ ۱۹۵۴ء میں 'سیدّ الملت کی مکتبی زندگی' کے عنوان سے شائع ہوا۔

۷؎ مالک نفیس اکیڈمی کراچی۔

(۲)

عزیز گرامی قدر، الشاب الصالح التقی مولوی غلام محمد صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ارحم الراحمین، رب المشرق والمغرب کی رحمت سے امید ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کا یہ نیاز مند مناظر احسن گیلانی علالت کی مختصر منزلوں سے گزرتا ہوا اب ایک خاص نقطہ پر پہنچ کر ٹھیر گیا ہے۔ نہ بیمار ہی ہے اور نہ تندرست۔ چاہیے تو یہی تھا کہ اپنے پیش رووں کے ساتھ اب تک شریک ہو جاتا لیکن بقول اکبر مرحوم۔

کمزور ہے میری صحت بھی، کمزور ہے میری بیماری

اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا، بیمار پڑا تو مر نہ سکا

لَا یَمُوْتُ وَلَا یَحْیٰی شاید اسی مقام کا نام ہے۔ بہر حال آپ کی خدمت میں آج اپنی ایک ''امانت'' سپرد کر رہا ہوں۔ یاد آتا ہے کہ آپ نے بھی لکھا تھا کہ تدوین حدیث کے محاضروں کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلہ میں خبر بھی دی تھی کہ اس کے دو حصے یعنی ایک تو وہی جسے مولوی غلام رسول صاحب نے رسالہ کی شکل میں شائع کیا تھا، آپ کے شیخ پیرو مرشد سیدّ نغمذہ اللہ بغفرانہ نے اس پر تعارف نامہ بھی ارقام فرما دیا تھا اور دوسرا حصہ غالباً وہی ہوگا جو اسلامی اکادمی کے مجلّہ میں شائع ہوا تھا۔ خیر پہلا حصہ میرے پاس نہ تھا اس کے سوا تین حصے نظر ثانی کر کے اسی محاضرے کے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان ہی محاضرات کو کراچی کے ایک اور بزرگ نے بھی طلب کیا تھا[۱] جن کا پتہ لکھ دیتا ہوں۔ خود ان سے تو ذاتی تعارف نہیں ہے لیکن جن صاحب کے اشارے سے انھوں نے طلب فرمایا تھا، وہ اس فقیر کے خاص عنایت فرماؤں میں ہیں اور ''مَنْ اُولِی تَفَضّل وَالسَّعَۃ'' بزرگوں میں

ہیں[2]۔ خاکسار جب مولانا عثمانیؒ کی طلب پر[3] حاضر ہوا تھا تو ان ہی کا مہمان تھا۔

آپ کے پاس تو اِن کو بھیج رہا ہوں اور ان کو اطلاع دے رہا ہوں۔ میری غرض یہ ہے کہ آپ کی علمی امداد اِن محاضرات کی اشاعت و طباعت میں رہے۔ تصنیف و تالیف کا تجربہ بھی رکھتے ہیں اور خاص سلیقہ خداداد اِس کا آپ میں پایا جاتا ہے۔ آپ کو جب فرصت اور موقعہ میسر ہو ان صاحب سے ملیے اور اس کتاب کی اشاعت کا جو اچھا موزوں قالب نظر آئے اس کو اختیار کیجیے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چاروں کو الگ الگ رسالہ کی شکل میں شائع کرنا مناسب معلوم ہو تو یہی کیجیے اور ایک ہی کتاب کی شکل موزوں ہو تو اُسی کو اختیار کیجیے۔ غرض ترتیب صوری کا کلّی اختیار آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ کے اختیارِ تمیزی پر مجھے بھروسہ ہے۔ اسی طرح عنوانات کے سلسلے میں بھی آپ کو اختیار دیتا ہوں۔ سورۂ کہف پر آپ نے عنوانات جو قائم کئے تھے، ان ہی کو دیکھ کر میرے حسنِ ظن میں زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اب آپ جانیں اور مولانا طاسین صاحب۔ دونوں حضرات کے نزدیک اگر کسی حیثیت سے بھی کسی دیوانہ کی یہ سر مغزیاں دین کے لیے مفید نظر آئیں تو عام مسلمانوں تک ان کو پہنچا دیجیے[4] ورنہ ہر دماغی شورش اس کی مستحق نہیں ہے کہ لوگوں میں خواہ مخواہ اس کا جنون پھیلایا جائے۔ اپنا جو حال ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کی توقع مشکل ہی سے کر سکتا ہوں کہ خاکی آنکھوں سے اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں دیکھنے کی مہلت مل جائے گی۔ وقت زیادہ دور نہیں معلوم ہوتا۔ آپ سے قدیم نیاز مندانہ تعلق ہی نہیں رکھتا بلکہ مولانا محمد علی اور سید صاحبؒ کے توسط سے خاص رشتہ ہی آپ سے قائم ہے۔ امید ہے کہ اس زحمت کو آپ برداشت فرمائیں گے۔ اسی پارسل میں چند اوراق غیر مطبوعہ بھی شریک کر رہا ہوں۔ یہ اُسی کتاب کا آخری حصہ ہے جو تصوف کے متعلق "الحق" حیدر آباد میں شائع ہو رہی تھی۔ آپ نے خبر دی تھی کہ ماہر القادری صاحب کے ہاں سے اس کا نسخہ آپ کو مل گیا ہے۔ یہ حصہ اس کا چھپ نہ سکا۔ میرے پاس بیکار پڑا تھا، بھیج دیتا ہوں، شاید کبھی کام آ جائے۔ آپ اس کتاب کو بشوق اپنے پاس رکھیے کوئی اشاعت پر آمادہ ہو تو آپ کو کلی اختیار ہے، جو چاہے کیجیے[5]۔ فقط

---

1. مولانا محمد طاسین، ناظم مجلس علمی کراچی۔
2. مولانا محمد بن موسیٰ میاں، مالک مجلس علمی ڈابھیل و کراچی۔

۳ے پاکستان کے دستور اسلامی کی تیاری کے لیے نامزد کمیٹی میں شرکت کی غرض سے مولانا گیلانی کراچی تشریف لائے تھے، اشارہ اسی جانب ہے۔
۴ے یہ کتاب 'تدوین حدیث' کے نام سے شائع ہوئی۔
۵ے یہ کتاب 'مقالات احسانی' کے نام سے شائع ہوئی۔

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیلانی (بہار)
۱۴ ستمبر ۵۴ء

عزیز محترم مولوی غلام محمد صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے پیر و مرشد کے مرثیہ میں خبر دی گئی تھی کہ

گرچہ تُو تنہا گیا ہے پر دلاتا ہوں یقیں
آگے پیچھے آ رہے ہیں سب ترے احباب و یار

خبر کے بعد حالات ایسے پیدا ہوئے کہ اس کی تصدیق میں معلوم ہوتا ہے کہ شاید پیش قدمی کا شرف اِسی فقیر کو حاصل ہوگا۔ تین چار مہینوں تک ایڑیاں رگڑتا رہا لیکن غالباً ''اجلِ مسمّٰی'' کا وقت نہیں آیا تھا، اس وقت تک زندہ ہوں۔ اس عرصہ میں کئی بار آپ کا خیال آیا لیکن خط پڑھنے کی صلاحیت سے جو محروم ہو چکا تھا وہ لکھنے کی ہمت کیا کرتا۔ بارے خدا خدا کر کے اب اس قابل ہو گیا ہوں کہ کچھ پڑھنے لکھنے کی اجازت ہو گئی ہے۔ اُسی اجازت سے نفع اٹھا رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ سیّد صاحب مرحوم کے اہل و عیال خصوصاً میاں سلمان سلمہٗ کی خیریت سے بھی اور حالات سے بھی مطلع فرماتے تو بڑی مہربانی ہوتی۔ پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ اقبال سلیم صاحب، مالک نفیس اکیڈیمی نے سورۂ کہف کی تذکیر طبع کرنے کے لیے منگائی تھی جس کا پھر پتہ نہ چلا۔ آپ نے خبر دی تھی کہ ان سے دریافت کر کے لکھیں گے۔ اس عرصے میں فقیر بیمار ہو گیا۔ کیا اس سلسلہ میں آپ کچھ زحمت برداشت کر سکتے ہیں؟ اگر وہ چھاپنا نہ چاہتے ہوں تو مسودہ واپس ہی فرما دیجیے۔ یہاں کا کوئی ناشران شاء اللہ شائع کر دے گا۔

آج کل فتنہ ''انکارِ حدیث'' کا سنتے ہیں کہ پاکستان میں زور ہے۔ میرے نزدیک تو

مناسب ہوگا کہ سیّد صاحب مرحوم کے خطاباتِ مدراس کی اشاعت جہاں تک ممکن ہو، وسیع پیمانے پر کی جائے نیز کوئی صاحب چاہیں تو خاکسار نے بھی اس وقت تک اس سلسلے میں چار محاضرے (لیکچر) جو تیار کیے ہیں اور مختلف پرچوں، رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں ان سب کو بھی بھیج دوں۔ کافی مواد شک اندازوں کے مقابلہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور کیا عرض کروں، جی رہا ہوں۔ کبھی کبھی بعض رسالوں میں آپ کے مضامین نظر سے گزر جاتے ہیں۔ ہاں ایک بات اور یاد آئی، رئیس احمد جعفری کا ''ریاض'' تو نکل رہا ہو گا ''سلیمان نمبر'' انھوں نے جو نکالا تھا، اس کی ایک کاپی مجھے ٹھیک اس وقت ملی تھی جب موٹر پر لاد کر بحالتِ نیم بیہوشی لوگ مجھے پٹنہ لے جا رہے تھے، پرچہ اِدھر اُدھر ہو گیا۔ صحیح طور سے اس کا مطالعہ بھی نہ کر سکا۔ خصوصاً آپ کے مضمون کا بڑا اشتیاق تھا اگر ممکن ہو تو ایک کاپی ''سلیمان نمبر'' کی کسی طرح بھیجیے۔ جعفری صاحب سے سلام فرما دیجیے۔ ہمارے دوست حکیم نصیر الدین صاحب اجمیری[2] سے آپ کی ملاقات ہوئی تو ان کی خدمت میں بھی سلام پہنچا دیجیے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] صاحبزادہ مولانا سیّد سلیمان ندویؒ، حال مقیم ڈربن جنوبی افریقہ

[2] مالک نظامی دواخانہ کراچی

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

الی العزیز السعید الرشید مولوی غلام محمد صاحب اید کم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جی ہاں، عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ جس دن فقیر نے عریضہ خدمت گرامی میں ارسال کیا تھا اسی دن یا ایک دو دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی

موجب عزت فزائی ہوا۔ گویا آپ کی یاد کا عکس تھا جس نے مجھے آپ کی یاد پر مجبور کیا تھا۔ اپنے جنون میں آپ نے خدا جانے کیا کیا فرمائشیں کر دیں جن کی تفصیل اب آپ کے دوسرے عنایت نامہ سے واضح ہوئی۔ واقعی غیر معمولی زحمت میں آپ کو مبتلا کر دیا۔ ایک کام ہوا، الکہف کا مسودہ، ریاض کا سلیمان نمبر، نصیر میاں سلمہٗ کا پیغام اور خدا جانے کیا کیا۔ آپ کی یہ کمال سعادت مندی ہے کہ ایک فقیر لاابالی ازکار رفتہ متروک الدنیا کی ایک ایک فرمائش کی تعمیل میں کافی وقت ضائع فرمایا۔ بار بار جعفری صاحب کے ہاں جانے کا خیال آتا ہے تو دل شرما جاتا ہے، کہ کن قصوں میں آپ کو پھنسا دیا۔ آپ کے خط ملنے کے دوسرے دن بحمد اللہ سورۃ الکہف کا مسودہ بھی بہت اچھی حالت میں مل گیا۔ اگرچہ اس کا افسوس ہوا کہ پاکستان میں اِس کتاب کی اشاعت کا سامان نہ ہوسکا، حالانکہ اسی ملک میں اس کی اشاعت کی زیادہ ضرورت تھی۔ خیر جو خدا کا حکم، خدا کرے کہ بھارت ہی میں اشاعت کا نظم ہو جائے۔ آپ نے مضمون بندی اور ترتیب فہرست نیز آیتوں پر اعراب لگانے میں جو زحمت برداشت فرمائی ہے اس کا بہت بہت شکریہ۔ بڑا کام ہو گیا۔ کتاب کی افادیت بہت زیادہ ان شاء اللہ بڑھ گئی اور امید ہے کہ اسی فہرست اور آپ کے قائم کردہ عنوانوں کے ساتھ شائع ہوگی۔ دیباچہ میں ان شاء اللہ اس کا ذکر بھی کر دیا جائے گا۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ذاتی طور پر آپ کے نزدیک یہ کتاب کیسی رہی؟ خیال آتا ہے کہ سیّد صاحبؒ کی رائے عالی کا بھی تذکرہ اس کے متعلق آپ نے کسی سابق مکتوب میں فرمایا۔ کم از کم اس سے اتنا معلوم ہوا کہ سیّد صاحبؒ اس کے مندرجات سے ناخوش نہ ہوئے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے مجھے لکھا تھا کہ کہیں قادیانیوں کے مغالطوں کا شکار نہ ہو جانا۔ شاید ان پر واضح ہوا ہوگا کہ ایسا نہ ہوا۔

آپ نے ان کی صاحبزادی صاحبہ شفاہا اللہ تعالیٰ کی علالت کی خبر دی ہے جس سے دیر تک طبیعت پر پژمردگی چھائی رہی۔ یہی مرض خیال آتا ہے کہ کسی زمانے میں خود سیّد صاحب کو بھی ہوا تھا۔[1] امید تو یہی ہے کہ اب تک شفایاب ہو چکی ہوں گی۔ برادر عزیزی مولوی ابو عاصم صاحب سلمہٗ سے ملاقات ہو تو فقیر کا سلام پہنچا دیجیے گا اور اہلیہ شفاہا اللہ تعالیٰ کی مزاج پُرسی میری طرف سے کیجیے۔

عزیز محترم حکیم نصیر الدین صاحب سے جب ملاقات ہو تو سلام کے ساتھ عرض کیجیے کہ مریض کو دیکھے بغیر آپ کا کیا صحیح طبی اقدام ہو سکتا ہے کہ بارہ سو میل دُور سے اس کے حلق میں دوا اتاریں۔ دوا پیتے پیتے تو تنگ آ گیا ہوں اور پرہیز کی زندگی گزارنے کے مقابلے میں تو اب تبدیلیٔ حیات کی آرزو زور پکڑے ہوئے ہے۔ محی الدّین سلمہٗ یعنی میرے صاحبزادے تو آ گئے، اچھا ہوا کہ وہ چلتے ہوئے حکیم صاحب سے نہ ملے ورنہ دوا اگر ان کے ساتھ آتی تو حکیم صاحب کی یاد اور محبت میں کچھ نہ کچھ استعمال ضرور کرتا۔ محی الدّین صاحب سے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ حکیم صاحب نے جن صاحب کو جامعۂ عباسیہ کی صدارت تک پہنچایا ہے انھوں نے کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ واللہ اعلم کیا ہوا، ہمارے استاد زادے میاں محمود سلمہٗ[۲] کے متعلق سنا تھا کہ بہاولپور ہی میں ان کو بھی کوئی جگہ ملنے والی ہے لیکن پھر پتہ نہ چلا۔ عبدالرحمٰن المفتی السرونجی التونکی البہاولپور نے کچھ دن ہوئے یہی لکھا تھا۔

اور کیا عرض کروں، کبھی کبھی یاد فرما لیا کیجیے۔ اقبال سلیم سے ملاقات ہو تو 'امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی' کے جدید ایڈیشن کے چند نسخوں کی درخواست میری طرف سے کر دیجیے۔ کیا اس کی بھی توقع غریب مصنف نہ کرے۔ فقط مناظر احسن گیلانی

ہاں! ''تدوینِ حدیث'' پر میرے مقالے یا محاضرات جو اب تک شائع ہو چکے ہیں ان کا ہنجار عجیب ہے۔ پہلا حصہ اس کا پہلی دفعہ حیدر آباد کے ریسرچ جرنل (عثمانیہ یونیورسٹی) میں چھپا تھا۔ آپ کے قبلہ مولانا محمد علی صاحب کی سفارش پر اسی حصہ کی اشاعت کی اجازت، ایک صاحب غالباً غلام رسول صاحب نامی کو دے دی گئی تھی۔ کتابچہ کی شکل میں انھوں نے شائع فرمایا جس پر آپ کے پیر و مرشدؒ یعنی سید صاحبؒ کا ایک پیش لفظ بھی ہے۔ حیدر آباد ہی سے آپ مولانا محمد علی صاحب کو لکھ کر منگوا لیں تو اچھا ہے۔ میں ان سے منگواؤں اور آپ کو بھیجوں اس سے آسان تر راہ یہی ہے کہ براہِ راست آپ منگوا لیں۔ دوسرا محاضرہ بھی ریسرچ جرنل میں شائع ہوا، اس کی ایک کاپی میرے پاس ہے اور تیسرا حیدر آباد اکادمی کے رسالہ میں شائع ہوا وہ بھی میرے پاس ہے لیکن چوتھا محاضرہ تقریباً سترہ، اٹھارہ نمبروں میں مسلسل ''برہان'' میں شائع ہوتا رہا۔ ''برہان'' کی وہ کاپیاں میرے پاس نہیں ہیں۔ دفتر میں لکھتا ہوں اگر اوراق اس کے مل گئے تو سب کو ایک ساتھ بھیج سکتا ہوں لیکن

چھپے ہوئے مضمون کو پھر دوبارہ قسط وار رسالہ میں شائع کرنا مناسب بھی ہوگا یا نہیں؟ میں تو چاہتا تھا کہ کتاب کی شکل میں سارے محاضرات شائع ہوجائیں، لیکن معلوم ہوا کہ ؏ ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' بھارت میں اسباب نایاب اور جہاں امید تھی وہاں...... سے لوگوں کو فرصت نہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.

---

۱ پتے کی پتھری کا مرض

۲ حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب جن کے نام مولانا گیلانی کے خطوط اسی مجموعے میں شامل ہیں۔

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱/اپریل ۱۹۵۵ء

گیلانی (بہار)

والا قدر، سعادت شیوہ گرامی منزلت مولوی غلام محمد صاحب ایدکم اللہ بروحٍ منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ وقت پر آپ کے نوازش نامہ کا جواب بوجوہ دورہ نہ دے سکا۔ ٹھیک ان ہی دنوں میں پھر قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، شکر ہے کہ ''تدوینِ حدیث'' کے محاضرات کی ساری مطبوعہ قسطیں آپ تک پہنچ گئیں اور آپ نے مولانا طاسین صاحب تک ان کو پہنچا دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی خصوصی صلاحیتوں کے پیش نظر اس مسئلہ میں آپ کی استمداد کا جو طالب ہوا ہوں ان شاء اللہ یہ امداد میسر آئے گی، ان شاء اللہ۔

اسماء الرجال والا محاضرہ مرتب نہ ہوسکا، اور صحت کی موجودہ حالت میں تو اب اس کی تکمیل کا تصور بھی شاید نہیں کرسکتا۔ ''تدوینِ فقہ'' پر بھی محاضرات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ ڈیڑھ سو کے قریب طویل تقطیع پر ٹائپ کیے ہوئے اوراق میں پہلا محاضرہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ جرنل میں شائع بھی ہوا تھا، بجائے خود یہ ''محاضرہ'' مستقل افادیت کا حامل ہے، خصوصاً فقہی اختلافات کی صحیح نوعیت کو صحیح تاریخی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ارادہ کررہا ہوں کہ اسے بھی آپ لوگوں کے سپرد کردوں جیسے ''اطلاقی تصوف'' کو اپنی کسٹڈی میں آپ نے لے لیا، اس کو بھی قبول فرمالیجیے گا۔ اطلاقی تصوف کے غیر مطبوعہ

اوراق بھی تدوینِ حدیث والے محاضرات کے ساتھ رکھ دیے تھے، غالباً ملے ہوں گے۔ ایک دفعہ ان کو بھی پڑھ لیجیے، شاید کام کی کوئی بات مل جائے۔

سورۂ کہف والا مقالہ مولانا طیّب صاحب اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ میں ان سے طلب کروں گا، اگر مولانا نے واپس کر دیا تو اس کو بھی ان شاء اللہ بھیج دوں گا۔ ایک خاص حصہ میں ترمیم کی بھی ضرورت محسوس ہوئی، غالباً اسی مصلحتِ تکوینی کو عدم اشاعت میں زیادہ دخل ہے۔

مولانا دریابادی سے ملاقات کی خبر سے خوشی ہوئی۔ اپنے وقت کے وہ خاص آدمی ہیں ''تفرنج'' کے مقابلہ میں تقریباً نصف صدی سے سرگرمِ غزا ہیں۔ مَتَّعَنَا اللّٰہُ وَالْمُسْلِمِیْنَ بِطُوْلِ بَقَائِهٖ۔

تین چار دن ہوئے حیدر آباد سے میرے ایک رفیقِ خاص ڈاکٹر یوسف الدین سلمہٗ جنھوں نے ''اسلامی معاشیات'' پر مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری جامعہ سے حاصل کی اور ''اسلام کے معاشی نظریے'' کے نام سے دو جلدوں میں یہ مقالہ ان کا شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے، انھی نے اس خادم کی عیادت کے لیے طویل سفر کی زحمت گوارا فرمائی۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام رہا، حیدر آباد کی پرانی زندگی جو خواب و خیال ہو چکی ہے کچھ دن کے لیے اس کی یاد تازہ ہو گئی۔ سب دوستوں اور عنایت فرماؤں کا حال معلوم ہوا۔ شکر ہے کہ بتدریج مسلمان موجودہ حالات سے اپنے آپ کو منطبق کر رہے ہیں اور حالات بھی رفتہ رفتہ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب سے معلوم ہوا ترقی کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ بہر حال آنکھیں جو کچھ بھی دیکھتی ہوں، کان جو کچھ بھی سنتے ہوں، عقل جو کچھ بھی سوچتی ہو لیکن قرآن سنا رہا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا[1] قرآن تو یقین دلاتا جا رہا ہے کہ اس کے (الملک) میں کوئی شریک نہیں، لیکن ہم ہیں کہ بہرے گونگے بنے ہوئے ہیں، ہر معذور و مجبور و مفلوج مرنے والے کو اس کے ''اَلْمُلْک'' میں شریک کرنے سے نہیں تھکتے۔

اپنی علالت کا تذکرہ کرتے ہوئے واقعتہً قلم پر ''لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی'' کی آیت کے استعمال میں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ آپ نے اس غلطی پر متنبہ فرمایا[2]، ایمان تازہ

ہو گیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

۱ ترجمہ: ساری حمد اسی اللہ کے لیے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے۔

۱ مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ وہ آیت جو خالص کافروں کے متعلق وارد ہے اس کا اطلاق اپنی ذات پر مناسب نہیں۔

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷ر جون ۱۹۵۵ء

گیلانی (بہار)

محبی ومخلصی زادکم اللہ حباً واخلاصاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی اور آپ کے اہلِ بیت کی خیر و عافیت کی طرف دل ضرور لگا ہوا تھا، لیکن جانتا تھا کہ رمضان شریف اور وہ بھی سرزمینِ سندھ میں گرمیوں کا رمضان پھر صیام کے ساتھ رات کے قیام کے قصوں کے بعد مشکل ہی سے کسی دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کا امکان تھا۔ شکر ہے کہ بخیر وعافیت رمضان شریف گزر گیا۔ رہا فقیر سو اپنا حال اپنے احباب کو سُنا سُنا کر کہاں تک پریشان کرے۔ سیّد الملت مرحوم سے عمر میں جس قدر چھوٹا ہوں اسی حساب سے امراض وعلل کی وہ منزلیں سامنے آتی چلی جاتی ہیں جن سے مرحوم کو گزرنا پڑا تھا۔ آپ کا مضمون 'سلیمان نمبر'، 'معارف' میں بھی اسی طریقہ سے ممتاز ہے[۱] جیسے ریاض میں آپ نے سیّد صاحب کا حق ادا فرمایا تھا۔ سچی بات تو یہی ہے کہ زندگی کے آخری سالوں میں وہ جس راہ میں تیزی کے ساتھ رواں دواں تھے، اِن دنوں میں جو لوگ اُن کے آس پاس تھے ان بیچاروں میں صلاحیت ہی نہیں تھی کہ سیّد صاحب جو کچھ ہو رہے ہیں، ان کو وہ پا سکیں۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ ان حالات کے جاننے کے لیے جس ذوق کی ضرورت تھی، اُسی ذوق کو لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی زندگی کی یہ آخری منزل وہی اُن کی زندگی کا خلاصہ تھا اور اب سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی سوانح نگاری کا مسئلہ جب چھڑا تھا تو مولانا دریابادی نے آپ کے نام نامی کو

کیوں پیش کیا تھا۔ بہرحال نمبر تو نکل چکے تھے ریاض والا نمبر اوّل تھا، اور 'معارف' کا نمبر الآخر تھا۔ اب ضرورت اسی بات کی ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ سیّد صاحب مرحوم کے سوانح حیات کی ترتیب کی مہم کو اپنی زندگی کا گویا نصب العین بنا لے۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ موزوں ترین ہستی اس مہم کی سرانجامی کے لیے آپ ہی ہو سکتے ہیں[2]۔ آپ کو اس سلسلہ میں علاوہ دوسرے وسائل کے سیّد صاحب کی اہلیہ محترمہ اور ان کے عزیز خاص مولوی ابو عاصم وعزیزی سلمان سلمہما سے معلومات کی فراہمی میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ کاغذات بھی ان ہی لوگوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ غالباً آپ کی امداد سے کوئی دریغ نہ کرے گا، اس سلسلہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے خیال اور ارادہ سے مطلع فرمائیں گے۔ ''تدوینِ حدیث'' پر جو کام محض اس فقیر کی گزارش پر کر رہے ہیں بجز دعائے خیر کے اس کے مقابلے میں اور کس چیز کو پیش کروں۔ کاش! کتاب آپ کی تحشی کے ساتھ مطبوعہ حال میں دیکھنا میرے لیے مقدر ہو۔

ہاں صاحب! مولوی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے بھائی مولوی ابوالخیر مودودی کا ایک خط حال ہی میں آیا جس میں ''اطلاقی تصوف'' کی اشاعت کی اجازت بھی مجھ سے چاہی ہے۔ میں نے آپ کے ہاں جو نسخہ ہے اس کا پتہ لکھ دیا ہے۔ اگر طلب فرمائیں اور واقعی شائع ہونے کی امید ہو تو کارِ خیر میں استخارہ کی حاجت کیا ہے۔

فقط مناظر

میرے پاس 'اطلاقی' تصوف کا کوئی دوسرا نسخہ ہوتا تو ہرگز آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ مولانا عبدالجبار صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے۔ مفصل خط ضعف کی وجہ سے نہ لکھ سکا۔

فقط مناظر

---

[1] مکتوب الیہ کا مضمون 'سیرتِ سلیمانی کا عرفانی پہلو' مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ 'سلیمان نمبر' بابت مئی ۱۹۵۵ء۔

[2] مکتوب الیہ نے سیّد صاحب کی سوانح ''تذکرہ سلیمان'' لکھی۔

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰/اگست ۱۹۵۵ء

برادرِ عزیز محترم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک ہفتہ سے زیادہ مدت گزری کہ آپ کا وہ کارنامہ میرے پیشِ نظر ہے جو شاید آپ کے سوا اور کسی سے بن پڑنا آسان نہ تھا۔[1]

ان دنوں میری طبیعت پھر زیادہ نڈھال ہے آپ کے انتظار کا خیال کر کے آپ کی مرتب کردہ فہرست کو واپس کر رہا ہوں، ''متابعات'' کے بعد ''شواہد'' بس ایک لفظ قابلِ ترمیم نظر آیا۔ آپ جو حدیث کے طالب علم نہیں ہیں حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کامیاب فہرست کیسے بنالی جو ہمارے عام مولویوں کے لیے بھی آسان نہ تھا۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاء۔ طباعت وصحت وغیرہ کی نگرانی میں امیدوار ہوں کہ آپ بھی حتی الوسع شریک رہنے کی کوشش کریں گے۔

مولانا طاسین صاحب سے سلام عرض کر دیجیے۔ مولانا نے پسند فرمایا اس خبر سے جی خوش ہوا۔ اسماء الرجال کے فن پر افسوس کہ نہ لکھ سکا۔ ایک ''محاضرہ'' اس کے لیے ضروری تھا۔ معلومات فراہم شدہ ہیں لیکن ترتیب کون دے۔ بندے کے لیے تو ان چند سطروں کا لکھنا بھی دشوار ہے۔

فقط مناظر احسن

۱۔ مولانا گیلانی کی کتاب 'تدوینِ حدیث' کی مفصل فہرست

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۷/اکتوبر ۱۹۵۵ء

گیلانی (بہار)

والا قدر، عزیز محترم مولوی غلام محمد صاحب اید کم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میری کوتاہیوں کی معذرت کے لیے میری علالت کا

طویل سلسلہ شاید مستحق شنوائی ہو سکتا ہے۔ بااین ہمہ اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے آپ سے یہ عرض ہے کہ اپنے اِس دعا گو خیر اندیش کو آپ کیوں بھول گئے، یا اُسے بھلائے رکھا۔ سببش خیر باد۔ روزانہ آپ کے نوازش نامہ کا انتظار ہی رہا۔ آج یہ عریضہ خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ یہ بھی جانتا ہوں کہ مختلف دینی و علمی کاروبار میں آپ الجھے رہتے ہیں۔ لیکن دو حرفوں کے لیے بھی وقت نہ نکال سکتے تھے، اس کا تصور میرے لیے ذرا مشکل ہے۔

بہر حال اس طویل عرصے میں طبیعت کے اتار چڑھاؤ کا وہی رنگ ہے جو اِس عمر کے مریضوں کا ہونا چاہیے۔ جگر، گردہ، معدہ، قلب سب ہی ماؤف ہیں۔ علاج کا سلسلہ جاری ہے۔ قلبی حرج کی وجہ سے حرکت کی ڈاکٹر اجازت نہیں دیتے۔ نوشت و خواند پر سخت قدغن ہے۔ چند سطریں جو اس وقت لکھ رہا ہوں ڈاکٹروں کے نزدیک یہ بھی بد پرہیزی ہے۔ ماہر القادری صاحب کا خط آیا تھا کہ ”فاران“ کا خصوصی نمبر ربیع الاوّل میں نکالنے والے ہیں[1]۔ اس میں یہ فقیر بھی شریک ہو۔ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ کچھ نہ کچھ لکھ کر بھیجوں گا لیکن اس وقت تک فرصت نہ ملی اور اب ملی بھی تو فائدہ کیا کہ وقت بھی گزر گیا۔ خیر اصل مضمون جس کے لیے یہ خط لکھ رہا ہوں وہ یہ ہے یعنی آپ سے بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ’تدوینِ حدیث‘ کے محاضرات کا انجام آخر کیا ہوا؟ مولانا محمد بن موسیٰ صاحب جو ”مجلسِ علمی“ کے سرپرست ہیں، اُن کا خط آیا ہے، پوچھا ہے کہ کراچی سے اس سلسلے میں آپ ربط قائم کیے ہوئے ہوں گے۔ لیکن ان کو کیسے لکھوں کہ لاکھوں کی اس آبادی میں صرف مولوی غلام محمد صاحب ہی ایک ایسے دوست ہیں جو اس معاملہ میں وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ادھر زمانہ سے اُن کا خط بھی نہیں آیا ہے۔ دوسری شخصیت مولانا طاسین صاحب کی تھی لیکن انھوں نے کچھ ارقام نہیں فرمایا۔ سچ پوچھیے تو محمد میاں صاحب کا خط ہی اس عریضہ کے ارسال کا محرک ہوا ورنہ اب اس دنیا کی چیزوں سے دل کا ربط بتدریج ٹوٹ رہا ہے۔ دعا فرمایئے کہ یہاں سے روانگی جس وقت ہو، دنیا کی کوئی بات یاد نہ رہے اور وہ چیزیں جو سامنے آنے والی ہیں، ان سے اُنس پیدا ہو جائے۔

اس کا بھی پتہ نہ چلا کہ مولانا ابوالخیر صاحب مودودی کا کوئی خط آپ کو ملا یا نہیں، اور

''اطلاقی تصوف'' کے مسودے کی اشاعت کا جو خیال مودودی صاحب نے ظاہر کیا تھا، خیالی حدود سے آگے بڑھا بھی یا نہیں۔ انھوں نے ''تدوینِ فقہ'' والا مقدمہ بھی طلب فرمایا تھا اور سورۂ کہف کی تذکیر بھی لیکن اتنی قوت بھی اتنے عرصے میں پیدا نہ ہوسکی کہ ان دونوں کتابوں کی نظر ثانی کرلوں۔ وہ بھی خاموش ہوگئے اور بندہ بھی چپ ہے۔

اقبال سلیم صاحب گاہندری سے کبھی ملاقات ہوجاتی ہوگی؟ انھوں نے لکھا تھا کہ ''امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کریں گے۔ کیا دوسرا ایڈیشن اس کتاب کا شائع ہوا؟ ان کو لکھا تھا کہ چند نسخوں سے سرفراز فرمایا جائے۔ ''اسلامی معاشیات'' کے متعلق بھی لوگ خطوط مجھے لکھتے ہیں، غالباً بازار میں اب نہیں ملتی۔ سیّد عبدالرزاق نے شائع کیا تھا، مطلع بھی کیا تھا کہ نظر ثانی کر کے کوئی نسخہ بھیج دیجیے، لیکن میرے بس کی بات نہ تھی، خاموش ہوگیا۔

آپ آج کل کیا کررہے ہیں؟ السیّد العلامہ المرحوم کی سوانح حیات کی ترتیب آپ کی زندگی کا بڑا اہم فریضہ ہے، خدا کرے کہ اس کی طرف سے آپ کی توجہ نہ ہٹی ہو۔ دین و دنیا کا یہ سودا ہے۔ اپنی علمی و تحریری کوششوں میں چاہیے کہ اسی کو سب سے زیادہ اہم اور مقدم قرار دیجیے۔ اُمید ہے کہ اہل وعیال اور دوسرے اہل البیت کے ساتھ آپ بخیریت ہوں گے۔

ہاں صاحب! ایک بات جسے بار بار پوچھنا چاہتا ہوں، مگر عین وقت پر بھول جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ پاکستان مغربی کے شہروں کراچی، لاہور، حیدرآباد، پشاور وغیرہ میں عربی کتابوں کا بھی کوئی تجارتی کتب خانہ ہے؟ ایک خاص ضرورت سے یہ سوال کررہا ہوں، کاش آپ اس کو یاد رکھیں یا کسی بڑے مولوی صاحب سے جو کتابوں کا ذوق رکھتے ہوں اُن سے دریافت فرمائیے۔ ٹنڈوالہ یار (عرف اشرف آباد) اور ٹنڈو آدم میں دارالعلوم دیوبند کے مماثل مدارس جو قائم ہوئے تھے، ان کا آخر انجام کیا ہوا۔

فلمیات، کوکیات[2] اور عصری سیاسیات کے سوا ٹھوس علمی واسلامی موضوع پر بھی کوئی رسالہ کہیں سے نکلتا ہے؟ عربی ممالک کے سفارت خانوں میں اپنے اپنے ملک کے رسائل ومجلات آتے ہوں گے، کیا ان کی فہرست مل سکتی ہے؟

جامعہ عثمانیہ کا سارا علمی سرمایہ رات کے چند گھنٹوں میں صفحۂ ہستی سے نابود ہو گیا یا کرا دیا گیا[3]۔ اس کی خبر ملی ہو گی؟ علمی دنیا کے لیے یہ بہت بڑا حادثہ ہے۔ سکندریہ اور مگدھ کے کتب خانوں کے متعلق افترا پردازی کی گئی تھی لیکن "جامعہ عثمانیہ" میں بالآخر یہی فرضی الزام واقعہ بن کر رہا۔ کروڑہا کروڑ روپے کی محنت ضائع ہوئی۔ اب ان کتابوں کا حصول تقریباً ناممکن ہے۔ آٹھ سال کا کافی عرصہ تھا جو گزر گیا لیکن جن کو اس سلسلہ میں کچھ کرنا تھا کچھ نہ کر سکے۔ فقط

خویدکم الحقیر الفقیر العلیل
مناظر احسن گیلانی

---

[1] غالباً "رسالت نمبر"

[2] اشارہ غالباً جنسیات کی جانب ہے

[3] اس عمارت کو آگ لگا دی گئی تھی جس میں دار الترجمہ کا تمام علمی خزانہ محفوظ تھا۔

بنام

پروفیسر مولانا محمد علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۰/اگست ۱۹۵۴ء

گیلانی (بہار)

برادر عزیز محترم مولانا محمد علی الداماد سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی آپ کا کارڈ کیا ملا کہ میری ساری ذہنی مسرت کو اس نے برباد کر کے رکھ دیا۔ جس وقت ہمارے مولانا فضل کے عقدِ مسنون کی خبر پٹنہ میں ملی تھی، جوشِ مسرت میں بے ساختہ مولانا کے سہرے کا خیال پیدا ہوا۔ بے ساختہ مصرعے بھی دماغ میں آنے لگے۔ قلم بند کر کے اسی وقت بھیج دیا تھا۔ امید تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ لوگوں کی ذہنی دعوت کا لطف آجائے گا۔ اس خوشی میں مگن رہا۔ آج آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے اس قدر تکلیف ہوئی کہ میرا خط مارا گیا، اور آپ کو نہ ملا۔ آپ اپنے خطوط میں اپنا صحیح پتہ بھی تو نہیں لکھتے۔ میں نے نواب مقصود جنگ بہادر کے درِ دولت کے پتے سے بھیجا تھا۔ ممکن ہے کہ کسی نے اس کو ضائع کر دیا، آپ تک نہیں پہنچایا۔ اب میری وہ نظم بے مزہ ہو چکی نیز اشعار سب یاد بھی نہ رہے۔ نقل بھی نہ رکھی۔ دماغ پر زور دے کر جو کچھ یاد آرہا ہے اسے قلم بند کر کے بھیج رہا ہوں۔ وَھُوَ ھٰذَا

ریش و فش کا نہ پڑا رہتا جو رُخ پر پہرا لکھتا پیری میں بھی مولانا فضل کا سہرا

ہائے وہ بُوٹا سا قد، سر پر مڑھی گول کلاہ لٹ پٹی پگڑی پہ جامہ بھی وہ دُہرا تہرا[1]

بھولی صورت پہ نہ جا، سادگی ظاہر کی نہ دیکھ جھانک باطن کو جو گہرے سے ہے زیادہ گہرا

نسباً پہلے ہی سیّد تھے اور اب عقد کے بعد خواجہ ہونا بھی مبارک ہو زروی صہرا

نکتہ چینوں سے کہدو کہ ملا ہے ان کو نہ خرد ہی سے کوئی بخرا نہ دیں سے ......

ہے یہ امید کہ ڈاڑھی بھی سلجھ جائے گی بعد پینڈے کے لڑھکتا نہ پھرے گا ٹھہرا[2]

اور کیا عرض کروں۔ خدا کرے ڈاک والوں کے ڈاکے سے میرا یہ خط محفوظ ہو کر آپ تک پہنچ جائے۔ قبلہ حکیم صاحب سے بصد نیاز و ادب سلام پہنچا دیجیے۔
مولانا فضل صاحب نے قطعی طور پر سلسلۂ مراسلت بند کر دیا اب ضرورت ہی کیا رہی؟

مناظر احسن گیلانی

---

۱ یعنی سوتی نیم آستیں پر کرتا، کرتے پر صدری، صدری پر عبا

۲ ٹھہرا ابھار کا خاص لفظ ہے، بے پینیدے کے ایک خاص برتن کا نام ہے۔ اس نظم کے چند اور اشعار خطوط بنام مظہر احسن گیلانی میں ملاحظہ فرمائیے۔

بنام

پروفیسر مظہر احسن گیلانی[1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانکی پور، ۲۶؍اپریل ۱۹۵۴ء

برادر عزیز سلمہٗ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپنے خطوط میں تم نے آرزو ظاہر کی تھی کہ بھیّا کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط کاش مل جاتا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آج اس کا موقعہ عطا فرمایا۔ آں برادر نے اس نازک (وقت)[2] میں اخوت کا جو حق ادا کیا ہے، اس کی جزائے خیر دنیا اور آخرت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے۔ طلعت، شنو، عون سلمہم سب کو دعا۔

آخر میں تاکیداً لکھ رہا ہوں کہ اس موقعہ پر سفر کا ارادہ یعنی ادھر آنے کا ارادہ نہ کیجیو۔ تم نے بہت کچھ کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے میرا اسلام عرض کردیجیو۔

---

[1] مولانا کے چھوٹے بھائی سابق استاد چادر گھاٹ کالج، حیدر آباد دکن

[2] یہ لفظ جو چھوٹ گیا ہے، اضافہ قیاساً ہے۔

(۲)

گیلانی (بہار)

۲۷؍اگست ۱۹۵۴ء

عزیزم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت دنوں کے بعد کل تمہارا کارڈ ملا، خیر وعافیت معلوم ہوئی۔ بحمد اللہ کہ فقیر بھی عمومی طور پر اپنے آپ کو نسبتاً اچھا ہی پا رہا ہے۔ رہا کچھ اتار چڑھاؤ سو اس عمر میں اور اس مرض میں غیر متوقع بات نہیں ہے۔ دوا اور پرہیز کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے ربط بذریعہ مراسلت قائم ہے۔ اتنے شریف آدمی ہیں کہ اپنی اتنی مشغولیتوں کے باوجود

دوسرے دن خط کا جواب دیتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے دیتے ہیں۔ حال میں بعض دواؤں میں ترمیم کی تھی جس کے استعمال سے نفع محسوس کرتا ہوں۔ بظاہر مجھے اب کسی چیز کی شکایت ہے تو اسے ریاح کہہ سکتا ہوں، غالباً بواسیر بادی کی ایک شکل ہے۔ ڈاکٹروں کے ہاں "بواسیر" یا "ریاح" وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے لیکن علاج جو کرتے ہیں اس سے فائدہ تو ہو ہی رہا ہے پھر خواہ مخواہ اسے کیوں بدلوں۔

اِدھر اخباروں میں دکن کے حالات جو شائع ہو رہے ہیں ان سے قدرتاً تشویش ہوتی ہے لیکن بقولِ اقبال مرحوم ع

اس دور میں اب تیرا مسلمان کدھر جائے

ملک جن کا ہے جس حال میں چاہیں اپنے بندوں کو رکھیں۔

اس طرف بھی جو یہ قبائل شمالی بہار میں آفت برپا کیے ہوئے ہیں۔ ڈاکہ، چوری، بدامنی کا غیر منقطع سلسلہ ہے جو جاری ہے۔ اوکدھدی میں ڈاکٹر ...... کے ہاں ڈاکا پڑا، اس کے بعد ہرگانواں کے پاس جو گاؤں سرائی نامی ہے وہاں بھی بندوقوں کے ساتھ ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ بس اب تو زندگی ان ہی حالات میں گزرے گی۔ آج کل محبوب میاں اوکھدی کا مشہور لڑکا اسلوب ہار تھک کر گیلانی کی مسجد میں امام اور معلم مقرر ہوا ہے۔ نثار میاں بہت خوش ہیں کہ ان کا سالا کام سے لگ گیا ہے۔ ایک مہینے سے کام کر رہا ہے امید ہے کہ شاید ٹھہر جائے۔ آں برادر نے مولوی فضل کے نکاح کی تفصیل نہ لکھی۔ کیا مفتی صاحب کی اجازت سے یہ نکاح ہوا ہے یا بغاوت کر کے۔ میں نے مولانا کا جو سہرا مولوی محمد علی صاحب کو لکھ کر بھیجا تھا، ان کے خط سے معلوم ہوا کہ نہ ملا، ڈاکٹر عثمان صاحب کو یہ چند مصرعے سنا دیجیے۔

ریش وفش کا نہ پڑا رہتا جو رُخ پر پہرا
ہائے وہ بوٹا سا قد، سر پر مڑھی گول کلاہ
نسباً پہلے ہی سیّد تھے اور اب عقد کے بعد
ہے یہ امید کہ ڈاڑھی بھی سلجھ جائے گی
شکل ظاہر پہ نہ جا، دیکھ تو ان کا باطن

لکھتا پیری میں بھی مولانا فضل کا سہرا
لٹ پٹی پگڑی پہ جامہ بھی وہ دُہرا تہرا[1]
خواجہ ہونا بھی مبارک ہو زروی صہرا[2]
بعد چندے کے لڑھکتا نہ پھرے گا نہرا[3]
پیچ در پیچ ہے، گھرے سے بھی زیادہ گھرا

بالرفاہ[4] کے لگے ہاتھ سنوں یا اللہ بالبنین کا بھی مژدہ بفضلِ زہرا
محی الدین سلمہٗ کو ویزا مل گیا ہے۔ لکھا ہے کہ ستمبر تک ان شاء اللہ پہنچ جاؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب کو بہت بہت سلام پہنچا دیجیو۔

---

[1] یعنی سوتی نیم آستین پر کرتا، کرتے پر صدری اور صدری پر عبا
[2] یعنی سسرال
[3] ٹھہرا، بہاری زبان کا خاص لفظ ہے جو بے پیندے کے ایک برتن کا نام ہے۔
[4] اہل عرب شادی کی مبارکباد بالرفاہ (یعنی رفاہیت کے ساتھ) اور بالبنین (یعنی لڑکوں کے ساتھ) دیتے ہیں۔

(۳)

گیلانی ۲۷؍اکتوبر ۵۴ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے متعدد خطوط ادھر ملے۔ محی الدین سلمہٗ آ گئے۔ آج کل اپنے اہل وعیال کے ساتھ گیلانی ہی میں مقیم ہیں۔ برادرم مکارم سلمہٗ بھی پٹنہ سے کئی روز (ہوئے) الحمد للہ اچھے ہو کر واپس آ گئے، ذرا اثر آپریشن کا باقی ہے جس پر مرہم خود ہی لگا لیتے ہیں۔ آج کل میاں فواد ورشاد سلمہا تماشا بنے ہوئے ہیں۔ سندھی، پنجابی، مختلف زبانوں کی نظمیں اور گیت سناتا ہے۔ محی الدین سلمہٗ کی بچی نشاط بانو خدا کا شکر ہے بڑی پیاری ہنس مکھ لڑکی ہے۔

تمہارا وہ خط ملا جس میں تم نے زور صاحب کے تحفے کا ذکر کیا ہے۔ میں رباعیات سے "صدق" کے ذریعے کافی واقف ہو چکا ہوں اس حد تک کہ بغیر دیکھے ہوئے بھی اپنی رائے لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔ تم کو یہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ آئندہ خط میں اپنی رائے لکھ کر ان شاء اللہ تعالیٰ بھیج دوں گا۔

اپنی صحت بس ایک خاص رفتار سے چل رہی ہے۔ اللہ کا ہر حال میں شکر ہے۔

ایک دلچسپ لطیفے کا ذکر تم نے کیا تھا......[1] مفتی صاحب کا حیدر آباد آنا اور سلامی[2]......... سے لے کر دینا، پھر آئندہ اس کی تفصیل نہ لکھی۔ ڈاکٹر صاحب سے میرا بہت بہت سلام کہہ دیجیو۔ محی الدین سلمہٗ خود تم کو خط لکھیں گے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

۱ تا ۲ عبارت غیر موجود۔

(۴)

گیلانی۔ ۱۶ر فروری ۵۵ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اب کی تم نے بڑا طویل غوطہ خط نویسی میں اختیار کیا۔ مڈیسن جل کی رسید تو شاید آئی، لیکن اس کے استعمال کے نتائج سے اب تک واقف نہیں ہوں۔ یہاں کا حال وہی ہے۔ اب تک پریشانیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ خود فقیر تو یک گونا اب اچھا ہے، بلکہ کہہ سکتا ہوں کہ اتنی اصلاح کی ابھی توقع نہ تھی۔ لیکن برادرم مکارم سلمہٗ پر حالانکہ دو دفعہ ڈاکٹر نواب جیسے سرجن نے عملِ جراحی کیا، لیکن فس چولا لسم کا خرخشہ پھر بھی باقی ہی رہا۔ آخر ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا ہے کہ وہ چانسی کے علاج کے لیے ہزاری باغ منوا ملازم کو ساتھ لے کر چلے گئے، علاج شروع ہو گیا ہے، دعا کرو کہ مرض کا استیصال ہو جائے۔ ادھر صلاح الدّین سلمہٗ کی ملازمت کا قصہ بھی کچھ ڈانواں ڈول ہو رہا ہے، اور محی الدّین سلمہٗ کا ممکن ہے خط تمھارے پاس گیا ہو، وہ بے چارہ بھی ایک ناگہانی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ جو حالات ہوئے کیا بتاؤں کہ کیسی گزر رہی ہے۔ ارحم الرّاحمین کی دنیا میں نہ ہوتا، تو شاید تحمل سے بات گزر چکی ہوتی مگر اسی کے رحم و کرم پر نظر ہے۔ اور حالات بدستور ہیں۔ ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کا خط حیدر آباد سے آیا ہے کہ گیلانی کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اب کی موسم گرما کی تعطیلات میں وہ اِدھر کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں برادر نے اس سلسلے میں اب تک کوئی خبر نہ دی۔ بات یہ ہے بھائی کہ اب زندگی کی جس منزل میں ہوں، میرا وجود و عدم برابر ہو چکا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ میری کمزور صحت اب تک زندگی کا ساتھ کیسے دیے چلی جا رہی ہے۔ دل افسردہ ہو چکا ہے۔ شبے ماند شبے دیگر (نمی ماند کا) حال ہے۔ تم لوگوں کو دیکھ لیتا ہوں تو تھوڑی دیر کے لیے افسردگیاں دل کی کم ہو جاتی ہیں، ورنہ بقول خسرو

پرسی کہ چگونہ؟ چہ گوئم ازمردہ بروں نیاید آواز

افتخار میاں سلمہٗ کے یہاں سب خیریت ہے۔ یہاں بھی لوگ بحمد اللہ بخیر و عافیت

ہیں۔اخبار میں گلیمر خاں نام کے ساتھ ایک خبر نظر سے گزری۔خدا نہ کرے کہ ہمارے گلیمر خاں ہوں۔ان سے اور مولوی شجاع الدین صاحب سے سلام کہہ دیجیو۔ڈاکٹر صاحب آخر اپنے اس نیازمند کو بھول گئے۔آخر کب تک امتداد زمانہ ایک مستقل قانون ہے۔بصد ادب ونیاز سلام پہنچا دیجیو۔اپنے مسجدی مشاغل میں مصروف ہوں گے۔المسجد الاقصیٰ کا نام کسی گمنام کا نام کیسی کیسی یاد دلا دیا کرتا ہے۔معلوم نہیں بچیوں کا ڈاکٹر صاحب کے یاں کیا ہوا ہے۔طلعت، شہناز سلمہا کو دعا۔مون سون تو اب متی باقی نہ رہا ہوگا، بولتا پیر بن چکا ہو گا۔

مناظر احسن گیلانی

ل Fistula۔ایک تکلیف دہ مرض۔

(۵)

گیلانی (بہار)

۱۸/اپریل ۵۵ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یوں تو حیدرآبادی احباب میں سے بعضوں نے وعدے کیے کہ میں گیلانی پہنچ کر رہوں گا لیکن ایفائے عہد میں ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سلمہٗ نے سبقت کی۔تقریباً ایک ہفتہ ہوا اچانک باغ میں آکر وہ اترے۔بڑے خوش تھے کہ مظہر میاں نے جو راستہ بتایا تھا آنکھ بند کر کے اسی پر چلا اور گیلانی پہنچ گیا۔ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔اگرچہ بستر ہی پر پڑا ہوا تھا لیکن سب کچھ ان کو دیکھ کر بھول گیا۔اب ہم تھے اور وہ، اور اپنا پرانا حیدرآباد، زندگی کے بھولے بسرے قصے۔ڈاکٹر موصوف کو نالندہ کی بھی سیر کرادی گئی اور شکرانواں کا کتب خانہ بھی جا کر انھوں نے دیکھ لیا۔شکرانواں سے خاص کر کے کہاران بھائی متین صاحب نے بھیجے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے لیے یہ نئی سواری تھی، سوار ہوتے جاتے تھے اور ہنستے جاتے تھے۔بہرحال تقریباً ایک ہفتہ گزار کر وہ پٹنہ گئے۔پٹنہ میں ان کے قیام کا نظم خدا بخش لائبریری کے سامنے فاروق سلمہٗ کے مکان میں کر دیا گیا تھا۔آج کل انوار اعظم سلمہٗ وہیں ہیں، مقابلے کا امتحان دیا ہے۔تحریری امتحان میں کامیاب ہو چکے ہیں، تقریری امتحان

ہونے والا تھا، پٹنہ سے براہ کلکتہ حیدر آباد واپسی کا ارادہ ہے۔ کلکتہ میں ڈاکٹر زبیر صاحب کے مہمان رہیں گے۔

گیلانی کی کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے البتہ شمن، داروغہ ظہیر صاحب کے لڑکے کی شادی بھائی عمر کی لڑکی سے ہوگئی۔ نوشابہ سلمہا اپنے بچوں کے ساتھ آئی تھی۔ آٹھ دس دن قیام کر کے واپس گئی۔ ایک ہفتہ تقریبات میں لوگوں کا (صرف)[1] ہوا۔ ڈاکٹر رضی کی لڑکی کی برات چڑی ہاری سے آئی تھی۔ اس سال آم کی فصل (ٹھیک نہیں)[2] تاہم بہت کچھ ہے۔ اور کوئی خاص بات قابل تذکرہ نہیں (ہے)[3]۔

ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب سلمہٗ سے اس کا علم ہو جائے گا۔ اب ہمارا چل چلاؤ کا وقت ہے۔ ان ہی حالات میں اجل مسمّٰی تک پہنچنا ہے۔ مکارم سلمہٗ خس چولا سے بظاہر صحت یاب ہو گئے لیکن مجھ کو (اعصابی)[4] درد ہاتھ میں ہونے لگا ہے جس سے تکلیف رہتی ہے۔ میں آں برادر کو لکھا تھا کہ مولوی مہدی حسن صاحب وکیل (ہیں)[5]۔ (وہ) حیدر آبادی طریقۂ علاج خاص کی تعریف کرتے تھے۔ سلطان بازار میں ان لوگوں کی دوکان ہے۔ کیا آں برادران لوگوں سے مل کر ان کی فہرست وغیرہ بھجوا سکتے ہیں۔ میرا معدہ آج کل بالکل خراب ہے۔ بھوک سے گویا محروم ہو گیا ہوں۔ وکیل صاحب کہتے تھے کہ (یہی حال برسوں) ان کا رہا لیکن حیدر آبادی علاج کے بعد اب خوب بھوک لگتی ہے اور سب کچھ کھاتے ہیں حتیٰ کہ لحمِ اکبر بھی۔ خود آں برادر کو اپنے لیے بھی مناسب ہوگا کہ ان لوگوں سے ملاقات کرو۔ ڈاکٹر عثمان صاحب کا خط ایک زمانے میں آیا تھا، میں دورے کا شکار تھا، جواب نہ دے سکا (میرا) سلام عرض کر دیجیو۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

یہاں محی الدین کے خطوط آتے رہتے ہیں جن میں اب حالات کی بہتری (لکھتے ہیں)[6]

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶۔ ان مقامات پر اصل کارڈ یا پھٹ گیا ہے یا الفاظ مٹ گئے ہیں۔ اضافات قیاسی ہیں۔

(۶)

۲۸ رجون ۱۹۵۵ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا کارڈ کئی دن ہوئے مل چکا ہے، کوئی خاص جواب طلب بات اس میں نہ تھی، خط کو پڑھ کر بے ساختہ دل سے جَزَاكَ اللّٰهُ فِي الدَّارَيْنِ خَيْرًا کی دعا نکل پڑی۔ الحمد للہ کہ گیلانی میں سب لوگ بعافیت ہیں۔ نئی خبر یہ ہے کہ انوار اعظم سلمہٗ کو آخر تگ ودو کے بعد ہزاری باغ کے سینٹ کولمبیا کالج میں فارسی اردو پڑھانے کی جگہ بحمد اللہ مل گئی۔ ۲۳۰ سر دست تنخواہ ہوگی۔ پہلے تو خیال تھا کہ بربگھا میں جو انٹرمیڈیٹ کالج کھلنے والا ہے، جولائی سے ان شاء اللہ کھل جائے گا، اسی میں ان کو جگہ دلائی جائے۔ انتظامی مجلس کا ایک رکن فقیر بھی تھا۔ زور پورا لگا چکا تھا، اُمید بھی ننانوے فیصدی قائم ہوگئی تھی لیکن جب ہزاری باغ والی جگہ مل گئی تو اسی کو ترجیح دی گئی۔ بربگھا کالج ابھی نیا نیا قائم ہو رہا ہے۔ اگرچہ وزیر صاحب کے گھر کا کالج ہے، لیکن پھر بھی نیا نیا ہی ہوتا ہے۔ جمال سلمہٗ کا داخلہ بھی ہزاری باغ ہی کالج میں کرا دیا گیا ہے۔ میاں صلو کو بھی شاید (بلالیں) [1] تو دکن بہار ہی میں رہنا پڑے گا (اور) [2] کئی جگہوں کے متعلق امید ہے لیکن فیصلہ (ابھی نہیں ہوا) [3]۔

ہاں اس کی خبر شاید تم کو نہ ہوگی کہ محی الدین سلمہٗ (تقریری) امتحان میں بھی بحمد اللہ کامیاب ہوگئے، جس کی خواہ مخواہ کی الجھن میں یہ بندۂ خدا چند مہینے (ہوئے پریشان) [4] ہو گیا تھا۔ جی لگا کر جب پڑھا تو کامیاب ہی نہیں بلکہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگیا۔ اس کی خبر تو شاید پہلے بھی دے چکا ہوں۔ نئی خبر ان ہی میاں صاحب کے متعلق یہ ہے کہ حیدر آباد سے ان کا تبادلہ راولپنڈی کے پاس واہ چھاؤنی میں ہو گیا ہے۔ اٹھارہ میل راولپنڈی سے دور ہے۔ اس کا پتا: ایم اے گیلانی، اگزکٹو آفیسر، واہ، راول پنڈی (پاک)۔ خالد نامہ مل گیا تھا معلوم نہیں نتیجہ کب تک نکلنے والا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیو۔ اب خاتمہ بالخیر والایمان کی دعا فرمائیں۔

مناظر احسن گیلانی

۱، ۲، ۳، ۴۔ ان مقامات پر اصل کارڈ یا پھٹ گیا ہے یا الفاظ مٹ گئے ہیں۔ اضافات قیاسی ہیں

۴؍اگست ۵۵ء

برادرم سلمہٗ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں برادر کے خطوط مل رہے ہیں۔ میری طرف سے اب زیادہ خط وکتابت کی امید بے محل امید ہوگی، امیر خسرو کا شعر ہے:

پرسی کہ چگونہ؟ چہ گویم   از مردہ برون نیاید آواز

آں برادر کے اشارے سے ڈاکٹر صاحب قبلہ کے نام وہ خط میں نے لکھا تھا، اگر واقعی اس سے کچھ بھی کسی کو کچھ فائدہ ہوا، تو فائدہ اٹھانے والے کی فطرتِ صالح کا نتیجہ ہوسکتا ہے ورنہ اب کہاں میرا قلم اور کہاں اس مرحوم ومغفور کا زور۔ ڈاکٹر صاحب کا بھی خط آیا ہے، جواب دینے کی کوشش کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ''مسجدِ اقصیٰ'' کے حالات لائق شکر ہیں، اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی۔ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو قدرت دوسرے دوازے کو کھول دیتی ہے۔ جنگل کی یہ مسجد جس کے اردگرد زیادہ تر وہی لوگ آباد ہیں جو مسجدوں سے دلچسپی نہیں رکھتے مگر ایک مستقل کارخانہ ہی اس کے لیے قائم کیا گیا۔ ورنہ انفرادی کرایہ دار عموماً کرایے کے دینے میں کسر مسر کرتے ہیں۔ آم کا جو درخت اپنے گھر میں تھا، تم نے کبھی اطلاع نہ دی کہ ہے بھی یا نہیں، اور ہے تو بلوغیت کے آثار کچھ اس پر نمایاں ہوئے یا اب تک گونگا بہرا بنا کھڑا ہے۔ آں برادر کے لائے ہوئے آم کے چند درخت خوب تیار ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ شمال میں جنوب کی فصل اگے گی، امید تو یہی ہے اپنا جڑ جمالے گی۔

عزیزی صلاح الدین سلمہٗ ان دنوں پٹنہ ہی میں ہیں۔ بقرعید میں بھی گھر نہ آسکے۔ وہ سرکاری ملازمت کے لیے کوشاں ہیں۔ خط آیا ہے کہ ضلع اسکول میں تعلیمی خدمت کے لیے ان کا انتخاب ہوگیا ہے۔ کہاں کے اسکول میں خدمت لی جائے گی، ابھی معلوم نہیں۔ غالب قرینہ لکھا ہے کہ مونگیر ضلع اسکول میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو بھیجا جائے گا۔ چونکہ آئندہ سال سے انٹرمیڈیٹ کی کلاسیں ہائی اسکولوں میں منتقل ہو جائیں گی اس لیے ترقی کی بھی امید ہے۔ ایم اے کا امتحان بھی اس عرصے میں دینا چاہتے ہیں۔ محی الدین سلمہٗ کا ایک خط پچیس تیس دن ہوئے واہ سے آیا تھا۔ 'صدق' میں ماجد میاں نے جو نوٹ محی الدین سلمہٗ کے متعلق لکھا ہے پڑھنے کے لائق ہے۔ کہیں مل جائے تو پڑھ لینا۔ کراچی میں ملاقات ہوئی

تھی۔ تقی ولی سلمہٗ کا بھائی بی کام میں کامیاب ہوکر گرونگ اسکول میں نوکری بھی مل گئی۔
مظہر وہاں سے روانہ ہوا اس کی خبر تمہارے خط سے ملی۔ خود اس سے ابھی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی حافظ معظم سلمہٗ کو شمس الہدیٰ مدرسے میں ایک جگہ سو روپے ماہوار کی مل گئی، منعمی صاحب وزیر حکومت کی کوشش سے۔ مولانا فصیح الدین تو حج کے لیے کنار کے سراج مایو کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اس سال تھانہ استھانواں میں گائے کی قربانی نہ ہوئی۔ حکومت نے بھی منشا اپنا ظاہر کیا۔ تعمیل حکم کی گئی۔

مناظر احسن گیلانی

ل مولانا عبدالماجد دریابادی۔

(۸)

۲۰ر فروری ۵۶ء

برادر عزیز سلمہٗ اللہ تعالیٰ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

پرسوں ٹھیک جمعہ کے دن آں برادر کی بھیجی ہوئی ٹوپیاں گیلانی پہنچ گئیں۔ ان میں سے ایک ٹوپی کو پہن کر جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی[ل]۔ بڑے وقت پر یہ ٹوپیاں یہاں پہنچیں کیونکہ گھس گھسا کر اب ایک ہی ٹوپی رہ گئی تھی جسے دھلوا دھلوا کر پہنا کرتا تھا۔ اب تو ایسا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے کہ آئندہ کسی قسط کے بھیجنے کی زحمت شاید آں برادر کو اٹھانی نہ پڑے گی۔ وہاں بھی دکان ایک ہی رہ گئی ہے اور پہننے والا بھی یہاں اب ایک ہی ہے۔ شاید دونوں کی عمر ساتھ ساتھ پوری ہو۔ دو تو ان میں بالکل:

جامہ بود کہ بر قالبِ من دوختہ بود

کے مانند ثابت ہوئیں۔ دو کچھ ڈھیلی ہیں لیکن دھونے کے بعد سکڑنے کا حق بھی تو چاہیے۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک بیٹھ جائے گی۔ اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے۔ اس سال آم کے منجروں کا عجیب حال ہے۔ فروری کا مہینہ ہے اور ابھی منجروں کا پتا نہیں۔ خال خال درختوں میں نظر آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے حساب سے لوند لگا تھا اس کا اثر ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

آں برادر نے لکھا ہے کہ اس سال بڑی طویل تعطیل گرما کی ہوگی۔ پروگرام کیا ہے۔

ابھی تو پورے گھر کے ساتھ سفر کے مصارف برداشت کر چکے ہو، دیکھیں کیا کرتے ہو۔ میں کیا کہوں ہر نیا دن جو طلوع ہوتا ہے اسے غنیمت خیال کرتا ہوں۔ اِدھر کچھ دنوں سے اچھا تھا لیکن پرسوں رات کو پھر ایک اچھا خاصا دورہ پڑ گیا۔ ڈاکٹر عبدالودود آئے تھے، دیکھا، کچھ دوائیں ترکیبیں بتا کر چلے گئے۔ بس یوں ہی گزر رہی ہے اور یہ تو گزر کر ہی رہے گی۔ خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر عثمان خاں صاحب کو میری مجذوبانہ بڑ پسند آئی۔ اللہ بچے کی عمر دراز کرے، صاحبِ سعادت اقبال بنائے۔ بچوں کو دعا۔ رفعت شاہینہ تو اچھا نام نکل آیا۔ اب ناز بانو کا نام بھی ٹھیک ہو گیا۔ میاں محی الدّین کا خط بہت دنوں سے اِدھر نہیں آیا ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب کا بڑا لڑکا جسے مولوی صاحب نے عاق کر دیا تھا، معین الدین وکیل کے ساتھ پھر ہندوستان واپس ہو گیا ہے۔ مولانا بیچارے کے لیے باعث پریشانی بنا ہوا ہے۔ خدا رحم کرے۔ اولادِ ناہموار سے سپولے بہتر ہیں۔ مولانا فضل کے کیا کہنے ہیں۔ اللہ کے ان بندوں میں ہیں جن کا آخرہ، اولیٰ سے بہتر ہے۔ ان کے خط کا جواب بھی دے رہا ہوں۔

مناظر احسن گیلانی

ا ''جب طبیعت کچھ اچھی رہتی ہے تو جمعہ کے دن مسجد چلا جاتا ہوں'' (حاشیہ بقلم مولانا گیلانی)

(۹)

۱۷ر مارچ ۱۹۵۶ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ کہ گیلانی میں سب لوگ بخیر و عافیت ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے داعی ہوں کہ وہاں بھی لوگ صحت و مسرت کے ساتھ ہوں۔ ادھر آں برادر کا کوئی خط نہیں آیا، منی آرڈر کے کوپن پر بھی دو لفظ لکھ دیتے تو تسلی ہو جاتی۔ باقی اپنا حال کیا لکھوں۔ پنشن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناکاری ہی کے زمانے میں دیا جاتا ہے۔ آج کل بہ نسبت دوسرے امراض کے بادی بواسیر کا بہت زور ہے۔ مُڈیسن جل اس کا ایک اچھا حل تھا، لیکن اب تو دیکھتا ہوں کہ وہ بھی اپنے اثر کو کھوتا ہی چلا جاتا ہے۔ معلوم نہیں تم مُڈیسن جل استعمال کر رہے ہو یا نہیں۔ ہمارے خاندانی معدے کے لیے شاید یہ آخری دوا ہو سکتی ہے، اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں

ہے۔ تعجب ہے کہ نسمو سلمہا جسے پاکستان گئے ہوئے شاید دو مہینے سے زیادہ ہوئے، تمھیں اس کی خبر نہ مل سکی، میرا ہی قصور ہے۔ بہر حال زمانہ ہوا وہاں پہنچ کر وہ لوگ پرانے ہو چکے۔ لاہور سے دریا خاں پر کراچی کی سیر کر چکے۔ محی الدّین سلمہٗ واہ سے کراچی بہ ضرورت آیا تھا، اس سے بھی ملاقات ہوگئی۔ خطوط نسمو سلمہا کے جو آ رہے ہیں ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب بہت خوش وخرم ہیں۔

مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

۳ر اپریل ۵۶ء

برادرم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخدوم محی الدین صاحب کی تشریف آوری وہ بھی اچانک تھوڑے دن کے لیے زندگی میں تازگی پیدا کر گئی۔ مخدوم صاحب بے چارے نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ گیارہ دن گیلانی میں قیام بایں طور رہا کہ اس عرصے میں صرف راجگیر و نالندہ کے کھنڈروں کو دیکھنے کے لیے قریب قریب دو دن باہر رہے۔ دماغ پر زور ڈالا کہ ان کے ساتھ آں برادر کے لیے کچھ بھیجوں لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بھیجوں۔ کوئی موسمی پھل بھی آج کل نہ تھا۔ آموں کی حالت شاید لکھ چکا ہوں حد سے زیادہ یاس افزا ہے۔ گویا صفر کی حد تک بات پہنچی ہوئی ہے۔ مخدوم صاحب کل ۲ر اپریل کو براہ کلکتہ واپس ہوئے۔ کلکتہ کی سیر کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا گیا۔ امید ہے کہ بخیر وعافیت وہ اپنے وطن مالوف پہنچ جائیں۔ اتفاقاً اسی عرصے میں صلاح الدّین سلمہٗ بھی پھگوا کی تعطیل میں آئے ہوئے تھے، ان سے بھی ملاقات ہوگئی۔ حیدر آباد پہنچ کر ان شاء اللہ تعالیٰ آں برادر سے ملیں گے۔ مولانا سرور شاہ صاحب دکن ہی میں ہیں؟ پچھلی دفعہ تم نے ان کی خبر دی تھی، اب جب کبھی ملاقات ہو تو اس فقیر کا سلام پہنچا دیجیو اور کہہ دیجیو:

کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

کبھی کبھی تو یاد کر لیا کریں۔ قطعی خاموشی سے پہلے خاموش ہو جانے کی وجہ سے شاید انھوں نے بھی یہی سمجھ لیا کہ اس دنیا سے اس کا تعلق باقی نہ رہا۔ بہر حال، اس آنے والی نہ

ٹلنے والی گھڑی کی آمد میں شاید اب زیادہ تاخیر نہ ہو۔ آج کل شاد عظیم آبادی مرحوم کے دو شعر زبان پر زیادہ جاری رہتے ہیں:

دل نہیں لگتا تو کیوں گھبراؤ شاد — جی چکے بس تا بکے مر جاؤ شاد

خطِ شوق اپنا لفافے میں رکھو — آرزوؤں کو کفن پہناؤ شاد

یہ ہمارے دوست میاں جافر حسین کو فقیر کے مکتوبہ ہفوات کی جستجو کی وجہ کیا ہوئی؟ ان کی کتاب سماجیات پر 'صدق' میں جو رائے چھپی ہے، دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ اتنے گئے گزرے بظاہر نظر نہ آتے تھے۔ میاں محی الدّین سلمہٗ کا خط آتا رہتا ہے۔ بھائی عمر کے گھر میں بھی اور شہاب بن ظہیر سے ان کی جس لڑکی کی حال میں شادی ہوئی تھی دونوں کو آگے پیچھے بچے پیدا ہوئے۔ اولادِ نرینہ۔ مولانا فضل صاحب ہیں یا "شن شائن زٹ" میں الجھے رہے۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

(۱۱)

۱۷/اپریل ۱۹۵۶ء

برادرم سلمہٗ اللہ تعالیٰ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخدوم صاحب گیارہ دن قیام فرمانے کے بعد دکن براہ کلکتہ واپس ہوئے مگر اس سے کچھ تشویش ہوگئی ہے کہ اپنی رسید کی خبر اب تک نہ بھیجی۔ حالانکہ تاکیداً اکید کر دیا تھا۔ واللہ اعلم کیا صورت پیش آئی۔ تمھارا کارڈ اور اس سے پہلے مرسلہ رقم دونوں آگے پیچھے ملے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیرَ الْجَزَاء۔ ایک امام، مسجد کے لیے مولانا امین؟ احمد کے مُثنیٰ کی شکل میں مل گئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولانا عربی کے میٹرک پاس تھے اور اب جو صاحب ملے ہیں، عمراً صورۃً وشباہتہً ہو بہو مولانا ہیں، صرف فرق یہی ہے کہ یہ انگریزی کے میٹرک پاس ہیں اور گیا کی کچہری میں ناظر تھے، آنکھیں دونوں موجود ہیں، وظیفہ یاب ہو کر رمضان پور میں مقیم تھے جہاں ان کی سسرال ہے۔ آخری زندگی میں ان پر غالب آنے والی آرزو غالب آئی، یعنی:

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

خداوند قدوس نے ان کی اس آرزو کے پوری کرنے کا نظم کر دیا ہے۔ پتھر بننے کی تو نہیں لیکن در پر پڑے رہنے کی گویا اجازت مل گئی ہے۔ زیادہ وقت مسجد ہی میں گزرتا ہے۔ آدمی خندہ رو، شگفتہ جبین ہیں۔ نماز یہی پڑھاتے ہیں اور مکتب کو بھی پڑھاتے ہیں۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ 'الدّین القیم' کے انگریزی ترجمے کا ٹائپ شدہ مسودہ تیار ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب کو لکھا تھا کہ 'الدّین القیم' کا کوئی مطبوعہ نسخہ مل جائے تو بھیج دیں۔ میرے پاس تو یاروں نے ایک کاپی بھی نہ چھوڑی۔ مقصد یہ تھا کہ اقتباسات انگریزی کتابوں کے اردو کی جن کتابوں سے لے کر اس میں درج کیے گئے ہیں، ان کے حوالے لکھ کر بھیج دوں۔ مگر اس وقت تک کتاب نہ مل سکی۔

مچھلی کے ڈبے 'الدّین القیم' کا قائم مقام بنا کر تحفتہً روانہ کر دیا؟ کچھ ہے بھی یہی واقعہ۔ ان کے ہاں کی خاص ترکیب کے ساتھ پکی ہوئی مچھلی کی ایک ڈلی کا لطف الدّین القیم جیسی کتابوں میں کہاں میسر آ سکتا ہے۔ کہاں علمِ کلام کا زق زق بق بق اور کہاں یہ روحانی غذا۔ دو سال ہوئے دنیا کی لطیف غذاؤں سے محروم کر کے جینے کا حکم دیا گیا ہے۔ میرا کام صرف دیکھنا رہ گیا ہے۔ ادھر البومن کی تعداد پیشاب میں بڑھ گئی، نمک تک بند ہے۔ اطراف کا ورم جب تک نہ اترے نمک بند ہی رہے گا۔ میاں محی الدّین کی بچی پیدا ہوئی ہے۔ نگار بانو نام دادا نے تجویز کیا ہے، بشرطیکہ والدین کو پسند آئے۔ فقط

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ آپ محی الدّین، شجاع الدین، گل میر خاں ہم محلہ بزرگوں اور دوستوں سے بھی مزاج پرسی میری طرف سے کر لیا کریں۔ ان کی بیٹیوں کو دعا میری طرف سے کہہ دیجیو، اور گھر میں سلام و دعا۔

فقط

مناظر احسن گیلانی

(۱۲)

۲۸/اپریل ۱۹۵۶ء

گیلانی (بہار)

برادرم سلمہٗ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا ڈیڑھ آنے والا لفافہ ملا، خیریت معلوم کر کے خدا کا شکر بجالایا۔ جواب میں کچھ تاخیر اس لیے ہوئی کہ سات آٹھ دن ہوئے غسل خانہ والے کمرے میں بہ نیت استنجا گیا ہوا تھا شاید تین بجے دن کا وقت ہوگا، پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ دوسروں نے عشا کے بعد خبر دی کہ بے ہوشی کا شدید دورہ پڑ گیا تھا، اٹھا کر لایا گیا:

بازآئند یا برائند چیست فرمانِ شما

کے انتظار میں چند گھنٹے کٹے۔ آخر "بازآئند" کا فرمان کسی نامعلوم مصلحت کی بنیاد پر نافذ ہوا جو مُردہ تھا وہ واپس ہوگیا۔

اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ انعام الحق صاحب بے چارے کا دوسرا لڑکا بو میاں سلمہٗ بدترین قسم کے ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہوگیا تھا، اب بحمد اللہ اچھا ہے۔ مناسب ہوگا کہ مزاج پرسی کا ایک خط ان کو شکھرا کے پتے پر لکھیں۔ میں لکھنے پڑھنے کی ہمت دو تین دنوں سے کر رہا ہوں۔ اب یہ دنیا مجھ جیسے لوگوں کے لیے اپنی مناسبت کو گھٹاتے ہوئے بہت کچھ سکڑ گئی ہے۔ بڑی مشکل سے یہ کارڈ پورا کر رہا ہوں۔ مخدوم صاحب کا خط (رسیدنی) خود آگیا ہے مگر خلافِ دستور غیر معمولی تاخیر سے بھی انھوں نے کام لیا۔ کلکتہ کی سیر و سیاحت کی تفصیل کے لکھنے کی تاکید اکید کر دی تھی لیکن بجز اس کے کہ کلکتہ میں ٹھہرا، اور کچھ نہ لکھا۔ محی الدین سلمہٗ کا خط بھی ادھر آیا ہے۔ انیس الحق سلمہٗ نے ریاست سوات میں انگریزی پڑھانے کی نوکری کر لی ہے۔ سوات کا ذکر اتنا کیا کہ میاں محی الدین اپنے ہم زلف مہمان کے ساتھ وہاں گئے تھے۔ لکھا ہے کہ ثانی کشمیر ہے۔ معلوم نہیں تم سے خط و کتابت ادھر ہوئی یا نہیں۔ فقط

ننھو ماموں مرحوم کی بیوی المسماۃ بہ نواب ممانی کی وفات کی اطلاع دے چکا ہوں۔

فقط

ہزاری باغ سے شرف الدین سلمہٗ نے ایک عجیب و غریب لے بھیجی ہے۔ تین نسالیوں میں ایک لاغر زیادہ تھا.........ٹے ذمہ کرنے کا انتظام کیا گیا، جان بر نہ ہوسکا۔

ڈاکٹر صاحب سے سلام کہہ دیجیو۔ ان کے مرحوم داماد کی تعزیت کن لفظوں میں کروں بہر حال ہر مومن و مسلم کی ارحم الرّاحمین مغفرت فرمائے۔

مناظر احسن گیلانی

---

۱ یہاں ظاہراً کوئی لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے

۲ کارڈ کی تین سطریں آب رسیدہ ہیں، بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔

(۱۳)[۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز سلمۂ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تمہاری خیر و عافیت کے خط کا روز انتظار رہتا ہے اور جب تک مرا نہیں ہوں یہ انتظار باقی ہی رہے گا۔ ادھر دو واقعے سمجھو یا حادثے ایسے پیش آئے کہ دل و دماغ پر دونوں کا کافی اثر ہے۔ پہلا قبائلی حادثہ ہے شاید بازید پور والوں سے اس کی خبر تم تک پہنچ چکی ہو۔ وازع الہدیٰ وجو بے چارے دس سال بعد وطن مالوف آئے تھے۔ ان کے کلکٹر بھائی کی لڑکی کی شادی مولوی شمس الہدیٰ کے صاحبزادے عمیس کے بھائی اویس سلمۂ سے ہونے والی تھی لیکن چند دن بھی گزرنے نہ پائے تھے شاید ایک ہفتہ بھی نہیں کہ مونگیر قلعہ کی اسی کوٹھی میں ان کا ہارٹ فیل ہو گیا جہاں ان کے بھائی بحیثیت کلکٹر ہونے کے مقیم ہیں۔ ایں ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مُرد۔ سُنا کہ کراچی میں بیس پچیس دن پہلے ان کا لڑکا آٹھ نو سال کی عمر کا مر چکا تھا۔ غم غلط کرنے کے لیے اپنے کنبہ میں آئے تھے لیکن کیا معلوم تھا کہ بازید پور کی مٹی کھینچ کر بیچارے کو لائی تھی۔

دوسرے حادثہ کا تعلق میری ذات خاص سے ہے۔ میرے ٹونک کے ساتھی شیخ مہتاب المعروف بہ مولانا عبدالرحمٰن الچشتی الوہابی کی وفات دو دن کی مختصر علالت کے بعد ٹونک میں ہوگئی۔ ہم دونوں سالہا سال تک ساتھ رہے تھے۔ پرانی گزری ہوئی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ چشتی بے چارہ اچھا گویّا بھی تھا۔ مولانا بن جانے سے پیشتر لہرا لہرا کر گایا کرتے تھے۔ شاید کسی تھیٹر کی سنی ہوئی یہ نظم بہت پسند تھی۔

مَو سے پیت لگا کے پیا اب پیت لگانا چھوڑ دیا

ایسے بسے کسی دیس میں جا اب دیس کا آنا چھوڑ دیا

پہلی بیت ہندی کی پڑھ کر آگے بڑھتے۔

مرنے کی دشمنوں کو ہمارے خوشی نہ ہو

ہاں آبرو نہ جائے، یہ جگ میں ہنسی نہ ہو

آ کے تربت پہ آنسو بہا نارے

اور خدا جانے کیا کیا پڑھتے۔ آخری بند یہ تھا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایسی سلگی کو آ کر بجھا نارے

یہ سب یاد تھیں۔ چار پانچ طالب علم ہم لوگ ایک ہی مکان میں رہتے۔ استرواح نفس کے لیے چشتی مرحوم کا گانا اس زمانہ میں دل کو بہلا دیا کرتا تھا۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

اور بہمہ وجوہ بحمد اللہ ادھر خیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب[۲] قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔ بچوں کو پیار

مناظر احسن گیلانی

۴؍جون ۱۹۵۶ء

---

[۱] یہ مولانا گیلانی کا آخری خط ہے جو ۴؍جون ۱۹۵۶ء کو لکھ کر حوالہ ڈاک کیا گیا اور ۵؍جون کو علی الصباح مولانا کا انتقال ہوا۔ ماخوذ از نقوش مکاتیب نمبر ا، نومبر ۱۹۵۷ء۔

[۲] ڈاکٹر محمد عثمان، حیدر آباد دکن میں مولانا گیلانی کے پڑوسی اور سابق رکن دار الترجمہ حیدر آباد دکن۔

بـنـام

الحاج احمد غریب (بمبئی)[1]

۲۰ر جنوری ۱۹۵۵ء

بخدمت گرامی الحاج مولانا احمد غریب ایدکم اللہ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جسم تو حاضری سے محروم رہا لیکن خدا کا شکر ہے 'الجمعیۃ' اخبار کے ذریعے بمبئی کی اس تاریخی ''موتمر'' کی روداد کے پڑھنے کا موقع ملتا رہا جس میں شرکت کی محرومی کا احساس شاید دمِ واپسیں تک دل میں باقی رہے گا۔ یوں کہنے کے لیے اس ''موتمر'' کی تنظیم وترتیب میں بہتوں کے ہاتھ تھے لیکن نہ معلوم دل کی شہادت کیوں ہے کہ روحِ رواں اسلامی ہند کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے اس اجتماع کے ہمارے کرم فرما الحاج احمد غریب ہی ہیں۔ طُوبیٰ لَکُمْ وَحُسْنَ مَاب.

اپنا نام یا تخلص ''غریب'' اسی لیے شاید رکھا تھا کہ اسلام کی خدمت کا آخر زمانہ میں موقع غرباء ہی کو دیا جائے گا۔ نام بھی آپ کو ملا اور نام کے مطابق کام بھی آپ سے لیا گیا۔ نتیجہ آپ کے ہاتھ میں ہے ورنہ دوسروں کی سعی وکوشش سے یہ کام نہ ہوسکتا تھا اسی کے مکلّف ہے۔ انجام ہمیشہ اسی کے دست قدرت میں جس کی اذن (کے بغیر)[2] اس کی پیدا کی ہوئی دنیا میں نہ کسی کی خواہش کچھ کام کرسکتی ہے اور نہ کوشش۔ بہرحال آئندہ اس ''موتمر'' کی پھیلائی ہوئی روشنی میں مسلمانوں کا قدم کس طرف اٹھتا ہے اس کا انتظار رہے گا۔

الجمعیۃ ہی سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ''البلاغ''[3] کا خاص نمبر جو موتمر تعلیمی کے سلسلے میں شائع ہونے والا تھا وہ شائع ہوگیا۔ خاکسار نے بھی اپنے بعض ہفوا ۔ کو قلمبند کر کے خدمتِ والا میں ارسال کر دیا تھا، امید نہ تھی کہ آپ کو مل گیا ہوگا لیکن مضمون نگاروں کی فہرست میں اپنے نام کو پاکر یہی خیال گزرا کہ غالباً وہ آپ کو ملا اور 'البلاغ' میں شائع ہوا۔ اس خصوصی (نمبر کی) خصوصیتوں کو دیکھ کر دل ان مضامین (کے دیکھنے کے) لیے بے چین ہے جو اس میں (شائع ہوئے ہیں)۔ اس ہنگامے میں اس کا (خیال آپ کے) لیے دشوار

تھا کہ (اس شمارے کا ایک) نسخہ بنام فقیر ارسال کرنے کی ہدایت فرماتے لیکن امید ہے کہ اب روانہ فرمائیں گے۔ سکون کی کیفیت...... بقول غالب ؎

ہاتھوں میں تو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

''ساغر و مینا'' کے مہیا کرنے کی فرصت مل جائے۔

بحمد اللہ اس وقت تک جیتا چلا جا رہا ہوں لیکن پیرانہ سالی کے سواعلالت کا بقایا کچھ نہ کچھ چلا ہی جا رہا ہے۔ اب تو ماشاء اللہ اس کا خاتمہ ''ہیکل خاکی'' سے منتقلی ہی کے بعد ممکن ہے۔

اپنے اخوان کرام کی خدمت میں مخلصانہ سلام پہنچا دیجیے۔ موقع ملے تو غازی میاں سلمہٗ[4] سے بھی ان کے خاندان کے اس نیاز مند کا سلام عرض کر دیجیے گا۔

از دعا گو فقیر و حقیر مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہ

---

[1] ماخوذ از ہفتہ وار 'جمہوریت' بمبئی مورخہ ۷ر فروری ۱۹۵۵ء

[2] اصل خط کا کاغذ متعدد جگہ سے پھٹ گیا ہے اس لیے قوسین میں الفاظ قیاسی ہیں۔

[3] ماہنامہ 'البلاغ' بمبئی سے قاضی محمد اطہر مبارکپوری کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔

[4] مولانا حامد الانصاری غازی کہنہ مشق صحافی، جنھوں نے 'مدینہ' کے علاوہ متعدد اخباروں میں بحیثیت ایڈیٹر نمایاں صحافتی خدمات انجام دیں۔

بنام

بشیر الدین احمد (میرٹھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ر جنوری ۱۹۵۵ء

کرم فرمائے بندہ بشیر الدین صاحب ایدکم اللہ بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا نوازش نامہ موجب مسرت ہوا۔ خاکسار کے ساتھ جس محبت وانس کا اظہار فرمایا گیا ہے اس میں میری خصوصیتوں سے زیادہ آپ کی شرافتِ نفس کو دخل ہے۔ ہم جیسے ناکارہ دقیانوسی خیالات رکھنے والے ملّانوں کی چیزوں کے پڑھنے والے اور ان سے فائدہ اٹھانے والے باقی ہی کتنے رہے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ امت محمدیہ (علی صاحبہا الف تحیۃ) پر رحم فرمائے۔

جی ہاں! مرنے میں کسر ہی کیا باقی تھی۔ وقت نہیں آیا تھا۔ پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا گیا ہوں لیکن پرہیز واحتیاط کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اس حال میں بھی ممکنہ حد تک جو کچھ بن پڑتا ہے، لکھ لیا کرتا ہوں۔ دعا فرمائیے کہ توفیقِ رفیق ہو۔ ان شاء اللہ ھادم اللّذات کا سلسلہ جب تک وہ سامنے ہی نہ آجائے جاری رہے گا۔ مقصود صرف یہ ہی ہے کہ جس وقت کے لیے زندگی ملی ہے آدمی اس کو نہ بھولے۔ اس کی یاد کو دل سے لگائے رکھے ورنہ وہ تو بھول جانے والوں کی گردن پر بھی سوار ہی ہو کر رہے گی۔ فقط

خاکسار
مناظر احسن گیلانی

بنام

مولوی سیّد انوار اعظم[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولوی سیّد انوار اعظم سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی ناسازیٔ مزاج کے ساتھ امتحان کی کامیابی کا حال بھی معلوم ہوتا رہا۔ آنے جانے والوں سے بھی پوچھتا رہا۔ مسرت ہوئی کہ اب آپ اچھے ہیں۔ معلوم نہیں تقریری امتحان جو ہونے والا تھا وہ مرحلہ بخیر گزر چکا یا نہیں۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک عزیز حیدر آبادی دوست مولوی ڈاکٹر یوسف الدّین صاحب پی ایچ ڈی کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بیچارے اس فقیر سے ملنے کے لیے حیدر آباد سے گیلانی آئے۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام کر کے اب حیدر آباد واپس جا رہے ہیں جہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے مصنف ہیں اور حد سے زیادہ علمی ذوق رکھتے ہیں۔ بہار آ کر کسی علمی مذاق والے آدمی کا خدا بخش خان مرحوم کی لائبریری دیکھے بغیر جانا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آں برادر گویا آج کل لائبریری کے صحن میں مقیم ہیں۔ آپ ان سے مل کر ان شاء اللہ بہت خوش ہوں گے۔ حد سے زیادہ شریف طبیعت کے مالک ہیں۔ اسی سے اندازہ کیجیے کہ مجھ دہقانی سے ملنے کے لیے اتنا طویل و عریض سفر انھوں نے اختیار کیا۔ امید ہے کہ آپ کی وجہ سے ان کو پٹنہ میں کافی سہولت میسر آئے گی۔ پھلواری شریف کی حاضری کا موقع اگر مل جائے تو اس میں بھی امید ہے آپ ان کی مدد فرمائیں گے۔

اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے۔ گیلانی کے ہونے والے تقریبات بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ اگرچہ فقیر ان دعوتوں کی لذتوں سے محروم ہی رہا۔ ادھر طبیعت میں پھر کچھ گڑبڑ سی پیدا ہو گئی۔ دیکھو! زندگی کی اس کشمکش سے کب نجات ملتی ہے۔ دس پندرہ دن سے محی الدین سلمہٗ کا بھی کوئی خط وغیرہ نہیں آیا ہے۔ شاید تمہارے پاس آیا ہو تو اطلاع دیجیو۔ سکندر

سلمہٗ آئے تھے چلے گئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

۱؎ مولانا گیلانی کے قریبی عزیز اور سابق لیکچرار فارسی، سینٹ کولمبس کالج، ہزاری باغ، بہار۔ خط ماخوذ از رسالہ نقوش۔ مکاتیب نمبر ۱ بابت نومبر ۱۹۵۷ء۔

بنام

مولانا محمد عون صاحب[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبدۃ الکرام البررہ مولانا محمد عون صاحب انصرکم اللہ فی الدارین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ آپ لوگ بعافیت ہوں گے۔ فقیر کی ناسازیٔ مزاج کا حال وہی ہے جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک حیدرآبادی عزیز اور دوست ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی ایچ ڈی پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ان ہی کے ذریعہ سے "الحاوی" کے متعلق فقیر نے دریافت کیا تھا۔ جواب میں دائرۃ المعارف کے ناظم صاحب کی طرف سے الحاوی کے حصۂ اولیٰ مطبوعہ کو لائے ہیں جنھیں بھیج رہا ہوں۔ مولانا شہاب الدین صاحب دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ان کی کتاب یہی نہیں کہ ضائع نہیں ہوئی ہے بلکہ اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا ہمارے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کو واسطہ سفیری بنا لیجیے۔ ان شاء اللہ ان کی کوشش بارآور ہوگی۔ اپنے اعمام اولوالعظمت والاحترام کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔ "ثقافت"[2] لاہور سے پرچہ نکل رہا ہے۔ جعفر میاں[3] اس کے بھی سرسید ہیں کیا انھوں نے "اجتہادِ مطلق" کے دروازے کو اپنے لیے وا فرما لیا ہے؟

حضرت سجادہ صاحب کی خدمت میں سلام اور طلب دعا کی درخواست ہے۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[1] ماخوذ از رسالہ نقوش مکاتیب نمبر ا بابت نومبر ۱۹۵۷ء۔

[2] ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کا ترجمان۔

[3] مولانا جعفر شاہ پھلواری ندوی۔ سابق رکن ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، مصنف کتب کثیرہ۔ پیدائش: ۱۹۰۱ء، وفات: ۳۱ رمارچ ۱۹۸۲ء کراچی۔

بنام

سیّد صباح الدّین عبدالرحمٰن[1]

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک خط کا اقتباس سیّد صباح الدّین عبدالرحمٰن صاحب (سابق ناظم، دارالمصنّفین اعظم گڑھ) نے مولانا گیلانی کی یاد میں اپنے مضمون مطبوعہ 'معارف' مارچ، اپریل ۱۹۵۷ء میں نقل کیا ہے۔ بعد ازاں اسی مضمون کو شخصیاتی مضامین کے معلومات افزا مجموعے 'بزمِ رفتگاں' جلد اوّل میں بھی شامل کیا۔ ہم یہاں اسی کتاب سے خط کا یہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔ یہ خط مولانا گیلانی نے انتقال سے تقریباً ایک ماہ قبل لکھا تھا۔ (مرتّب)

عزیز محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اتنے طویل المدت مریض کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ مرجانے یا تندرست ہوجانے کا فیصلہ قدرتی ہے، لیکن کیا کیجیے آپ کا یہ مریض المسمیٰ بہ مناظر احسن گیلانی نہ اب تک مرا ہے اور نہ اچھے ہونے کی بشارت سنا سکتا ہے، اسی حال میں مگن ہے جس میں رکھا گیا۔ کل شاہ صاحب[1] قبلہ کا نوازش نامہ ملا جس میں آپ کے دیسنہ پہنچنے کی خبر درج تھی۔ دارالمصنّفین کی جو امانت ہمارے پاس محفوظ ہے، اس کو آپ کے حوالے کردینا چاہتا ہوں کیوں کہ اب شیخ ابن عربی پر کچھ لکھوں تو ضرورت ہے کہ دوسری دفعہ پیدا کیا جاؤں[2]۔ اب فرمائیے کہ اس کے لیے کیا کروں؟ کیا دیسنہ ان کتابوں کو کسی کی معرفت بھیج دوں؟ مگر آپ کی ملاقات سے محرومی، معمولی محرومی نہ ہوگی۔ بہرحال جو رائے عالی ہو اس سے مطلع فرمائیں۔ ڈاک سے اس لیے خط بھیج رہا ہوں کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد اب چٹھی چپاتی کی کوئی راہ ڈاک کے سوا باقی نہیں رہی۔

مناظر احسن گیلانی

---

[1] شاہ معین الدین احمد ندوی۔ سابق ناظم دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، پیدائش: ۱۹۰۳ء۔ وفات: ۱۳؍دسمبر ۱۹۷۴ء

[2] شیخ محی الدین ابن عربی پر غالباً کتاب لکھنے کے لیے دارالمصنّفین سے کتب منگائی تھیں۔

بنام

مخدوم محی الدّین[1]

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴ر جون ۱۹۵۶ء

عزیز محترم مخدوم صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ وایدکم بروح منہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جس حد تک اچھارہ سکتا ہوں، زندگی کے دن نبیڑ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ بعافیت ہوں گے۔

(۱) گیلانی سے واپسی کے بعد مراسلات کا سلسلہ کچھ اس طرح غیر مربوط رہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو جواب دوں تو کہاں دوں؟ رمضان کے بعد آپ نے فرمایا تھا کہ مستقر پر حاضر ہو جاؤں گا لیکن بجائے مستقر سرکاری کے، سوتوں کا پارسل وطنی مستقر سے آیا، جواب بی بی پیٹھ دوں، اس کا خیال اس لیے ڈھیلا پڑ گیا کہ عید منانے کے لیے لکھا تھا، وطن آیا ہوں، عید کے بعد حیدرآباد والے مکان میں بچوں کو رکھ کر سرکاری مستقر کی راہ لیں گے، اس عرصہ میں ایک سرکاری مراسلہ بھی آپ کے نام آیا، کہاں واپس کروں؟ حیدرآباد والے مکان کا پتہ بھول گیا، آخر ڈاکٹر محمد یوسف الدّین بیچارے کو زحمت میں مبتلا کرنا پڑا۔ واللہ اعلم ان کے ذریعہ یہ مراسلہ آپ تک پہنچ پایا یا نہیں؟ اور آپ بھی نہیں معلوم کہ اب کہاں ہیں؟ ایک یادداشت میں حیدرآباد والے مکان کا پتہ لکھا ہوا ملا، اسی پتہ سے یہ خط ڈال رہا ہوں۔

(۲) سب سے پہلے آپ کی عنایت فرمائیوں کا شکریہ پیش کرنا ضروری ہے، جن کی وجہ سے میری شدید ممانعت کے باوجود آپ مالی زیرباریوں کے شکار ہو گئے۔ خیر آمد و رفت میں جو کچھ خرچ ہوا، وہ تو بجائے خود ہے، نشہ پھر بھی آپ کا باقی ہی رہا۔ ڈاک پارسل سے کثیر مصارف برداشت کر کے سوتیاں بھیجیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال اب تو اس جسارت بے جا کے آپ مرتکب ہو چکے، شکر و امتنان کے سوا اپنے دل میں آپ ہی

بتائیے اور کس جذبہ کو پا سکتا ہوں۔ فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاء ۔ ان سوتوں کا مزعفر پکا کر لوگوں نے کھایا، میرا کیا اب ان ہی لوگوں کا کھالینا ہے، مگر خدا کے لیے اس قسم کا اقدام آئندہ نہ کیجیے۔ بال بچوں کی پرورش، والدہ ماجدہ کی خدمت آپ کے اہم فرائض میں ہے۔ فرائض سے لاپرواہی اختیار کر کے نوافل میں مشغولیت نہ شرعی کام ہوا اور نہ عُرفی۔ گرانی ہے کہ روز بروز شدت اختیار کیے جاری ہے۔ پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی یہ نازک گھڑیاں ہیں۔

(۳) يَا وَهَّابُ يَا مُصَوِّرُ ساڑھے تین سو دفعہ عرض کیا تھا کہ ان لوگوں سے ملنے سے کچھ پہلے پڑھ لیا کیجیے جن کے ہاتھ میں اقتدار بخشا گیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ پانچ پانچ دفعہ بَارِكْ وَسَلِّمْ والے درود شریف کو اوّل و آخر میں پڑھ لیا جائے۔

شدت سے انتظار ہے کہ اس کس مپرس ہیچ میرز فقیر کے راز و نیاز کو کسی نے شرف قبول عطا فرمایا یا عطائے خواجہ بلقائے خواجہ کا معاملہ کیا گیا۔ فخر الدین مسعود صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ صرف ناظم عطیات صاحب نے جواب دیا، ان سے آپ پھر ملے یا نہیں؟

دعا کر رہا ہوں کہ آپ کی کرامات کا کشف، ارحم الرّاحمین کی طرف سے جلد ہو۔

معلوم نہیں سورۂ کہف کی تفسیر کا مسودہ کسی نے دیکھا۔ کاش! عام مسلمانوں میں یہ کتاب پھیل جاتی، بظاہر مرضیِ حق شاید یہی ہے کہ ابھی ان حقائق و اوامر کو عام نہ کیا جائے۔

اور پرسانِ حال بزرگوں، ہم سبقوں، عزیزوں کو سلام و دعا پہنچا دیجیے۔ خصوصاً اپنی والدہ ماجدہ، اپنی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں ضرور بالضرور میرا سلام عرض کر دیجیے۔ آپ سے زیادہ آپ کی فکر اس فقیر کو پریشان رکھتی ہے۔ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے آرزو ہے کہ کسی اطمینانی جگہ پر آپ کو دیکھ لوں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

[۱] مولانا گیلانی کے جامعہ عثمانیہ میں شاگرد۔

ماخذ و مصادر

بنیادی ماخذ

کتب

۔بزم رفتگاں جلد اول از سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء

۔پرانے چراغ جلد اول از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۴ء

۔حیاتِ مولانا گیلانی از مفتی ظفیر الدین مفتاحی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۴ء

رسائل و جرائد

۔سہ ماہی بصائر کراچی، جنوری و اپریل ۱۹۶۷ء

۔ماہنامہ بیّنات کراچی، ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ

۔ہفت روزہ جمہور بمبئی، ۷ر فروری ۱۹۵۵ء

۔ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، خصوصی اشاعت وفیات نمبر، اپریل تا جولائی ۱۹۹۶ء

۔ماہنامہ ریاض کراچی، اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء

۔سہ ماہی صحیفہ لاہور، مئی جون ۱۹۷۹ء

۔ہفت روزہ صدق لکھنو، ۱۵ر جولائی ۱۹۲۳ء، ۱۱ر مارچ ۱۹۴۰ء، ۲۰ر مئی ۱۹۴۰ء، ۹ر جنوری ۱۹۴۱ء، ۷ر ستمبر ۱۹۴۲ء، ۱۲ر اپریل ۱۹۴۳ء، ۸ر نومبر ۱۹۴۳ء، ۱۵ر نومبر ۳ ۱۹۴۶ء، ۸ر جون ۱۹۴۷ء، ۲۹ر جولائی ۱۹۴۷ء، ۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

۔ہفت روزہ صدق جدید لکھنو، ۲۳ر مارچ ۱۹۵۱ء، ۳۰ر مارچ ۱۹۵۱ء، ۲۴ر اگست ۱۹۵۱ء، ۱۶ر نومبر ۱۹۵۱ء، ۷ر مئی ۱۹۵۴ء

۔ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت فروری ۱۹۵۴ء، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۶۳ء، نومبر ۱۹۸۹ء
۔رسالہ نقوش لاہور مکاتیب نمبر ا بابت نومبر ۱۹۵۷ء

ذخیرہ ہائے خطوط

۔حکیم سید محمود احمد برکاتی
۔ڈاکٹر مختار الدین احمد
۔جناب اسرائیل احمد مینائی

ضمنی ماخذ

کتب

۔شاہ بلیغ الدین، تذکرہ عثمانین، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۲۰۰۱ء
۔محمد اسلم، پروفیسر، خفتگان کراچی، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۹۱ء
۔محمد اسلم، پروفیسر، خفتگان خاک لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۹۳ء
۔محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، المیز ان پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۰۳ء
۔منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، وفیات ناموران پاکستان، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۰۶ء
۔منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر، وفیات اہل قلم، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

مجاذیب کی پُراسرار دُنیا

زیرِ نظر کتاب میں مجذوب کیا چیز ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے
اور مجاذیب کے اقسام اور پھر مجاذیب کے کچھ حیرت انگیز واقعات
کا ذکر ہے تاکہ پڑھنے کے لیے روحانی تفریح کا سامان بھی ہوجائے

تالیف محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

مکتبہ عمر فاروق

مثالی فکرانگیز

واقعات و لطائف

آپ کا ہمدرد، ہمسفر آپ کو رُلانے اور ہنسانے والے مختلف و دلچسپ اور حیرت و فکرانگیز
معلومات، واقعات سبق آموز قصے اور علمی لطائف کا منتخب مجموعہ

مولانا عبدالرحمٰن راشد

تقریظ
حضرت مولانا نورالبشر صاحب
استاد حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق

مجموعہ خطوطِ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ نامور عالم دین، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، مورخ اور کئی دینی اور علمی کتب کے مصنف تھے۔ان سب خصوصیات کے ساتھ ساتھ وہ ایک شیریں گفتار مقرر بھی تھے۔مولانا کی کئی کتابیں مثلاً النبی الخاتم ﷺ، تدوین قرآن، تدوین حدیث، تدوین فقہ، امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی و دیگر بار بار شایع ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔مولانا گیلانی ایک جامع الکمال بزرگ تھے اور ان کی دیگر تحریروں کی طرح ان کے خطوط بھی وسعتِ مطالعہ، تبحر علمی، اصلاحی رنگ اور شگفتہ اور جاذب اسلوب تحریر کی عمدہ مثال ہیں۔اب تک مولانا کے خطوط پر خاطر خواہ کام نہ ہو سکا تھا محض ایک مختصر مجموعہ 'مکاتیب گیلانی' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں مونگیر (بہار) سے شایع ہوا تھا۔پیش نظر کتاب مولانا کے بکھرے ہوئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کا جامع ترین مجموعہ ہے۔اس کے مرتب جناب محمد راشد شیخ نے برس ہا برس کی تلاش و جستجو کے بعد مولانا کے سیکڑوں خطوط جمع کیے جن میں سے اکثر غیر مطبوعہ تھے۔اس کے علاوہ 'مکاتیب گیلانی' میں شایع شدہ خطوط بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔تمام خطوط پر بڑی محنت سے وضاحتی حواشی لکھے گئے ہیں جن میں اختصار، جامعیت اور افادیت کا خاص خیال رکھا ہے۔

ان شاء اللہ ''مجموعہ خطوطِ گیلانی'' نہ صرف ہمارے دینی ادب بلکہ اردو ادب کے ذخیرے میں بھی ایک یادگار مجموعہ خطوط ثابت ہوگا۔

مجموعہ خطوطِ گیلانیؒ

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے

دینی، علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی خطوط کا مجموعہ

محمد راشد شیخ

مکتبہ عمر فاروق